اسلامی مطالعات میں
ہندستانی غیر مسلموں کی خدمات

مرتب
ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی

ایفا پبلیکشنز، نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: اسلامی مطالعات میں ہندستانی غیر مسلموں کی خدمات
مرتب: ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
صفحات: 584
سن طباعت: 2024ء

باہتمام: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱-ایف، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: fiqhacademyindia@gmail.com

فون: 011-26981779


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱
اسلامی مطالعات اور ہندستانی غیر مسلم دانشوران	ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	۱۳
اسلامی علوم میں ہندستانی غیر مسلموں کی خدمات	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۹
اسلامی علوم میں ہندوؤں کی خدمات	پروفیسر اختر الواسع	۲۸

باب اول
قرآنی خدمات

قرآنیات پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی کاوشیں	ڈاکٹر صالح امین	۴۱
غیر مسلموں کے ہندوستانی زبانوں میں قرآن کے ترجمے	جناب محمد شیر علی	۵۱
غیر مسلم ملیالی دانشوران کی قرآنی خدمات	مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی	۶۲
ترجمہ وتفسیر قرآن کے میدان میں بنگالی غیر مسلم مفکرین کی خدمات	محترمہ روزینہ خاتون	۷۸
نند کمار اوستھی کی قرآنی خدمات۔ایک جائزہ	ڈاکٹر عمار عبد الحئی	۹۳
پنڈت سندر لال اپنی تصنیف ''گیتا اور قرآن'' کے آئینے میں	ڈاکٹر محمد عمر فاروق	۱۰۰

باب دوم
سیرت نبوی ﷺ پر تصنیفات

سیرت پیغمبر ﷺ پر غیر مسلموں کی تصنیفات	مفتی محمد عارف باللہ القاسمی	۱۲۱
ہندو مصنفین کی سیرت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ	مولانا امداد الحق بختیار	۱۴۱
ہندستان کے چند غیر مسلم سیرت نگار	پروفیسر سید علیم اشرف جائسی	۱۶۵

سیرت طیبہ پر ہندستانی غیر مسلموں کی تحریری خدمات	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۱۸۱
حضرت محمد ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	پروفیسر اقتدار محمد خان	۲۰۱
ہندوستانی غیر مسلموں کی سیرت نگاری: ایک جائزہ	ڈاکٹر محمد ممتاز عالم رضوی	۲۱۵
ہندوستان کے غیر مسلم مصنفین کی سیرت نگاری	ڈاکٹر محمد انظر ندوی	۲۳۴
سیرت پیغمبر ﷺ پر غیر مسلموں کی تصنیفات	جناب محمد منور کمال	۲۴۷
سیرت نبوی میں ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات	مولانا محمد صلاح الدین ایوبی	۲۵۹
سیرت نبوی کا مطالعہ سوامی لکشمن پرشاد کے حوالے سے	جناب شکیل الرحمٰن بن اکبر علی	۲۷۷
سیرت نبوی کا مطالعہ گوردت سنگھ دارا کے حوالے سے	مولانا محمد ثاقب راز	۲۸۸
''عرب کا چاند'' از سوامی لکشمن پرشاد۔ایک جائزہ	ڈاکٹر ندیم اشرف	۲۹۵
اسلامی علوم کے فروغ میں پنڈت سندر لال کی خدمات	مولانا محمد عزیر عالم	۳۰۰
سیرت نبوی پر پنڈت سندر لال کی خدمات	محمد مکرم، ڈاکٹر محمد ہاشم	۳۱۹

باب سوم

نعتیہ شاعری

نعت گوئی اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء	جناب محمد آصف	۳۲۷
نعتیہ شاعری اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء	مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۳۳۹
نعتیہ شاعری اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء	ڈاکٹر محمد احمد نعیمی	۳۶۲

باب چہارم

تہذیب و تاریخ پر تصنیفات

ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن اور غیر مسلم دانشوران	ڈاکٹر محمد سلمان خان ندوی	۳۸۷

اسلامی تاریخ وتہذیب اور پنڈت جواہر لال نہرو	جناب محمد سیف انور	۳۹۷
مسلم تاریخ وتہذیب میں آنند رام مخلص کی تصنیفی خدمات	جناب عامر فہد	۴۰۹
مسلم تہذیب پر ہندوستانی اثرات تاراچند کے افکار کا مطالعہ	جناب محمد ثاقب	۴۲۰
ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات تاراچند کے حوالے سے	جناب محمد احتشام الحسن	۴۳۱

باب پنجم

اسلامیات وافکار

علوم اسلامی کے فروغ میں سکھوں کی خدمات-ایک اجمالی جائزہ	ڈاکٹر محمد حبیب	۴۴۷
اسلامیات میں ہندوستانی غیر مسلموں کی انگریزی تصنیفات	ڈاکٹر مفتی محمد اعظم ندوی	۴۵۵
اسلامی مطالعات میں بنگال کے غیر مسلموں کی خدمات	ڈاکٹر سید عبدالرشید	۴۶۷
دکنی ہندو مصنفین کی اسلامک اسٹڈیز میں خدمات	مفتی امانت علی قاسمی	۴۷۹
اسلامیات پر ہندوستانی غیر مسلموں کی چند اہم تصانیف	ڈاکٹر سید شاہ وحید اللہ حسینی	۴۹۲
عربی اور اسلامی علوم میں کرنل بی کے نارائن کا حصہ	پروفیسر مظفر عالم	۵۱۲
راجا رام موہن رائے کا تصور توحید اور تحفۃ الموحدین	جناب محمد لعل چاند شیخ	۵۲۰
علوم اسلامیہ میں مالک رام کی خدمات: ایک جائزہ	ڈاکٹر محمد ابرار الحق	۵۴۳
مالک رام ایک مطالعہ: اسلامیات کے حوالے سے	ڈاکٹر محمد حاذق	۵۵۵
اسلامی تعلیمات: مسٹر اڈیار کی نظر میں	ڈاکٹر مفتی محمد شرف عالم	۵۶۴
منشی نول کشور: شخصیت اور خدمات	ڈاکٹر کمال اشرف	۵۷۲

☆☆☆

ابتدائی حصہ

پیش لفظ

ہندستان دنیا بھر میں اپنی رواداری اور کثرت میں وحدت کے نظریہ کے لیے مشہور رہا ہے، یہاں بہت ساری قومیں آئیں اور یہیں جذب ہوکر رہ گئیں، بہت سارے مذاہب نظریات اور تحریکوں نے جنم لیا اور اختلاف رائے کے باوجود آج بھی شیر وشکر ہوکر رہ رہی ہیں، مخالف نظریات کے ساتھ نباہ کرنا مختلف قومیتوں، مذاہب اور فرقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہندوستان کا امتیازی وصف رہا ہے۔

خانہ بدوش آریہ دنیا بھر میں گھومتے پھرتے ہندستان آئے اور یہیں بس گئے، ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں کے قافلے نے یہاں کا رخ کیا اور اسی سرزمین میں وہ بھی بستے گئے، مسلمانوں کے علوم وفنون اور تہذیب وافکار سے ہندستان بھی متاثر ہوا اور ہندستانی علوم وفنون اور تہذیب وافکار سے مسلمان بھی متاثر ہوئے، اس کا واضح نمونہ علامہ بیرونی کی ''کتاب الہند'' ہے۔

مسلمان شروع میں اس سرزمین کے لئے اجنبی تھے، لیکن یہاں کی تہذیب وتمدن اور علوم وافکار نے انہیں مقامی علوم ومعارف میں خود میں دلچسپی لینے پر متوجہ کیا، چنانچہ مسلمان علماء نے ہندو مذہب اور اس کے علوم وافکار میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دیا، اور ان سے فائدہ بھی اٹھایا، اسی کے ساتھ خود برادران وطن بھی مسلمانوں سے متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی ان کے علوم وافکار میں گہری دلچسپی لی، اس کی دو وجہیں تھیں، اول: یہ کہ مسلمان فاتحانہ حیثیت سے آئے تھے اور فاتحین کے علوم وفنون میں مفتوحین کی دلچسپی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، دوسرے: مسلمانوں کے علوم وافکار زیادہ تر فارسی زبان میں تھے اور فارسی زبان چونکہ سرکاری اور درباری زبان تھی اور برادران وطن بھی دنیاوی ترقی کے لئے ان زبانوں کو سیکھنے پر مجبور تھے تو ان کے لئے مسلمانوں کے علوم وفنون سے استفادہ نسبتاً سہل تھا۔

اسلامی علوم وافکار کے مطالعہ میں ہندستانی برادران وطن کی جو خدمات رہی ہیں، وہ ہمہ گیر

اور وسیع نوعیت کی ہیں، جو قرآنیات، حدیث وفقہ، تاریخ وادب اور دیگر اسلامی وعربی علوم وفنون پر محیط ہیں، اسلامی مطالعات میں برادران وطن کا جو اہم حصہ رہا ہے، وہ نہ صرف تحقیق کا اہم موضوع ہے بلکہ اس سے قومی یکجہتی کے تصور کو بھی بڑی تقویت ملتی ہے اور آج کل کے ماحول میں جب مسلمانوں کے وجود کو ہندستانی عنصر ماننے سے انکار کیا جارہا ہے، اس طرح کی تحقیق سے غلط نظریات ومفروضات کی علمی وتحقیقی تردید ہوتی ہے جو نہایت موثر ہے۔

''اسلامی مطالعات میں ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات'' پر منعقدہ سمپوزیم میں ملک بھر کے ریسرچ اسکالر کو دعوت تحقیق دی گئی، اور پانچ ابواب کے تحت مختلف موضوعات پر ان سے مقالے لکھوئے گئے، پہلا باب برادران وطن کی قرآنی خدمات، دوسرا باب فطری طور پر سیرت النبی سے متعلق غیر مسلم حضرات کی تصنیفات، تیسرا باب سرور کائنات کی مدح میں برادران وطن کی کاوشیں، چوتھا باب تہذیب وتاریخ سے متعلق اور پانچواں باب اسلامی علوم وافکار پر تھا، ہر باب میں اہم عنوانات پر مقالے لکھے گئے جس سے اسلامی مطالعات کے باب میں برادران وطن کی کاوشوں پر تفصیلی معلومات سامنے آئیں، یہ سمپوزیم مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے اشتراک سے منعقد ہوا، مولانا فہیم اختر ندوی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے سمپوزیم میں پڑھے گئے مقالات کو مرتب کیا ہے، اس مجموعہ مقالات کی اشاعت سے نہ صرف ہمارے غیر مسلم ہندوستانی بھائیوں کی اسلامی علوم سے دلچسپی عام ہوگی؛ بلکہ قومی یکجہتی کے تصور کو بھی استحکام ملے گا، امید ہے کہ سمپوزیم میں پڑھے گئے ان مقالات کو پذیرائی حاصل ہوگی اور اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کرنے کی راہیں ہموار ہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

۵ رصفر ۱۴۴۶ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۰ راگست ۲۰۲۴ء — (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

اسلامی مطالعات اور ہندستانی غیر مسلم دانشوران

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی

اسلامی مطالعات کا موضوع ہمہ پہلو اور ہمہ جہتی ہے۔ جہاں اس میں اسلام کا مطالعہ، اس کے مذہبی علوم اور زندگی کے مختلف معاملات سے متعلق اسلامی فکر ونظر کے حوالے سے کیا جاتا ہے، وہیں دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہونے والے مسلم سماج کی ثقافتی اور تہذیبی تنوع کا بھی سیاسی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اسلامی مطالعات کا ایک اہم میدان تصوف کے حوالہ سے ہونے والے علمی وعملی کام اور صوفیائے کرام کی خدمات وتعلیمات کا مطالعہ بھی ہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ اسلامی مطالعات کے مختلف موضوعات پر غیر مسلم دانشوروں اور اہل علم نے بھی اہم کام انجام دیئے ہیں، اس ضمن میں استشراق کا موضوع اور مستشرقین کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں، ساتھ ہی ہندوستان کے غیر مسلم دانشوروں اور اہل علم کی حصہ داری بھی بہت باوزن اور انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

ہندوستان کے ساتھ اسلامی مطالعات کا رشتہ علمی گیرائی بھی رکھتا ہے اور طویل تاریخی تعلق بھی۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں تاریخ کے طویل دورانیوں میں مسلم حکومتیں قائم رہی ہیں، انہوں نے علمی قدر دانی اور اہل علم کی سرپرستی پوری فراخدلی کے ساتھ کی۔ مرکزی سطح پر دہلی سلطنت اور مغلیہ حکومت کے طویل دور کے علاوہ علاقائی طور پر قائم ہونے والی گجرات، مالوہ، جونپور، کشمیر، بنگال اور دکن کی بہمنی اور مابعد بہمنی دور کی وہ ساری حکومتیں جن میں سے متعدد نے ڈیڑھ سو اور دو سو برس کے آس پاس حکومتیں کیں، ان کے زمانوں میں سرکاری سرپرستی کی وجہ سے بہت سے ایسے علمی

کام انجام پائے، پھر برطانوی دورحکومت میں اور ملک کی آزادی کے بعد متعدد ایسے اہل قلم اور اہل علم سامنے آتے رہے جن کا علمی اور تحقیقی کام اسلامی مطالعات سے تعلق رکھتا ہے۔

ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں نے اسلامی مطالعات کے میدان میں جو علمی کام کئے ہیں ان کا تعلق قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر، پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت، اسلام کی تعلیمات، نعتیہ شاعری، اسلامی تہذیب وتمدن اور بالخصوص مسلم تاریخ کی کتابوں کی تیاری سے متعلق ہے۔ صوفیائے کرام کی وسیع المشربی سے اثر پذیری لیتے ہوئے تصوف کی روایات اور تعلیمات بھی غیر مسلم دانشوروں کی دلچسپی کا موضوع رہے ہیں۔

عہد وسطیٰ کے مقابلہ میں معاصر دور کے اندر اس میدان میں نسبتاً زیادہ کام انجام پائے ہیں، اسلامی موضوعات پر اور بالخصوص اسلامی علوم کے بنیادی مضامین پر شرعی کتابوں کی تحقیق اور طباعت کے میدان میں منشی نول کشور کی زریں خدمات اہل علم کی نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ منشی صاحب نے وقت کے نامور علماء اور محققین کی خدمات حاصل کر کے قرآن وتفسیر، حدیث وشروح حدیث اور فقہ وفتاویٰ وغیرہ کی جن بنیادی اسلامی مصادر کی کتابوں کی تحقیق کرائی اور شایان شان اہتمام کے ساتھ اپنے مطبع میں ان کی طباعت انجام دی، ان کی طویل فہرست سینکڑوں کتابوں پر مشتمل ہے۔ قرآن، اس کی تفسیر اور علوم القرآن کے میدان میں کئی اہم کام انجام پائے ہیں۔ ونے کمار اوستھی نے تفسیر ماجدی کا ہندی ترجمہ (مطبوعہ 1983) کیا، ان کے والد نند کمار اوستھی نے بھی ہندی زبان میں قرآن کا ترجمہ (مطبوعہ 1949) کیا۔ چلوکوری نارائن راؤ نے تلگو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ (مطبوعہ 1930) کیا۔ نیز کئی علاقائی زبانوں میں غیر مسلم اسکالرز نے قرآن کے ترجمے کئے۔ ان کے علاوہ آچاریہ وینوبا بھاوے کی کتاب The Essence of the Quran، آر بی ہرش چندر کی کتاب Khuda-Quranic Philosophy، او پی گھائے کی کتاب Selections from the Quran علوم القرآن کے موضوع پر اہمیت رکھتی ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ پر سندر لال نے 'حضرت محمد اور اسلام' لکھی، سوامی لکشمن نے 'عرب کا چاند' نامی ضخیم کتاب اس موضوع پر لکھی، اسی طرح پنڈت وید پرکاش

اپادھیائے کی ہندی کتاب 'نراشنس اور آخری رسول' اہمیت کی حامل تصنیف ہے۔

غیر مسلم دانشوروں نے تاریخی کتابوں کی تیاری میں اہم کارنامے انجام دئے ہیں۔ چنانچہ بندرابن داس بہادر شاہی کی کتاب ''لب التواریخ'' عہد سلطنت، گجرات، برہانپور، دکن، خاندیش، کشمیر، جونپور اور بنگال کی تاریخ پر اہم دستاویز ہے۔ منشی سجان رائے بٹالوی کی ''خلاصۃ التواریخ'' میں آغاز عالم سے لیکر مغلیہ دور میں عہد عالمگیری تک کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ منشی رام سہائے تمنا کی احسن التواریخ، افضل التواریخ اور اشرف التواریخ 'اودھ کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ماسٹر رام چندرا نے ''تذکرۃ الکاملین'' لکھ کر اسلامی تاریخ اور مسلم سماج کی چند اہم شخصیات میں سے ابن سینا و رومی، سعدی و حافظ، عرفی و فردوسی، ابوالفضل و فیضی اور محبوب الٰہی و امیر خسرو کی سوانحی تاریخ محفوظ کی ہے۔ اسی طرح آنند رام مخلص نے 'بدائع وقائع' لکھی جس میں عہد مغلیہ کے دور زوال کے اہم تاریخی واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ پنڈت رام کرن جوشی نے ''تاریخ پرگنات ٹونک'' میں اس علاقہ کی تاریخ کو درج کیا ہے۔ منشی بساون لال شاداں کی 'امیر نامہ' تاریخ ٹونک پر، لچھمی نرائن شفیق کی 'مآثر آصفی'، گردھار لال احقر کی 'تاریخ ظفرہ' حیدرآباد کی تاریخ پر، اور رتن سنگھ زخمی کی 'سلطان التواریخ' اودھ کی تاریخ پر قیمتی کتابیں ہیں۔

نعتیہ شعر و شاعری کا موضوع بھی متعدد غیر مسلم شعراء کی دلچسپی اور اظہار عقیدت کا موضوع رہا ہے۔ اس میدان میں دلورام کوثری، مہاراجہ سرکشن پرشاد، منشی شنکر لال ساقی، منوہر لعل بہار، جگن ناتھ آزاد جیسے شعراء قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں غیر مسلم دانشوروں کے قلم سے وجود میں آئی ہیں۔ آخری دور میں مالک رام کی تصنیفات، اسلامیات، اور 'عورت اور اسلامی تعلیم' موہن داس کرم چند گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر تارا چند اور ڈاکٹر بی این پانڈے کی مطالعات اسلامی کے حوالے سے تصنیفی و تحقیقی خدمات زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

اس طرح اسلامی مطالعات کے متنوع پہلوؤں پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی حصہ

داری قابل قدر اور اہم ہے، ضرورت ہے کہ ان قیمتی کاموں کو سامنے لایا جائے، ان کی تفصیلات اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچائی جائیں، اور ان کی قدر و قیمت کا جائزہ لیتے ہوئے نئی نسل کو اس بیش قیمت سرمایہ سے روشناس کرایا جائے۔ یہ وطن عزیز میں ہندوستانی حصہ داری کو نمایاں کرنے والا قدم ہوگا، جس سے علمی ماحول کی وہ زرخیز زمین تیار ہوگی جہاں سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی احترام وخوشگواری کے خوبصورت گل و بوٹے نکلیں گے۔

اسی پس منظر میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز نے اس موضوع پر ایک قومی سیمینار منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ اس سیمینار کے انعقاد میں ملک کے نامور علمی اور تحقیقی ادارہ 'اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا' دہلی نے بہ خوشی اشتراک قبول کیا، اور بھرپور تعاون پیش کیا، دہلی کے ادارہ 'خسرو فاؤنڈیشن دہلی' نے بھی اس اہم سیمینار میں اشتراک پر رضامندی دی، اسی طرح حیدرآباد کے مشہور ادارہ 'ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ' نے بھی اس میں شرکت قبول کی۔ ان اداروں کے اشتراک کی وجہ سے سیمنار کی وقعت میں اضافہ ہوا۔

سمینار کے لئے مرکزی موضوع کے تحت درج ذیل ذیلی عنوانات طے کر کے کسی موضوع پر مقالہ تیار کرنے کی گذارش کی گئی تھی:

1۔ **علوم اسلامیہ کے میدان میں ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات**

ہندوستانی دانشوران اور ترجمہ وتفسیر قرآن اور علوم قرآن

سیرت پیغمبر ﷺ پر غیر مسلموں کی تصنیفات

نعتیہ شاعری اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء

2۔ **تہذیب وتمدن اسلامی کے موضوع پر ہندوستانی غیر مسلموں کی تاریخی تصنیفات**

ہندوستانی مسلم تہذیب وتمدن کی تاریخ

ہندوستان کی علاقائی تہذیبی تاریخ پر غیر مسلموں کی کتابیں

اسلامی تہذیب وتمدن غیر مسلم مصنفین کی نظر میں

3۔ **ہندوستان اور اسلام کا باہمی تہذیبی لین دین۔تصنیفات کے تناظر میں**

مسلم تہذیب وثقافت پر ہندوستانی اثرات

ہندوستانی تمدن پر اسلام کے اثرات

4۔ **اسلامی افکار وتعلیمات اور ہندوستانی غیر مسلم مصنفین**

اسلامی تعلیمات پر ہندوستانی غیر مسلم مصنفین کی کتابیں

اسلامی افکار ونظریات کے موضوع پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوراوں کی علمی خدمات

مؤرخہ 28 فروری 2023 کو یہ سمینار یونیورسٹی کے احاطہ میں پورے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوا۔ملک بھر سے اہل علم وتحقیق نے سمینار کے لئے اردو اور انگریزی زبانوں میں قیمتی مقالات لکھے تھے۔شیخ الجامعہ پروفیسر عین الحسن کی صدارت میں افتتاحی نشست' اور مسجل جامعہ پروفیسر شیخ اشیاق احمد کی صدارت میں اختتامی نشست کے علاوہ تین علمی نشستیں یہاں منعقد کی گئیں، جو براہ راست مانو کے IMC یوٹیوب چینل پر نشر کی گئیں۔اس کے ساتھ ہی چھ نشستیں متوازی طور پر آن لائن منعقد ہوئیں۔سمینار میں مرکزی موضوع کے مختلف پہلوؤں پر قیمتی اور تحقیقی مقالات پیش کئے گئے۔حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی' اور پروفیسر اختر الواسع ، چیرمین خسرو فاؤنڈیشن دہلی نے نہایت قیمتی کلیدی خطاب پیش کئے۔جبکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر اقتدار محمد خاں' صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز' جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، اور ڈاکٹر پیکم ٹی سموئیل' ڈائرکٹر ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز' حیدرآباد کے پرمغز اور مفید خطابات ہوئے۔

زیر نظر کتاب میں سمینار میں پیش ہوئے اردو زبان کے بیشتر مقالات عناوین کی ترتیب سے مرتب کئے گئے ہیں، بعض مقالات میں ہلکے پھلکے حذف بھی کئے گئے ہیں، خصوصیت کے ساتھ شعری نمونوں میں ضخامت کے پیش نظر طویل نعت یا نظم میں سے کچھ حصے ہی لئے گئے ہیں۔ چند مقالات میں زبان وبیان کی ہلکی اصلاح بھی کی گئی ہے۔کتاب کے ابتدائی حصہ میں دونوں کلیدی خطاب شامل کئے گئے ہیں جو اپنے موضوع پر جامع تحریریں ہیں۔

ہمیں احساس ہے کہ موضوع کے کچھ پہلوؤں پر مقالات نہیں آسکے، اور وہ تشنہ رہ گئے ہیں، جیسے تصوف اور سوانحی موضوعات پر مقالات نہیں آئے۔ بعض موضوعات پر مقالات کے درمیان مضامین کی تکرار ہے، لیکن چونکہ ہر مقالہ نگار نے الگ اسلوب میں اور مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا تھا' اس لئے اسے باقی رکھا گیا ہے، گو کہ یہ حصہ بہت قلیل ہے۔ ان تیاریوں کے بعد اب یہ کتاب آپ قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم اضافہ بنے گی، اور ملک کے ماحول میں اس کی افادیت محسوس کی جائے گی۔ کوشش ہے کہ جلد ہی انگریزی مقالات کو بھی مرتب کیا جائے اور سامنے لایا جائے، ان شاء اللہ انگریزی داں طبقہ کے لئے وہ بھی اپنے موضوع پر ایک منفرد چیز ہوگی، اور ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔

محمد فہیم اختر ندوی، مانو' حیدرآباد

11 اگست 2023ء

اسلامی علوم میں ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه جمعين۔ ما بعد!

صدر عالی قدر، معزز اساتذۂ کرام مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حاضرین کرام!

دنیا کے نقشہ میں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے، جو صدیوں سے مذاہب کا گہوارہ رہا ہے، آج اگر امریکہ و یورپ میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ رہتے اور بستے ہیں تو یہ قابل تعجب نہیں؛ اس لئے کہ یہ مختلف ملکوں سے تعلیم اور کسب معاش کے لئے مغربی دنیا میں پہنچے ہیں، یہ تارکین وطن وہ ہیں جن کو مغرب نے زبردستی اپنا غلام بے دام بنالیا تھا، اہل مغرب نہ صرف نو آبادیاں قائم کرتے تھے اور وہاں کے مقامی لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھتے اور ان کے معاشی وسائل سے فائدہ اٹھاتے تھے؛ بلکہ چونکہ خود ان کے یہاں زرعی ماہرین کی کمی تھی اور جفاکش مزدور دستیاب نہیں تھے؛ اس لئے وہ مشرقی ملکوں سے لوگوں کے ایک انبوہ کو پکڑتے اور اپنے ملکوں کو لے جاتے اور ان سے مفت مزدوری کا کام لیتے، پھر ان مزدوروں کو آزادی اور عزت و وقار سے محروم رکھتے جن کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی۔

ان مظلوم مزدوروں کی کئی نسلیں گزر گئیں، اور آنے والی نسلیں ان ہی ملکوں کا باشندہ قرار پائے، آباء واجداد کی پیشانی پر غلامی کا جو داغ لگایا گیا تھا، وہ آہستہ آہستہ مدھم ہوتا گیا، پھر ان کے ہم نسل لوگوں کا بھی ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کی طرف سفر ہوا، ایک تو اس لئے کہ ان کے نسل کے لوگ

وہاں موجود تھے، دوسرے اس لئے کہ مغربی استعماریت پسندوں نے ان ملکوں کو معاشی اعتبار سے کنگال کر دیا تھا اور انہیں مغرب میں ملازمت کے مواقع حاصل ہوئے، یہ مجبوری تھی جس نے آج کے ترقی یافتہ ملکوں میں مختلف مذہبی گروہوں کو جمع کر دیا ہے اور اب لادینی ریاست کے تصور نے ان کو آزادی سے ہمکنار کر دیا ہے۔

لیکن ہندوستان میں مختلف مذاہب کے ماننے والے شیر وشکر ہو کر ایک قوم کی طرح رہے، انھوں نے اپنی مرضی سے اپنے پسندیدہ مذہب کو قبول کیا اور اس پر عمل بھی کرتے رہے، وہ ایک آزاد قوم کی طرح اس سرزمین میں رہے، اس لئے وہ ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ بھائیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، ایک قوم کی دوسری قوم پر حکومت نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ ایک بادشاہ، مہاراجہ کی اس زمانہ کے دستور کے مطابق حکومت ہوتی تھی اور بحیثیت رعایا تمام قوموں کے افراد برابر ہوتے تھے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوتے تھے، دیکھا جائے تو ہندوستان میں محمد بن قاسم کی آمد سے 1857ء تک مختلف بادشاہ گزرے، وہ الگ الگ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن ایک پوری قوم اور ایک پورا خاندان حکمراں نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ ایک فرد کی حکمرانی ہوتی تھی اور بحیثیت رعایا سب لوگ برابر ہوتے تھے، انصاف کا پیمانہ ایک ہی ہوتا تھا، فوج اور نظم حکومت میں سبھوں کی شمولیت ہوتی تھی، تعلیم کا دروازہ سب پر کھلا ہوا تھا۔

یہ آزادی اور مساوات کا نتیجہ تھا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں بستے اور رہتے تھے، اگر ایک خاندان کے باشاہ پر دوسرے خاندان کے حکمران حملہ آور ہوتے تو پوری قوم مل کر ان کا مقابلہ کرتی، اگر ہندو مہاراجہ کی رعایا مسلمان ہوتی تو وہ اپنے راجہ کی حمایت میں مسلمانوں سے بھی لڑتے تھے۔ اور اگر مسلمان بادشاہ کی کسی سے جنگ ہوتی، چاہے وہ غیر مسلم راجا ہی کیوں نہ ہو، تو ان کی رعایا کے ہندو بھی پوری قوت کے ساتھ اپنے بادشاہ کا دفاع کرتے تھے، کہیں یہ تصور نہیں تھا کہ ایک قوم دوسری قوم کی غلام ہے، افسوس کہ موجودہ دور میں کچھ نفرت کے سوداگر شہر سے دیہات تک نفرت کا زہر پھیلا رہے ہیں، اس سرزمین میں محبت و بھائی چارے کا جو رنگ تھا، اس کو انھوں نے بھلا

دیا، ان کو محبت کی مٹھاس کے بجائے نفرت کی کڑواہٹ میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ ملک کے ہندو اور مسلمان بزرگوں نے ایک دوسرے کی مذہبی کتابوں اور شخصیتوں کے بارے میں جو محبت واحترام کا رویہ اختیار کیا ہے، اس کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا جہاں جدید فقہی مسائل پر غور کرتی ہے، اور مسلمانوں کے سماجی اور معاشی مسائل کو غور وفکر کا موضوع بناتی ہے، وہیں وہ ایسے موضوعات کو بھی اٹھانے کی کوشش کرتی ہے، جن کے ذریعہ سماجی ہم آہنگی پیدا ہو، مذہبی منافرت کا جذبہ دور ہو اور پورے ملک میں ایک دوسرے کے تئیں برادر وطن اور برادر انسانیت کے جذبہ کو ابھارا جائے؛ اس لئے اکیڈمی نے غیر مسلموں کے حقوق، مسلم غیر مسلم تعلقات، مسلمان اقلیت کے مسائل اور اکثریت کے ساتھ ان کے روابط، مختلف مذاہب کا تعارف اور ان کے مشترکہ قدروں کی تلاش جیسے اہم موضوعات پر متعدد سیمینار کئے ہیں۔ اکیڈمی اپنے پروگراموں کے لئے کوشش کرتی ہے کہ تعلیمی اداروں میں ان کا انعقاد ہو، اسی لئے اس نے ایک طرف دیوبند، ندوہ، سبیل الرشاد بنگلور، جامعہ دار السلام عمر آباد اور ان جیسے معتبر اداروں میں پروگرام منعقد کئے، نیز دوسری طرف عصری درس گاہوں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، ہمدرد یونیورسٹی دہلی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ، کشمیر یونیورسٹی سری نگر اور مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد جیسے اداروں میں اپنے پروگرام رکھے اور علمی دنیا تک اپنا پیغام پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

حضرات!

یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں ہندو بزرگوں نے اسلامی علوم بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بہت فراخ دلی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، اور مسلم مصنفین وشاعروں نے بھی ہندو مقدس شخصیتوں کے بارے میں بہت احترام کے ساتھ اپنی باتیں کہی ہیں، مسلم حکمرانوں میں اکبر نے متعدد ہندو مذہبی مآخذ کو فارسی میں منتقل کرایا، اس نے ''رزم نامہ'' کے نام سے مہابھارت کا ترجمہ کرایا، جو کوروں اور پانڈوؤں کی داستان جنگ ہے، اس نے بھگوت گیتا کا ترجمہ کرایا جو شری کشن جی کے مواعظ ونصائح کا مقبول مجموعہ ہے، اس نے رامائن اپنیشد اور اتھروید کا ترجمہ کرایا۔ (رود کوثر: 164) علامہ شبلی

نعمانی نے اپنے مضمون میں متعدد مسلم حکمرانوں کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے ہندوؤں کے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا سنسکرت سے عربی وفاری میں ترجمہ کرایا، مسلمانوں کے معتبر علماء نے کبھی ہندو بھائیوں کی مقدس شخصیتوں کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کہی؛ بلکہ ان کا نام احترام کے ساتھ لیا، علماء نے یہ تصور بھی دیا ہے کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اکثر قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تعلیمات کو مسخ کر دیا اور پس پشت رکھ دیا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہندو بھائی جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، وہ اصل میں خدا کے پیغمبر رہے ہوں۔ یہ ایسا تصور ہے کہ جو مسلمانوں کو اسلامی نقطہ نظر سے اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ جائز حدود میں ان شخصیتوں کے احترام کو ملحوظ رکھیں، اور ان کی بے احترامی سے اپنی زبان وقلم کو بچائیں، اب یہی دیکھئے کہ علامہ اقبال جیسے بلند پایہ اسلامی شاعر نے شری رام جی کو ''امام الہند'' کا لقب دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں صدیوں حکومت کرنے کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار قدیم ترین مندر یہاں اپنی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہیں، جن کو کسی حکمراں نے چھوا تک نہیں، ظاہر ہے کہ یہ مذہبی رواداری کی واضح مثال ہے۔

اسی طرح ہندو مصنفین نے بھی اسلامی علوم کی بہت ہی نمایاں خدمات انجام دی ہیں؛ چنانچہ پریم سرن پرنت نے قرآن مجید کا ترجمہ دیوناگری میں کیا جو 1940ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ یہ سورہ انعام تک کا ترجمہ ہے۔ 1938ء میں چلوکوری نرائن را کا ترجمہ قرآن اشاعت پذیر ہوا، جو آندھرا پردیش میں لسانیات کے استاذ تھے۔ ان کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن مجید امن کا داعی ہے۔ 1974ء میں رمیش لوکیش راؤ نے تلگو زبان میں قرآن مجید کی 1065/آیات کا ترجمہ کیا، جس کی حیدرآباد ہی سے اشاعت ہوئی۔ سیتا دیو ورما کا ترجمہ قرآن 1990ء میں شائع ہوا، یہ سنسکرت زبان میں ہے اور اس کا نام ''سنسکرتم قرآنم'' ہے۔ سیتا دیو جی نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے کچھ حصہ کا ترجمہ کیا ہے، جو 1914ء میں شائع ہوا۔ بنگالی زبان میں گریش چندر نے تین جلدوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے، جس کی اشاعت 1886ء میں ہوئی ہے۔ قرآن مجید کا ایک محتاط ہندی ترجمہ ونے کمار اوستھی نے کیا ہے، جو 1983ء میں شائع ہوا ہے، یہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمہ سے

مستفاد ہے، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس پر مقدمہ لکھا ہے۔ اس موقع پر مشہور و مقبول ہندو مذہبی رہنما ونوبا بھاوے کی ''روح القرآن'' کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی، یہ منتخب آیات کا ترجمہ ہے۔

شرکاء گرامی!

قرآن مجید کے بعد اسلامی علوم میں سب سے زیادہ اہمیت سیرت نبوی کو حاصل ہے، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہندو اہل علم نے بہت فراخ دلی کے ساتھ اپنی نگارشات پیش کی ہیں، ہندوستان کے ادباء میں پریم چندر (1936-1885ء) کا نام کون نہیں جانتا، وہ ایک کامیاب افسانہ نگار اور ناول نگار تھے، انھوں نے اسلامی تہذیب پر اپنے مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کئے ہوئے تصور مساوات کو پوری قوت وانصاف کے ساتھ پیش کیا ہے، پروفیسر راما کرشن راؤ نے Mohammad The Prophet of Islam کے عنوان سے سیرت پر مختصر رسالہ لکھا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے علاوہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہت سے اعتراضات کے جواب بھی دیئے ہیں، ڈاکٹر این کے سنگھ ڈائریکٹر انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز دہلی نے اپنی کتاب Prophet Mohammad and his Companions میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سیرت پر پورے انصاف وعظمت کے ساتھ گفتگو کی ہے، جناب راجندر نارائن لال نے ''اسلام، ایک خدائی نظام'' کے عنوان سے ہندی میں ایک کتاب لکھی ہے، اور بہت سیر چشمی کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اور تعجب کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں فتح مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں گئی، جب کہ دیگر دھارمک پرانوں کے قصوں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کے ذریعہ سے مخالفین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے، سوامی لکشمی آچاریہ (مولود: 1953ء) ابھی باحیات ہیں، انھوں نے ہندی میں ''اسلام آتنک واد یا آدرش؟'' لکھی ہے جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بہت ہی انصاف اور خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، ہندوستان میں اسلام کے بارے میں پھیلائی

جانے والی غلط فہمیوں کا پردہ بھی چاک کیا ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

'' پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں سچائی اور امن کا قیام اور دہشت گردی کی مخالفت ہے؛ لہٰذا اسلام کو تشدد اور دہشت گردی سے جوڑنا سب سے بڑا جھوٹ ہے، اگر کوئی (تشدد) کا واقعہ ہوتا ہے تو اس کو اسلام سے یا پوری مسلم امت سے جوڑا نہیں جا سکتا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہندوستان کے غیر مسلم بھائیوں نے بڑی اہم کتا ہیں اور رسائل لکھے ہیں جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام: شردھے پرکاش دیوجی (طبع اول لاہور: 1907ء)

☆ رسول عربی: گرودت سنگھ دارا (طبع اول اعظم گڑھ: 1924ء)

☆ حیات محمد: گووندداس جنڈ ہوک بیکانیری (طبع چمن لال ساہنی اینڈ برادرز لاہور: 1932ء)

☆ پیغمبر اسلام: پنڈت سندر لال (سلیمی پریس الٰہ آباد: 1933ء)

☆ آفتاب حقانیت یعنی عرب کا چاند: سوامی لکشمن پرشاد، روڈی پنجاب (1934ء)

☆ حضرت محمد اور اسلام: ڈاکٹر پنڈت سندر لال (طبع اول الٰہ آباد، 1942ء)

☆ حضرت محمد اور اسلام: بابو کنج لال ایم اے (جید برقی پریس دہلی)

☆ پیغمبر اسلام: رگھوناتھ سہائے (یہ دراصل میلاد نامہ ہے)۔

☆ گوبندرام سیٹھی پرشاد: اتحاد پریس لاہور (1943ء)

☆ حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری: پروفیسر لاجپت رائے

☆ پیغمبر صحرا، کے ایل گابا (دہلی: 2004ء) انگریزی سے ترجمہ پروفیسر احمد الدین مارہروی، یہ The Prophet of the Desert کا اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب مصنف نے اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد لکھی ہے، مصنف نے اس کو اپنے مسلم نام خالد لطیف گابا (K.L.

Gauba) کے نام سے شائع کیا ہے؛ لہٰذا اس کو غیر مسلم مصنفین کی کتب میں شمار نہیں کرنا چاہئے۔

محترم سامعین!

اگر شعر وسخن کی طرف آئیں تو ہندو شعراء نے جس محبت وفراخ دلی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ اشعار کہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، یہاں چند ناموں کا ذکر مناسب ہوگا:

مہاران کلیان سنگھ (1822-1749ء) دہلی کے رہنے والے تھے، اور عاشق تخلص اختیار کرتے تھے، وہ اپنی نعت میں کہتے ہیں:

محمد ہیں محبوب پروردگار
محمد ہیں، مطلوب پروردگار

مرزا غالب کے فیض یافتہ شنکر لال (1890-1860ء) جو ساقی تخلص کرتے تھے، اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیال اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے

پندت امرناتھ مون ساحر (1942-1863ء) کی نعت کا ایک شعر ہے:

ہے سایۂ نور باعث ایجاد ومغفرت
جس کے وجود جود سے رحمت نہال ہے

سلطنت آصفیہ کے وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد شاد (1940-1864ء) کی نعتوں کا مجموعہ ''ہدیۂ شاد'' طبع ہو چکا ہے، انھوں نے مدحت نبوی میں بڑے خوبصورت اشعار کہے ہیں، اور اپنی نعت گوئی پر جذبہ شکر کے ساتھ کہتے ہیں:

مشغلہ نعت نبی کا ہے مجھے شکر خدا
بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقدر مجھ کو

نعتیہ ادب کی دنیا میں چودھری دلّو رام کوثری (1882-1933ء) کا نام بھی ایک حرف روشن کی طرح ہے، انھوں نے ایسے عقیدت مندانہ اشعار کہے ہیں کہ ان سے جو شخص واقف نہ ہو، اس کو شبہ بھی نہ ہوگا کہ یہ کسی ہندو کا شعر ہے، ایک نعت کے مقطع میں خود اپنے بارے میں کس خوبصورتی کے ساتھ کہہ گئے ہیں:

لے کے دلّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب
غل ہوا، ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

ہندو شعرا نے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑے خوبصورت سلام بھی کہے ہیں، اس سلسلہ میں جگن ناتھ آزاد کا سلام دنیائے نعت میں ستاروں کے درمیان چاند کی طرح ہے، جس کا اختتام اس بامعنی شعر پر ہوتا ہے:

سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا

بارگاہ نبوت میں ہندو شعرا کا خراج عقیدت ایسا عنوان ہے، جس کے لئے ایک مضمون یا ایک خطبہ کافی نہیں، کتاب یا کتاب کی کئی جلدیں مطلوب ہیں، بہرحال اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں میں ایک دوسرے کے مذہبی مقدسات کا کس درجہ احترام تھا۔

اسلامی علوم کی خدمت کا ایک اہم پہلو نشر واشاعت ہے؛ چنانچہ بہت سے غیر مسلم ناشرین اور مطابع نے اسلامی کتابوں کی اشاعت کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے، اس سلسلہ میں منشی نول کشور کا نام سب سے اوپر ہے، وہ 1836ء میں پیدا ہوئے اور 1858ء میں انھوں نے نول کشور پریس اور بکڈپو قائم کیا، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے 1858ء سے 1950ء تک چھ ہزار کتابیں شائع کیں، ان کی نشریات میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور تصوف ہر فن کی اعلیٰ کتابیں شامل ہیں، تفسیر میں جلالین اور تبیان فی اعراب القرآن، حدیث میں سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، تیسیر الاصول الیٰ جامع احادیث الرسول اور بخاری پر قسطلانی کی شرح ارشاد الساری ان ہی

کے ذریعہ منظر عام پر آئی، اصول فقہ میں توضیح تلویح، حسامی، شرح مسلم الثبوت اور اصول الشاشی جیسی اہم کتابوں کو انھوں نے اہل علم کی بارگاہ تک پہنچایا، فقہ میں فتاویٰ عالمگیری، درمختار، شرح وقایہ، جامع الرموز، ہدایہ، فتح القدیر، فتاویٰ قاضی خان، قدوری، الاشباہ والنظائر جیسی کتابیں جن سے آج کوئی مفتی اور فقہ کا مدرس بے نیاز نہیں ہوسکتا، منشی نول کشور ہی کے ذریعہ قلمی نسخوں سے مطبوعہ نسخوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئیں، اسی طرح علم کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح خیالی اور شرح مواقف، نیز تصوف میں احیاء العلوم، مثنوی مولانا روم، مکتوبات امام ربانی اور تاریخ میں فتوح الشام اور تاریخ طبری جیسی اہم کتابوں کی سوغات برصغیر کے اہل علم تک اسی مکتبہ کے ذریعہ پہنچ پائیں، یہ ان کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اسلامی دنیا اس سے کبھی سبک بار نہیں ہوسکتی۔

حضرات!

بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی کے احاطہ میں اکیڈمی یہ سیمینار منعقد کررہی ہے، اور پورے ملک سے صاحب نظر قلم کار اس بزم تحقیق کو اپنے نور علم سے منور کررہے ہیں، ان شاء اللہ اس سیمینار سے نہ صرف علم وادب کی ایک نئی جہت لوگوں کے سامنے آئے گی؛ بلکہ یہ ہمارے بزرگوں کی سابقہ روایات کو قائم رکھنے میں مدد ومعاون اور محرک ثابت ہوگی، میں اس موقع پر اکیڈمی کی طرف سے یونیورسیٹی کا بے حد شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی یہ دونوں ادارے مل جل کر ایسے مفید، بامعنی اور بامقصد پروگرام منعقد کرتے رہیں گے۔ میں اس سلسلہ میں یونیورسیٹی کے وائس چانسلر جناب پروفیسر سید عین الحسن اور شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے صدر پروفیسر مولانا فہیم اختر ندوی کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس پروگرام کی میزبانی قبول فرمائی۔

غرض کہ ہندوستان میں ایک دوسرے کے مذہب کی مقدس کتابوں اور شخصیتوں کے احترام اور ان کی قدردانی کا ماحول بنا رہا۔ یہی اس دھرتی کا مزاج ہے اور اس میں ملک کا مفاد ہے، کاش ابنائے وطن اپنی اس روایت کی طرف لوٹ آئیں!!!

☆☆☆

باسمہٖ تعالیٰ

(ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں)

اسلامی علوم میں ہندوؤں کی خدمات

پروفیسر اختر الواسع

میں شروع ہی میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے صدر اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے خسرو فاؤنڈیشن نئی دہلی، اسلامک فقہ اکیڈمی اور ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ کے اشتراک سے اس اہم سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ممکن نہ ہوتا اگر اس دانشکدہ کے سربراہ اور عالم پروفیسر عین الحسن کی تائید اور سرپرستی انہیں حاصل نہ ہوتی۔

برادرم پروفیسر فہیم اختر ندوی نے کلیدی خطبے کے لیے مجھے جو حکم دیا اس کی تعمیل ہی میں میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے موضوع سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس عظیم ملک کے ہندو بھائیوں کی جو علمی خدمات مطالعات اسلامی میں رہی ہیں ان تک محدود رکھا ہے تاکہ بات بہت زیادہ پھیلے بھی نہیں، اور آج جب کہ کچھ لوگ ہندو اور مسلمانوں کے بیچ میں دوریاں پیدا کر رہے ہیں ہمیں انہیں بتانا چاہیے کہ ان کے بزرگوں اور انتہا یہ کہ ہم عصروں نے علومِ اسلامی کی ترویج واشاعت میں کس طرح غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔

ہندو بھائیوں کا اسلام سے تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود اسلام کی تاریخ ہے۔ ایسے شواہد موجود ہیں کہ عہد اسلامی کے آغاز سے ہی ہندوستان اور مسلمانوں کا گہرا رابطہ رہا ہے۔ یہ رابطہ ایسا نہیں تھا جیسا بعد میں یورپ اور ہندوستان کا ہوا بلکہ یہ رابطہ ایسا تھا جیسے ایک ہی گھر کے مختلف افراد کے درمیان میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے پہلے سے ہی عرب تاجر اور سیاح ہندوستان آتے رہتے تھے۔ ہندوستان کی مختلف مصنوعات عرب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی

تھیں۔عرب اور ہندوستان کا یہ تعلق زمانہ ماقبل از تاریخ سے قائم ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کے دوران بھی اس رابطہ کے استوار ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ جب عرب کے لوگ مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ حسب سابق ہندوستان آتے رہتے تھے اور اہلِ ہندان کا بہت احترام کرتے اور ان کو سہولیات بھی فراہم کرتے تھے۔ یہ مسلمان تاجر بڑی تعداد میں ہندوستان آتے تھے، حتیٰ کہ ساحلی شہروں میں ان کی پوری پوری بستیاں آباد ہو گئی تھیں۔

مسلمان تاجر جب بھی یہاں آتے تو ہندوستان کے لوگوں، یہاں کے راجاؤں اور یہاں کے ساز و سامان اور یہاں کی تہذیب و کلچر کا گن گان کرتے رہتے تھے۔اس کی روشن مثال آٹھویں، نویں اور دسویں صدی کے عرب سفرناموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن آج جو موضوع پیش نظر ہے وہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تاریخی طور پر قریبی تعلقات کا بیان نہیں ہے بلکہ آج اس موضوع پر گفتگو کرنی ہے کہ ہندو بھائیوں نے اسلام کے مطالعہ، اسلامی تاریخ، تہذیب اور زبان کے مطالعہ میں کیا خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور پر اس میدان میں ان کی علمی خدمات کا تعارف مقصود ہے۔

اگر اس موضوع پر گفتگو کی جائے کہ ہندو بھائیوں نے اسلام کی کیا خدمت انجام دی تو اس کی تاریخ بھی کم و بیش تیرہ صدیوں پر محیط ہے۔ اسلام کی آمد کے کم و بیش سو سال بعد سے ہی ہندو حضرات نے اسلامی علوم کی خدمت شروع کر دی تھی جو آج تک جاری ہے۔ ظاہر ہے اس پورے دورانیہ کا جائزہ ایک مجلس تو کیا ایک کتاب میں بھی ممکن نہیں۔ اس لیے اس موضوع کا محض تعارف ہی اس جگہ مقصود ہے۔

ہندو عالموں کے ذریعے اسلامی علوم کی خدمات کے حوالے سے تاریخ پر نظر ڈالنے پر ہمیں جو سب سے پہلی اور نمایاں ہستی نظر آتی ہے وہ برہم گپت کی شخصیت ہے۔ برہم گپت سنسکرت کے بڑے پنڈت تھے۔ وہ ہندوستان سے بغداد گئے اور خلیفہ منصور کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ فارسی وہ یقیناً پہلے سے جانتے رہے ہوں گے اس لیے موجودہ افغانستان تک اُس وقت ہمارا ملک پھیلا ہوا تھا۔

اسی طرح فارسی اپنے ملک کی زبان تھی۔عربی زبان انھوں نے بغداد میں سیکھی اور ایک عرب عالم ابراہیم الفزاری کی مدد سے برہم سدھانت کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔کتابوں کے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے ہوتے رہتے ہیں لیکن تہذیبی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ترجمہ تاریخ ساز ثابت ہوا۔تاریخ انسانی پر اس ترجمہ کے بڑے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔اس ترجمہ کے ذریعہ نمبرات یعنی گنتی عربی زبان میں آئی۔اسی لیے عرب گنتی کو ہندسہ کہتے ہیں اور عربوں کے ذریعے یہ نمبرات یورپ گئے اور اس لیے یورپ میں آج بھی یہ نمبرات عربی نمبر کہلاتے ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کے بعد میتھس یعنی ریاضی کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔اس کے ذریعے ایسی گنتیاں ملیں جن کے ذریعے حساب کیا جا سکتا تھا اور اسی کتاب کے ذریعے صفر بھی ملا۔صفر کو استعمال کر کے عربوں نے ریاضی کو بڑی بلندیاں عطا کیں۔الجبرا جیسا فن ایجاد کیا۔

برہم سدھانت کے ترجمہ کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان سے بری تعداد میں پنڈت حضرات بغداد جانے لگے اور وہاں مختلف علمی کاموں میں وابستہ ہو گئے۔تاریخ وتذکرہ میں تقریباً دو درجن ایسے لوگوں کا نام ملتا ہے جو بغداد میں ملّی کاموں میں مصروف تھے جیسے سنگھل،صالح بن بہلہ، کنکا، منکا وغیرہ۔ان میں بہت سے بڑے مترجم تھے اور بیت الحکمت میں اعلی عہدوں پر فائز رہے۔بعض طبیب بھی تھے انھوں نے ہندوستانی طب کی کتابوں کے بھی ترجمے کیے۔

بغداد وہ پہلا مرکز تھا جہاں ہندو بھائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کی علمی اعتبار سے بڑی خدمات انجام دیں۔اگرچہ اس دور میں زیادہ تر سنسکرت کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے تاہم علم کی دنیا تو ایک خوبصورت چمن ہے۔اس میں صرف ایک پھول نہیں کھلتا بلکہ جب بہار آتی ہے تو مختلف طرح کے گلہائے رنگارنگ کھلتے ہیں۔اس لیے یقینی بات ہے کہ ترجمہ کے علاوہ بھی تصنیف وتحقیق کا سلسلہ رہا ہوگا۔

اسلام کی خدمت کے حوالے سے ہندو بھائیوں کا دوسرا بڑا دور کشمیر کی علمی وتہذیبی روایت کا ہے۔کشمیر میں بہت سے عالموں اور پنڈتوں نے فارسی زبان کی کتابوں کے سنسکرت میں ترجمے کیے۔ان تراجم میں فارسی کی مشہور کتاب زلیخا یوسف کا ترجمہ بہت مشہور ہے۔اس کے علاوہ ان تراجم

سے پہلے راج ترگنی جیسی شہرآفاق کتاب لکھی گئی جس میں اسلامی تاریخ کے بھی حوالے ہیں اور پوری کتاب کا اسلوب نگارش میں مسلم عہد کا اسلوب تحریر جھلکتا ہے۔اس میں کئی مسلمان بادشاہوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔یہ سب دہلی سلطنت کے قیام سے پہلے کے واقعات ہیں۔

دہلی سلطنت کے قیام کے بعد اور خاص طور پر فیروز تغلق کے عہد سے ہندو حضرات بھی فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور جلد ہی بہت سے لوگ بڑے ماہر ہو گئے۔انہوں نے فارسی میں باضابطہ کتابیں لکھنی شروع کیں۔فارسی زبان میں شاعری شروع کی، فارسی شاعری کے علاوہ انہوں نے اپنی ہندی شاعری میں اسلامی تعلیمات اور علوم ومعارف کو جگہ دی،بھگتی تحریک کے شاعر زیادہ تر اسلامی تعلیمات سے متاثر تھے اور انہوں نے اسلامی تعلیمات، اسلامی اصطلاحات اور اسلامی شخصیات کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا۔ریداس،گرونانک، بعد میں تلسی داس وغیرہ کے یہاں اس طرح کے بہت سے نمونے موجود ہیں۔

مغل عہد کے آتے آتے ہندو علماء اسلامی علوم خاص طور پر تاریخ، تذکرہ اور انشاء فارسی ادب کے ایسے ماہر ہو گئے تھے کہ ان میں سے بعض کی کتابیں آج تک درسیات کی طرح پڑھائی جاتی ہیں جیسے چندر بھان برہمن کی کتاب انشاء چندر بھان اور چہار چمن وغیرہ۔

چندر بھان کے علاوہ اس دور میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ تھے جو اسلامی علوم کے ماہر تھے۔مسلم تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی اور انہوں نے ان موضوعات پر کتابیں لکھیں ہیں جو آج تک دستیاب ہیں۔جیسے چند نام یہ ہیں:

بنواری لال داس (م 1037ھ) ان کی درج ذیل کتابیں مشہور ہیں: محیط معرفت،گلزار حال، گنج عرفان، فارسی اور ہندی کا دیوان

بھگونت داس: شاہجہاں نامہ

منشی ہیرامن ولد گردھر داس: گوالیار نامہ

بندرابن داس: لب التواریخ

سجان رائے بٹالوی: خلاصۃ التواریخ

ایشور داس ناگر: فتوحات عالمگیری

مغل عہد میں اس طرح کی اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ عہد عالمگیری کی ایک شخصیت بچھی نارائن شفق تو گویا اس پوری کہکشاں کے ثریا ہیں۔ انہوں نے تاریخ اور تذکرہ کی متعدد دستاویزی اہمیت کی حامل کتابیں لکھیں جیسے چمنستان شعرا، شام غریباں تحفہ احباب، مأثر حیدری اور تنمیق شگرف وغیرہ۔

برطانوی عہد کے آتے آتے اسلامی علوم و معارف کے سلسلے میں ہندوؤں کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ مغل عہد میں زیادہ تر کتابیں تاریخ و تذکرہ کی ہیں لیکن برطانوی عہد میں اس میں بڑی ترقی ہوئی اور ہندو حضرات نے قرآن مجید، سیرتِ طیبہؐ، تاریخ اور دوسرے موضوعات پر بھی لکھنا شروع کیا۔

مغل عہد کے حوالے سے اسی بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ محمد شاہی عہد میں جے پور کے راجا سوائی جے سنگھ نے فلکیات پر کتاب لکھی۔ اس کا نام زیج محمد شاہی رکھا۔ اسی طرح انہوں نے فلکیات کے متعدد ماہرین اپنے دربار میں ملازم رکھے اور دہلی اور جے پور میں رصدگاہ یعنی آبزرویٹری بنوائی جو جنتر منتر کے نام سے مشہور ہیں۔

مغل عہد کے زوال کے بعد اسلامی علوم کی خدمت کے حوالے سے ہندو بھائیوں کی خدمات کا دائرہ مزید وسیع ہوتا گیا۔ چنانچہ برطانوی عہد میں اور آزاد ہندوستان میں ہندو بھائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مطالعہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ ذیل میں ان کو مختلف عنوانات کے تحت درج کیا جاتا ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ بھی محض تعارف ہی ہے، تفصیلی مطالعہ نہیں ہے:

قرآن مجید:

قرآن مجید کے ترجمہ اور انتخاب کے سلسلے میں ایک اہم نام شری ونوبا بھاوے کا آتا ہے۔

انہوں نے اردو، ہندی اور انگلش میں روح القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب اپنے دور میں بہت مقبول ہوئی۔ اس میں قرآن مجید کی ان آیات کا انتخاب کیا گیا تھا جن سے سماجی زندگی اور قومی یکجہتی جیسے موضوعات پر ہدایت ملتی ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب بھی یہ کتاب دستیاب ہے۔ شری ونوبا بھاوے کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ انہوں نے ریڈیو کے ذریعے باضابطہ قرأت بھی سیکھی تھی۔

ہندی زبان کے مشہور شاعر بھارتیندو ہریش چندر بھی ایک بڑی شخصیت ہیں۔ انہوں نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا لیکن یہ ترجمہ مکمل نہیں ہو سکا۔ پنڈت کیلاش ناتھ نے بھی قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کا بھی کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے۔

ونود چند پانڈے ماضی قریب کی ایک بڑی شخصیت ہیں۔ وہ حکومت میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا۔ ہندی میں اور بھی کئی لوگوں نے مکمل اور نامکمل تراجم کیے۔ ہندی کے علاوہ ہندوستان کے علاقائی زبانوں میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ ہوئے ہیں۔

ہندو بھائیوں کے درمیان قرآن اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے درمیان تقابل اور موازنے کا موضوع کافی مقبول رہا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں پران ناتھ نے گجراتی زبان میں قرآن مجید کا گیتا کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔ اسی طرح پنڈت سندر لال کی شہرۂ آفاق تصنیف ''گیتا اور قرآن'' تو ایک سدا بہار کتاب ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔ جیسے پنڈت شری رام نے انگریزی میں اسی موضوع پر ایک کتابچہ لکھا ہے۔

سیرت:

سیرت نبوی پر ہندو بھائیوں نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ اگر چہ دیکھا جائے تو نعت گوئی بھی سیرت کا ہی حصہ ہے۔ اس لیے کہ نعت دراصل عظمت رسولؐ کے اعتراف کا نام ہے۔ نعت گوئی میں تو ہندو بھائیوں نے بے مثال کام کیا ہے۔ بڑے منفرد اور خوب صورت انداز میں اپنی جبین نیاز اس

آستانہ عالیؑ کے آگے سرنگوں کی ہے۔ پنڈت ہری چند اختر کی ایک نہایت خوب صورت نعت ہے۔ اس میں دو شعر یہ بھی ہیں:

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اسی طرح کنور مہندر سنگھ بیدی کا یہ شعر تو ضرب المثل کی طرح بن گیا ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

ہندو بھائیوں میں کئی ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے نعت رسولؐ میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے دلورام کوثری نے ایک مستقل نعت کا مجموعہ لکھا ہے۔ اسی طرح راجا مہندر پرتاپ نے تو نعت میں کئی مجموعے لکھے جو شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہیں۔ جگن ناتھ آزاد کا بھی ایک نعتیہ مجموعہ موجود ہے۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''ہمارے رسولؐ'' اس کتاب میں انہوں نے سو سے زیادہ نعت گو شاعروں کا ذکر کیا ہے اور ان کا انتخاب کلام بھی پیش کیا ہے۔

نعت گوئی کے علاوہ مستقل سیرت نگاری کی جہاں تک بات ہے تو اس موضوع پر بھی ہندو بھائیوں کی متعدد کتابیں مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کو بڑی شہرت بھی حاصل ہے۔ جیسے سوامی لکشمن کی کتاب ''عرب کا چاند'' سیرت کی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں نہایت خوب صورتی اور عقیدت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور پیغام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

پنڈت سندر لال نے بھی سیرت پر ایک مشہور کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''حضرت محمدؐ اور اسلام'' یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس میں رسول اللہؐ کی حیات طیبہ اور اسلام کے پیغام کو بڑے

عقیدت مندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے، مصنف چونکہ ہندو ہیں اس لیے ان کی نظر بعض ان پہلوؤں پر بھی جاتی ہے جو مسلمان عقیدت میں بھول جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب سیرت کی ایک اہم کتاب ہے اور انسانی معاشرے کے مسائل کو حل کرنے میں اسلام کے کردار پر اس میں خصوصی توجہ ڈالی گئی ہے۔

ایم این رائے کی کتاب ''محمدؐ اینڈ ہز چیلنجس: ہسٹاریکل رول آف اسلام'' بھی اپنے دور کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب میں خاص طور پر اس پر توجہ دی گئی ہے کہ اسلام نے انسانی معاشرے کو کس طرح بلند کیا اور خاص طور پر معاشرہ کے کمزور افراد کی تعمیر و ترقی کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مارواڑی زبان میں راجیو شرما نے مستقل کتاب لکھی ہے جس کو مارواڑی زبان کی سیرت کی سب سے پہلی کتاب مانا جاتا ہے۔

حال ہی میں ایک سکھ جناب سرجیت سنگھ نے ''قرآن ناطق'' کے نام سے سیرت کی ایک کتاب لکھی ہے، اس کا عنوان ہی کتنا غیر معمولی ہے اور پوری کتاب نہایت عقیدت و احترام کے اندر ڈوب کر لکھی گئی ہے۔

ہندی، انگریزی اور ہندوستان کی مقامی زبانوں میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو سیرت پر لکھی گئی ہیں۔ کتابوں کے علاوہ مقالات و مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سوامی وویکانند جیسی عظیم شخصیت نے سیرت پر مستقل مقالات لکھے ہیں جو ان کے سلیکٹیڈ ورک میں شامل ہیں۔

مسلم شخصیات کا مطالعہ:

ہندو دانشوروں کا سب سے بڑا کام مسلم شخصیات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ ہے۔ اس میدان میں ان کی خدمات بے شمار ہیں۔ انہوں نے ابتدائی عہد اسلامی کی شخصیات میں سے حضرت امام حسینؓ کے بارے میں متعدد پہلوؤں سے اظہار عقیدت کیا ہے بلکہ ہندو مرثیہ گو حضرات کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ہمارے رسولؐ کی طرح ہمارے حسینؓ کے نام سے بھی ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن وہ کام پورا نہیں ہو سکا۔

امام حسینؓ کی شخصیت پر زیادہ تر منظوم کلام ہے۔ کسی نے منقبت لکھی ہے اور کسی نے مرثیہ لکھا ہے لیکن امام حسینؓ کی شخصیت پر کلام بڑی تعداد میں موجود ہے۔ امام حسینؓ کے علاوہ ہندو دانشوروں کا جو بڑا کارنامہ ہے وہ ہندوستان کے مسلم بادشاہوں اور خاندانوں کی تاریخ سے متعلق ہے۔ ہندو دانشوروں نے مسلم بادشاہوں اور ان کی خدمات پر فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی کے علاوہ مختلف مقامی زبانوں میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ ایک ایک بادشاہ اور ایک ایک خاندان اور ریاست پر کئی کئی اہم کتابیں ہیں۔ صرف بادشاہوں پر نہیں بلکہ مسلم دور کی پوری تاریخ، تہذیب، ثقافت، علوم وافکار اور آرٹ اور تعمیرات سب پر اہم تحقیقی کام ہو چکے ہیں اور ابھی جاری ہیں۔

بعض حضرات نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں ہندوستان پر اسلام کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اور بعض نے اس کے بالمقابل ہند اسلامی تہذیب کی تشکیل میں اسلام کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر تاراچند کی شہرۂ آفاق کتاب ''ہندوستان پر اسلام کے اثرات'' اس سلسلے کی سب سے اہم کتاب ہے۔ تاہم ایسی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں۔

اسی طرح مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریروں کی بھی خاصی اہمیت ہے انہوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کافی کچھ لکھا ہے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ بعض ہندو دانشوروں نے مسلمان بادشاہوں پر تنقیدیں بھی کی ہیں اور اسلام پر بھی اعتراضات کیے ہیں۔ یہ اگرچہ ایک منفی بات ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی دراصل ہند اسلامی تہذیب کے مطالعات کا حصہ ہے۔ جیسے کے ایس لال اور ہرش نارائن وغیرہ کی کتابیں اگرچہ تنقید ہیں لیکن وہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے مطالعات کا ہی حصہ ہے۔

ہندو دانشوروں کی خدمات کا ایک اہم پہلو اسلامی کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے بھی ہے۔ بہت سے ہندو حضرات نے اسلامی کتابوں کی اشاعت کے لیے کتب خانے قائم کیے۔ ویسے تو جب اس طرح کے کتب خانوں کا نام آتا ہے تو منشی نول کشور کے مطبع نول کشور کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی متعدد کتب خانے اور اشاعتی ادارے ہندو حضرات نے قائم کیے جو اسلامی

کتابوں کی اشاعت کے لیے مشہور رہے۔ جیسے مطبع منشی ہزاری لال اور کتب خانہ اشاعت اسلام وغیرہ۔

مطبع منشی نول کشور نے اکیلے اتنا عظیم کام کیا ہے کہ پورے پورے اداروں بلکہ حکومتوں کے کاموں پر بھاری ہے۔ انہوں نے اسلامیات پر پانچ سو سے زیادہ کتابیں شائع کیں۔ ان کی بعض کتابوں کے بہت سے ایڈیشن بھی شائع ہوئے۔ انہوں نے اودھ اخبار کے نام سے ایک اخبار بھی نکالا تھا جو اپنی ذات میں ایک تاریخ ہے۔ اشاعت کے ضمن میں انہوں نے خطاطی، نقاشی، ایڈٹنگ جیسے بہت سے اہم کام کیے۔ ان کاموں کے ذریعے بہت سے ایسے اسلامی علوم محفوظ رہے جو 1857ء کے بعد سرکار کی سرپرستی سے محروم ہونے کے بعد ضائع ہوجانے کے کگار تک جا پہنچے تھے۔ منشی نول کشور کا کام اتنا عظیم ہے کہ ان کی خدمات پر مستقل تحقیقات ہورہی ہیں اور ان کی خدمات پر سیمینار بھی ہو چکے ہیں۔

اشاعتی اداروں کے علاوہ ہندو دانشوروں نے اخبارات و رسائل بھی نکالے۔ اگرچہ اخبار اپنی نوعیت میں سیکولر ہوتے ہیں تاہم برطانوی عہد میں جو اخبارات نکالے گئے ان کا بڑا حصہ ہند اسلامی تہذیب کا ہی ترجمان تھا۔ فارسی زبان کا سب سے پہلا اخبار ایران سے نہیں بلکہ کلکتہ سے نکلا تھا اور اور اس کے نکالنے والے مسلمان نہیں بلکہ راجا رام موہن رائے تھے۔ راجا رام موہن رائے بڑے عالم تھے۔ اسلام اور ہندو مذہب دونوں کا بلکہ عیسائیت کا بھی انہوں نے وسیع مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھی تھیں جن میں سے ایک کتاب تحفۃ الموحدین ہے۔ راجہ رام موہن رائے بلاشبہ اس سنہری زنجیر کی سب سے خوب صورت کڑی ہیں۔

راجا رام موہن رائے کے علاوہ سو کے قریب اخبارات اور رسائل ہندو حضرات نے نکالے۔ جن میں یومیہ اخبار بھی تھے اور ہفتہ روزہ و ماہنامہ بھی تھے۔

ہندو دانشوروں نے بعض اسلامی علوم پر بھی کام کیے ہیں۔ قرآن، سیرت، تاریخ اور تذکرہ نگاری کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف میں کئی اہم کام ہوئے ہیں جیسے پنڈت درگا پرساد عاجز بھرت پوری کے مجمع البحرین، بابو مادھو داس نے بوستان معرفت، چرن داس شرما نے عرفان حافظ لکھی

اوراسی طرح اور بھی متعدد کتابیں ہیں۔

ہندو دانشوروں میں سے بہت سے ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے عربی و فارسی کی کتابوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ ایسے مترجمین میں ایک مشہور اور پرانا نام منشی طوطا رام شایاں کا ہے۔ انہوں نے عربی زبان سے الف لیلۃ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور داستان امیر حمزہ کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ الف لیلۃ کا ترجمہ تو انہوں نے منظوم کیا ہے بلکہ انہوں نے اس ترجمہ کی تکمیل کی تھی۔ یہ ترجمہ دراصل اصغر علی خاں نسیم نے شروع کیا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد طوطا رام شایاں نے اس کی تکمیل کی تھی۔

جانی بہاری لال راضی جو مرزا غالب کے شاگرد تھے اور بھرت پور میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ وہ خود بھی فارسی اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے اور انہوں نے متعدد کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ خاص طور پر فارسی کی اخلاقی کتابیں جیسے گلستان، انوار سہیلی، روضۃ الصفا وغیرہ کا اردو ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ منشی مول چند، دلپت رائے، سدا سکھ لال، گردیال مجذوب، منشی گوپال کرشن تحسین وغیرہ متعدد اہم مترجمین ہوئے ہیں۔

ہندو دانشوروں اور اہلِ علم حضرات نے بلاشبہ اسلام اور اسلامی تہذیب کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور متنوع موضوعات پر لکھا ہے۔ طبع زاد بھی لکھا ہے اور ترجمہ بھی کیا ہے۔ نظم میں بھی لکھا ہے اور نثر میں بھی لکھا ہے۔ ہندو دانشور اسلامی تاریخ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کو اسلام کی تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیسے ممکن ہے کہ علم ریاضی کا ذکر ہو اور برہم سدھانت کا ذکر نہ ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا ذکر ہو اور ہندو اہلِ قلم کے حوالے نہ ہوں۔ ہندوستان کے مسلم عہد کی تاریخ تو پوری طرح نہ صرف ہندو بلکہ سکھ اور جین وغیرہ سبھی مذاہب کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کے ذکر کے بغیر یہ تاریخ یقیناً ادھوری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہندو اصحاب قلم اور اہل دانش نے من جملہ دیگر علوم کے اسلام اور اسلامی تاریخ کے حوالے سے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

(اس کلیدی خطبے کے مصنف خسرو فاؤنڈیشن کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر ایمریٹس (اسلامک اسٹڈیز) ہیں)

☆☆☆

باب اول

قرآنی خدمات

قرآنیات پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی کاوشیں

ڈاکٹر صالح امین

(ریسرچ ایسوسی ایٹ، DTTLP، مانو)

سرزمین ہندوہ خطۂ ارضی ہے جہاں کے غیر مسلم دانشوروں نے بڑی تعداد میں قرآن کریم کے ترجمے کئے، بعض نے اس کی تفسیریں بھی لکھیں، اور بعض نے قرآنی تعلیمات اور اپنی مذہبی تعلیمات کے درمیان تطبیق وتقابل اور جائزہ پر مشتمل کتابیں بھی لکھیں، یا کسی دوسری نوعیت سے قرآن کریم کے موضوعات ومباحث کو اپنی بحث میں شامل کیا۔ زیر نظر مقالہ میں قرآنیات پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی اِنہی کاوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن کریم کا مکمل ترجمہ وتفسیر:

1- ہندوستان کے جن غیر مسلم دانشوروں نے قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کیا ان میں ایک اہم نام پادری عمادالدین کا ہے۔ اِن کی پیدائش پانی پت کے ایک مسلم گھرانے میں 1827ء میں، اور ایک قول کے مطابق 1830ء میں، اور ایک اور رائے کے مطابق 1833ء کو ہوئی تھی، پھر 1866ء کو اِنہوں نے مسیحیت اختیار کر لی تھی۔ عیسائی ہوجانے کے بعد انہوں نے قرآن کریم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا تھا جو عیسائیوں کے ذریعہ کئے گئے اولین تراجم قرآن میں سے ہے۔ اس کی اشاعت نیشنل پریس، امرتسر سے 1894ء میں ہوئی تھی۔ یہ ترجمہ قرآن چونکہ ایک عربی زبان کے واقف کار اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ شخص کا کیا ہوا ہے، لہٰذا مسیحی حلقوں میں اِسے خاص اہمیت واعتبار حاصل

ہے۔مترجم کے مطابق انہوں نے قرآن کریم کو اردو کا جامہ پہنانے کے لئے ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب (بن شاہ ولی اللہ، م: 1818ء)، ترجمہ شاہ عبد القادر (بن شاہ ولی اللہ، م: 1814ء)، تفسیر بیضاوی (امام بیضاوی، م: 1286ء)، تفسیر مدارک التنزیل (امام نسفی، م: 1310ء)، تفسیر جلالین (جلال الدین سیوطی، م: 1505ء)، الاتقان فی علوم القرآن (جلال الدین سیوطی، م: 1505ء)، تفسیر حسینی (جواہر التفسیر، ملا حسین واعظ کاشفی، م: 1504ء)، الفوز الکبیر (شاہ ولی اللہ دہلوی، م: 1762ء)، اور القاموس المحیط (محمد بن یعقوب فیروز آبادی، م: 1414ء) سے استفادہ کیا تھا۔(1) اس ترجمہ قرآن میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کا عربی متن شامل اشاعت نہیں ہے، اور جو ترجمہ ہے ان میں آیات کے نمبر بجائے آیات کے اختتام کے آغاز میں دیئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ کتاب کے خاتمہ پر ایک انڈکس دیا گیا ہے جس کا عنوان ''فہرست بعض مضامین قرآن معہ بعض اشارات بحث طلب'' ہے۔اس عنوان کے تحت مختلف قرآنی مباحث میں مسیحی نقات نظر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔(2)

مترجم نے اس ترجمہ کو انجام دینے کے لئے جن امور کا خاص طور پر خیال رکھنے کی کوشش کی ہے ان میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ ترجمہ میں باہر کے الفاظ ملانے سے حتی الوسع گریز کیا جائے، جو عربی الفاظ اردو میں بھی مستعمل ہیں ان کا ترجمہ نہ کیا جائے، اسی طرح آیات کا ترجمہ کرنے میں عربی جملوں کی ترتیب بھی قائم رکھی جائے، ترجمہ کی زبان بامحاورہ ہو۔شان نزول کے سلسلہ میں جن باتوں پر مفسرین کا اتفاق ہے انھیں حاشیہ میں درج کر دیا جائے۔مختلف فیہ مسائل میں کسی رائے کی تائید نہ کی جائے۔ ترجمہ ہر طرح کے تعصب اور ذاتی رائے سے پاک ہو۔تاہم ترجمہ کے دوران جن آیات میں یہود کی جزرو توبیخ کی گئی ہے ان میں خصوصیت کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کیا گیا ہے، اور حاشیہ آرائی کی گئی ہے۔اس کے برعکس مسیحیت سے متعلق آیات میں محض ترجمہ کر دینے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔اس ترجمہ قرآن میں بھی یہ پہلو قابل توجہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کا عربی متن شامل اشاعت نہیں ہے، اور جو ترجمہ کیا گیا ہے ان میں آیات کے نمبر بجائے آیات کے اختتام کے آغاز میں دیئے گئے ہیں۔(3)

2- دوسرا ترجمہ قرآن جواردو زبان میں ہے، پادری احمد شاہ کا کیا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ 1915ء میں زمانہ پریس، کانپور سے شائع ہوا تھا۔ پادری احمد شاہ کی پیدائش بھی ایک مسلم گھرانے میں ہوئی تھی، پھر بعد میں وہ عیسائی ہو گئے تھے۔ پادری احمد شاہ کے مطابق قرآن کریم کا یہ ترجمہ مقامی مسیحی داعیوں کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے ذریعہ کیا گیا ترجمہ مختلف مسلم گروہوں اور فرقوں کا نمائندگی کرتا ہے، اس کے ساتھ ہی ان میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ترجمہ قرآن انجام دیا۔ اس کے ساتھ ہی بکثرت مقامات پر اپنی تائید میں بائبل کے حوالے دیئے گئے ہیں اور تفصیل کے لئے اس سے مراجعت کا مشورہ دیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت 249 میں لفظ ''سکینہ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ اصلاً عبرانی زبان کا لفظ ہے جس سے مسلم مفسرین نے ''تسکین'' کا معنی مراد لیا ہے، جو کہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ سکینہ اور تابوت دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کے معنی صندوق کے ہیں۔ لفظ تابوت کی تفصیل کے لئے سورہ طہ کی آیت 139 دیکھنا چاہئے، یہ قصہ سلاطین باب 4، 5 اور 6 سے ماخوذ ہے۔ (4)

3- ہندو غیر مسلم دانشوروں میں جناب ونے کمار اوستھی کا نام قابل ذکر ہے۔ وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی سے کافی متاثر تھے، چنانچہ وہ اس بات کے لئے پرعزم ہوئے کہ اسے ہندی کے قالب میں ڈھالا جائے تاکہ دوسرے ہندی خواں حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ انہوں نے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا، اور اس کی پہلی اشاعت لکھنؤ کے کتاب گھر سے 1983ء میں ہوئی۔ اس ترجمہ کے آغاز میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (م: 1999ء) کا مقدمہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شامل اشاعت ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے ابتداءاً اس تفسیر کی خوبی وخاصیت پر روشنی ڈالی ہے، بعدازاں اس ہندی ترجمہ کو انجام دینے میں ونے کمار اوستھی کی کوششوں کو سراہتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا ہے۔

ونے کمار اوستھی سے پہلے ان کے والد جناب نند کمار اوستھی نے بھی قرآن کریم کا ہندی ترجمہ کیا تھا جو 1949ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں قرآن کریم کے

اصل عربی متن کے ساتھ ساتھ ہندی رسم الخط میں ان کا تلفظ دیا گیا تھا، جس سے ہندی پڑھنے والوں کے لئے کافی آسانی ہوگئی تھی۔ والد صاحب کی اسی کوشش سے حوصلہ پا کر اور متاثر ہو کر وِنے کمار اوستھی نے مذکورہ ترجمہ قرآن انجام دیا تھا۔(5)

4- قرآن کریم کے غیر مسلم مترجمین میں ایک اہم نام ''پروفیسر چلوکوری نرائن راؤ'' (1890-1951ء) کا ہے۔ انہوں نے تیلگوں زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا تھا جو 1930ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آیا تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کے اس ترجمہ کو انجام دینے کے پیش نظر اپنے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''ہندوستان مین صدیوں سے ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ ایک حد تک انہوں نے ایک دوسرے کی روزمرہ کی عادات واطوار کی نقل بھی کی۔ انہوں نے روزمرہ کی اشیاء کو پوری طرح اپنایا بھی جیسے لباس، زیور اور دیگر روز مرہ کے استعمال کی چیزیں۔ یہ بہرحال بدقسمتی تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ جب تک کہ وہ ایک دوسرے کے مذہب کا مطالعہ نہیں کریں گے فرقہ وارانہ فسادات اور آپسی بغض وحسد دور نہیں ہوں گے اور بھائی چارگی کا ایک مکمل ماحول نہیں بن پائے گا۔ اِن غلط حرکات کا سبب یہ تھا کہ مذہبی اور مقدس کتابیں دیگر زبانوں میں موجود نہ تھیں، چنانچہ میں نے قرآن کے تیلگو ترجمہ کی 1915ء میں شروعات کی کہ ان غلط خیالات کا قلع قمع کیا جاسکے''۔(6)

پروفیسر راؤ نے اس ترجمہ کو انجام دینے میں عربی زبان اور علم حدیث کے واقف کار بعض مسلم اسکالرس سے بھی تعاون حاصل کیا تھا، جن میں سے حاجی محمد اسماعیل (استاذ پریسیڈنسی کالج، انانتھپور) اور مولانا محمد فاروق (استاذ گونمنٹ کالج، انانتھپور) کا انہوں نے خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے پہلے عربی زبان کے ماہرین کی مدد سے ترجمہ کا کام مکمل کیا، بعدازاں اسے حدیث کے علماء کے سامنے پیش کیا، تاکہ اچھی طرح درستگی ہوجائے۔ انہوں نے اس ترجمہ کو

مکمل کرنے میں 1915ء سے 1930ء تک کل پندرہ سال صرف کئے۔ یہ ترجمہ ایک جلد میں ہے جو 754 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس ترجمہ کے آغاز میں شامل مترجم کا مقدمہ بہت پر مغز اور معلوماتی ہے۔ اس میں زمانہ جاہلیت کا عرب، سیرت محمد ﷺ، اور اسلام پر مفید معلومات فراہم کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔(7)

5- گریش چندراسین (1835-1910ء) نے 1886ء میں قرآن کریم کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا تھا، جو اس زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ تھا۔ جناب گریش چندراسین برہموسماج سے متاثر تھے، اور اس کی تبلیغ واشاعت میں حصہ لیا کرتے تھے۔ برہموسماج کے بعض نمائندہ داعیان نے دنیا کے بڑے مذاہب (ہندو، بدھ، عیسائی اور مسلم) کا مطالعہ کرنے اور اس کی تعلیمات کو بنگالی زبان میں ڈھالنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور آپسی محبت والفت کو فروغ حاصل ہو، اور اسی پس منظر میں انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا عزم کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے لکھنؤ جا کر عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر ترجمہ قرآن کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس ترجمہ کے دوران انہوں نے کسی مسلمان شخص سے مدد نہیں لی۔

6- قرآن کے جو ترجمے نامکمل کئے گئے یا مختصر نا تمام تفسیریں لکھی گئیں ان میں پادری جے علی بخش کا کیا ہوا ترجمہ اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے 'تفسیر قرآن' کے نام سے قرآن کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو محض مکی سورتوں کے ترجمہ اور مختصر تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس کی اشاعت 1935ء میں لاہور کے مطبع مرکنٹائل پریس سے ہوئی تھی۔(8)

مترجم کا یہ خیال ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے سابقہ کتب سماویہ بالخصوص بائبل کا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔ ان کی رائے ہے کہ '' قرآن کی تشریح وتفسیر میں کتب سماوی کو نظر انداز کر کے احادیث نبوی کی الجھن میں پڑنے کی وجہ سے اہل اسلام قرآن کا حقیقی مطلب سمجھنے سے قاصر رہے''۔ لہٰذا انہوں نے قرآن کریم کا یہ ترجمہ اس امید پر انجام دیا ہے کہ '' اس کے ذریعہ اہل اسلام قرآن کو سمجھنے کی خاطر دیگر کتب سماوی کا مطالعہ زیادہ ذوق وشوق سے کرنے لگیں گے اور یوں

مسلمانوں اور مسیحیوں میں جو جدائی کی خلیج ہے وہ عبور ہو سکے گی''۔(9)

اس ترجمہ قرآن میں مسیحی نظریات سے قرآنی تعلیمات کو جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔مثلاً سورہ ''قلم'' کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ

> ''جب نون لفظ کے طور پر استعمال ہو تو وہ دوات کی سیاہی کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن جب وہ حرف کے طور پر ہو تو اس معنی میں نہیں ہوتا۔اس سورہ میں ذو النون یعنی مچھلی والے نبی کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ اسی جانب اشارہ ہے۔نون یعنی مچھلی جو مسیحی ایمانداروں کی ان دنوں میں نشانی تھی، جب مسیحیت ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ اس وقت ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے یہ نشانی اختیار کی تھی۔مچھلی کو اپنی پہچان بنانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ یونانی زبان میں مچھلی کے لئے مستعمل لفظ (Lxus) کے الگ الگ حروف سے مراد یسوع مسیح ابن خدا نجات دہندہ ہیں''۔(10)

اس ترجمہ کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں بعض تفسیری روایات کے سلسلہ میں دیگر ہم مذہب مفسرین سے بھی اختلاف رائے کیا گیا ہے۔مثلاً سورہ عادیات (جو کہ اکثر مفسرین کے زندگی ایک مکی سورہ ہے، اور بعض کے نزدیک مدنی ہے) کے شان نزول کے ضمن میں پادری احمد شاہ نے بئر معونہ کا واقعہ پیش کیا ہے۔اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے پادری جے علی شاہ لکھتے ہیں کہ ہمیں اس سے اتفاق نہیں، کیونکہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیں تو یہ سورہ مدنی قرار پائے گی، کیونکہ جب تک آپ ﷺ کا قیام مکہ میں رہا، وہاں اس طرح کا فوجی سریہ بھیجنے کی گنجائش نہ تھی، اس کا آغاز مدنی دور میں ہوا تھا۔(11)

7- قرآنی کاوشوں کے ضمن میں ایک اور اہم نام پنڈت کیلاش ناتھ برہست کا ہے۔قرآن کریم کی ایک آسان اور مختصر تفسیر مولانا صدرالدین اصلاحی نے ''تیسیر القرآن'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جو ماہنامہ زندگی، رامپور میں اگست 1950ء سے ستمبر 1953ء تک قسطوار شائع ہوتی رہی تھی۔لیکن یہ تفسیر نامکمل رہی، اور سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر تک ہی محدود رہی۔بعد میں مولانا اصلاحی کے صاحبزادہ مولانا رضوان احمد فلاحی نے اس کی ترتیب وتدوین کر کے مستقل کتابی شکل میں 2006ء

میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی سے شائع کرایا۔ پنڈت کیلاش ناتھ برہست اور امام الدین رام نگری نے مشترکہ طور پر اسے ہندی کا جامہ پہنایا تھا۔ یہ ہندی ترجمہ جماعت اسلامی، رامپور سے 1955ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آیا تھا۔ البتہ یہ ترجمہ صرف پہلے پارہ کی تفسیر پر محیط ہے۔(12)

قرآنیات پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی دیگر کاوشیں:

1- قرآنیات پر ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی جو کاوشیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں 'آچاریہ ونوبا بھاوے' کی کاوش ''دی ایسنس آف دی قرآن'' (The Essence of The Quran) اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کو انہوں نے 25/سالوں تک قرآن کریم کے مطالعہ کے بعد تالیف کیا تھا۔ مؤلف کے پیش نظر اس کی تالیف کا مقصد لوگوں کو آپس میں قریب کرنا اور ان کی کمیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے دلوں کو جوڑنا تھا۔ کتاب میں مؤلف نے خدا کی وحدانیت، شرک کی ممانعت، رسولوں کی رسالت، عبادت، صبر، عقائد ونظریات، اور اخلاقی تعلیمات جیسے نو مختلف ابواب کے تحت قرآن کریم کی 1065/آیتوں کا انتخاب کر کے ان کے معانی ومفاہیم پر روشنی ڈالنے اور ان کی تعلیمات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب اصلاً مراٹھی زبان میں لکھی گئی تھی، پھر بعد میں اِسے انگلش کے قالب میں ڈھالا گیا، اور ''The Essence of The Quran'' کا نام دیا گیا۔ انگلش ترجمہ میں آیتوں کا ترجمہ محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجمہ قرآن ''Glorious Quran'' سے ماخوذ ہے۔ بعد ازاں اس کے مزید ترجمے ہوئے اور یہ کتاب اردو میں ''روح القرآن'' اور ہندی وگجراتی میں ''قرآن سار'' کے ناموں سے جانی گئی۔ کتاب کا آغاز اس طور پر ہوا ہے کہ کتاب کے شروع میں سورہ فاتحہ ترجمہ کے ساتھ دی گئی ہے، اس کے بعد کتاب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں کتاب کے اندر مذکور آیتوں کا نمبر اور سورتوں کے نام دیتے ہوئے ان کی کل تعداد بھی دی گئی ہے۔(13)

2- قرآنیات پر ایک اہم کام آر بی ہرش چند کا ''Khuda-Quranic Philosophy'' کے نام

سے ہے۔ یہ کتاب مطبع برج اورسینر، ریٹا پریس، نئی دہلی سے 1979ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مؤلف ہرش چند نے قرآنی تصورات اور تعلیمات کا فلسفیانہ اصولوں اور اپنی آزادانہ فکر وخیال کی روشنی میں جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، اور اپنی تائید میں مختلف قرآنی آیات سے استدلال بھی کی ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں روح کی پیدائش، فطرت خدا، حکمت، علم، وحدت الٰہ، اور صفات باری تعالیٰ وغیرہ مباحث کو اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے۔ ارواح سے متعلق انہوں نے جو گفتگو کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ روح کو ایک مستقل وحدت یا کسی مکمل چیز کے طور پر وجود میں نہیں لایا جا سکتا ہے، یہ روحیں اپنی ایک تاریخ اور میراث رکھتی ہیں، تو جب ان کو وجود میں لایا جاتا ہے تو اپنی پوری تاریخ اور توارث کے ساتھ وہ وجود میں آتی ہیں۔ پھر یہی روحیں ہیں جو موت کا مزہ چکھتی ہیں انھیں سزا و جزا سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جسم کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ موت دراصل حرکت کے رک جانے، شعور کے بند ہو جانے، اور عمل وخواہش کے ختم ہو جانے کا نام ہے۔(14)

ہرش چندر اس بات کے بھی قائل ہیں کہ قدرت نے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے، اور اس کی زندگی میں پیش آنے والے حالات وواقعات اسے خدا کی خدائی اور اس کی سچائی کی یقین دہانی میں اضافہ کرتے ہیں۔ لہٰذا زندگی کے نشیب وفراز میں لئے گئے اچھے برے فیصلوں اور سلوک وبرتاؤ کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے۔(15)

اپنے الٰہ اور معبود کا انتخاب اور اختیار کرنے میں انسان کے ارادہ واختیار پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر خود کو پہچاننے کا احساس جاگزیں فرما دیا ہے، لیکن اس احساس کے ساتھ اسے اپنے ادراک کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بنالے، اور اگر چاہے تو اس کا انکار کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا''۔(القرآن، سورہ دہر، آیت:3) یعنی ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔(16)

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب وزیر حسن اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

''مختصراً یہ کہ یہ قرآن کے پیش کردہ صحیح فکر پر ایک آزادانہ رائے ہے قرآن کے صحیح فکر بغیر کسی گہرے اور محتاط مطالعہ کے۔ مصنف ویدیائی افکار سے متاثر نظر آتا ہے اور اس نے اس کے مثل کی قرآن میں تلاش کی کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ وہ قرآن کے بہت سے بہتر اور اچھے افکار سے کافی متاثر ہے اس نے بہتر سمجھا کہ ایسی آیات کو بغیر کسی تنقید کے آخر میں لگا دے جو اس سے قرآن سے کلی طور پر موافقت کی دلیل ہوں''۔(17)

3- پنڈت سندر لال نے ایک کتاب ''The Gita and the Quran'' کے نام سے ہندی زبان میں لکھی ہے، جسے بعد میں جناب سید اسد اللہ نے انگریزی کا جامہ پہنایا۔ اس کتاب میں مصنف نے قرآن کریم اور گیتا کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور دونوں کتابوں کی جن تعلیمات میں کسی قدر یکسانیت پائی گئی ہے ان کو نسبتاً نمایاں کر کے پیش کیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے پیش نظر مؤلف کا مقصد یہ تھا کہ لوگ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں، اور دوسروں کی نفرتوں کو بھول کر الفت و محبت کو فروغ دیں۔ انہوں نے قرآن اور گیتا کی جو تعلیمات پیش کی ہیں انھیں اسی مذہب کے علماء کے اقوال و آراء اور روایات سے مزین کر کے مستند بنانے کی کوشش کی ہے۔

یہ ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی قرآنی خدمات کی ایک جھلک ہے۔ ورنہ انہوں نے اس موضوع پر بڑے پیمانہ پر خدمات انجام دی ہیں۔ جن پر دیگر مقالہ نگاران نے بھی روشنی ڈالی۔ یہ قرآنی خدمات اس اعتبار سے قابل قدر ہیں کہ ان میں سے بعض ہندوستانی غیر مسلم مصنفین نے قرآن کریم کو سمجھنے یا اس کی تعلیمات کے ذریعہ آپسی ہم آہنگی کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

حوالہ جات:

1۔ ساجد اسد اللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، ایقان 1، شمارہ 1، 2018ء، 27-28۔

2۔ اسداللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، 28۔
3۔ اسداللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، 31-29۔
4۔ Sajid Asdullah، ''پادری احمد شاہ کا اردو ترجمہ قرآن''، hafizahmedyar.com، accessed February 23, 2023، http://www.hafizahmedyar.com/armaghan/padri.html۔
5۔ وزیر حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، مترجم اورنگ زیب اعظمی (لاہور: دار النوادر، 2005ء)، 12-10۔
6۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 18۔
7۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 20-16۔
8۔ غوث سیوانی، ''غیر مسلم علماء اور مفکرین کے ترجمہ قرآن''، urdu.awazthevoice.in، accessed February 24, 2023، https://www.urdu.awazthevoice.in/culture-news/translation-of-the-qur-an-by-non-muslim-scholars-and-thinkers-4430.html۔
9۔ اسداللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، 31۔ بحوالہ جے علی بخش، تفسیر قرآن (لاہور: مرکنٹائل پریس، 1935ء)، 2-1۔
10۔ اسداللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، 32-31۔
11۔ اسداللہ، ''برصغیر میں غیر مسلم اہل قلم کے بزبانِ اردو تراجم وتفاسیر قرآنی''، 32۔
12۔ شیث محمد اسماعیل اعظمی، دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات (دہلی: کتابی دنیا، 2002ء)، 156-155۔
13۔ Sant Vinoba Bhave، ''THE ESSENCE OF THE QURAN''، newageislam.com، accessed February 23, 2023، https://www.newageislam.com/books-and-documents/sant-vinoba-bhave/the-essence-of-the-quran-by-sant-vinoba-bhave---part-1/d/8238۔
14۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 24-23۔
15۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 26۔
16۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 25-23۔
17۔ حسن، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، 28۔

☆☆☆

غیر مسلموں کے ہندوستانی زبانوں میں قرآن کے ترجمے

جناب محمد شیر علی
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

تمہید:

قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام اور اس کا پیغام ہے اس کی ابدیت، ہمہ گیریت، اور جامعیت کے پیش نظر دنیا کی تمام زبانوں میں اس کے ترجمہ وتفسیر کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کا آغاز ابتدائے اسلام سے ہی چلا آرہا ہے اور اس سلسلے میں برصغیر ہند کی غیر معمولی خدمات ہیں جن کا اعتراف کیا جانا چاہئے۔ برصغیر ہند میں پرانے زمانے سے مختلف مذاہب اور تہذیب وثقافت کے لوگ رہتے آئے ہیں۔ اس باہمی میل جول اور گنگا جمنی تہذیب نے لوگوں کو ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھنے اور سمجھانے میں نہایت دلچسپی لی اور ہندوستان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس ملک کے حکمراں طبقہ اور عوام دونوں نے قرآن مجید کو سمجھنے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ برصغیر ہند میں قرآن مجید کی طرف نہ صرف مسلموں بلکہ غیر مسلموں نے بھی توجہ مرکوز کی اور اس سے متعلق مختلف علوم پر کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جیسا کہ سندھی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ سندھی زبان میں پنجاب وسندھ کے راجہ مہروک بن رائق نے 883ء میں سورہ یٰسین تک ایک عرب عالم دین سے کروایا تھا لیکن اس کا کوئی نسخہ آج دستیاب نہیں ہے۔ سندھی زبان میں پہلا مکمل ترجمہ جو موجود ہے وہ اخوند عزیز اللہ متعلوی ساکن مٹیاری ضلع حیدرآباد نے کیا تھا اور اسی ترجمہ کو 1870ء میں محمدی پرنٹنگ پریس گجرات نے

شائع کیا تھا اور وہی ترجمہ بمبئی سے 1857ء میں طبع ہوا۔ یہ ترجمہ بہت قدیم سندھی زبان میں کیا گیا تھا۔(1) پروکھوشال کے مطابق؛

''883ء میں ہی قرآن مجید کا ہندو راجہ کی تحریک پر ہندی زبان میں ترجمہ کیا گیا''۔(2) بعدازیں مختلف ادوار میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں نے بھی قرآن مجید کو پڑھنے اور اس پر کام کرنے میں انتہائی دلچسپی دکھائی۔ ملک ہندوستان میں جہاں ایک طرف مسلمان اہل علم حضرات نے وید، گیتا، اپنشد، پران، مہابھارت اور رامائن کے تراجم کئے ہیں۔ تو وہیں دوسری طرف غیر مسلم حضرات نے بھی قرآن مجید کا عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت، انگریزی کے علاوہ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر اور علوم قرآن کے میدان میں انتہائی اہم کارنامے انجام دئے ہیں۔ جیسے تیلگو، بنگلہ، سنسکرت، کنڑ، سندھی، گجراتی، کشمیری، ہندی، ملیالم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

درحقیقت اکثر غیر مسلم مترجمین ومصنفین عربی زبان سے بخوبی واقف نہیں تھے۔ اس لئے انھوں نے انگریزی یا اردو زبان کی مدد سے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ کیونکہ قرآن مجید کا عربی زبان سے گہرا تعلق ہے اور بغیر معرفت زبان کے صحیح ترجمانی کرپانا مشکل امر ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی غیر مسلم مترجمین نے قرآن مجید کا صحیح ترجمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی تاکہ قرآن کے حقیقی معنی تک رسائی ہو سکے اور مناسب متبادل الفاظ کی تلاش وجستجو پوری احتیاط کے ساتھ کی جاسکے اور اس سلسلے میں ہمیں غیر مسلم مترجمین ومصنفین دونوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے مشاہیر غیر مسلم مترجمین کے نام حسب ذیل ہیں۔

ہندی ترجمہ تفسیر قرآن: (ترجمہ قرآن، ونے کمار اواستھی)

ونے کمار اواستھی نے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام'' قرآن شریف تفسیر مجیدی'' رکھا۔ جو مترجم موصوف کے عنوان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔ یہ ترجمہ لکھنؤ کتاب گھر مطبع دانی پریس سے 1983ء میں شائع ہوا اور اس ترجمہ کی جلد اول، پہلی سورہ سے پانچویں سورہ پر مشتمل ہے جس میں صفحات کی تعداد 512 ہے

اوراس کا مقدمہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے اور یہ ہندی، اردو دونوں زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی کاوش کو کافی سراہا گیا ہے اور انہیں عصر حاضر کے مفسرین ومترجمین میں ایک ممتاز شخصیت کے طور پر شمار کیا ہے۔مولانا دریابادی کی تفسیر کے بارے میں ابوالحسن علی ندوی کا ماننا ہے کہ یہ قرآنی فکر کا ایک آئنہ اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔اپنے مقدمہ کے آخر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ونے کمار اواستھی کے تفسیر ماجدی کے ہندی ترجمہ کی کوشش کو سراہتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار بھی کیا ہے۔چونکہ ونے کمار اواستھی مولانا عبدالماجد کی تفسیر سے کافی متاثر تھے،اس لئے آپ نے اسکی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسے ہندی زبان میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس ترجمہ کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ ترجمہ میں قرآنی نصوص کو عربی متن کے ساتھ باقی رکھا گیا ہے۔

2۔ قرآنی نصوص کے دیوناگری تلفظ کو جگہ ملی جسے پڑھنے میں آسانی میسر ہو سکے۔

3۔ قرآنی نصوص کے پڑھنے کے قواعد واشارات بیان کئے گئے ہیں تاکہ ایک ہندی پڑھنے والا شخص اسے بہ آسانی پڑھ سکے۔

4۔ ترجمہ میں موضوعات اور سورتوں کی ایک فہرست تیار کی گئی ہے۔

5۔ عربی زبان کے مختصر قواعد بیان کئے گئے ہیں۔

6۔ ترجمہ کی زبان آسان اور سلیس ہے جو عام ہندی جاننے والے کے لئے قابل فہم ہے۔ترجمہ نگار ونے کمار اواستھی کی یہ ایک انمول کوشش ہے۔اس میں اردو کے بھی بعض وہ الفاظ شامل ہیں جو عام طور پر بولے جاتے ہیں جیسے مقدار اور مقصد وغیرہ۔اس طرح موصوف کا یہ ترجمہ ہر اعتبار سے مکمل ہے اور اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی ترجمہ اس قدر اہتمام اور احتیاط کے ساتھ منظر عام پر آیا ہو۔(3)

ونے کمار اواستھی کے والد نند کمار اواستھی نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا جس کا مکمل متن

بھی دیوناگری میں لکھا ہوا تھا۔

ہندی ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن پریم سرن پرنت)

جناب پریم سرن پرنت نے قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے جس کی صرف دو جلدیں دیکھنے کو ملتی ہیں اول اور سوم، مترجم کی یہ دونوں جلدیں کاشی آریا سماج کتب خانہ بنارس میں موجود ہیں۔ جلد اول میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کا ترجمہ کیا گیا ہے اور جلد سوم سورۃ المائدہ وسورۃ الانعام کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اپنے اس ترجمے کے تعلق سے مترجم موصوف نے جلد اول کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ جلد کے اعتبار سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن فی الحال کتب خانوں میں ان دونوں جلدوں کے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ مترجم پریم سرن پرنت کے بیان پر مبنی تخمینہ سے ایک اندازہ ہوتا ہے کہ اس ترجمہ کی جلد دوم کم تعداد میں چھپی اور جلد ختم ہوگئی اور جلد سوم کے بعد کوئی اور جلد منظر عام پر نہ آسکی۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آریائی مفکرین اور آزاد خیال غیر مسلموں کی جانب سے ضرورت کے پیش نظر بھی یہ اقدام خریداروں کو زیادہ متوجہ نہ کرسکا۔

موصوف نے اپنے اس ترجمہ کو سیٹھ جوگل کشور جی کے نام سے منسوب کیا ہے اور ترجمہ کے شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ترجمہ گاندھی جی کے افکار سے کافی متاثر اور سوامی برہمانند سرسوتی کے نام پر تیار کیا گیا ہے، نیز ترجمہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کا اصل مقصود ومطلوب غیر مسلموں کے مابین قرآنی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرانا ہے۔ اس لئے مترجم کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ لوگوں کے لئے ایک ایسا ترجمہ پیش کریں جس میں دیوناگری رسم الخط میں آیات اس طرح لکھی ہوں جو صحیح طور پر ادا کی جاسکیں اور ترجمہ مسلم مترجمین کے تفسیری نوٹ، حدیث کے حوالے، مسلم علماء کی تفاسیر توضیح وتشریح اور ویدک موازنہ پر مشتمل ہو۔ مگر پنڈت رام چندر جی کے مشورہ کو مناسب سمجھتے ہوئے مترجم موصوف نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ موصوف نے صرف قرآن مجید کا ہندی ترجمہ ہی عام طور پر غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا تاکہ ہر کوئی قرآن مجید کے افکار ومطالب کو بخوبی سمجھ سکے۔

اس ترجمہ کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1۔ موصوف نے ترجمہ کے شروع میں قرآن مجید کی حرکات وسکنات، تلفظ اور تجویدی اصول کو بیان کرنے کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کوشش کی ہے کہ ایسا قاری بھی جو عربی زبان سے واقف نہ ہو وہ بھی قرآنی آیات کو بآسانی سمجھ سکے اور پڑھ سکے۔

2۔ اس ترجمہ میں قرآنی اصول کو منزل اور پاروں کے حساب سے تقسیم کیا گیا ہے اور یہ ترجمہ لفظ بہ لفظ ہونے کے ساتھ ہندی محاورہ کے موافق بھی ہے۔

3۔ ترجمہ میں اول قرآنی آیات کو دیوناگری رسم الخط میں لکھا گیا ہے پھر ان آیات کا ترجمہ بھی لکھا گیا ہے۔

4۔ اس ترجمہ کی زبان سلیس اور بامحاورہ ہے۔

5۔ علاوہ ازیں ہر صفحہ پر حاشیہ بھی لگایا گیا جو کٹھن الفاظ اور علمی اصطلاحات کی توضیح وتشریح کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر ان حواشی کے مصادر ومراجع کا ذکر نہیں کیا گیا۔

6۔ اس ترجمہ کی جلد اول 160 صفحات کو محیط ہے اور جلد دوم 335 سے 510 صفحات پر مشتمل ہے۔

ہندی ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن پنڈت رام چندر دہلوی)

غیر مسلم مترجمین میں پنڈت رام چندر دہلوی کی شخصیت بھی کافی شہرت یافتہ ہے جنہوں نے قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے موصوف عربی زبان میں غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کے اسی حصہ کا ترجمہ کیا ہے جس کا سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ رام چندر دہلوی قرآن مجید کے ایک حصے کے ترجمہ کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں نے یہ اعتراض کیا کہ ''ستیارتھ پرکاش'' میں شامل ترجمہ غیر معقول ہے اور آیات کے نمبر بہت سی جگہوں پر غلط اور مشکوک ہیں۔ اس لئے انہوں نے خود ایسا ترجمہ کیا جو صحیح اور ہر طرح کی کوتاہیوں سے پاک ہو۔ چنانچہ دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں

شامل رام چندر جی کے ترجمہ میں رموز اوقاف نہیں پائے جانے کی بنا پر ذرا تشویش ہوتی ہے کہ مترجم کا یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ پر مبنی ہے۔اسی بنا پر موصوف رام چندر جی نے رموز اوقاف کی صحت کے ساتھ ایک الگ ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی ان آیات کے تراجم کو بھی شامل کیا جو ستیارتھ پرکاش کے ترجمہ نگار سے چھوٹ گئے تھے۔موصوف نے ''ستیارتھ پرکاش'' کے ترجمہ کو بھی باقی رکھتے ہوئے چند الفاظ کو تبدیل کیا تا کہ شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ کی آن باقی رہ سکے۔

رام چندر جی دہلوی کا یہ ترجمہ 1943ء میں شائع ہوا، اس کے ناشر کا نام واضح نہیں ہے۔ ترجمہ میں تعارف پیش کرنے کے بعد رام چندر جی نے مطبعی غلطیوں کا ایک نقشہ بھی بنایا ہے جسے دیکھ کر اس قسم کی تمام باتیں ایک ہی نظر میں واضح ہو جاتی ہیں۔اس پورے ترجمہ کو انہوں نے 159 حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ترجمہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ نگار نے عربی نصوص کو دیوناگری رسم الخط میں ایک جانب رکھا ہے اور ان کے ترجمے کو ٹھیک اسی کے مقابل دوسری جانب رکھا گیا ہے۔ترجمہ میں زبان نہایت آسان استعمال کی گئی ہے اور ہندی الفاظ کی کثرت ہے۔اس ترجمے کا نسخہ پنڈنی کنیا مہاودیالیا، وارانسی میں موجود ہے۔

تیلگو ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن، ڈاکٹر چلوکوری نارائن راؤ)

ڈاکٹر چلوکوری نارائن راؤ نے تیلگو زبان میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ 15 سال 1930ء میں مکمل ہوا۔تیلگو زبان میں اس ترجمہ کو پہلا مقام حاصل ہے۔مترجم کے اس ترجمے کے اثرات نہ صرف مسلمانوں پر پڑے بلکہ غیر مسلم مفکرین نے بھی اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔یہ ترجمہ کس طرح وجود میں آیا اس بارے میں مترجم تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''میں نے عربی زبان میں مہارت رکھنے والے دو مولویوں کا انتخاب کیا وہ عربی قرآن مجید کو اپنے سامنے رکھتے تھے اور میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ سامنے رکھتا تھا اور تیلگو میں ترجمہ کرنے سے پہلے ان دونوں مولویوں سے پوچھ لیا

کرتا تھا۔ میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ عربی متن سے قریب قریب ترجمہ کیا جائے تا کہ عربی مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ ترجمہ کرنے کے بعد میں اپنا تیلگو ترجمہ ان دونوں مولویوں کو سنا دیا کرتا تھا اور جہاں جہاں وہ مناسب سمجھتے تھے ترمیم واضافے کا مشورہ دیتے تھے تو میں اسے قبول کرلیا کرتا تھا۔ اس طرح میں آندھرا پردیش کی عوام کو تیلگو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ پیش کرسکا''۔(4)(5)

ڈاکٹر چلوکوری نارائن راؤ آندھرا پردیش کے ایک گورنمینٹ کالج اناتھپورا میں لسانیات کے پروفیسر تھے۔ ترجمہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ترجمہ کے مقدمہ میں اپنے کام سے متعلق تمام معلومات بھی جمع کی ہیں۔ ترجمے کا پہلا ایڈیشن 1930ء میں اور اس کا دوسرا ایڈیشن 1938ء میں شاردا پریس، بنارس سے چھپا۔ ترجمہ نگار اپنی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی بھی مترجم کے لئے ایک زبان سے دوسری زبان میں اس کے اصل معنی کا منتقل کرپانا ذرا مشکل امر ہے۔ عربی زبان کا اسلوب بھی تیلگو سے بالکل الگ ہے اور تیلگو الفاظ عربی کلمات کی اصل روح کو نہیں بیان کرپاتے، اس لئے ایسے حالات میں ترجمہ کرنے میں تیلگو زبان کے قریب تر الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو اصلی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، نیز عربی زبان کے متعلق بھی وہ کہتے ہیں کے یہ وہ زبان ہے جس میں محمد ﷺ نے جبرئیل امین کے ذریعہ سے وحی کو سمجھا۔ مترجم کے اس ترجمے کا خاص مقصد غیر مسلموں اور مسلموں کو یہ پیغام دینا تھا کہ قرآن مجید امن وآشتی میں داعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ موصوف کا ماننا ہے کے اگر مسلمان اور غیر مسلم قرآن مجید کو صحیح معنی میں سمجھ جائیں تو پرامن طور پر وطن عزیز میں خوشگوار زندگی گزارنے لگیں گے۔ ترجمہ میں تعارفی کلمات کے اخیر میں مترجم نے دو عالموں کا شکریہ بھی ادا کیا ہے جنہوں نے مختلف انداز سے ترجمہ قرآن میں ان کی خصوصی مدد کی تھی۔ موصوف کا یہ ترجمہ ایک جلد میں موجود ہے اور کل 754 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس ترجمہ کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ مترجم نے پورے قرآن کا ترجمہ تیلگو زبان میں ترتیب وار کیا ہے۔

2۔ ترجمہ کے آغاز میں تعارفی کلمات پیش کئے ہیں جونہایت معلوماتی دلچسپ ہیں۔

3۔ اس کے کل تین ابواب ہیں:

1۔عرب جاہلیت، تاریخ وعادات۔ 2۔سیرت محمد ﷺ۔ 3۔اسلام۔

4۔ آخری باب میں موصوف نے عربی جملوں کو تیلگو رسم الخط میں لکھا ہے جن میں موصوف نے تیلگو زبان میں ہی اسلامی عقیدہ وعادات کی وضاحت کی ہے۔

5۔ ترجمہ میں پہلے ایڈیشن کی بہ نسبت دوسرے ایڈیشن کی زبان زیادہ واضح اور صاف ہے۔

6۔ دوسرے ایڈیشن میں مطبعی یا ترجمہ کی غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔

7۔ تعارفی کلمات میں ترجمہ نگار نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو دوستانہ ماحول، باہمی میل جول اور مذہبی رواداری کے ساتھ پرامن طریقے سے رہنے کی نصیحت کی ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے آنے والی نسلوں کے لئے اس میدان میں ترقی کرنے کی نصیحت کی ہے۔

سنسکرت ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن، ستیادیوورما)

غیر مسلم مفکرین میں جناب ستیادیوورما نے قرآن مجید کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام ''سنسکرتم قرآنم'' ہے۔ان کا یہ ترجمہ قرآن لکشمی پبلی کیشن نئی دہلی سے 1990ء میں چھپا ہے۔مترجم کے مطابق ان کا یہ سنسکرت ترجمہ محمد فاروق خان کے ہندی ترجمہ اور مارماڈیوک پکتھال کے انگریزی ترجمہ سے ماخوذ ہے۔ترجمہ نگار کے مقدمہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس میں مختلف مذہبی موضوعات جیسے توحید، صفات، عروج دین، خاتمہ فجور، عذاب اور تناسخ ارواح کی فہرست بھی پیش کی ہے۔

ہندی ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن رگھوناتھ پرساد مشرا جی)

رگھوناتھ پرساد مشرا نے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے جو چپاتی اٹاوہ سے چھپا ہے مگر مترجم کے بارے میں واضح نہیں کہ انہوں نے یہ ترجمہ بلاواسطہ عربی سے کیا یا کسی اور مصدر کا بھی

سہارا لیا ہے۔لیکن ترجمہ کافی حد تک بہتر معلوم ہوتا ہے،مگر اس کا مقدمہ کافی الجھا دینے والا ہے اور جا بجا حسد بھرے نقد پر مشتمل ہے جس سے ترجمہ کی جاذبیت اور خوبصورتی بھی جاتی رہتی ہے۔ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عقائد پر تنقید کے مقصد سے کیا گیا تھا۔ترجمہ نگار نے اس ترجمہ کے قاری کو اس کے مطالعہ سے پہلے اپنی کتاب ''قرآن کا آدرش'' پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔

ملیالم ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن،کونیور گھون نیر)

کونیور گھون نیر نے قرآن کا ترجمہ ملیالم زبان میں کیا ہے۔ترجمہ نگار مکمل طور پر یوسف علی کے انگریزی ترجمہ قرآن کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ترجمہ نگار نے یہ ترجمہ شعری انداز میں کیا ہے۔ عربی کے بابت مترجم کو کم واقفیت تھی جس کی بنا پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت جاتی رہی۔علاوہ ازیں ترجمہ میں جگہ جگہ پر مطبعی یا غیر احتیاطی غلطیاں جیسے البقرۃ کی بجائے البکرۃ دیکھنے کو ملتی ہیں۔

بنگالی ترجمہ قرآن: (ترجمہ قرآن،گریش چندر راسین)

گریش چندر اسین نے قرآن مجید کا جدید بنگالی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔موصوف کا یہ ترجمہ تین جلدوں میں 1886-1881ء کے قریب چھپا ہے۔اس ترجمہ میں عربی نصوص کا فقدان ملتا ہے۔مترجم برہموسماج میں ایک مبلغ کی حیثیت رکھتے تھے۔ان کو اسلامی مطالعہ کے لئے کشپ چندرا سین نے منتخب کیا تھا،اس فیصلہ کے تحت کہ اہم مذاہب پر تصنیف کا کام شروع کیا جائے۔موصوف بیالیس سال کی عمر میں لکھنؤ چلے گئے جہاں انہوں نے عربی و فارسی کی تعلیم مکمل کی، پھر بعد میں وہ مولوی گریش چندر کے نام سے بھی جانے گئے۔1926ء میں بنگالی مسلم علماء نے بھی گریش چندر جی کے اس ترجمہ کو معتبر قرار دیا ہے۔(7)

کنڑ ترجمہ قرآن: (قرآن مجید کا کنڑ میں ترجمہ، پوتر قرآن)

ترقی پسند خیالات رکھنے والے رکھنے والے میسور کے راجہ سر شری کرشنا جی کی خواہش سے

قرآن مجید کا کنڑ زبان میں پہلی بار ترجمہ کی کوشش وینکٹ رامینا نے انجام دی۔ وینکٹ رامینا اس وقت میسور حکومت کی جانب سے ترجمہ نگار کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے پارہ کا ترجمہ کیا اور بدقسمتی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ بالآخر اس ترجمہ کا کام میسور کے ایک دوسرے اسکالر آر ائے کیسری کے سپرد کیا گیا اور انہوں نے اپنی ذاتی محنت اور کاوش سے سال بھر کے عرصہ میں مکمل کیا۔ کنڑ زبان میں یہ پہلا قرآن مجید کا ترجمہ تھا جو 1949ء میں ''پوتر قرآن'' کے نام سے شائع ہوا۔ لیکن یہ ترجمہ صحیح نہ تھا، مترجم عربی زبان سے واقف نہ تھا، انہوں نے یوسف علی کے انگریزی ترجمہ کی مدد سے کنڑ میں ترجمہ کیا تھا جس پر کافی اعتراضات وارد کئے گئے۔

خلاصہ:

مندرجہ بالا تراجم کے علاوہ کئی علاقائی زبانوں میں بھی غیر مسلم علماء و مفکرین نے قرآن مجید کے تراجم و تفسیر اور علوم قرآن کے میدان میں اہم کارنامے انجام دئے، اور ان کے اس کام کو مسلم علماء و مفکرین نے اپنے موضوع کے اعتبار سے اہم قرار دیا ہے۔ ہندو علماء و مفکرین نے قرآن مجید کو نہ صرف عزت کی نگاہ سے دیکھا بلکہ انہوں نے قرآنی تعلیمات و افکار کو سمجھنے میں نہایت دلچسپی بھی ظاہر کی ہے۔ وطن عزیز میں قرآنی تراجم و تفسیر پر غیر مسلم علماء و مفکرین کی یہ خدمات آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمایاں قدم ہوگا۔ اس سے ہندو مسلم یکجہتی کو تقویت پہنچے گی اور ایک دوسرے کے مذہب کو صحیح طور پر سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ ان کی یہ خدمات آج ہندوستان جیسے ملک عزیز میں باہمی رواداری، اخوت و محبت اور انسان دوستی میں اہم کردار ادا کرے گی۔ زیر نظر یہ مقالہ وطن عزیز میں غیر مسلم علماء و مفکرین کی قرآنی تشریحات اور تراجم کے حوالے سے مذکورہ بالا غیر مسلم خدمات پر خاص روشنی ڈالتا ہے جو کہ مسلم ترجمہ نگاروں کی نظر میں ممتاز ہیں۔ ان کی ان خدمات کو معاشرہ میں متعارف کیا جائے تا کہ ایک خوشگوار معاشرہ قرآن و سنت کے مطابق تشکیل دیا جا سکے۔

حوالہ جات:

1۔ پروفیسر غلام یحییٰ انجم، قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر کا اجمالی جائزہ نئی دہلی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2017ء، ص161

ایضاص، 755

2۔ رسالہ ترقی زبان اردو ص53

3۔ اعظمی شیث محمد اسمعیل، دراسات اسلامیہ کے فروغ میں غیر مسلموں کی خدمات، دہلی، کاک آفسیٹ پرنٹرس، 2002ء، ص651

4۔ قریشی ممتاز، قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں، بہادر جنگ اکیڈمی، کراچی 1990ء، ص128

5۔ پروفیسر غلام یحییٰ انجم، قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم کا اجمالی جائزہ، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،، 2017ء، ص551

6۔ اعظمی اورنگزیب،، ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، نئی دہلی، اسلامک بک سینٹر، 2004ء، ص16 تا20

7۔ اختر شمیم، دوقومی نظریہ کی حقیقت، قومی آواز، 1985ء

☆☆☆

غیر مسلم ملیالی دانشوران کی قرآنی خدمات

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی
(استاذ جامعہ اسلامیہ شانتاپرم، کیرلا)

تمہیدی باتیں:

اقصی جنوبی ہند کے پانچ سو اسی کلومیٹر لمبے اور تیس تا ایک سو بیس کلومیٹر چوڑے مغربی ساحلی علاقے میں ملیالم زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

جب یکم نومبر انیس سو چھپن میں لسانی بنیادوں پر ہندوستان میں کئی نئے صوبوں کی تشکیل ہوئی تو ملیالم بولنے والوں کے لئے الگ صوبہ کی تشکیل ہوئی۔

کیرل میں ملیالم زبان بولنے والوں کی تعداد ستانوے فیصد ہے، اور اپنی ریاستی زبان بولنے والوں کے اعتبار سے کیرل سب سے آگے ہے، کیرل کے علاوہ ہندوستان کے کسی بھی دوسرے صوبے میں وہاں کی ریاستی زبان بولنے والوں کی تعداد ستانوے فیصد سے زیادہ نہیں ہے، بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے ملیالم ہندوستان کی دسویں بڑی زبان ہے، اور یہ تقریبا چار کروڑ ہندوستانیوں کی مادری زبان ہے۔

اس زبان میں ادب ہے، ثقافت وتہذیب ہے، مذہبیات ودینیات کا بہت بڑا بیش بہا خزانہ ہے، ہندوستان کی یہی وہ مبارک سرزمین ہے جہاں آسمانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور دین اسلام کی کرنیں سب سے پہلے پہنچیں، کیرل میں ستائیس فیصد مسلمان، اٹھارہ فیصد عیسائی اور پچپن فیصد ہندو ہیں، اور یہ بڑے پیار ومحبت سے رہتے ہیں، اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ

اپنے اپنے مذہب کے اصول اور ضروری باتوں پر عمل کرتے ہیں، اور عام طور پر اپنے مذہب میں در آئی بدعات وخرافات سے بہت دور رہتے ہیں، اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

یہاں کے غیر مسلم دانشوران نے اسلامیات پر کافی کام کیا ہے، قرآن پاک کا نثر ونظم میں ترجمہ بھی کیا ہے، میں اپنے اس مقالے میں چند ''غیر مسلم ملیالی دانشوران کی قرآنی خدمات'' کا تذکرہ کروں گا، تاکہ اردوداں حضرات کے درمیان ان کی خدمات کا چرچا عام ہو، اور ملیالی غیر مسلم دانشوران کی اسلامی خدمات پر تحقیق تالیف کے دروازے کھلیں۔

ملیالی غیر مسلم دانشوران کے لکھے قرآن پاک کے ترجمے:

عربی زبان سے ناواقف دو ہندو شعراء نے قرآن پاک کے ملیالم اور انگریزی ترجمے اور تفسیریں پڑھ کر قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا ہے، اور ان منظوم ترجموں کو متعدد علمائے کرام نے اغلاط سے پاک کہا ہے، اور ایک ہندو دانشور نے ایک مسلم عالم کے لکھے ترجمے اور تفسیر کے زبان و بیان کی اصلاح کی ہے۔

ملیالی غیر مسلم دانشوران کے لکھے قرآن پاک کے منظوم ترجمے:

امرت وانی:

امرت وانی قرآن پاک کا ملیالم میں منظوم ترجمہ ہے، اس کے مترجم آنجہانی جناب کے جی راگھون نائر صاحب ہیں، یہ ترجمہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس کالی کٹ سے چھپا ہے۔(1)

اب تک اس کے چودہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، پہلا ایڈیشن اپریل انیس سو ستانوے میں شائع ہوا تھا، اور چودہواں ایڈیشن دو ماہ قبل شائع ہوا ہے، اب تک امرت وانی کی بیس ہزار سے زیادہ کاپیاں شائع ہو چکی ہیں، اس کے تمام ایڈیشن اسلامک پبلشنگ ہاؤس کالی کٹ سے شائع ہوئے ہیں۔

میرے سامنے امرت وانی کا چوتھا ایڈیشن ہے، جس کے حجم کی تفصیلات یہ ہیں، لمبائی

اکیس سینٹی میٹر، اور چوڑائی چودہ سینٹی میٹر ہے، اور کل صفحات آٹھ سو اٹھاسی (888) ہیں۔

اب ہم آپ کی خدمت میں عرض ناشر پیش کرتے ہیں۔

عرضِ ناشر:

قرآن پاک صحیفوں کی کتاب ہے جسے خالقِ کائنات نے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے نازل کیا ہے۔

اس کی زبان، اسلوب اور ساخت الہی ہے، جیسا کہ اس کا مواد ہے، اس لئے کسی دوسری زبان میں اس کا لفظی ترجمہ ممکن نہیں، تاہم اس کے معنی کو سمجھنے کے لئے دیگر زبانوں میں ترجمہ ضروری ہے۔

جدید دور میں قرآن کا ترجمہ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں دستیاب ہے، اگرچہ ملیالم میں بہت سے قرآنی ترجمے اور تفسیریں موجود ہیں، لیکن اس سے قبل قرآنی افکار کا منظوم ترجمہ سامنے نہیں آیا۔

یہ قرآن پاک کی منظوم صورت نہیں ہے، یہ نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی عملی، بلکہ امرت وانی قرآنی افکار کی منظوم صورت ہے، جسے ایک عربی زبان سے ناواقف غیر مسلم بھائی نے اپنی بے پناہ دلچسپیوں اور عظیم قربانیوں سے یہ عظیم کام انجام دیا ہے۔

غیر مسلم بھائیوں کو قرآنی اصولوں کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب مفید ہے، اس لئے اسلامک پبلشنگ ہاؤس اس کتاب کو شائع کررہا ہے۔

امرت وانی کی مقبولیت:

امرت وانی کے ناشر اس کے چوتھے ایڈیشن میں عرض کرتے ہیں: قارئیں کے درمیان اس کتاب کی قبولیت سے ہماری توقعات بڑھ گئی ہیں، مختصر عرصے میں اس کتاب کو تین اعزازات مل چکے ہیں۔

1) ایم۔ ایس۔ ایس (مسلم سروس سوسائٹی) کی طرف سے قائم کردہ سی این احمد مولوی اینڈ ومینٹ کا فرسٹ ایوارڈ۔(2)

2)　ایس۔ایم۔اے کریم ایوارڈ۔　3)　سی ایچ محمد کویا ایوارڈ۔(3)

ان اعزازات کے علاوہ بہت سارے تأثرات بھی ہمیں موصول ہو رہے ہیں جن میں اس کتاب کو سراہا گیا ہے، پہلے ایڈیشن کی خامیوں کو بعد والے ایڈیشنز میں زائل کر دیا گیا ہے۔

اس کا چوتھا ایڈیشن اس وقت منظرِ عام پر آ رہا ہے جب مترجم ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کا انتقال دو ہزار گیارہ میں ہو گیا ہے۔

اس کی تحقیق و تصحیح بہت اچھے سے ایس ایم اے کریم صاحب تریوندرم، پروفیسر کے پی ایم حسین، ٹی کے عبید اور عبدالرحمٰن منّور نے کی ہے، آنجہانی ڈاکٹر پی کے نارائنن پلائی نے اس کتاب کی تدوین کی ہے، نوجوان شاعر محمد کٹی اِیلَمبیلا کوڈ نے پہلے ایڈیشن کی مکمل پروف ریڈنگ کر کے اغلاط کی تصحیح کی ہے، اور امید ہے کہ یہ ترجمۂ قرآن قارئین کے لئے مفید ہوگا۔(4)

عرضِ مترجم:

قرآن کریم کے خیال کو شاعرانہ شکل میں بیان کرنا بہت مشکل کام ہے: ''کئی بار دوستوں اور ناقدین نے مجھ سے سوال کیا کہ اس مہم جوئی کے لئے تم کیوں پیش قدمی کر رہے ہو؟'' اس کا جواب ایک جملے تک محدود نہیں ہو سکتا۔

انیس سو اناسی (1979ء) کے آخر میں مَیں نے سرکاری زندگی سے سبکدوشی کے بعد فطری خوبصورتی والے آنگان پہاڑ کے دامن میں واقع چونّنگاڈ کی سرزمین میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد میں نے جناب احمد مولوی صاحب (2) کے لکھے ہوئے قرآن پاک کا ترجمہ خرید کر اس کا مطالعہ کیا اور پڑھتے پڑھتے میری حیرت اور جوش میں اضافہ ہوتا گیا۔

جب میں اسکول میں تھا تب میں نے بائبل کا عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید پڑھا تھا، اور ان صحائف کے مطالعے پر اسکول سے مجھے انعامات بھی حاصل ہوئے تھے، یہی وجہ تھی کہ بائبل سے متعلق قرآنی حوالوں کو میں نے جلدی سمجھ لیا، مگر مجھے اسلام اور قرآن کے بارے میں اپنی پرانی سمجھ پر

نظرِ ثانی کرنی تھی۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب قرآن کریم کے پیغام کو شاعرانہ اظہار دینے کا خیال آیا، اس کے لئے میں نے سیرت نبوی ﷺ کو پڑھنا شروع کیا، اس میں اس وقت کے عرب اور وہاں کے لوگوں کے طرزِ زندگی کا تفصیلی بیان ہے، جلد ہی میں نے ''امرت وانی'' لکھنا شروع کر دیا۔

اسی دوران مجھے اپنے رشتہ دار اور محقق ڈاکٹر پی کے نارائن پلئی سے ملنے کے لئے ترونت پورم جانے کا موقع نصیب ہوا، ڈاکٹر پلئی سے میں نے اپنی تحریر ''قرآن پاک کے منظوم ملیالم ترجمہ'' کے بارے میں بات کی، افسوس ہے کہ اس سلسلے میں انھوں نے میری حوصلہ شکنی کی، اور کہا ''قرآن پاک وہ کتاب ہے جو اسلام کے تمام روحانی اور مادی پہلوؤں پر مشتمل ہے'' اس لئے انھوں نے مشورہ دیا کہ قرآن کے تمام ملیالم اور انگریزی تراجم گہرائی سے پڑھنے کے بعد ہی اس کے مندرجات کو جمع کرنے کی تیاری کرنی چاہئے۔

اگلے دن ہم نے ان کے جگری دوست اور ''اٹولیہ تیرتھادنم'' جیسی کتابوں کے مصنف جناب ایس ایم اے کریم صاحب سے ملاقات کی، جناب کریم صاحب نے مجھے قرآن کریم کے کئی ملیالم اور انگریزی تراجم عطا کیے، ان کی مدد کے بغیر یہ کتاب (امرت وانی) روشنی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

قرآن پاک وہ صحیفہ ہے جو انسانی زندگی کی تمام چیزوں کے لئے رہنمائی کرتا ہے، اس کے افکار کو شاعرانہ اظہار دینے کے عمل میں بھول چوک اور غلطیوں سے بچنے کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب ہر ایک قرآنی آیت کے ملیالم اور انگریزی ترجمے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہے، اس کے بعد جناب پروفیسر ایس ایم اے کریم صاحب نے ڈیڑھ سال تک، اور جناب محمد حسین صاحب نے چھ ماہ تک میرے مخطوطہ کا جائزہ لیا اور بہت سی غلطیوں کی تصحیح کی اور مناسب تبدیلیاں تجویز کیں، جناب ٹی کے عبید صاحب اور جناب عبدالرحمٰن مُنوّر صاحب نے ایک سال کی طویل مدت تک تصحیح کا کام انجام دیا، (5) ان حضرات کی تجویز کردہ تبدیلیوں کو میں نے قبول کیا اور ضروری اصلاحات کیں، پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مہربان اللہ اس غلطی کو معاف فرمائے، قارئین سے گزارش ہے کہ وہ بھی معاف کر دیں اور ان غلطیوں کی نشاندہی کریں۔

میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اس کی اشاعت کا آغاز کیا اور شیخ محمد کا رَکُّن (6) کا شکریہ کہ انھوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔(7)

دیویہ دپتی (الٰہی روشنی):

دیویہ دپتی بھی قرآن پاک کا ملیالم منظوم ترجمہ ہے، مترجم کُونِیُّور راگھون نائر (Konniyur Raghawan Nair) صاحب ہیں، یہ منظوم ترجمہ سماَوَیم بکس (Samanawayam books) کالی کٹ سے سن دو ہزار میں شائع ہوا ہے۔(8)

میرے سامنے دیویہ دپتی کا پہلا ایڈیشن ہی ہے، جس کے حجم کی تفصیلات یہ ہیں، لمبائی اکیس سینٹی میٹر اور چوڑائی چودہ سینٹی میٹر ہے اور کل صفحات ایک ہزار چودہ (1014) ہیں۔

عرضِ مؤلف:

یہ کتاب دیویہ دپتی کے نام سے شائع ہو رہی ہے اس کے تصنیف کی ایک بہت لمبی کہانی ہے۔

میری یادداشت کے مطابق تقریباً انیس سو چھیاسٹھ میں اس منصوبے کو شروع کیا گیا تھا، اس منصوبے کو پورا ہونے میں اتنی دیر (تقریباً چونتیس سال) ہونے کی بنیادی وجہ اس میں میری دلچسپی کی کمی اور کچھ حاسدین کی دخل اندازیوں کی بداعمالی ہے۔

اس منظوم ترجمے کے لکھنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ترواننت پورم ریڈیو اسٹیشن سے روزانہ نشر ہونے والی قرآن پاک کی تلاوت نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کی، میں اس سے متاثر ہوا اس لئے کہ اس میں ایک منفرد تال اور موسیقی ہے، لہذا میں پوری کتاب (قرآن پاک) پڑھنے کا شوقین ہو گیا۔

قرآن پاک کے ترجموں کی تفتیش پر مجھے پُنَالور (9) کے ایک دوست سے پکتھال (Pikhtal) نامی دنیا کے مشہور انگریزی اسکالر کا انگریزی ترجمہ ملا، میں نے اسے غور سے پڑھا، اللہ کی نصیحتوں کی سادگی نے مجھے بہت متاثر کیا، میں ان تعلیمات کو کیرالیوں کے لئے مزید مانوس کرانے کی دلی خواہش رکھتا تھا، قرآن کریم کی چند سورتوں کا ترجمہ مقامی اشاعت کے ذریعہ سامنے آچکا تھا۔

میں نے قرآن پاک کے مشہور مترجم جناب مُٹانیشیری کویا کُٹّی Muttanshery Koya) (Kutty کا ملیالم ترجمہ ایک دوست سے مانگ کر حاصل کیا، اور میں نے اسے بہت مضبوطی سے تھام کر قرآن کریم کے اپنے منظوم ترجمہ کو مکمل کیا، اس کے بعد میں نے اپنا قرآن جناب محمد اسلم مولوی صاحب کو بغور معائنے کے لئے پیش کیا اور ان کے قیمتی تبصروں کو شامل کیا۔

عظیم شاعر پُتّن کاؤ ماتھن ترکن (Puthencav Mathan Tharakan) کے کلا مندر سے چھپی ہوئی ایک کاپی انھوں نے اور میں نے مل کر اس وقت کے وزیر تعلیم عزت مآب سی ایچ محمد کویا کی خدمت میں پیش کیا تھا، انھوں نے اس کے لئے ہماری بہت حوصلہ افزائی کی اور کچھ وعدے کیے، لیکن ان کی وفات کی وجہ سے ہماری وہ کوششیں بے سود رہیں، اسی دوران میری یہ عاجزانہ کوشش کُٹّی یا موصاحب کے علم میں آئی، جو انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کے سربراہ تھے، ان کے ذریعہ کالی کٹ کے کچھ مسلمان بھائیوں نے اس کام کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کیں، اور انھوں نے اس کام کا مأخذ تلاش کرنے کی کوشش کی، انہیں جو معلومات ملی تھی وہ یہ تھی کہ کونیور کیشون نائر نامی ایک شخص اس کام کا کرنے والا ہے، انھیں یہ باور کرانے میں وقت لگا کہ ان کی یہ جان کاری غلط تھی اور کونیور راگھون نائر اس کا کرنے والا تھا۔

آخر کار کوژِیکوڈ (کالی کٹ) کے رہنے والے ماسٹر کے، عبدالکریم اور کچھ دوسرے لوگ میرے گھر پہنچ گئے، ان کی مسلسل ہمت افزائی اور کاوشیں اس کتاب کی اشاعت کا باعث بنی ہیں، میں یہاں ان تمام معززین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مخلصانہ حوصلہ افزائی اور تعاون کیا۔(15.3.2000) کونیور راگھون نائر)(10)۔

تصدیق نامے:

مولانا عبدالرزاق چیریہ مُنڈَم صاحب:

مشہور سلفی عالم و محقق اور پچاس کتابوں کے مصنف جناب مولانا عبدالرزاق چیریہ مُنڈَم

(11) صاحب دیو یہ دیپتی کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' یہ کام ایک مطبوعہ اور شائع شدہ کتاب کے طور پر موصول ہوا، لیکن بغور معائنہ کرنے پر کچھ غلطیاں نظر آئیں، ہم نے مختصر وقت میں ان سب کو درست کرنے اور بے عیب بنانے کی کوشش کی ہے، اس کوشش کو مکمل کامیابی نہیں کہا جا سکتا۔ مصنف نے اپنی وضاحت اور تخیل کی آمیزش کیے بغیر تقریبا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے مکمل کرنا ایک منفرد اور قابل رشک کارنامہ ہے۔

اگر چہ حال ہی میں قرآنی نظریات کی اس طرح کی دوسری روشنی (12) بھی سامنے آئی ہے، مگر سادگی اور وضاحت میں مصدقہ ترجمہ کو نیور کی یہ تصنیف ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ترجمہ دوسروں کے امتحان کا گواہ ہے، یہ ایک شعری ترجمہ ہونے کے باوجود کسی بھی عام آدمی کو ایک نثری ترجمہ کے طور پر احساس دلانے میں ناکام نہیں ہوگا، ادب کی مختلف شاخوں کے ذریعہ قرآنی افکار کی تبلیغ کو ایک کامیابی کے طور پر دیکھا جانا چاہئے۔

خدائے مہربان سے دعا ہے کہ اس عظیم کارنامے کو انجام دینے والے عظیم جسم (عظیم انسان) کو خدائی کلمات کی روشنی (ہدایت) حاصل ہو، اور اللہ تعالی انہیں آخرت میں محنت سے کئے ہوئے ان کے مکمل تحقیقی کام کا اجر عطا فرمائے اور اس سے جڑے تمام افراد اس سے مستفید ہوں۔ (چیریہ منڈم عبدالرزاق) (13)

پروفیسر محمد کٹشیری:

مشہور دانشور و محقق پروفیسر محمد کٹشیری سابق پروفیسر اور سابق پرنسپل فاروق کالج، کالی کٹ اس ترجمہ کے لئے لکھے گئے اپنے لمبے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ'' عالم و شاعر کو نیور راگھون نائر نے قرآن کریم کا ایک منظوم ترجمہ کیا ہے، اصل عربی متن سے براہِ راست نہیں، انھوں نے ترجمہ کا یہ کام اس کے تراجم پر اعتماد کر کے مکمل کیا ہے، قرآن انسانوں کے لئے خدا کا پیغام ہے، اسے کوئی بھی پڑھ سکتا ہے اور سیکھ سکتا ہے، اس کی تشریح اور اس کا ترجمہ کر سکتا ہے، اسے کسی کے

لئے بھی زندگی کے وژن کے طور پر قبول کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کے جو مفاہیم انھوں نے خود سمجھے ہیں وہ دوسروں کو بھی سمجھایا ہے، مصنف کے اس ادبی ترجمہ کا مقصد یہی ہے، شاعر راگھون نائر نے نظم کی صورت میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ لکھا ہے، جبکہ نثر میں قرآن کے کئی سابقہ تراجم موجود ہیں، یہ ایک ایسا میدان ہے جس پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے، قدیم زمانے میں عربوں نے اپنی تاریخ اور ثقافت کو نظموں میں محفوظ رکھا تھا، جلد حفظ کرنے اور خیالات کو ذہن میں محفوظ رکھنے کے لئے نظم بہت سے لوگوں کے لئے مفید ہے، خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جو شاعری میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

اکثر لوگوں کو گانے گانے اور سننے کا شوق ہوتا ہے، نظم کی صورت میں اظہارِ خیال کے لئے چند الفاظ کافی ہوتے ہیں، صرف اپنے مذہب کی کتابوں کے مطالعہ کے لوگوں کے موجودہ رویے کے حالات میں راگھون نائر کی یہ کوشش ایک تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ منظوم ترجمہ مختلف مذاہب پر یقین کرنے والوں کے درمیان قرآن کے تصورات کو سمجھنے کا دروازہ کھولے گا، اور مذاہب کے درمیان پیدا شدہ دیواروں کو ڈھادے گا ۔

قرآن کریم کو سیکھنے اور اس کے افکار کو عوام الناس کے درمیان پہونچانے کے لئے ایک منظوم تصنیف لکھنے والے راگھون نائر نے ایک عظیم خدمت انجام دیا ہے، یہ قرآنی افکار انسانی ذہن کو سکون دیں گے اور دل کو منور کریں گے، انسان کے سچائی کے سفر کو بامقصد بنائیں گے، اور اسے خوش قسمت بنائیں گے۔(14)

قرآن لِلتا سارَم:

جماعت اسلامی کیرلا کے نائب امیر شیخ محمد کارَکُّن کے غیر منظوم ترجمے للتا سارم کے زبان کی تصحیح وانی داس اِلَیا وورنے کی ہے، یہ ترجمہ بارہ سو چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے، جن میں بارہ سو چار صفحات میں سورہ فاتحہ تا سورہ ناس تک کا ترجمہ ہے، نو صفحات میں مقدمہ ہے، باسٹھ صفحات میں مختلف

قرآنی موضوعات پر چھ ضمیمے ہیں، پہلے ضمیمے کا عنوان ہے'' قرآن کا پیغام ایک نظر میں'' یہ ضمیمہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، دوسرے ضمیمہ میں قضاء، ثواب، کیا قرآنی آیات میں تضاد ہے؟ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے، یہ ضمیمہ سولہ صفحات پر مشتمل ہے، تیسرے ضمیمہ کا عنوان'' طلاق'' ہے، اس میں طلاق سے متعلق مسائل پر بحث کی گئی ہے، یہ ضمیمہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے، چوتھے ضمیمہ کا عنوان کافر ہے، یہ ضمیمہ تین صفحات پر مشتمل ہے، پانچویں ضمیمہ کا عنوان'' جہاد'' ہے، یہ ضمیمہ سوا دو صفحات پر مشتمل ہے، چھٹے ضمیمہ کا عنوان'' جنگ کے لئے قرآنی نقطۂ نظر'' ہے، یہ ضمیمہ بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ ترجمہ اگرچہ ایک اسلامی جماعت کے ایک مسلمان عالمِ دین نے کیا ہے، مگر بارہ سو چار صفحات پر مشتمل قرآن پاک کے اس ترجمہ کی لغوی اصلاح کر کے وانی داس صاحب نے اسلام اور انسانیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، اس کے سرورق پر'' شیخ محمد کارکن'' اور'' وانی داس الا یاوور'' دونوں لکھا ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے مل کر یہ ترجمہ لکھا ہے۔ شیخ محمد کارکن نے اپنے ترجمے میں لکھا ہے کہ'' میرے پیارے دوست وانی داس الا یاوور نے اس کی زبان کی اصلاح میں مدد کی ہے''(15)

یہ ترجمہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس کے ڈائیریکٹر جناب کے ٹی حسین ندوی صاحب نے مجھے بتایا کہ قرآن للت سارم کے اب تک بیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔(16)

وانی داس الا یاوور کی قرآنی موضوعات پر دیگر کتابیں:

وانی داس الا یاوور کی پیدائش چار جون انیس سو پینتیس (1935ء) کو کیرل کے کنور ضلع کے الا یاوور گاؤں میں ہوئی تھی، چھتیس سالوں تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد کوڈالی ہائی اسکول سے ریٹایرڈ ہوئے۔(17) وہ ابھی باحیات ہیں، اسلامی اور قرآنی موضوعات پر ان کی کئی کتابیں ہیں، طوالت سے بچتے ہوئے ہم یہاں ان کی صرف دو کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

1) قرآن کے سامنے عاجزی:

اس کتاب کا ملیالم نام قرآنڈے منل وینیانیویدم (Qur'ande Munnil Vinyanuidam) ہے، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مارچ انیس سو اٹھانوے میں چھپا تھا، اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ سات سالوں کے اندر ہی اس کا ساتواں ایڈیشن اپریل دو ہزار پانچ میں شائع ہوا تھا۔(18) اس کتاب کے چالیس عنوانات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں، کلام پاک راستہ دکھاتا ہے، اصل موضوع انسان ہے، قرآن مجید کی تلاوت کی نوعیت، اسلام ہم اہنگی کا ایک نظریہ، اسلام عالم گیر انسانی نظریہ اور ایک مثالی معاشرہ ہیں۔(19)

اس کے کُل صفحات دوسو چھیالیس ہیں، اور اسلامک پبلشنگ ہاوس سے چھپی ہے۔

2) قرآن ایک ہمہ گیر کتاب مقدس:

اس کتاب کا ملیالم نام قرآن سَرو اتشایی یایَہ وید گرنتھم (Sarvathishayiyaya vedagarantham) ہے، کل چھپن صفحات پر مشتمل یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جسے ایس ایم ٹرسٹ، پانور، ضلع کنور، کیرلا نے جون دو ہزار بیس میں شائع کیا ہے،(20) اس کتاب کے عنوانات اس طرح ہیں : جب دروازے سے اندر دیکھا، دیکھنے کے قابل ایک منظر، قرآن ایک مطابقت پذیر نظریہ، ستیہ وید کا انوکھا انداز، رواداری کا کلچر، قرآن ایک ہمہ گیر کتاب مقدس۔(21)

سوامی وشوبھدرانند ایک سنیاسی قرآن پڑھتے ہیں

سوامی وشوبھدرانند ایک باون سالہ سنیاسی ہیں، وہ سماجی اور مذہبی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں، ملیالم زبان میں ان کی ایک کتاب اُرو سنیاسی قرآن وَایکُنُّو (ایک سنیاسی قرآن پڑھتے ہیں) بہت مشہور ہے، اس کتاب کو اسلامک پبلشنگ ہاوس نے دو ہزار سترہ میں پہلی بار شائع کیا ہے، پبلشر نے اپنے مقدمے میں کتاب اور صاحبِ کتاب سے متعلق مندرجہ ذیل سطور لکھے ہیں:

''یہ کتاب ایک ہندو سنیاسی کی ہے، جو زعفرانی پوشاک والے ایک سماجی کارکن ہیں، جو چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی مختلف مذہبی برادریاں ہم آہنگی اور بقائے باہمی کے ساتھ رہیں''۔

ان کی تلاوت قرآن کا بھی ایک مقصد ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ذات ور مذہب سے قطع نظر تمام لوگوں میں خدا کا خوف، اخلاقیات، ہمدردی، عقل ااور انصاف کا احساس پیدا کرنے کے لئے ضروری بنیادیں تلاش کریں جس کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

قرآن پاک کی پہلی سورت سورہ الفاتحہ ہے، انہوں نے سورہ فاتحہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ پڑھا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ قرآن میں بیان کردہ مسائل کے بارے میں عام فہم کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

بلاشبہ قرآن پڑھنے، بیان کرنے اور اسلوب زبان کے لحاظ سے یہ ایک منفرد تجربہ ہے، جو لوگ انھیں پڑھیں گے انھیں احساس ہوگا کہ سوامی کی نظر قرآن کی الہیات پر مذہبی بحث سے زیادہ اس بات پر ہے کہ قرآن کی الہیات نے انسانوں کے ذاتی اور سماجی رویے پر کی اثر ڈالا ہے، موجودہ حالات میں جہاں قرآن اور اس کے مندرجات کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی دانستہ کوشش کی جارہی ہے وہاں سوامی وشو بھدرانند شکتی بودھی کی علمی کوشش کو اس امید کے ساتھ پڑھنے کے لئے وقف کیا گیا ہے کہ یہ مختلف مذہبی سماجوں کے درمیان بقائے باہمی اور افہام وتفہیم کو فروغ دینے میں بہت فائدہ مند ثابت ہوگا (22)، یہ کتاب ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے۔

سوامی وشو بھدرانند کی اہم تصانیف یہ ہیں:

1) بائیں بازو کے ہندوتُوا کا تعارف۔
2) اَمرِ تائنڈ مائی (23) اور مَیٹِلڈ اَمّاں (24)
3) گیتا قرآن اور لینن
4) مہارشی مذہب کے بنیادی اصول

5) اے خدا عافیت

6) گائے، بیل (بیف) کے گوشت کی مہابھارت (25)

قرآن پاک سے متعلق غیر مسلم ملیالی دانشوران کے مضامین:

غیر مسلم ملیالی دانشوران اپنے مضامین کے ذریعے قرآن پاک سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ان کے مضامین ملیالم اخبارات ورسائل میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں، ہم بطور نمونہ صرف ایک خاص رسالے میں چھپے غیر مسلم ملیالی دانشوران کے مضامین کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی کیرلا کا ایک اہم اور مقبول ومعروف ہفت روزہ رسالہ پربھودھنم ہے، پربھودھنم کا معنی دعوت ہے، دو ہزار دو میں پربھودھنم نے دوسو چھیالیس صفحات پر مشتمل اپنا ایک خاص ایڈیشن قرآن خاص ایڈیشن نکالا تھا، جس میں چھ غیر مسلم ملیالی دانشوران کے بھی مضامین ہیں۔

اسلام سے متعلق میری سمجھ:

یہ کیرل کی پہلی ریاستی حکومت کے کابینی وزیر اور سپریم کورٹ کے سابق جج آنجہانی وی آر کرشنا ایّر (15/اپریل 1915ء-4/دسمبر 2014ء) کے مضمون کا عنوان ہے۔

صحیح عقیدے کا بازار:

ملیالم فلموں کے مشہور فلم ڈائریکٹر اور مشہور ملیالی ناول نگار سی رادھا کرشنن (پیدائش: 15/فروری 1939ء) کے مضمون کا عنوان ایمان کا حقیقی بازار ہے۔

حکمت کا چشمہ:

ملیالم اور تمل زبانوں کے مشہور ادیب ونقاد جیا موہن (پیدائش: 22/اپریل 1962ء) کے مضمون کا عنوان علم کا سرچشمہ ہے۔

وسیع تصور:

ملیالم میں منظوم ترجمہ قرآن لکھنے والے کے جی راگھون نایر (2011ء) کے مضمون کا عنوان وسیع تصور ہے۔

جب دروازے سے اندر دیکھا: یہ عنوان وانی دس الایاور کے مضمون کا ہے ۔

توحید اور بھائی چارہ: یہ پریم داس یہودی کے مضمون کا عنوان ہے۔(26)

حوالہ جات:

1۔ امرت وانی ص6

2۔ سی این احمد مولوی صاحب کی تفسیر القرآن الحکیم ملیالم رسم الخط میں شائع ہونے والی سب سے پہلی مکمل تفسیر ہے۔

3۔ سی ایچ محمد کویا (15/جولائی 1927ء۔28/ستمبر 1983ء) اینڈین یونین مسلم لیگ کے عظیم لیڈر تھے۔ وہ کیرل کے وزیر اعلی، نائب وزیر اعلی، وزیر داخلہ، کیرل اسمبلی کے اسپیکر، ممبر لوک سبھا اور وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں، وہ وزیر اعلی کی کرسی پر صرف ترپن دن 12/اکتوبر تا 4/دسمبر 1979ء تھے، مگر بطور وزیر تعلیم ان کی خدمات تقریباً سات سالوں پر محیط ہیں اور بڑی انقلابی خدمات ہیں۔

4۔ امرت وانی ص7 اور 8

5۔ جناب پروفیسر ایس ایم اے کریم صاحب اور جناب محمد حسین صاحب ملیالم زبان وادب کے ماہر ہیں، اور جناب ٹی کے عبید صاحب اور جناب منور صاحب مرحوم جماعت اسلامی کے معزز ارکان ہیں اور علوم شریعت پر عبور رکھنے والے صاحب تصانیف دانشوران ہیں۔

6۔ شیخ محمد کارکن (Krakkun) جماعت اسلامی کیرالا کے ایک بڑے علم اور صوبائی نائب امیر ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف اور قرآن کے مترجم ومفسر ہیں۔

7۔ امرت وانی ص13 و14

8۔ دیویہ دیپتی ص2

9۔ PUNALUR کولم ضلع کا یا یک قصبہ ہے۔

10۔ دیویہ دیپتی ص3و4

11۔ چیریہ مُنڈَم (Cheriyamundam) کیرل کے مَلَپُّورَم ضلع کا ایک ٹاؤن ہے۔

12۔ اس سے مراد کے جی راگھون نائر کی امرتاوانی ہے۔

13۔ دیویہ دیپتی ص5و6۔

14۔ دیویہ دیپتی ص12۔

15۔ قرآن لِلتاسَارَم ص18۔

16۔ کے ٹی حسین ندوی صاحب سے صوتی ریکارڈنگ پر مشتمل گفتگو۔

17۔ قرآن کے سامنے عاجزی ص8۔

18۔ قرآن کے سامنے عاجزی ص6۔

19۔ قرآن کے سامنے عاجزی ص12۔

20۔ قرآن ایک ہمہ گیر کتاب مقدس ص4۔

21۔ قرآن ایک ہمہ گیر کتاب مقدس کے مختلف صفحات سے۔

22۔ ایک سنیاسی قرآن پڑھتے ہیں۔ص7و8

23۔ امرتانندمائی (پیدائش:1953ء)ایک مذہبی گرو ہیں۔

24۔ مَیئِل اماں (وفات:6رجنوری2007ء)ایک مشہور سماجی کارکن تھیں۔

25۔ ایک سنیاسی قرآن پڑھتے ہیں۔ص8

26۔ پربھودھنم کا قرآن پر خصوصی شمارہ،2002ءص8

مصادرومراجع:

1۔ کے جی راگھون نایر،امرُت وانی،اسلامک پبلشنگ ہاؤس،کالی کٹ کیرلا،چوتھاایڈیشن2018ء

2۔ کونیورراگھون نایر، دیویہ دیپتی ،سمانویم بکس(Samanawayam Books) کالی کٹ، کیرالا، پہلاایڈیشن2000ء

3۔ شیخ محمد کارکن اور وانی داس الایاوور،قرآن للتاسارم،اسلامک پبلشنگ ہاؤس،کالی کٹ، کیرالا، چوتھا

ایڈیشن،2004ء

4۔ وانی داس الا یاوور، قرآن کے سامنے عاجزی، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، کالی کٹ کیرالا، نواں ایڈیشن اپریل2005ء

5۔ وانی داس الا یاوور، قرآن ایک ہمہ گیر کتاب مقدس، بی ایس ایم ٹرسٹ، پانور، ضلع کنور، کیرالا پہلا ایڈیشن2020ء

6۔ سوامی وشو بھدرانند، ایک سنیاسی قرآن پڑھتے ہیں، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، کالی کٹ، کیرالا، پہلا ایڈیشن، جنوری2017ء

7۔ پربھودھنم کا قرآن پر خصوصی شمارہ، کالی کٹ، کیرالا2002ء

☆☆☆

ترجمہ وتفسیر قرآن کے میدان میں بنگالی غیر مسلم مفکرین کی خدمات

محترمہ روزینہ خاتون
(ریسرچ اسکالر، عالیہ یونیورسٹی، کولکاتا)

بلاشبہ قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ایک عظیم اور مشکل کام ہے۔ ترجمہ اور تفسیر کا یہ پاکیزہ سلسلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوا، اور اب تک جاری ہے، دنیا کی دوسری زبانوں کے بمقابلہ بنگلہ زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کا کام کافی دیر سے شروع ہوا۔ انیسویں صدی کی ابتدا یعنی سن 1808 عیسوی میں جناب امیر الدین بسونیہ کے ''ترجمہ پارہ عم بشکل اشعار'' بنگلہ زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کا آغاز ہوا۔

اس میدان میں مسلم دانشوروں کے ساتھ ساتھ بہت سے غیر مسلم اسکالرس کی خدمات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ حقائق وشواہد سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ قرآن کریم کے مکمل بنگلہ ترجمہ کے سرخیل کوئی اور نہیں، بلکہ ایک غیر مسلم مفکر برادر ''گریش چندر سین'' ہیں۔ علاوہ ان کے دوسرے غیر مسلم مفکرین کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

اس مقالہ میں غیر مسلم مفکرین کی خدمات کو اجاگر کرنا ہماری بحث کا موضوع ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو مندرجہ ذیل دو مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1۔ قرآن کریم کے مکمل ترجمہ وتفسیر میں غیر مسلم مفکرین کی خدمات۔

2۔ قرآن کریم کے نامکمل ترجمہ وتفسیر میں غیر مسلم مفکرین کی خدمات۔

پہلے ہم قرآن کریم کے مکمل ترجمہ وتفسیر میں غیر مسلم مفکرین کی خدمات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

تاریخی حقائق کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر مسلم برہمن بھائی گریش چندر سین نے مختلف مشکلات کے باوجود مکمل قرآن کریم کے بنگالی ترجمہ مع حواشی پر بڑی بہادری سے جو کام انجام دیا وہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے، ذیل میں ان کی مختصر سوانح حیات اور قرآن کریم کے بنگلہ ترجمے کے بارے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

گریش چندر سین کا ترجمہ قرآن:

سن 1835ء میں گریش چندر سین ڈھاکہ ضلع کے تحت مہیشوار ڈی پرگنہ کے پنچڈونا میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال 1910ء میں ڈھاکہ شہر میں ہوا۔ والد مادھو رائے اور دادا رام موہن رائے فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے(1)۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اور فارسی تعلیم اپنے والد مادھو رائے اور منشی کرشن چندر رائے سے حاصل کی (2)۔ گریش چندر سین نے فارسی اور سنسکرت زبان میں ایٹمولوجی کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے کیشو چندر سین اور وجیکرشنا گوسوامی کے زیر اثر 1871 میں برہمنیت کی شروعات کی (3)۔ گرو کیشو چندر سین کی ترغیب وحوصلہ افزائی سے انہوں نے خود کو اسلامی وادبی سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیا(4)۔ پھر 1872ء میں انہوں نے ''میمن سنگھ ڈسٹرکٹ اسکول'' چھوڑ کر کلکتہ مرزا پور اسٹریٹ نمبر 13 بھارت آشرم میں سکونت اختیار کی، اور 1874 میں برہمانند کے گروپ میں شامل ہو کر مذہب برہما کی تبلیغ کا عزم کیا، جب گریش چندر نے محسوس کیا کہ عربی وفارسی میں ان کا پہلے حاصل شدہ علم کافی حد تک ماند پڑ چکا ہے تو وہ سن 1876ء میں تحصیل عربی کے لئے لکھنؤ گئے اور پھر ڈھاکہ نلگولہ کے مولوی علیم الدین سے تاریخ عربی اور ادب کا سبق لیا(5)۔ شاید عربی تعلیم پر اتنا زور انہوں نے اس لئے دیا کہ قرآن کا بنگالی میں ترجمہ کیا جا سکے، تاہم وہ عربی زبان میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں اتنی زیادہ مہارت حاصل نہیں کر سکے۔

سن1889ء میں برہمانند کیشو چندرسین نے چار بڑے مذاہب (ہندو، بدہ، عیسائی اور مسلم) کی ہم اہنگی کا مطالعہ کرنے کے لئے چارلوگوں کا انتخاب کیااور اسلام کی ذمہ داری گریش چندر سین کوسونپی(6)۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ لکھنا شروع کیا۔قرآن کی اصل زبان عربی پر مکمل دسترس نہ ہونے کی وجہ سے ملا کمال الدین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی اور شاہ عبدالقادر وشاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن سے انہوں نے مدد لی(7)،علاوہ اس کے قرآن کریم کے دوسرے اردو وفارسی ترجمہ سے بھی مدد لی، بالآخرانہوں نے 12دسمبر1881ء سے30جولائی1885ء تک تقریباچارسال کے طویل عرصے میں قرآن کریم کامکمل ترجمہ شائع کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جس ماحول میں گریش چندرسین ترجمہ قرآن کے کام میں مصروف ہوئے وہ ماحول درحقیقت ترجمہ قرآن کے لئے سازگارنہیں تھا۔مگرانہوں نے بڑی مہارت اور بہادری سے مختلف مشکلات پرقابو پاکراس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ڈاکٹر مجیب الرحمٰن نے کہا:''گریش بابو نے اپنی ترجمہ شدہ کتاب قرآن شریف اورمشکاۃ شریف میں بطورمترجم اپنانام ظاہرنہیں کیا، یہ کہنامشکل ہے کہ اس کے پیچھے اصل وجہ کیا ہے؟ تاہم ایسا لگتا ہے کہ وہ قدامت پسند مسلمانوں کے خوف سے کتاب کے شروع میں اپنا نام ظاہر کرنے سے قاصر تھے(8)۔کیونکہ قدامت پسند بنگالی مسلمان ہمیشہ قرآن کریم کے ترجمہ کرنے کو غیر مذہبی کام سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ بنگلہ ترجمے سے اصل قرآن کی حرمت مجروح ہوگی اورلوگ اسے پڑھ کرالجھن میں پڑیں گے،نتیجۃً گریش چندرسین نے جب پہلی بار1881ء میں ترجمہ شائع کیاتوایک مسلمان نے انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی۔اسی طرح کاایک ماحول گریش چندر کے ترجمے سےتقریباًڈیڑھ صدی قبل دیکھا گیا تھا،جبکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (1703-1762) کا فارسی ترجمہ پہلی بار1737ء میں شائع ہوا تھا۔بعض علماء نے ان کی مخالفت کی، ان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا، یہاں تک کہ انہیں قتل کرنے کی سازش بھی کی گئی(9)۔گریش چندرسین نہ صرف مکمل قرآن کے پہلے بنگالی مترجم تھے بلکہ انہیں قرآن پاک کی ضروری وضاحتوں کے ساتھ تشریح پر مشتمل نثر کا علمبردار بھی کہا جاتا ہے۔چونکہ غلام اکبر علی کے پہلے

تراجم بشمول امیر الدین بسونیہ سب نامکمل اور منظوم تراجم تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان کے ترجمے میں بعض جگہ غلطیاں بھی ہوئی ہیں، جس کا خود مترجم نے مترجَم قرآن شریف کی تیسری جلد کے آخر میں ''مترجم کا بیان'' کے عنوان کے تحت انتہائی عاجزی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میری کم علمی اور نا اہلی کے باوجود اس کا ترجمہ، پروف ریڈنگ، اشاعت، خطوط لکھنے اور اس کی قیمت وصول کرنے کا سارا کام مجھے اکیلے ہی کرنا پڑا، قارئین مجھے معاف فرمائیں، سب سے پہلے میں نے اس کا ترجمہ کیا اور اسے میں نے ایک بار پڑھے بغیر اور اصل متن سے ملائے بغیر پرنٹ کیا۔ جس کی بنا پر ایک یا کئی آیتیں نادانستہ طور پر چھوٹ گئیں، اور کچھ جگہوں میں ترجمہ مناسب نہیں ہو سکا، نظر ثانی میں کچھ غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی، اس کے باوجود کچھ غلطیاں رہ گئی۔، سورہ بقرہ کے پہلے حصے میں مزید ابہام ہے جس کا احساس بعد (10)۔ مزید براں بھائی گریش چندر سین زیادہ تر ترجمے میں قرآن کریم کے اصل معنی کو واضح کرنے میں ناکام رہے ہیں، جو خود ان کے بیان سے واضح ہوتا ہے، مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں: ''ایسا نہیں کہ میں نے پہلے قرآن کا ترجمہ ختم کیا پھر اسے چھاپنے کی طرف مائل ہوا، بلکہ میں نے اس سے پہلے ایک دو سورتوں کے کچھ حصوں کے علاوہ پڑھا بھی نہیں، کسی مولوی سے میں نے کسی بھی ایک لفظ کا مطلب بھی نہیں پوچھا (11)۔

اس کے باوجود جب ان کا ترجمہ شائع ہوتا رہا تو بہت سے لوگوں نے مبارکباد دیتے ہوئے انہیں خطوط لکھے، ان کے ترجمے کی تعریف کی اور طرح طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی، کسی نے اس ترجمہ کو ''بے مثال حقیقی ترجمہ'' کہا، تو کسی نے کہا کہ ''یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے'' اور کسی نے کہا کہ ''میں نے ایسی تفسیر پہلے کبھی نہیں پڑھی''۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک قرآن فہمی صرف عربوں تک محدود تھی، اگرچہ بنگالیوں میں قرآن سمجھنے کی دلچسپی تھی مگر بنگلہ ترجمہ قرآن نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے قرآن کا سمجھنا دشوار تھا، ایسے میں مکمل قرآن جب ایک کتابی شکل میں ترجمہ ہو کر ان کے ہاتھ میں پہونچتا ہے، تو ترجمے کی گہرائی میں جائے بغیر فطری طور پر ایک طبقہ مترجم کی تعریف سے لبریز ہو جاتا

ہے،لیکن ان کے ترجمے میں غلطیاں دیکھی گئیں تو بہت سے مسلم اسکالرس نے قرآن پاک کے معتبر تراجم شائع کئے، چنانچہ بھائی گریش چندرسین کے ترجمہ کی مقبولیت رفتہ رفتہ ختم ہوتی گئی۔

ہماری تحقیق کے مطابق گریش چندرسین ایک برہمن شخص اور ''نیا قانون برانچ'' کے مبلغ تھے، ان کے ترجمے سے مقصد تمام مذاہب کو ہم آہنگ کرنا تھا۔ اگرچہ ان کو ترجمہ شدہ زبان پر عبور تھا لیکن انہیں اصل زبان عربی میں زیادہ مہارت نہیں تھی۔ ان کے بنگلہ ترجمے میں کثرت سے سنسکرت کے الفاظ آجانے سے ترجمہ پھیکا پڑ گیا اور بہت سی جگہوں نا قابل فہم بن گئیں۔ الغرض ترجمے میں ان سے کثرت سے غلطیاں سرزد ہوئیں، قرآن مجید کے معنی ومفہوم کو واضح کرنے میں وہ مکمل کامیاب نہیں رہے، مزید برآں انہوں نے بہت سے مقامات میں ایسے معانی و مفاہیم پیش کیے جو اسلامی عقیدے کے خلاف ہیں۔ تاہم بلاشک وشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ بھائی گریش چندرسین کے ترجمے میں غلطیاں ضرور ہیں لیکن وہ بنگلہ زبان میں مکمل قرآن کے ترجمے کے علمبردار ہیں۔ انہوں نے ہی ترجمہءقرآن کے نامساعد حالات پر قابو پا کر اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، قرآنی ادب اور مسلم معاشرے کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ بنگالی زبان میں سب سے پہلے مکمل قرآن کریم کے نثری ترجمہ سے انہوں نے بنگالی مسلم معاشرے میں قرآن پاک کے ترجمے کی راہ ہموار کی۔ اس لئے تمام تر غلطیوں کے باوجود یہ ترجمہ ادبی تشخیص میں تعریف کا مستحق ہے۔

ریورنڈ ولیم گولڈسیک کا ترجمہ قرآن:

گریش چندرسین کے ترجمہ قرآن کے 22 سال بعد یعنی سن 1908ء میں آور ایک غیر مسلم مشنری آسٹریلوی بپٹسٹ نے پورے قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ وہ ہیں ''ریورنڈ ولیم گولڈسیک''، سن 1861ء میں آسٹریلیا میں ان کی پیدائش ہوئی اور سن 1950ء میں 89 سال کی عمر میں انتقال کر گئے (12)۔ وہ ایک غیر ملکی عیسائی تھے، مذہب عیسائیت کی ترویج کے لئے ہندوستان آئے۔

Goldsack joined the Australian Baptist Missionary society in

1899where he mastered languages before being placed at mission station Pabna,East Bengal.13

بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ مغربی بنگال کے سربراہ جارج ہینری راؤس سے متاثر ہوکر ولیم گولڈسیک نے خود کو اسلامی علوم اور ادبی کام کے لیے وقف کر دیا(14)۔ساتھ ہی وہ بنگلہ زبان بھی سیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے 1917 سے 18 کے درمیان شام کے مشنری اسٹیشن میں چھ ماہ اور قاہرہ مصر میں چھ ماہ تک عربی زبان سیکھی (15)۔انہوں نے ہندوستان میں تبلیغ کے درمیان انگریزی اور بنگلہ میں کچھ کتابیں لکھیں اور ترجمہ کیں، جن میں قابل ذکر ہیں: اسلام میں قرآن1906، تحریک اسلام1907، اسلام میں مسیح1905، اسلام میں محمد1916، اسلام میں بائبل1922ء، علاوہ اس کے انہوں نے پورے قرآن کریم کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا، جس کا نام دیا'' قرآن شریف''، یہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

ریورنڈ ولیم گولڈسیک نے بنگلہ ترجمۂ قرآن کا کام ستمبر 1908ء میں شروع کیا اور ستمبر 1920ء میں یعنی 12 سال کے طویل عرصے میں اسے پارے کے حساب سے 30 جلدوں میں مکمل کر کے کتابی شکل میں شائع کیا(16)۔ان کے ترجمہ شدہ'' قرآن شریف'' کی زبان سادہ اور واضح ہے۔ پہلے اصل عربی آیت، نیچے بنگلہ ترجمہ اور حاشیے میں تشریحات شامل کی گئی ہیں۔ان کے ترجمہ '' قرآن شریف'' کا ظاہر جتنا اچھا ہے باطن اس کا اتنا ہی ناگوار اور محل اشکال ہے۔ان کے تراجم وتفاسیر کے پیچھے بنیادی مقصد عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کو فروغ دینا اور اسلام کو بدنام کرنا تھا، جو ان کے ترجمہ شدہ قرآن شریف میں دیکھا جاسکتا ہے۔انہوں نے قرآن مجید کی آیات میں کئی جگہوں پر تحریف کی ہے۔ چنانچہ مفخّر حسین خان نے کہا:''انہوں نے اسلام کے سوراخوں کی تلاشِ میں قرآن کے مطالعہ پر توجہ دی''(17)۔قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر میں جو تحریفیں انہوں نے کی ہیں ان کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ترجمہ کے نقائص:

1۔ ریورنڈ ولیم گولڈسیک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کیا۔ سورہ عنکبوت آیت نمبر 49 میں انہوں نے ذکر کیا ہے: ''..... لیکن عجیب بات ہے کہ اگرچہ محمد نے اپنے کو نبی قرار دیا تھا لیکن وہ معجزات نہیں لا سکتے تھے بلکہ وہ معجزہ پیش کرنے سے عاجز تھے، جس کا انہوں نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ قرآن کے کئی مقامات پر لکھا ہے کہ کفار محمد کے پاس آئے اور ان سے ایک نشانی مانگی یعنی معجزہ؛ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خدا کے رسول ہیں، مگر محمد صاحب وہ دینے سے انکار کر بیٹھتے تھے''(18)۔

2۔ انہوں نے یہ بھی کہا: ''محمد صاحب ایک امی آدمی تھا اور تورات وانجیل کی تلاوت سے قاصر تھے۔ لیکن انہوں نے متعدد مرتبہ یہودیوں سے سنا کہ وہ ایک نبی کی بعثت کے انتظار میں ہیں۔ چنانچہ وہ کسی امید کے تحت اپنے کو نبی ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن وہ اسحاق کے خاندان میں کسی نبی کے انتظار میں تھے، اس لئے انہوں نے عرب کے نبی محمد کو ماننے سے انکار کیا''(19)۔

3۔ قرآن کریم کے سورہ انفال میں انہوں نے اَنفال کا ترجمہ کیا ''جنگ میں لوٹا گیا مال''، جبکہ اس کے اصل معنی ہیں ''جنگ میں چھوڑے گئے وسائل''، جنگ سے حاصل شدہ رسد وغیرہ۔ اس سورت کی پہلی آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''تاریخ بتاتی ہے کہ محمد نے مدینہ فرار ہونے کے بعد اپنے شاگردوں کو ساتھ لیا اور لوٹ مار شروع کر دی''(20)۔

4۔ سورہ بقرہ کی چوتھی آیت میں لفظ ''غیب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''یہاں لفظ 'غیب' کا ترجمہ غیب یعنی نظر نہ آنے والی چیزوں سے کیا گیا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو غیب اور ناقابل فہم چیزوں پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے، یعنی اگر دکھائی نہ دے یا سمجھ میں نہ

آئے تب بھی آپ کو اس پر ایمان لانا ہوگا۔ تو پھر بائبل میں نازل شدہ تثلیث اور ولادت عیسی وغیرہ کیا اس قبیل سے نہیں ہے! نتیجتاً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان چیزوں پر ایمان لانے سے انکار نہیں کرنا چاہئے''(21)۔

5۔ سورہ والضحیٰ کی ساتویں آیت'' ووجدک ضالا فہدی'' کی تشریح کرتے ہوئے کہا:''اس جملے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمد صاحب پاپی تھے''(22)۔

6۔ سورہ القیامہ کی آیت نمبر 24 پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:'' قرآن خامیوں سے بھرا ہوا ہے، کوئی ذہین آدمی یقین نہیں کرسکتا کہ یہ خدا کا کلام ہے''۔

7۔ انہوں نے یہ بھی کہا:'' قرآن میں محمد کا غلط تصور ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کبھی بھی خدا کی طرف سے نہیں آیا،.....اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن محمد کا اپنا کلام ہے''(23)۔

ریورنڈ ولیم گولڈسیک کا پورا ترجمہ شدہ قرآن دیکھنے سے مزید غلطیاں سامنے آتی ہیں۔ در حقیقت اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا، جو ان کے مذکورہ بالا تحریف شدہ تراجم وتفاسیر سے صاف ظاہر ہے۔ انتہا یہ کہ اس بات سے انکار کرتے ہوئے کہ قرآن اللہ تعالٰی کا کلام ہے؛ انہوں نے پیغمبر اسلام کو قرآن کا مصنف کہ کر اصول اسلام پر ضربِ کاری کی۔ جب ان کا یہ ترجمہ شائع ہوا؛ تو اس وقت کے مسلم معاشرے میں شدید ردعمل شروع ہوا۔ البتہ گریش چندر سین کی طرح انہوں نے لفظ اللہ یا الٰہ کا ترجمہ اشور یا پرمیشور کے بجائے ڈائرکٹ اللہ ہی سے کیا ہے۔ بہرحال، ولیم گولڈسیک کا ترجمہ کردہ قرآن شریف اب تقریباً نایاب ہے، لیکن اس کا ایک نسخہ اب بھی'' کلکتہ نیشنل لائبریری'' میں محفوظ ہے۔

قرآن کریم کے نامکمل ترجمہ وتفسیر میں غیر مسلم مفکرین کی خدمات:

بعض غیر مسلم بھائیوں نے قرآن کریم کے کچھ پارے یا کچھ سورتیں یا کچھ آیتوں کے ترجمہ یا تفسیر میں حصہ لیا ہے۔ ہماری تحقیق وتفتیش کے مطابق اب تک اس میدان میں جن مفکرین

کے نام آتے ہیں وہ: راجیند رناتھ میترا، پادری تاراچرن بندو پادھیائے، شری کرن گوپال سنگھ، ریورنڈ ایچ جی راؤس، شری فلپ بسواس۔ ذیل میں ان شخصیات کی خدمات کا ذکر ہے:

راجندرناتھ مترا:

برطانوی ہندوستان کے ایک غیر مسلم برہمن، مغربی بنگال سے تعلق رکھنے والے برادر، ''راجندرناتھ مترا'' کے ہاتھوں قرآن مجید کے بعض حصوں کے ترجمے سے بنگالی زبان میں القرآن کے جزوی ترجمے کا آغاز ہوا۔ ان کے بارے میں اگرچہ زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوسکا البتہ بعض ذریعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بھائی گریش چندرسین سے تین سال قبل یعنی 1879ء میں قرآن مجید کے پہلے پارہ کا ترجمہ کیا۔ خود مترجم نے اسی سال 19 مارچ کو کلکتہ 146، لوئر سرکلر روڈ، مہر چندرسین کے آیوروید پریس سے چھاپا اور شائع کیا (24)۔

نامور مصنف مفخّر حسین خان نے اس کتاب کے بارے میں کہا: کلکتہ بنگال لائبریری 1879ء کی دوسری سہ ماہی کی کتابی رپورٹ کے مطابق راجندرناتھ کے ذریعے قرآن کے پہلے پارہ کا ترجمہ غلطیوں سے بھرپور تھا۔ ابتداء میں 500 کاپیاں چھاپنے کے بعد شاید مترجم نے کام کو آگے نہیں بڑھایا (25)۔ چونکہ قارئین کے درمیان وہ ترجمہ مقبولیت حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لیے وہ کتاب اب نایاب ہے۔ اس کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کے لحاظ سے ایسی کاوش یقیناً قابل ستائش ہے۔

پادری تاراچرن بندو پادھیائے:

راجندرناتھ مترا کے تین سال بعد تاراچرن نام کے ایک غیر مسلم، مقامی ہندو عیسائی نے قرآن کریم کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا۔ وہ کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن نے کہا: سیل راؤس اور شاہ عبدالقادر کے مترجَم اردو سے ایک ایک کرکے کل بارہ پارے انہوں نے ترجمہ کرکے شائع کئے (26)۔ تذکرۃ التراجم کتاب کے صفحہ 103 سے 104 کے علاوہ اس کا ذکر کہیں نہیں

ملتا(27)۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن 1882 میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اس سے پہلے سن 1873 میں کیا گیا تھا اور یہ بنگا مہر اخبار میں سلسلہ وار شائع ہوا تھا(28)۔

پادری تاراچرن کے ترجمہ میں ہر عربی آیت کے شروع میں سیریل نمبر ہے۔ سوائے بریکٹ کے استعمال کے اس کا ترجمہ پورے طور پر لفظی ہے اور کچھ ناقابل فہم بھی۔ ترجمہ اب نایاب ہے، کیونکہ اس وقت اسے قارئین کی مقبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔ تاہم، ان کا ترجمہ پہلے کے غیر مسلم مترجمین کے ترجمے کے مقابلے میں اصل سے بہت قریب ہے۔ اس لحاظ سے یہ ترجمہ بلاشبہ لائق تحسین ہے۔

شری کرن گوپال سنگھ:

ایک غیر مسلم مترجم بھائی کرن گوپال سنگھ نے قرآن کریم کے تیسویں پارہ عمّ کے ترجمہ میں اہم کردار ادا کیا، وہ کلکتہ بینیپوکر، 25 نمبر حاجی نور علی لین میں 18 مئی 1885ء پیدا ہوئے، اور وہ 25 ستمبر 1942 کو اپنی ہی لائبریری میں کتاب مطالعہ کے وقت اچانک انتقال کر گئے(29)۔ پیشے کے اعتبار سے اگرچہ وہ ایک تاجر تھے لیکن ادبی عمل اور مذہبی جذبہ ان کا مضبوط تھا، نیز اسلامی ادب سے ان کی شدید محبت دیکھی گئی۔ ان کا ترجمہ کبیا نوادعم پارہ کا تذکرہ درج ذیل ہے:

''عمّ پارہ'' کے عنوان سے شری کرن گوپال سنگھ کا ترجمہ شدہ پارۂ عم بشکل نظم 1908ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اور اس کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن کے 16 سال بعد یعنی 1924ء میں ترمیم شدہ وتوسیع شدہ شکل میں شائع ہوا۔ انہوں نے مذکورہ ترجمہ میں اس وقت کے کلکتہ عالیہ مدرسہ کے مشہور مدرس مولانا احمد اور شمس العلماء ولایت حسین سے مدد لی۔ مترجم اور پبلشر کے نوٹ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے مکمل ترجمہ کا خاکہ پہلے ہی سے تیار کرلیا تھا، جب شائع شدہ عم پارہ کا ترجمہ قارئین کے درمیان مقبولیت حاصل کرلے گا تب ہر مہینہ ایک ایک پارہ کرکے باقی 29 پاروں کے ترجمہ کرنے کا ان کا منصوبہ تھا، شاید پڑھنے والوں میں رسپانس کی کمی کی وجہ سے انہوں نے باقی کام اٹھانے کی ہمت نہیں کی(30)۔

شری کرن گوپال سنگھ نے دوسرے ایڈیشن میں 66 صفحات پر مشتمل ترجمہ کے ساتھ 54 صفحات کا ایک ضمیمہ بھی شامل کیا ہے، اس میں انہوں نے عم پارہ کی سورتوں کے شان نزول، تشریحات، معانی اور کچھ عربی الفاظ کے بنگلہ مساوی الفاظ وغیرہ ذکر کئے ہیں۔ اس کام میں انہوں نے اپنے پیشرو مترجمین ومفسرین مولانا محمد عباس علی (1869-1932)، مولانا محمد اکرم خان (1868-1968) اور مولانا حفاظ الدین وغیرہ سے مشورہ وتعاون حاصل کیا۔ اس کے باوجود ان کے اس ترجمے کو پورے طور پر درست نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم، ان کے ترجمے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے نہ صرف مترجم تھے بلکہ قرآن پاک سے ان کی گہری عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا پختہ یقین تھا کہ قرآن کا ترجمہ چاہے کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو؛ اس کا مکمل مفہوم بیان کرنا ناممکن ہے۔

ریورنڈ ایچ، جی، راؤس:

اس زمانے میں کلکتہ میں رہنے والے کچھ مقامی اور غیر ملکی عیسائی نہ صرف زبانی بلکہ مختلف کتابوں کی اشاعت کے ذریعے قرآن کریم کی فضولیت اور عیسائیت کی افادیت کو ثابت کرنے میں سرگرم تھے۔ اور ان سب کے پادری تھے ریورنڈ، ایچ، جی راؤس، سن 1883ء میں ان کی لکھی ہوئی تحریر ''فرقان'' اس سرگرمی کی نشانی ہے، فرقان نامی کتاب کا پہلا ایڈیشن 15 اکتوبر 1883ء میں شائع ہوا، کلکتہ کرسچن ٹرسٹ اینڈ بک سوسائٹی سے، کلکتہ جے ڈبلیو تھامس کی سربراہی میں۔ کل صفحات آٹھ۔ تشہیر کی غرض سے وہ کتاب مفت تقسیم کی گئی۔ 1884ء میں اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے(31)۔

بنگال میوزیم کیٹلاگ ریورنڈ ایچ جی راؤس کی کتاب پر یوں تبصرہ کرتا ہے: It is attract Mohammadan readers showing that the Koran is not diving origine.32

مذکورہ کتاب میں شدت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں ہے بلکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خودساختہ کلام ہے۔ (العیاذ باللہ)

شری فلپ بسواس:

ریورنڈ ایچ جی راؤس کے بعد برطانوی ہندوستان کے رہنے والے ایک مقامی عیسائی مسٹر فلپ بسواس نے ''قران'' کے عنوان سے قرآن کریم کی کچھ آیتوں کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب بھی عیسائیت کو پھیلانے کی غرض سے مفت تقسیم کی گئی ہے۔ذیل میں اس ترجمہ پر مختصر بحث ہے:

جناب فلپ بسواس کے ہاتھوں ترجمہ شدہ قران کا پہلا ایڈیشن سن 1892ء میں کلکتہ کرسچن ورناکولر سوسائٹی چورنگی روڈ، عمارت نمبر 24 سے شائع ہوا(33)۔135 صفحات پر مشتمل یہ کتاب قرآن کریم کا کوئی مکمل ترجمہ نہیں ہے، بلکہ یہ منتخب کچھ آیات کا ترجمہ ہے۔ترجمہ کا بنیادی مقصد مذہب عیسائیت کی خوبی بیان کرنا اور تحریف شدہ معانی و حاشیے کے ذریعے پڑھنے والوں کے دل ودماغ میں قرآن کریم کی حقانیت کو مجروح کرنا تھا۔مواد کے اعتبار سے اس کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے(34)۔اس ترجمے کی زبان سادہ ہے لیکن سنسکرت الفاظ کی اکثریت نے اسے نا قابل فہم بنادیا ہے۔

مسٹر فلپ بسواس کے ترجمہ شدہ اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صرف ان آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جو خاص طور پر ان پر نازل شدہ آسمانی کتاب تورات اور انجیل کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہ کوئی قابل اعتراض نہ ہوتا اگر اس سے قرآن مجید کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی۔اس ترجمہ وتشریح کے ضمن میں قابل اعتراض تبصرے ہونے کی وجہ سے بنگالی مسلم کمیونٹی نے برطانوی حکومت سے احتجاج کیا،تو حکومت نے اسے ضبط کرلیا۔

اختتامیہ:

قرآن مجید اللہ رب العالمین کا کلام ہے، حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت رب ذوالجلال نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔عجمیوں کے لئے اس کلام کے معانی و

مفاہیم کو سمجھنے کا واحد راستہ اسے ترجمہ کرنا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس پاکیزہ عمل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اور دنیا کی ہر زبان میں اس کے ترجمہ کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اگرچہ دوسری زبانوں میں اس کے ترجمہ کا آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن بنگالی زبان میں اس مقدس کتاب کا ترجمہ کافی عرصہ بعد شروع ہوا ہے۔ الغرض جہان مسلم علماء ودانشوران اس کام میں آگے بڑھے وہیں ہمارے غیر مسلم مفکرین برادران نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اغراض اور اغلاط سے قطع نظر اس کتاب مقدس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ بنگالی مسلم کمیونٹی کے ہاتھوں میں بنگلہ زبان میں ترجمہ شدہ مکمل قرآن کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔ ہمارے یہ غیر مسلم برادر ہی ہیں جنہوں نے ہمیں یہ تحفہ سب سے پہلے دیا۔

حوالہ جات:

1۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، ڈھاکہ اسلامک فاونڈیشن بنگلہ دیش 1986، پہلا ایڈیشن، صفحہ 36

2۔ حوالہ سابقہ، صفحہ 36۔ شری ستیا کمار چٹرجی، بھائی گریش چندر سین، قران شریف از گریش چندر سین، کلکتہ حرف پبلیکیشنز، صد سالہ ایڈیشن جون 2011، صفحہ 14۔ ڈاکٹر محمد عبدالودود، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، القرآن انٹرنیشنل ریسرچ اکیڈمی ڈھاکہ بنگلہ دیش، جولائی 2009، صفحہ 125

3۔ شری ستیا کمار چٹرجی، حوالہ سابقہ، صفحہ 15

4۔ بنگلہ ویکیپیڈیا، گریش چندر سین، www.bn.m..wikipedia.org

5۔ فضل الرحمٰن، صد سالہ در پن 2000ء، صفحہ 59۔ ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، صفحہ 37۔ منشی شیخ ضمیر الدین، اسلام کا پرچارک، 1901ء نومبر دسمبر ایڈیشن، کلکتہ سے جنوری 1907 میں شائع شدہ گریش بابو کی سوانح عمری۔

6۔ شری ستیا کمار چٹرجی، حوالہ سابقہ، صفحہ 16

7۔ گریش چندر سین کا ترجمہ قرآن شریف، کلکتہ حرف پبلیکیشنز 1989، صفحہ 9

8۔ ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، ڈھاکہ اسلامک فاونڈیشن بنگلہ دیش 1986، پہلا

ایڈیشن،صفحہ 46

9۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن،حوالہ سابقہ،صفحہ 4،9

10۔ حوالہ سابقہ،صفحہ 49،تیسری جلد کے آخر میں مترجم کا بیان۔

11۔ شری ستیا کمار چٹرجی،حوالہ سابقہ،صفحہ 17

12۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن،سابقہ،صفحہ 175

13۔ William Goldsack, https://en.m.wikipedia, ڈیٹا جمع کرنے کا ٹائم: ہندوستانی ٹائم کے حساب سے 0807.52 PM, 12/2020-

14۔ Lammens, Henri 2007. "WAS MOHAMMED SINCERE" (PDF). The Muslim Warld. 5 (3):262-267.

15۔ Anderson, Gerald H. (1999). Biographical Dictionary of Christian Missions. Wm. B. Eerdmans Publishing, P.248. ISBN 9780802846808

16۔ اے ایس ایم عزیز الحق،مکتوبات مولانا نور محمد اعظمی،صفحہ 250

17۔ مفخّر حسین خان، پوتر قرآن پر چار کی تاریخ، ڈھاکہ بنگلہ اکیڈمی 1997، پہلا ایڈیشن،صفحہ 76

18۔ ریورنڈ ولیم گولڈ سیک کا ترجمہ ''قرآن شریف''،سورہ عنکبوت،آیت 49،اور سورہ بنی اسرائیل،آیت 61

19۔ حوالہ سابقہ،پہلی جلد،سورۂ ال عمران کی آیات 82-81 کی تفسیر۔

20۔ حوالہ سابقہ،پہلی جلد،سورہ انفال کی پہلی آیت کی تفسیر،صفحہ 341

21۔ حوالہ سابقہ،پہلی جلد،سورہ بقرہ کی چوتھی آیت کی تفسیر،صفحہ 2

22۔ حوالہ سابقہ،صفحہ 1170

23۔ حوالہ سابقہ،جلد اول،صفحہ 73

24۔ حوالہ سابقہ، ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، ڈھاکہ اسلامک فاونڈیشن بنگلہ دیش 1986، پہلا ایڈیشن،صفحہ 86

25۔ مفخّر حسین خان، پوتر قرآن پر چار کی تاریخ، ڈھاکہ بنگلہ اکیڈمی 1997، پہلا ایڈیشن،صفحہ 34،33

26۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن،حوالہ سابقہ،صفحہ 57

27۔ حوالہ سابقہ،دیباچہ فوٹ نوٹ 47

28۔ ڈاکٹر محمد عبدالودود، بنگلہ زبان میں قرآن مطالعہ، القرآن انٹرنیشنل ریسرچ اکیڈمی، ڈھاکہ بنگلہ دیش، جولائی 2009، صفحہ 133

29۔ حوالہ سابقہ، صفحہ 189

30۔ شری کرن گوپال سنگھ، عم پارہ، کلکتہ 1924، دوسرا ایڈیشن، مقدمہ

31۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، حوالہ سابقہ، صفحہ 58

32۔ حوالہ سابقہ، فوٹ نوٹ رقم 52

33۔ ایس ایم عزیز الحق انصاری، مکتوبات مولانا نور محمد اعظمی، صفحہ 259

34۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، حوالہ سابقہ، صفحہ 102-101۔ ڈاکٹر محمد عبدالودود، حوالہ سابقہ صفحہ 141

☆☆☆

نند کمار اوستھی کی قرآنی خدمات۔ایک جائزہ

ڈاکٹر عمار عبدالحئ
(شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

ہندوستان میں کئی غیر مسلم (ہندو) دانشوروں نے قرآن کے ترجمے کئے ہیں، ان میں ایک مشہور نام نند کمار اوستھی کا ہے جنہوں نے قرآن کا ترجمہ دیوناگری (ہندی) زبان میں کیا جو کہ کافی مقبول ہوا۔

نند کمار اوستھی کا مختصر تعارف: (1907-1988ء):

نند کمار اوستھی کا تعلق یوپی کے مشہور شہر لکھنؤ سے تھا، آپ ایک برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بچپن سے ہی آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، اور خاص کر ہندی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں کافی دلچسپی تھی۔ واضح ہو کہ آپ نے کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود آپ ادب اور زبان میں کافی دلچسپی رکھتے تھے، آپ نے مختلف کتابوں سے علم حاصل کیا اور بڑے ادیبوں اور لیڈروں سے متاثر ہو کر مختلف رسالوں میں اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ 1925ء میں ہندوستان جب جنگ آزادی کی تحریک سے جوجھ رہا تھا اس وقت نوکری کی تلاش میں نند کمار اوستھی نے لکھنؤ سے کلکتہ کا رخ کیا اور انہیں کلکتہ میں ایک اچھی نوکری مل گئی۔ مگر آزادی کی لڑائی نے ان پر کافی اثر ڈالا اور 1928ء میں آرام دہ زندگی اور ملازمت کو خیرآباد کہہ کر واپس گھر لکھنؤ آ گئے۔

نند کمار اوستھی کے کارناموں میں ایک بہت بڑا کام ترجمہ قرآن کا تھا جو انہوں نے

1969ء میں مسلم اسکالرز کی مدد سے دیوناگری (ہندی) زبان میں منتقل کیا۔(1)

قرآن کا پہلا ایڈیشن شائع ہوتے ہی مسلم اور غیر مسلم دونوں میں ہی یہ کافی مقبول ہوا۔اس کے علاوہ آپ نے پران، چاروں وید، اپنیشد کو 14 مختلف علاقائی زبانوں میں منتقل کیا۔ آج بھی نند کمار اوستھی کے قائم کردہ بھون ٹرسٹ کی طرف سے یہ کام انجام دیے جا رہے ہیں اور متعدد کتابیں جیسے مہابھارت، رامائن، بھگوت گیتا، گرو گرنتھ صاحب، بائبل جدید اور ہندی اردو ڈکشنری وغیرہ شائع کی جارہی ہیں۔

نند کمار اوستھی کا ترجمہ قرآن:

نند کمار اوستھی کے بقول اس خالقِ کائنات اور مالک نے مجھے یہ توفیق دی کہ، میں قرآن جیسی مقدس کتاب کو دیوناگری (ہندی) زبان میں منتقل کروں اور اس مشکل کام کو پورا کرنے میں مجھے تقریباً 20 سال لگ گئے اور 1969ء میں یہ کام اپنے پایہ تکمیل کو پہونچا۔نند کمار اوستھی کا کہنا ہے کہ مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندی داں طبقہ مسلم اور غیر مسلم دونوں اس بیش بہا گرنتھ (قرآن) سے انجان نہ رہیں۔اردو بان میں متعدد ترجمے موجود ہیں۔نند کمار اوستھی نے کئی قرآن کے ترجمے سے اپنے کام کو شروع کیا، آپ نے مولانا عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کو بنیاد بنا کر، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری، اور مولانا عبداللہ یوسف صاحب کے انگریزی ترجمہ کی مدد سے ہندی ترجمہ وتشریحی نوٹس تیار کئے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے کام کو مولانا منظور نعمانی صاحب کے سامنے پیش کیا اور التجا کی کہ آپ ان کے ہندی ترجمہ کی نظر ثانی کر دیں اور جہاں درستگی کی ضرورت ہو اس کی اصلاح کے لئے کسی کو تیار کر دیں تا کہ غلط فہمی کا کم سے کم اندیشہ باقی رہے۔مولانا موصوف نے مفتی مولانا حافظ محمد صدیق صاحب (دارالمبلغین لکھنؤ) کو اس کام کے لئے راضی کر لیا۔(2)

مولانا مفتی صدیق صاحب قاری نے بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ اس پر کام کیا اور دوران

طباعت شروع تا آخیر ترجمہ اور تشریحی نوٹس پر نظر رکھی۔

حافظ مفتی صدیق صاحب خود اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

''اوستھی جی نے ترجمہ میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے، زبان سہل اور آسان ہے اس کی وجہ سے ہندی دانوں کے علاوہ اردو داں بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو ہندی رسم الخط سے واقف ہیں۔اس دور میں ایسے ترجمہ اور تفسیر کی اشد ضرورت تھی جو نند کمار اوستھی کی محنت اور کوشش سے بڑی حد تک پوری ہوئی ہے۔اوستھی جی نے ترجمہ وتفسیر کے ساتھ قرآن مجید کا متن بھی عربی و دیوناگری دونوں رسم الخط میں شائع کیا ہے''۔(3)

مفتی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

''مولانا منظور نعمانی صاحب کے اصرار پر میں نے پوری توجہ کے ساتھ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ اور اس کے تفسیری نوٹس دیکھنا شروع کیا جہاں بھی مجھ کو اس میں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی اس کو اپنے علم کے مطابق درست کر دیا''۔(4)

نند کمار اوستھی کا اصل کارنامہ قرآن کے اصلی متن کو دیوناگری (ہندی) میں منتقل کرنا ہے۔اس کے متعلق نند کمار لکھتے ہیں کہ:

''عربی رسم الخط کو دیوناگری (ہندی) رسم الخط میں منتقل کرنے میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ عربی کے اور خاص کر قرآن مجید کی زبان کے اپنے مخصوص حروف، ان کی ادائیگی، رموز اوقاف اور دیگر طریقہ تحریر وتلاوت وصل اور فصل ان سب کو صحیح طور پر بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس کام میں سالہا سال کی ضرورت ہے۔اور اس مشکلات نے میرے شوق کو اور بڑھا دیا''۔

نند کمار اوستھی اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ:

''شروع میں مجھ کو یہ امید تھی کہ عربی کو دیوناگری رسم الخط میں منتقل کرنے والے عالم دستیاب ہو جائیں گے لیکن کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، اس درمیان کچھ گجراتی اور بنگالی نسخے نظر آئے اور ممبئی سے کچھ ہندی میں دینیات کی کتابیں بھی دستیاب ہوگئیں جن میں عربی کی آیتیں ہندی میں تحریر تھیں، لیکن عربی نہ جاننے والوں کے لئے اس سے صحیح تلفظ ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کے تیار کردہ بعض اسلامی علمی اداروں سے طبع شدہ پارے اور آیتیں دیکھنے کو ملیں۔ لیکن تلفظ کے لحاظ سے حروف، رموز واقاف، ساکن، متحرک اور تحریر قرآنی کے دیگر مخصوص باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور ہندی کے رسم الخط کے عام فہم دستور کو اختیار کر لیا گیا تھا۔ ان نسخوں سے بہت زیادہ تو نہیں پر تھوڑی بہت مدد مل گئی، اسی دوران حافظ فیاض حسین (جامعی) ہندی بھوشن نے مجھے پورا قرآن شریف ہندی زبان میں لکھ کر عنایت فرمایا جس سے کافی سہارا ملا''۔(5)

نند کمار اوستھی کے مطابق اس دوران انہیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کبھی ایسا لگتا کہ یہ کام بہت مشکل ہے تو کبھی غیب سے ایک ہمت ملتی اور پھر سے حوصلہ بلند ہو جاتا۔ بہت سارے عالموں سے ملاقات کرتے ان سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے اور حل تلاش کرتے، اس طرح کرتے کرتے انہوں نے بیس سال میں اس کام کو انجام دیا۔

نند کمار اوستھی نے قرآن کے شروع میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا ہے جن کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا۔ مثلاً مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد اویس شیخ التفسیر ندوۃ العلماء، مولانا قاری محمد صدیق اور جناب صباح الدین (اردو اکادمی لکھنؤ) وغیرہ۔ اور آخر میں مصطفیٰ رشید شیروانی الہ آباد کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ کی سب زیادہ امداد رہی جس کی بدولت ہندی سنسکرن (ترجمہ) کا پہلا ایڈیشن عوام کے سامنے 1969ء میں بھون وانی لکھنؤ سے شائع ہو کر عوام کے سامنے آسکا۔

پیش لفظ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

لکھتے ہیں کہ:

''نند کمار اوستھی سے میرا تعارف براہ راست نہیں تھا بلکہ مولانا منظور نعمانی صاحب کے ذریعہ آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ کے جوش وجذبہ اور تعلیمی شوق نے ہم دونوں کے درمیان ایک علمی رشتہ قائم کر دیا۔ نند کمار اوستھی کے قابل قدر کام کے دو حصے ہیں: ایک قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ اور تشریحی نوٹس، یہ کام خاصہ مشکل اور نازک تھا، مگر قابل قدر اور ستائش ہے۔ اور دوسرا جو کہ آپ کا اصل کارنامہ ہے کہ آپ نے عربی (متن) رسم الخط کو دیوناگری (ہندی) رسم الخط میں لکھا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے ہندی رسم الخط میں ایسے اضافے کئے ہیں اور ایسی اصطلاحیں مقرر کی ہیں جن سے عربی کے وہ حروف جو عربی زبان کی خصوصیت ہیں زیادہ سے زیادہ حد تک ادا ہوسکیں اور صحیح طور پر پڑھے جاسکیں''۔(6)

نند کمار کے دیوناگری ہندی ترجمہ قرآن کی کچھ خاص باتیں:

نند کمار اوستھی نے صرف قرآن کے ترجمہ پر ہی زور نہیں دیا بلکہ انہوں نے عربی قرآن کو ہندی الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی، کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ جو عربی نہیں جانتے وہ ہندی دان طبقہ اسی طرح قرآن پڑھ سکے جیسے کہ عربی کا جاننے والا پڑھتا ہے، اور یہ کام صرف ہندی زبان میں ممکن نہ تھا کیونکہ بہت سارے عربی کے ایسے الفاظ ہیں جو ہندی میں ٹھیک سے ادا نہیں ہو سکتے جیسے کہ، ج، ذ، ز، ض، ظ، اور گول ۃ وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے آپ نے دیوناگری (ہندی) رسم الخط کو عربی تلاوت کے لئے مناسب سمجھا اور ایسے بہت سارے الفاظ آپ نے خود ایجاد کئے جو عربی رسم الخط سے کافی قریب ہوں۔ آپ نے قرآن کے شروع میں حروف کے پورے اصول وضوابط کو بیان کر دیا ہے کہ عربی کے کن حروف کے لئے دیوناگری میں کون سے حروف استعمال ہونگے، بلکہ عربی فارسی کے پورے حروف کو دیوناگری چارٹ کے ساتھ پیش کر دیا ہے تا کہ سمجھنے والے کو آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

ساتھ ہی اعراب یعنی فتح، ضمہ، کسرہ، جزم تنوین سب کو ہندی میں ادا کرنے کا طریقہ بھی بیان

کر دیا ہے۔اسی طرح رموز اوقاف کو اچھی طرح سے واضح کیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرتے وقت کہاں وقف کرنا چاہئے، کن آیتوں کو ملا کر پڑھنا بہتر ہے اور کہاں ٹھہرنا بالکل صحیح نہیں ہے وغیرہ۔عربی قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے ان باتوں کو ہندی قرآن میں سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حروف کے مخارج پر بھی کام کیا ہے،قرآن کے شروع میں ہی اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ کن حروف کو کیسے ادا کرنا ہے مثلاً ''خ'' نکالنے کے لئے حلق کے آخری حصے سے آواز نکالنی ہوگی،اسی طرح ''ل'' کے لئے زبان کے نوک کو اوپر تالو سے لگانا ہوگا اور "م" کے لئے دونوں ہونٹوں کو ملانا ہوگا وغیرہ۔

اس کے علاوہ ہندی ترجمے میں اگر کوئی بات واضح نہیں ہو رہی تو اس کو فوٹ نوٹس میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ قرآن کے ہندی ترجمہ کے علاوہ آپ نے فوٹ نوٹس میں جو مختصر تشریح کی ہے وہ بھی عمدہ ہے اور جہاں بھی اشارۃ کوئی بات قرآن کے اندر کہی گئی ہے اس کو آپ نے سیرت کی روشنی میں واضح کیا ہے،مثلاً غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والے لوگوں کا ذکر خاص کر مسلمانوں میں سے جو لوگ شامل نہیں ہوئے تھے، یا جیسے سورۃ انعام کے اندر ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے حاشیہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کے اندر ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر بتایا گیا ہے اور توریت میں ان کا نام تارک لکھا ہوا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا ایسا ماننا ہے کہ ان کے دو نام تھے۔اس طرح کی بہت سی مثالیں آپ نے حاشیہ میں بیان کر دی ہیں، اور جہاں باتیں تھوڑی لمبی ہیں اس حاشیہ کو قرآن کے آخر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہ پورا قرآن مجید تقریباً ایک ہزار صفحہ پر مشتمل ہے،قرآن کی شروعات آپ نے قرآن کی آیت ''ذالک الکتاب لا ریب فیه'' (یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک (سندہ) کی گنجائش نہیں ہے۔) سے کی ہے جو قرآن کے بالکل اوپر (ہارڈ کور) کی پہلی لائن میں لکھا ہوا ہے۔

خلاصہ کلام:

نند کمار اوستھی کا یہ ترجمہ قرآن اس لئے قابل تعریف ہے کہ ہندو مقالہ نگار ہونے

کے باوجود انہوں نے بڑی ایمانداری سے قرآن مجید کا ہندی ترجمہ اور تشریح شائع کی ہے جو کہ ان کی محنت وکاوش کا ہی نتیجہ ہے۔ ترجمہ کی زبان اس قدر سہل ہے کہ گویا اگر چہ رسم الخط دیوناگری ہے لیکن زبان ہندوستانی ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تشریحی نوٹس بھی عمدہ ہیں۔ اس کے علاوہ اس قرآن کی خاص بات یہ بھی ہے کہ نند کمار اوستھی نے صرف ترجمہ اور تشریح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن مجید کے اصل عربی متن کے ساتھ ہندی دیوناگری رسم الخط میں بھی لکھا ہے جو کہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔

حوالہ جات:

1. https://www.thehindu.com/books/monumental-mission/article4856368.ece

2۔ نند کمار اوستھی، قرآن شریف (ہندی ترجمہ وتشریح) لکھنؤ کتاب گھر، ایڈیشن 11

3۔ سعید احمد اکبرالہ آبادی (مرتب) برہان دہلی، نومبر 1969ء ص، 358 جلد 63، شمارہ 5

4۔ ایضاً ص 356، جلد 63، شمارہ 5

5۔ نند کمار اوستھی، قرآن شریف (ہندی ترجمہ وتشریح) لکھنؤ، کتاب گھر، ایڈیشن 11

6۔ نند کمار اوستھی، قرآن شریف (ہندی ترجمہ وتشریح) لکھنؤ کتاب گھر، ایڈیشن 11

-- وزیر حسین ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات، اسلامک بک سنٹر، دہلی (اردو ترجمہ: اورنگ زیب اعظمی)۔

-- شیث محمد اسمٰعیل اعظمی، دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات (قرآن کے ہندو مترجم) کتاب دنیا، دہلی۔

.. https://www.jagatgururampalji.org/en/quran-sharif

☆☆☆

پنڈت سندر لال اپنی تصنیف ''گیتا اور قرآن'' کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد عمر فاروق
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

پنڈت سندر لال ہندستانی تاریخ میں ایک مخلص قوم پرست، بے باک صحافی، قلم کار اور مصنف کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد، فرقہ وارانہ خیر سگالی اور متحدہ قومیت کے علم بردار کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ وہ امن عالم کے ایک سرگرم کارکن ہونے کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سیاست کے بہت ہی قریبی مشاہد بھی تھے۔ سندر لال کے خاندان میں ابتدا ہی سے تعلیم کا ماحول تھا، جس کی وجہ سے خاندان کے زیادہ تر افراد نہ صرف تعلیم یافتہ تھے بلکہ کئی نسلوں سے ان کا حکومت سے انسلاک بھی چلا آ رہا تھا۔

پنڈت سندر لال کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی، جہاں مذہبی اور تہذیبی رواداری کو اولیت کا مقام حاصل تھا۔ ایک طرف اگر انھیں گیتا ازبر تھی تو دوسری طرف قرآن کے بھی بہت سے اجزا انھیں حفظ تھے۔ انھوں نے ہندو مذہب اور اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ کبیر کی تعلیمات کے شیدائی ہو گئے تھے اور مولانا روم کی مثنوی میں غرق رہتے تھے۔ اپنی زندگی اور اس کی نیرنگی کا ذکر پنڈت سندر لال ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''مذہب کی تلاش نے ہی مجھے تمام اصطلاحی مذاہب سے اوپر اٹھایا۔ آج میں اپنے آپ کو مذہب کا ماننے والا سمجھتا ہوں۔ وحدت الوجود کا قائل ہوں، کبیر صاحب کو اپنا گرو مانتا ہوں اور اس مذہب عشق کا شیدائی ہوں، جس کی بابت مولانا

روم نے کہا ہے:

ملت عشق از ہمہ ملت جدا است

عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

دنیا کے اصطلاحی مذہبوں سے اوپر اٹھنے میں مجھے سب سے زیادہ مدد کبیر صاحب کی بانی اور مولانا روم کی مثنوی کے بعد Herbert Spencer کی The Principles of Sociology سے ملی ہے''۔(1)

تقریباً ایک صدی پر منحصر سندر لال کی زندگی کا اگر معروضی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی اس مصروف ترین زندگی کا کوئی بھی لمحہ ضائع نہیں جانے دیا۔انھوں نے اپنی سیاسی اور معاشرتی مشغولیات کے باوجود بھی تصنیف وتالیف کا ایک متاثر کن سرمایہ چھوڑا ہے۔ان کی مستقل اور قابل تحسین تصانیف میں'' ہندوستان میں انگریزی راج، حضرت محمدؐ اور اسلام، گیتا اور قرآن، حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت، مہاتما زرتشت اور مذہب زرتشت'' کو اہمیت حاصل ہے۔اسی طرح ان کی مختصر تصانیف میں'' میری سیاسی زندگی کے پچاس سال'' اور'' باپو کی پرارتھنا سبھا کے پروچن'' کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ پنڈت سندر لال کے ذریعہ انجام دیے جانے والے تراجم کتب میں کاشی وڈیا پیٹھ کے پرنسپل ڈاکٹر بھگوان داس کی انگریزی کتاب Essential Unity of Religions (مذاہب میں لازمی وحدت) کا نام لیا جاتا ہے۔اس مطالعے میں ان کی تصنیف'' گیتا اور قرآن'' پر گفتگو کی جائے گی۔

پنڈت سندر لال کی مذکورہ بالا کتاب کا پہلا ایڈیشن پیش نظر ہے، جو 1926ء میں منظر عام پر آیا۔اس کتاب کو ہندستانی کلچر سوسائٹی الہ آباد نے وشوانی پریس الہ آباد سے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ایک ساتھ شائع کیا ہے۔ پنڈت سندر لال اس وقت ہندستانی کلچر سوسائٹی کے سیکریٹری تھے۔کتاب کی ابتدا میں ایک صفحہ اظہار تشکر سے متعلق ہے، جس میں کتاب کی اشاعت کے لیے سوسائٹی کو ملنے والے پانچ ہزار روپئے کا ذکر ہے، ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اس کی آمدنی کو کتاب کی اشاعت اور تشہیر پر صرف کیا جائے گا، تاکہ ملک کے ہندو مسلمان ایک دوسرے

کے مذہب کو سمجھیں اور آپسی محبت و بھائی چارے میں اضافہ ہو۔(2)

پنڈت سندر لال نے کتاب کے آغاز سے پہلے کبیر کے ایک دوہے کی دو پنکتیاں تحریر کی ہیں۔اس دوہے کی یہ پنکتیاں بھی اسی انسانی رویے کو بیان کرتی ہیں کہ انسان کس طرح مذہبی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے سے منافرت اور دوری اختیار کرتا ہے؟ نتیجے کے طور پر انسانی معاشرہ اختلاف و انتشار، لڑائی جھگڑے اور باہمی تشدد کا شکار ہو جاتا ہے اور اصلی حقیقت کا ادراک کسی گروہ کو نہیں ہوتا۔

ہندو کہیں رام موہے پیارا، ترک کہیں رحمانا
آپس میں دوو لڑلڑ موے، مرم نہ کاہو جانا

تقریباً 270 صفحات پر مشتمل پنڈت سندر لال کی اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنیادی طور پر کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔پہلے حصے میں ''دنیا کے سب مذہب ایک ہیں'' عنوان کے تحت وحدت ادیان پر زور دیا گیا ہے۔دوسرے حصے میں تین مختلف عناوین ''1۔گیتا، 2۔گیتا دھرم، 3۔گیتا کا سار'' کے تحت اس کی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔تیسرے حصے میں تین عناوین ''1۔قرآن، 2۔قرآن اور اس کی تعلیم، 3۔کچھ اور -- عورتوں کے بارے میں، جہاد، عاقبت، آخرت، جنت اور جہنم'' کے تحت قرآن اور اس کی تعلیمات کو گفتگو کا موضوع بنایا گیا ہے۔

اس کتاب میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نہ صرف گیتا اور قرآن کی تعلیمات بلکہ تمام مذاہب کی مقدس اور مذہبی کتابیں اپنی تعلیمات میں بڑی حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔کتاب کا پہلا حصہ پنڈت سندر لال کی فکری اساس کا مکمل ترجمان نظر آتا ہے۔اس کتاب کے پہلے حصے یعنی ''دنیا کے سب مذہب ایک ہیں'' کو مزید چار ذیلی اجزاء میں تقسیم کی گیا ہے۔پہلے جزء میں دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب کی وحدت کو مختلف حوالوں اور مثالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی ابتدا میں پنڈت سندر لال نے انسان کے ان مختلف ذہنی رویوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جن کی وجہ سے انسان اچھائی و برائی کی طرف راغب ہوتا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نیکی و بدی کی یہ کش مکش ابتدائے آفرینش سے ہی جاری و ساری ہے اور یہی دنیا کی سب سے بڑی

جنگ ہے۔اس جنگ میں اپنے اندر سے خودغرضی اور بدی کو ختم کر دینا ایک انسان کی سب سے بڑی جیت ہے اور ان کا باقی رہ جانا سب سے بڑی ہار۔اسی طرح انسانی ہم دردی اور کائناتی بھلائی کو اپنے اندر راسخ کرنا فتح اور اس میں ناکامی، شکست کی دلیل ہے۔(4) سندر لال وحدت انسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر ہم آدمی کی زندگی پر گہری نظر ڈالیں تو صاف دکھائی دے جاتا ہے کہ دنیا کے آدمی سب ایک دوسرے سے ایسے ہی بندھے اور جکڑے ہوئے ہیں، جیسے ہمارے بدن کے الگ الگ حصے ہاتھ، پیر، آنکھ، کان اور ناک۔اسی طرح دنیا کی سب چیزیں اور خاص کر آدمیوں کے سب گروہ آپس میں ایک دوسرے سے ایسے اٹوٹ اور گہرے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں کہ ان کا اصلی فائدہ اور نقصان الگ نہیں کیا جا سکتا۔ہم سب مل کر ایک کنبے کی طرح ہیں، جس کی بنیادیں میل محبت، ایک دوسرے کے ساتھ ہم دردی اور ایک دوسرے کی سیوا پر قائم ہیں۔اس کو سب سے بڑا نقصان ایک دوسرے سے نفرت کرنے اور لڑنے سے پہنچتا ہے''۔(5)

پنڈت سندر لال کے مطابق اس ابدی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک انسان جس طرح اپنے اندرون پر مثبت انداز میں گرفت مضبوط کرتا جاتا ہے، اسے اس بات کی آگہی ہونے لگتی ہے کہ دوسروں کی بھلائی و ترقی اس کی اپنی ترقی اور دوسروں کی بربادی اس کی اپنی بربادی ہے۔ایک انسان کے اندر اس قسم کا شعور بے دار ہوتے ہی اپنے اور پرائے کا بھید کم ہونے لگتا ہے اور اپنائیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔اس کے برعکس انسانوں کے اندر اپنے اور پرائے کے فرق کا اضافہ، معاشرے میں افتراق و انتشار اور گروہ بندی کا ذریعہ بنتا ہے۔(6)

پنڈت سندر لال اپنی فکری اساس یعنی وحدت ادیان کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسانوں کو ان کی اس اندرونی کش مکش سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کا درست راستہ تمام مذاہب نے بتایا ہے۔اس کے بعد مختلف زبانوں میں ''مذہب'' کے لیے استعمال ہونے

والے الفاظ یعنی دھرم، مذہب، Religion اور پنتھ وغیرہ کے لفظی معنی ومفہوم بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مذاہب بنی نوع انسانی کو آپس میں جوڑنے کا کام کرتے ہیں، جو ان کا لفظی معنی ومفہوم بھی ہے۔ اس کے لیے مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں سے دلائل بھی پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔(7) اس کے بعد وہ مذہب کے مقاصد کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بنیادی عقائد اور تعلیمات خاص طور پر عقیدہ الٰہ، رسالت، آخرت اور عمل صالح وخدمت خلق وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن، گیتا اور اقوال صوفیاء سے دلائل پیش کرتے ہیں۔ مذہب کی غرض وغایت کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''دھرم، مذہب یا Religion کی سب سے بڑی غرض اور اس کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ دنیا کے لوگوں کو آپس کی پھوٹ، لڑائی جھگڑے اور فساد سے بچائے۔ انھیں ایک کنبے والوں کی طرح محبت کی ڈور میں باندھے اور ملائے رکھے اور انھیں ایک دوسرے سے برتاؤ کرنے، رہنے سہنے اور جینے کا وہ ڈھنگ، وہ راستہ، وہ اصول بتائے، جس سے سب کا بھلا ہو''۔(8)

پنڈت سندر لال دنیا میں پائے جانے والے مذاہب کو شمار کرتے ہوئے، ان میں سے چھ کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں: ہندومت، یہودیت، زرتشتیت، بدھ مت، عیسائیت اور اسلام۔ ان میں ہندو مت کو وہ سب سے قدیم مذہب شمار کرتے ہیں اسلام کو سب سے جدید۔(9) اسلام کے تعلق سے پنڈت سندر لال کی یہ رائے مسلم افکار ونظریات سے یکسر مختلف معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اسلام کے متبعین اپنے مذہب کو اس روئے زمین کا فطری اور اولین مذہب تصور کرتے ہیں۔ اسلام کے ماننے والوں کے مطابق تمام انبیاء جو اس روئے زمین پر تشریف لائے، سبھی کا مذہب اسلام تھا۔ اس کے بعد پنڈت سندر لال ان مذاہب کی مقدس کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے، خدا اور مذہبی تعلیمات سے متعلق ان کی مماثلتوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام مذاہب اپنی تعلیمات کے اعتبار سے ایک ہیں، ان میں صرف زبانوں اور ناموں کا فرق ہے، اپنے الگ الگ راستوں سے سبھی کی کوشش اسی

ایک خدا تک پہنچنے کی ہے، جو وحدہ لاشریک ہے۔ پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

''ان سب مہا پرشوں اور نبیوں نے اتنے صاف صاف لفظوں میں اور اتنے زور کے ساتھ ہر مذہب کی سچائی اور اونچائی کا اعلان کیا ہے پھر بھی ان کے پیچھے چلنے والوں کے کان تک ان کی آوازیں نہیں پہنچ پاتیں''۔(10)

کتاب کے پہلے عنوان کے دوسرے جزء میں گیتا اور قرآن کی مماثلتوں کے ذریعے دونوں مذاہب یعنی ہندو مذہب اور اسلام کی وحدت کو ثابت کیا گیا ہے، ساتھ ہی بڑے پیمانے پر صوفیاء اور ہندو رشیوں منیوں کے اقوال سے حوالے فراہم کیے گئے ہیں۔ اس جزء کی ابتدا میں مذہبی اعتبار سے گیتا اور قرآن کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سیاسی اور معاشرتی پس منظر کا خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں گیتا کا ظہور ہوا اور قرآن کا نزول ہوا۔ عرب اور ہندستان میں وقوع پذیر ہونے والے ان واقعات کے درمیان مماثلتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سندر لال لکھتے ہیں:

''قریش اور کرو ناموں میں صرف لفظی ایک پن ہی نہیں ہے بلکہ تاریخی ایک پن بھی معلوم ہوتا ہے۔ کورش اور کرو دونوں نام ایرانی کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایران کے ایک بہت بڑے بادشاہ کا نام کورش تھا، جسے انگریزی میں بگاڑ کر سائی رس لکھا جاتا ہے۔ ایرانی اپنی کتابوں میں اسے کورش اور کرو دونوں طرح سے لکھتے ہیں۔ عبرانی زبان میں اس کا نام کوریش لکھا جاتا ہے۔ کوروؤں اور پانڈوؤں دونوں کے ایک پرکھے کا نام بھی کرو تھا۔ کورو لفظ کرو ہی سے بنا ہے۔ یہ ایک سچی تاریخی بات ہے کہ مہا بھارت کے کرو اور کورو ایران کے کورش یا کرو اور عرب کے قریش تینوں ناموں کی جڑ ایک ہی ہے''۔(11)

اس کے بعد کوروؤں کے ذریعہ پانڈوؤں پر ظلم اور ان کی ملک بدری، قبیلہ قریش کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم اور ان کی ہجرت؛ کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ، قبیلہ قریش اور اہل مدینہ کی جنگ؛ گیتا میں ایشور کی ذات وصفات اور قرآنی تصور الٰہ، اس کی ذات وصفات سے متعلق قرآنی نقطہ

نظر کے درمیان مماثلت تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تمام جگہوں پر گیتا کے اشلوکوں اور آیات قرآنی کے حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ پنڈت سندر لال گیتا اور قرآن کے حوالے سے تصور خدا کو بیان کرتے ہوئے صوفیاء کی تحریروں کے حوالہ سے وجودی نظریے کو پیش کرتے ہیں۔

اودر دل من است و دل من است بدست او
چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ
خود کوزہ وخود کوزہ گرو خود گل کوزہ خود رند سبوکش
خود برسرآں کوزہ خریدار برآمد بشکست وروان شد(12)

پنڈت سندر لال گیتا اور قرآن کی مماثلت کو بیان کرتے کرتے اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ نظریہ تناسخ کو بھی آیات قرآنی سے ثابت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

''قرآن میں کہیں پر بھی آواگون کے اصول کے خلاف کوئی صاف بات نہیں ملتی۔ دوسری طرف قرآن میں کچھ ایسی آیتیں ہیں، جو آواگون یا تناسخ کو ثابت کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ انہی آیتوں کی بنا پر مسلمان ودوانوں میں دو خیال پیدا ہوگئے ہیں۔ ایک تناسخ کے حق میں دوسرا اس کے خلاف''۔(13)

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وہ قرآن کی درج ذیل آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور انہی سے استشہاد کرتے ہوئے ہندو مذہب کے نظریہ تناسخ کی مماثلت اسلامی تعلیمات میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

''و هو الذی أحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ان الانسان لکفور''۔(14)

''ان اللہ فالق الحبّ و النوی یخرج الحیّ من المیّت و مخرج المیّت من الحیّ ذالکم اللہ فأن تؤفکون''۔(15)

''کیف تکفرون باللہ و کنتم أمواتا فأحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون''۔(16)

''نحن قدّرنا بینکم الموت ومانحن بمسبوقین، علی أن نبدّل أمثٰلکم وننشئکم فی ما لا تعلمون''۔(17)

حقیقت میں اگر مذکورہ بالا آیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام آیتیں اس کائنات ارضی میں عمل تناسخ کا ثبوت فراہم کرنے کے بجائے خالق کائنات اور تمام جہانوں کے رب و مالک کے لاشریک و لازوال طاقت وقوت اور اختیارات کو بیان کرنے کے ساتھ اس کی صفت خالقیت کی شاہد وغماز ہیں۔مزید یہ آیتیں اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہیں کہ اس کائنات میں تمام مخلوقات کی حیات وممات کا ذمہ دار صرف اللہ کی ذات ہے، اسی کے پاس زندگی وموت کا اختیار ہے۔اسی نے پہلی مرتبہ اس کائنات کی تخلیق کی، انسانوں کو عدم سے وجود میں لایا، وہی موت دیتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور انسانوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جزا اور سزا دے گا۔مختصر یہ کہ یہ آیتیں اس کائنات ارضی میں انسانوں کے تناسخ یا آواگون کا جواز فراہم نہیں کرتیں۔

ان کا مزید دعوی ہے کہ شیعہ مسلمانوں کے کل چوبیس فرقوں میں سے تیرہ آواگون کو درست مانتے ہیں۔(18) ان کے مطابق مسلمان علماء وصوفیاء میں سے مولانا روم، ابن طفیل ابن خلدون اور امام غزالی نے آواگون کے اصول کو درست بتایا ہے۔وہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں مولانا روم کے اشعار نقل کئے ہیں(19)۔

اس کے بعد پنڈت سندر لال گیتا اور قرآن کے حوالے سے اس کائنات ارضی میں اوتاروں اور رسولوں کے بھیجے جانے کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کا مقصد زمین پر اللہ کی تعلیمات کو درست طریقے سے قائم کرنا تھا۔کتاب کے اس حصے میں گیتا، قرآن، صوفیاء اور رشیوں بالخصوص مولانا روم، شیخ سعدی، تلسی داس اور کبیر داس کے متعدد حوالوں کے ذریعہ مثبت فکر، عمل صالح، ہم دردی وغم گساری اور خدمت خلق پر زور دیتے ہیں۔ان کے مطابق عمل صالح اور

خدمت خلق کے کاموں میں رکاوٹ کی اہم وجہ نفسانی خواہشات، حرص اور غصہ کو شمار کیا جاتا ہے، تاہم سچی مذہبی تعلیمات پر عمل آوری کے ذریعہ ان پر بآسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی پنڈت سندر لال نے گیتا کے اشلوکوں، قرآنی آیتوں اور اقوال صوفیاء سے متعدد حوالے دیے ہیں (20)۔

عمل صالح اور خدمت خلق کی راہ میں پیش آنے والے مسائل یعنی نفسانی خواہشات، حرص اور غصہ کو قابو میں کرنے کے لیے پنڈت سندر لال ہندو یوگیوں اور مسلم صوفیاء کی عملیات کو پیش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں بھی وہ یوگ اور سلوک کے درمیان مماثلتوں کو تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان صوفی عملیات کا تذکرہ انھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتاب ''القول الجمیل'' کے حوالے سے کیا ہے اور وہ ان عملیات کو انہی کے حوالے سے قرآن کے مطابق درست قرار دیتے ہیں۔ (21)

کتاب کے پہلے عنوان کے تیسرے جزء کی ابتدا میں پنڈت سندر لال نے اس بنیادی اور اہم سوال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات میں اس قسم کی مماثلت موجود ہے تو پھر ان کے پیروکاروں کے درمیان بھی باہمی الفت ومؤدت اور یک جہتی ویگانگت ہونی چاہیے، تاہم عملی زندگی میں نتیجہ اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''دنیا میں مذہب آدمی کو ایک خاندان کے سانچے میں ڈھالنے کے بجائے اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑنے اور ان ٹکڑوں کو آپس میں ٹکرانے میں مدد دے رہا ہے۔ یہ بڑے اچرج اور بڑے دکھ کی بات ہے، پر آج تک دنیا اس بیماری کا ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا علاج نہ کرسکی''۔ (22)

پنڈت سندر لال کے مطابق ان تمام مسائل کی اصل وجہ یہ ہے کہ مذاہب کے مبلغین ومصلحین اور بنیادگزار انسانی زندگی کے ان بنیادی سوالات کا حل، جیسے کہ انسان کی نفسیات اور اس کی طبیعت میں کون کون سی چیزیں بھلائی اور برائی کی طرف گامزن کرنے والی ہیں؟ اسے اپنے اندر کے کن رجحانات کی پرورش وپرداخت اور نشوونما کرنی چاہیے اور کن کو قابو میں کرکے ان کا خاتمہ کرنا ضروری ہے؟ انسانی معاشرے کی حقیقت کیا ہے، اس کی اصلی وبنیادی ضرورتیں کیا ہیں اور کن باتوں

میں تمام انسانوں اور معاشرے کی اصلی بھلائی وترقی پنہاں ہے؟ ایسے عمق اور پیچیدہ انداز میں پیش کرتے ہیں، جس تک عام انسان کی رسائی نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی ان سچے اور قیمتی اصولوں کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے ایسے مثالی اور مشکل ترین طریقے بتاتے ہیں، جن پر عام انسان چل نہیں پاتا۔ تاہم، سچائی یہ بھی ہے کہ ان طریقوں کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا راستہ موجود بھی نہیں ہے، جن پر عمل پیرا ہوکر انسان امن وسکون اور حقیقی کام یابی حاصل کر سکے۔ رہی روحانی ارتقاء کی بات تو اس سلسلے میں مذہبی طرق کے علاوہ ابھی تک کوئی دوسرا طریقہ دنیا کے سامنے متعارف بھی نہیں ہوا ہے۔(23)

پنڈت سندر لال کے مطابق مذکورہ بالا سوالوں کا حل چند صاف ستھرے اور سیدھے سادے اصول ونظریات میں پنہاں ہے۔ ان میں سب سے بنیادی نظریہ توحید یعنی ایک خدا کا تصور ہے۔ گیتا اور قرآن دونوں اپنے قارئین کے سامنے اس تصور کی بہت ہی واضح تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ جب دنیا کا پیدا کرنے اور اس کا چلانے والا بلاشرکت غیر ایک ہے تو اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں باہمی نفرت، عناد، انتشار اور شر وفساد کیسے پیدا ہو گیا؟ کیا انسانوں کے اندر ان منفی اور غلط رجحانات کی موجودگی یہ ثابت نہیں کرتی کہ خدائے واحد پر یقین وایمان کا دم بھرنے والے حقیقت میں اس پر سچے اور خلوص دل کے ساتھ ایمان کامل نہیں رکھتے بلکہ اپنے اپنے مذاہب کی صرف ظاہری رسومات پر عمل پیرا ہیں۔(24)

فکری اعتبار سے اس سطح پر پہنچنے کے بعد پنڈت سندر لال نظریہ وحدۃ الوجود کا سہارا لیتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہر علاقے اور زمانے میں اوتاروں، نبیوں اور تیرتھانکروں کی طرح روحانی طاقت وقوت اور روشنی رکھنے والی عظیم ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ ان کا دل انسانی معاشرے کی اس حالت کو برداشت نہیں کر پاتا کہ انسان اپنی عملی زندگی میں الوہی احکامات کی خلاف ورزی کرے اور تکلیف برداشت کرے۔ انھوں نے مذہب کی اندرونی خامیوں کو دور کرنے اور لوگوں کو خدائے واحد اور سچے مذہب کی طرف لے جانے کی ان تھک کوشش کی ہے۔ ان عظیم ہستیوں کو سادھو، سنت اور صوفی کہا جاتا ہے۔ ان ہستیوں کی ان کوششوں نے انسانیت کی سچی رہ نمائی اور

معاشرے کی ترقی میں مسلسل نئی روح پھونکنے کا کام کیا ہے۔(25)پنڈت سندر لال انسانی معاشرے کے اس گروہ کی عملیات اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ شان دار روحانی ہستیاں دو بڑے کام کرتی ہیں۔ایک طرف تو وہ خدا کے سچے وجود کے الہامی نقشے، اس کے دیدار کی جھلک کے اندر کے تجربے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، جس سے لوگ سچ مچ ایک خدا کی پرستش کرنے والے بنیں۔دوسری طرف وہ ان جھوٹے ریت رواجوں، پوجا پاٹ کے طریقوں، بے انصافیوں اور خودغرضی کے رچے ہوئے سیکڑوں گورکھ دھندوں کو اپنی روحانی آگ میں جلا کر خاک کر دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو آپس کی غیریت اور نفرت پیدا کرتے ہیں۔تاکہ نفرتیں، غصے اور لڑائی جھگڑے دور ہوں اور انسانی سماج ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بھائی بہنوں کا ایک پیارا خاندان بن سکے''۔(26)

پنڈت سندر لال کی کتاب کے اس جزء کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فکری و عملی اعتبار سے تمام مذاہب کے اصطلاحی مفہوم اور اس کی ظاہری صورت یعنی عقائد، عبادات کے طریقوں اور رسوم ورواج کے نہ صرف منکر نظر آتے ہیں، بلکہ انسانی معاشرے میں نا انصافی، اختلاف وانتشار، شر وفساد، ظلم وتشدد اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا اصل ذمہ دار انہی مذہبی رسوم ورواج کو قرار دیتے ہیں۔انسانی معاشرے کو اس شر وفساد سے نجات دلانے کے لیے صوفیاء، رشیوں منیوں اور اولیاء اللہ کے طریقہ کار و تعلیمات کو پیش کرتے ہیں اور بطور حوالہ بڑے پیمانے پر کبیر داس ، دادو اور گرونانک کے دوہوں کا سہارا لیتے ہیں۔کتاب کے پہلے عنوان کا چوتھا اور آخری جزء تمام مذاہب کے متبعین کو وحدت انسانیت کی دعوت دیتا ہے۔کتاب کے اس حصے میں پنڈت سندر لال نہ صرف اپنے اس اہم مقصد کا اعادہ کرتے ہیں بلکہ اس کی تفصیلی وضاحت بھی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے انھوں نے یہ کتاب تصنیف کی۔وہ لکھتے ہیں:

''گیتا اور قرآن اپنے پڑھنے والوں کے سامنے رکھنے سے ہماری غرض

لوگوں کو صرف ایک طرح کا دماغی بھوجن کرانا نہیں ہے بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ اس سے ہم میں عمل کرنے کی طاقت پیدا ہو۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ دونوں پاک کتابیں عمل کی نگاہ سے پڑھی جائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ایشور خدا ہم میں وہ طاقت پیدا کردے کہ ہم اپنے الگ الگ مذہب، اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے گاؤں، اپنے خاندان کے ان الگ الگ اور خودغرضی شکنجوں کو چکنا چور کردیں، جو ہمیں ایک دوسرے سے توڑ توڑ کر الگ کیے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے لڑاتے ہیں۔ ہمارا صرف اتنا محسوس کرلینا اور سمجھ جانا کافی نہیں ہے کہ ہم سب ایک ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی نجی اور سماجی دونوں طرح کی زندگی میں سے وہ سب باتیں مٹادیں، جو ہمیں آدمی آدمی میں فرق کرنے پر مجبور کرتی ہیں، چاہے وہ باتیں ریت رواج کی صورت میں ہوں اور چاہے قانونی اور مذہبی پابندیاں''۔(27)

پنڈت سندر لال کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہم عصر مذاہب کی ظاہری عملیات اور ان کے فکری و معاشرتی ڈھانچوں سے بہت ہی زیادہ بددل تھے، خاص طور پر مذہبی رسوم و رواج میں اختلاف کی بنیاد پر انسانی معاشرے میں جس قسم کی منافرتیں پھیل رہی تھیں، جس کی بنیاد پر انسانی معاشرے میں ظلم و تشدد عام تھا اور لوگ ایک دوسرے سے نزدیک آنے کے بجائے دوری اختیار کررہے تھے۔ پنڈت سندر لال نے انسانی معاشرے میں فتنہ و فساد اور تشدد کی جڑ مختلف مذاہب کی ظاہری عملیات اور رسوم و رواج، ساتھ ہی ان کی معاصر فکر کو قرار دیا ہے، جب کی اس عہد کے انسانی معاشرے میں پرورش پانے والے فکری رجحانات اور آپسی فتنہ و فساد کے اسباب و عوامل کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جڑیں مذہبی کے بجائے سیاسی زیادہ رہی ہیں اور مختلف گروہوں نے اپنے سیاسی مقاصد و مفادات کے حصول کے لیے اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر بڑے پیمانے پر مذاہب کا استعمال کیا، نتیجے کے طور پر غیر مذہبی دانش وروں نے مذاہب کو موردِ الزام ٹھہرایا اور ان تمام اختلاف و انتشار کی اصل وجہ مذاہب اور ان کی ظاہری عملیات کو قرار دیا۔ اس کی سب سے اہم

مثال پنڈت سندر لال کی یہ تحریریں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں کسی نئے مذہب کی ضرورت نہیں ہے، وہ انسانیت کا مذہب، جس پر سارے مذاہب کی بنیادیں قائم ہیں، ہمارے لیے کافی ہے۔ اب ہمیں ضرورت ہے، نئے سماج، نئے کلچر کی، جس میں میری اور تیری، اس گروہ کی یا اس گروہ کی نہیں بلکہ انسانیت کی روح پھنکی ہوئی ہو، جس کے رہن سہن اور ریت رواجوں میں ہر ایک کو برابر کی جگہ دی جائے اور جس کے قاعدے قانون ہماری دل بندیوں اور ہماری پھوٹ کو ٹکاؤ اور امٹ بنا دینے کا سادھن نہ بنیں۔ ہمیں اس طرح کے جیون کی ضرورت ہے، جس کی عمارت آپس کی محبت اور ایک دوسرے کی مدد کی گہری اور مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو۔ ہمیں اس مذہبی سانچے کی ضرورت ہے، جو ہمیں ایک برادری، ایک قوم، ایک خاندان کے جیتے جاگتے سانچے میں ڈھال دے۔ ہمارا یہ نیا دھرم، ہماری یہ نئی ملت آج کل کے مذہبوں کی طرح ایک دوسرے سے غیریت اور نفرت کرنے اور گھن برتنے کا مذہب نہ ہو۔ ہم سب کا ایشور اس کھلی لامذہبی کو ہمارے دلوں اور ہمارے کاموں سے ہمیشہ کے لیے نکال دے۔ ہمارا مذہب انسانیت کا مذہب، محبت کا مذہب، تیاگ یعنی ایثار کا مذہب اور عشق کا مذہب، پریم کا مذہب ہو! یہی وہ سچا مذہب ہے، جسے دنیا کے سب اوتاروں، نبیوں، سنتوں، ولیوں، سادھوؤں اور فقیروں نے حقیقی مذہب، سچا دھرم، مانو دھرم یا الدین بتلایا ہے''۔(28)

کتاب کے دوسرے حصے میں سب سے پہلے ''گیتا'' عنوان کے تحت گیتا کا تعارف، اس کی اہمیت وافادیت، خاص طور پر ہندومت کی دوسری مقدس کتابوں کے مقابلے گیتا کے سادہ اور عام فہم زبان و بیان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے اس حصے میں پنڈت سندر لال دوبارہ ہندو مذہب کی قدامت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے کائنات ارضی کا قدیم ترین مذہب بتاتے ہیں اور رگ وید کو قدیم ترین مقدس و مذہبی کتاب۔ اس کے بعد وہ ویدوں، اپنشد اور بھگوت گیتا کی زبان و بیان کا ذکر کرتے ہوئے بھگوت گیتا کو

سب سے سہل اور عام فہم بتاتے ہیں، ساتھ ہی ان کے قارئین کی تعداد کا تقابل بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دوسرے عنوان ''گیتا دھرم'' کے تحت اس کے تمام اٹھارہ ادھیایوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔اس طرح کتاب کے اس حصے میں گیتا کی تعلیمات واضح ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔تیسرے اور آخری عنوان ''گیتا کا سار'' کے تحت تقریباً دس صفحات میں گیتا کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔کتاب کے اس حصے میں پنڈت سندر لال گیتا کی تعلیمات کے حوالے سے اپنے مخصوص نقطہ نظر یعنی مذہب کے اصطلاحی مفہوم سے اوپر اٹھنے کی بات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس کے نتیجے میں کسی بھی مذہب کے عقائد وعبادات اور مذہبی رسوم رواج کی ادائیگی سے انسان مبرا ہوجاتا ہے۔انسانی تاریخ کے عہد قدیم کا تذکرہ کرتے ہوئے پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

> ''تینوں ویدوں رگ، یجر اور سام پر ان دنوں لوگوں کو بہت بھروسہ تھا۔ویدوں سے انھوں نے یگیہ، ہون، جپ اور تپ وغیرہ طرح طرح کے کام سیکھ رکھے تھے۔لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی بھی پوجا کرتے تھے۔دیوتاؤں کے نام پر ہون میں طرح طرح کی آہوتیاں دی جاتی تھیں۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔دیوتاؤں سے اپنے اس دنیا کے سکھوں اور سورگ کے لیے دعائیں مانگی جاتی تھیں---------- گیتا ان سب ریت رواجوں سے اوپر اٹھنے کا اپدیش دیتی ہے۔گیتا اس طرح کے وہموں میں پڑے ہوئے لوگوں کو ناسمجھ کہتی ہے اور بتاتی ہے کہ ان سے لوگوں کی عقل ماری جاتی ہے----------ویدوں کا کرم کانڈ لوگوں کو پھنسائے رکھتا ہے، آدمی کو اس سے اوپر ہوجانا چاہیے---------- سمجھدار آدمی کے لیے وید ویسے ہی فضول ہیں، جیسے اس جگہ کنواں، جہاں چاروں طرف پانی ہی پانی ہو''۔(29)

کتاب کے تیسرے حصے کا پہلا عنوان ''قرآن'' ہے۔اس حصے میں قرآن کے معنی ومفہوم کے بیان کے ساتھ ساتھ نزول قرآن، ناسخ ومنسوخ، جمع وتدوین قرآن اور آیتوں وسورتوں کی ترتیب پر بھی اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔کتاب کے اس جزء میں تین ذیلی عناوین بھی قائم کیے گئے

ہیں، پہلا'' قرآن کی زبان'' دوسرا'' محمدؐ صاحب سے پہلے کے عرب'' اور تیسرا'' قرآن کا اثر''۔ اکثر مقامات پر وہ مسلم افکار ونظریات کے مطابق رائے دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مگر چند مقامات پر اپنی منفرد رائے رکھتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً نزول وحی اور قرآن کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

'' جب محمدؐ کے سامنے کوئی خاص روحانی مشکل آتی تھی اور راستہ نہ سوجھتا تھا، تب تب وے عام طور پر رو رو کر اپنے خدا سے روشنی کی پرارتھنا کرتے تھے۔ ان کا بدن اکثر تھر تھر کانپنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چادر لپیٹ کر لیٹ رہتے تھے۔ آنسوؤں اور پسینے سے ان کی چادر تر ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی کئی دن تک بنا دانے اور پانی کے وہ اسی طرح پڑے رہتے تھے، آخر میں وہ اٹھتے تھے، جو شبد ان کے منہ سے نکلتے تھے، انھیں وہ اپنے ایشور کا حکم بتاتے تھے۔ 23 برس کے اندر اس طرح وقت وقت پر اور دوسرے خاص موقعوں پر محمدؐ صاحب کے منہ سے نکلی ہوئی چیزوں کے مجموعے کا نام ہی قرآن ہے''۔ (30)

ایک دوسرے مقام پر پنڈت سندر لال اپنی منفرد رائے پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'' آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد سات طرح کے قرآن ملتے ہیں۔ ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ کسی میں جسے ایک آیت مان لیا گیا ہے، اسی کو دوسرے میں دو حصے کر کے دو آیتیں مانا گیا ہے۔ اس سے آیتوں کی کل تعداد میں فرق ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک قرآن میں کل آیتوں کی تعداد 6000 ہے، دو میں 6214 ہے، ایک میں 6219 ہے، ایک میں 6236 ہے۔ ایک میں 6226 اور ایک میں 6225 ہے لیکن مضمون سب میں ٹھیک وہی ہیں۔ شبدوں کی تعداد بھی سب میں برابر بتائی جاتی ہے''۔ (31)

کتاب کے اس آخری حصے کا دوسرا عنوان '' قرآن اور اس کی تعلیم'' ہے۔ اس کے اندر بہت سے ذیلی عناوین قائم کیے گئے ہیں۔ مثلاً الفاتحہ، اسلام کے بنیادی اصول، اللہ اور اس کی تعریف، سب انسان ایک قوم ہیں، سب مذہب ایک ہیں، دھرم میں زبردستی کی مناہی، سب طرف

اللہ ہے، محمد صاحب اور کرامات، جنگ کی اجازت، دھرم پھیلانے کا طریقہ، نیکی یعنی سداچار، کچھ اور آیتیں، نچوڑ۔ان تمام ذیلی عناوین کے تحت موضوع کے اعتبار سے قرآن کی آیتوں کے ترجمے پیش کیے گئے ہیں اور حاشیے میں جگہ جگہ رگ وید، اپنشد اور گیتا سے مماثلت و یکسانیت بھی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، ساتھ ہی مختلف الفاظ کے معنی ومفہوم کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی تشریح وتوضیح بھی کی گئی ہے، جیسے: امت، مسلم، اسلام، کافر، فرشتے، شیطان، زنا، غلامی اور قربانی۔کتاب کا یہ حصہ، خاص طور پر متعدد الفاظ کے توضیحی حاشیے اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ پنڈت سندر لال نے قرآن کی عربی ،اردو تفسیروں کے ساتھ ساتھ انگریزی تراجم سے بھی بڑے پیمانے پر استفادہ کیا تھا۔ان توضیحی حاشیوں میں انھوں نے مسلم افکار ونظریات کے مطابق اور مسلم علماء و دانش وروں کے حوالوں کے ذریعہ ہی وہ اپنی رائے دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔فرشتوں اور شیطان سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''فرشتوں اور شیطان کا قرآن میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔اکثر لوگ یہ مانتے ہیں کہ فرشتے اور شیطان الگ ہستیاں ہیں۔قرآن میں کئی جگہ شیطان لفظ معمولی برے آدمیوں کے بارے میں آیا ہے۔قرآن کی تفسیر لکھنے والے کئی عالم مسلمانوں کی رائے ہے کہ فرشتوں سے مطلب آدمی کے دل کے اندر کے نیک رجحانوں سے اور شیطان سے مطلب آدمی کے اندر کے برے رجحانوں سے ہے''۔(32)

فرشتوں اور شیطان سے متعلق پنڈت سندر لال نے یہ رائے مشہور ترک دانش ور محمود مختار پاشا کے حوالے سے دی ہے۔اس حصے کے آخر میں پنڈت سندر لال نے قرآن کے بنیادی اصول اور اس کی تعلیمات کا خلاصہ ''نچوڑ'' کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے، جس میں انھوں نے نو نکات کے تحت تمام قرآنی اصول وکلیات اور تعلیمات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآنی اصول وکلیات اور تعلیمات سے اخذ کردہ پنڈت سندر لال کے یہ نتائج زیادہ تر مسلم فکر سے میل کھاتے ہیں، مگر کچھ جگہوں پر انھوں نے ان تعلیمات کے ذریعہ اپنے افکار ونظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً تیسرے نکتے کے تحت انھوں نے اپنی بنیادی فکر وحدت ادیان کو

پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''دنیا کے سب بڑے بڑے دھرموں کا نکاس اسی ایک اللہ سے ہے۔
ان سب مذہبوں کے قائم کرنے والوں کو ایک ہی طرح اسی اللہ سے روشنی ملی ہے۔
اس لیے یہ سب دھرم سچے ہیں اور جڑ میں سب دھرم ایک ہیں''۔(33)

اسی طرح چوتھے اور پانچویں نکتے میں وہ مذاہب کے اصطلاحی مفہوم اور مذہبی عملیات ورسوم کے مخالف نظر آتے ہیں۔انھوں نے شرع اور منہاج یعنی مذہبی عبادتوں اور مذہبی رسوم ورواج کو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اختلاف وانتشار اور لڑائی جھگڑے کی وجہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں نماز اور روزے دونوں کا حکم ہے لیکن نہ نماز کا کوئی ایک خاص ڈھنگ مقرر کیا گیا اور نہ روزے کا کوئی خاص کڑا قانون۔ان کے مطابق نماز اور روزے دونوں کی غرض یہی بتائی گئی ہے کہ آدمی برائی سے بچا رہے اور نیک کام کرے۔اس لیے جو آدمی بھی اللہ کو ایک مانے اور نیک کام کرے، وہ چاہے کسی بھی خاص دھرم کا ماننے والا ہو، اسے نہ کوئی ڈر ہے نہ کوئی غم۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن کے اندر دو باتوں کی بار بار تاکید کی گئی ہے، ایک ایمان اور دوسرا عمل صالح۔وہ ان دونوں کی تفصیل بھی بتاتے ہیں کہ ایمان اور عنل صالح سے کیا مراد ہے، مگر ان میں کہیں بھی مذہبی عبادتوں کا تذکرہ نہیں کرتے، عمل صالح میں صرف خدمت خلق کو بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔وہ قرآنی تعلیمات سے ''مذہب انسانیت'' کو ثابت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جسے ان کے مطابق ہندو سنتوں نے ''پریم دھرم'' اور مسلم صوفیاء نے ''مذہب عشق'' کہا ہے۔(34) کتاب کے آخری حصے کا تیسرا عنوان ''کچھ اور آیتیں -- عورتوں کے بارے میں، جہاد، عاقبت، آخرت، جنت اور جہنم'' ہے۔ اس کے تحت بھی ان مذکورہ موضوعات سے متعلق قرآنی آیتوں کے ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔پنڈت سندر لال نے بھی چند مسلم دانش وروں کی طرح جنت اور جہنم کو تمثیلی تصور کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''قرآن کی کچھ آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اندر جنت
اور جہنم کے خیال آدمیوں کے اچھے اور برے کاموں کے نتیجوں کو صاف صاف

دکھانے کے لیے صرف ایک تشبیہ، مثال یا النکار کے طور پر ہیں''۔(35)

کتاب کا اختتام ایک دوہے پر ہوتا ہے، جس کا عنوان تمام انسانیت کو ایک خاندان تعبیر کرتے ہوئے ''کوئی نہیں ہے غیر'' رکھا گیا ہے۔ یہ دوہا بھی مذہبی یگانگت، انسانی ہم دردی، انسیت واپنائیت، اخوت ومحبت، قومی یک جہتی اور اصطلاحی مذاہب کے رسوم ورواج سے بے زاری سے عبارت ہے۔ دوہا درج ذیل ہے:

کوئی نہیں ہے غیر ،بابا! کوئی نہیں ہے غیر
ہندو ،مسلم، سکھ، عیسائی، دیکھ سبھی ہیں بھائی بھائی
بھارت ماتا سب کی ماتا، یہ دھرتی ہے سب کی مائی
مت رکھ من میں بیر، بابا! کوئی نہیں ہے غیر
کوئی نہیں ہے غیر، بابا !کوئی نہیں ہے غیر

حوالہ جات:

1۔ جنید احمد (مرتب): شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 1991ء، ص:68
2۔ سندر لال: گیتا اور قرآن، ہندستانی کلچر سوسائٹی، الہ آباد، 1926ء، ص: احسان مندی
4۔ ایضاً، ص:2-1
5۔ ایضاً، ص:3-2
6۔ ایضاً، ص:4
7۔ ایضاً، ص:6-4
8۔ ایضاً، ص:6
9۔ ایضاً، ص:8
10۔ ایضاً، ص:11
11۔ ایضاً، ص:16
12۔ ایضاً، ص:27-26

13۔ ایضاً،ص:33-32

14۔ قرآن،سورۃ الحج،آیت نمبر66

15۔ قرآن،سورۃ الانعام،آیت نمبر95

16۔ قرآن،سورۃ البقرۃ،آیت نمبر28

17۔ قرآن،سورۃ الواقعۃ،آیت نمبر61-60

18۔ سندرلال: گیتااورقرآن،ص:33، پنڈت سندرلال نے حاشیہ میں شیعہ مسلمانوں کے درج ذیل فرقوں کا تذکرہ کیا ہے: رزامیہ،کاملیہ،منصوریہ،عمیریہ،باطنیہ،قرامطیہ،حناحیہ،خطابیہ،معمریہ،میمونیہ،مقنعیہ، خلفیہ،جناحیہ۔

19۔ ایضاً،ص:34-33

20۔ ایضاً،ص:48،50،53

21۔ ایضاً،ص:59-58

22۔ ایضاً،ص:60

23۔ ایضاً،ص:61-60

24۔ ایضاً،ص:61

25۔ ایضاً،ص:62

26۔ ایضاً،ص:63-62

27۔ ایضاً،ص:95-94

28۔ ایضاً،ص:95

29۔ ایضاً،ص:160

30۔ ایضاً،ص:172-171

31۔ ایضاً،ص:175-174

32۔ ایضاً،ص:208-207حاشیہ

33۔ ایضاً،ص:250

34۔ ایضاً،ص:253-251

35۔ ایضاً،ص:268

☆☆☆

باب دوم

سیرت نبوی ﷺ پر تصنیفات

سیرت پیغمبر ﷺ پر غیر مسلموں کی تصنیفات

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی
(استاذ حدیث وفقہ جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد)

اللہ عزوجل نے اپنے محبوب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسول الثقلین اور رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، اور ''اسوہ'' بنانے کے لئے آپ ﷺ کو اعلی اخلاق واصاف اور کمالات کا ایسا پیکر بنایا کہ جس نے بھی تعصب وعناد کی نظر اور دل کی کجی سے پاک ہوکر آپ ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ کے زمانے کے بعد جس نے بھی منصفانہ نظر سے آپ کی سیرت کا مطالعہ کیا، وہ آپ کا گرویدہ اور مدح خواں بنے بغیر نہ رہ سکا، اور اس کی زبان وقلم نے آپ کی عظمت وکمالات کا اعتراف کیا اور اس کی گواہی دی۔

آپ ﷺ کی سیرت کی خوبی اس کی جامعیت وآفاقیت ہے، اسی لئے ہر زمانہ میں، ہر خطہ میں اور ہر زبان میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین، رسائل اور مختصر ومفصل کتابیں لکھی گئیں، اور لکھنے والوں کی فہرست میں جہاں آپ کے وہ غلامان ہیں جو دامنِ اسلام سے وابستہ ہیں اور جن کے دل آپ کی عقیدت ومحبت سے معمور ہیں، وہیں بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو دین اسلام سے تو وابستہ نہیں تھے، لیکن ان کے ناقدانہ ذوق مطالعہ نے سیرت نبوی کے مطالعہ پر انہیں آمادہ کیا اور انہوں نے آپ ﷺ کی شخصیت کا پوری سنجیدگی ومتانت، ادب واحترام اور معروضیت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے، اس مطالعہ کے بعد جہاں بہت سے دل غلامی کے لئے تیار ہوگئے اور کلمہ طیبہ کے اقرار کے ساتھ اس کے داعی بن گئے، وہیں بہت سے لوگ حکمت خداوندی کے تحت دولت اسلام سے

سرفراز تو نہ ہو سکے لیکن سیرت نبوی کے ہمہ پہلو کمالات کے اقرار واعتراف پر ضرور مجبور ہو گئے، اسی لئے نبی اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف میں سیرت نگاری اور نعت نگاری کا شرف حاصل کرنے والوں میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد ہے، اور تاریخ کے صفحات میں یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ ایک معقول تعداد ایسے ہندو سیرت نگاروں کی بھی نظر آتی ہے جنھوں نے تذکرہ رسولِ عربی ﷺ کے ذریعے اپنی تحریر کی حرمت میں اضافہ کیا ہے، اس مقالہ میں ان ہی میں سے بعض تصنیفات کا تذکرہ مقصود ہے:

1۔عرب کا چاند:

سیرت کے موضوع پر غیر مسلم کی تصنیفات میں ''عرب کا چاند'' نامی یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے، جو اپنے ادبی اور محققانہ انداز کی وجہ سے ایک قیمتی علمی شاہکار ہے، اس کتاب کے مصنف سوامی لکشمن پرشاد ہیں جن کی وفات کم عمری ہی میں 1939ء میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی، وہ علم دوست، اعلی اخلاق والے حق گو دلیر انسان تھے، اور غیر مسلم ہونے کے باوجود اسلامی شعائر سے بہت انسیت رکھتے تھے، اسلام اور اسلامی اعمال سے ان کی انسیت ان کے خط کے ایک اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے، جس میں انہوں نیا سلام کی حقانیت کے باوجود دامن اسلام سے عملی طور پر وابستہ نہ ہونے کے اسباب وعوامل کو تحریر کیا ہے:

> ''جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بخود سست پڑ جاتی ہے، گویا کوئی میرا دامن پکڑ رہا ہو، میرے قدم وہیں رک جانا چاہتے ہیں ،گویا وہاں میری روح کے لئے تسکین کا سامان موجود ہو، مجھ پر ایک بیخودی سی طاری ہونے لگتی ہے، گویا مسجد کے اندر سے کوئی میری روح کو پیام مستی دے رہا ہو، جب موذن کی زبان سے میں اللہ اکبر کا نعرہ سنتا ہوں تو میرے دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوجاتا ہے، گویا کسی خاموش سمندر کو متلاطم کر دیا گیا ہو، جب

نمازیوں کو میں خدائے قدوس کے سامنے سربسجود دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں میں ایک بیداری سی پیدا ہوجاتی ہے، گویا میری روح کو ایک متوحش خواب سے جھنجوڑ کر جگادیا گیا ہو، لیکن جب مسجد سے چند قدم آگے بڑھاتا ہوں تو پھر میری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ آتا ہے، رنگ کس قدر پھیکا! خطوط کس قدر غیر متناسب! حدود کس قدر غلط! برتن کس قدر تنگ!''(1)

یہ کتاب سیرت کے موضوع پر کسی غیر مسلم کی پہلی کتاب ہونے کی وجہ سے علمی حلقے میں مقبول نہیں ہوئی، بلکہ اس پہلے کئی غیر مسلم کی تصنیفات ہیں، اس کتاب کی مقبولیت کی ایک اہم وجہ صاحبِ سیرت: رسول اللہ ﷺ سے مصنف کی قلبی وابستگی ہے، کتاب کا پیش لفظ لکھنے والے حکیم عبد اللہ لکھتے ہیں:

''بخلاف دیگر غیر مسلم سیرت نگاروں کے عرب کے چاند کا مصنف کچھ اس انداز عاشقانہ سے عالم وارفتگی میں حب نبوی میں سرشار ہوکر قلم کو تھامتا ہے کہ پھر دنیا ومافیہا سے غافل ہوکر سیرت مصطفیٰ کی وادی میں سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے اور سرراہ کوئی مانع نہیں بنتی''۔(2)

اور یہ حقیقت ہے کہ پوری کتاب مصنف کے حب نبوی میں سرشار ہونے کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے، مثلاً کتاب کی تصنیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے دنیا کی عظیم المرتبت اور نادر روزگار ہستیوں کے حالات با برکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کرلیا ہے۔.....دنیا کی جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں، رحم للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس لئے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے

حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے''۔(3)

اس طرح اس کتاب کی قبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتاب ایک ادبی شاہکار ہے، مصنف نے اس کتاب کو زبان کی پختگی وشائستگی، تشبیہ واستعارہ کی فراوانی، اسلوب کی دل آویزی، تخیل کی بلندی، اور الفاظ کی کامل مہارت سے اپنی مثال آپ بنایا ہے، اور ابتدا میں جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے، اختتام تک سارے مضامین کو اسی انداز میں ڈھالا ہے، اور مصنف نے پوری کتاب میں زبان کی گرفت کو کہیں نہیں چھوڑا ہے، کتاب کے عناوین اور عبارتیں اس کی واضح دلیل ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے ایسی سیاہ کاری وظلم وستم کی گھن گھور گھٹائیں عرب کے مطلع پر چھائیں ہوئی تھیں، تو اس کی افق پر یثرب کا چاند طلوع ہوا، جس نے اپنی ضیا بار کرنوں سے ایک دفعہ تو ریگستان عرب کے ذرہ ذرہ کو تجلی زار بنا دیا''۔(4)

اصل سیرت کے آغاز سے قبل مصنف نے ایک جامع تمہیدی تحریر لکھی ہے، جس کے اخیر میں انہوں نے ''میری کوشش ناتمام'' کے عنوان کے تحت اپنی کم مائیگی کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کی وہ عبارت بھی ان کے ادبی کمال اور جمال مصطفیٰ سے ان کی شیدائیت کا اعلان کرتی ہے، لکھتے ہیں:

''یہ کتاب جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے، ادب وتاریخ کے امتزاج کا وہ دل فریب مرقع نہیں ہے جس کی روح نواز تصویر میں نے عالم تصور میں تخیل کے موقلم کی نگار آرائیوں سے تیار کی تھی۔..... یہ کتاب نہ گلہائے ادب کا کوئی دل پذیر گلدستہ ہے اور نہ تاریخی حقائق کا کوئی بصیرت افروز مجموعہ، اس لئے میں اس ناچیز تحریر کو کسی علمی وادبی دعوے کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، بلکہ نہایت عاجزی سے اپنی علمی فرومائیگی اور دماغی انتشار کا اعتراف کرتا ہوا شیدایان جمال مصطفویؐ اور سوختہ دلان جلوہ احمدیؐ کی خدمت میں حضور انور ﷺ سے اپنے عشق جنون نواز کے ایک دل دوز داستان کا ایک پھٹا ہوا ورق بطور

''نذر'' کے گزرانتا ہوں''۔(5)

یہ کتاب جو ابھی میرے سامنے ہے وہ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی ہے اور وہ 414/صفحات پر مشتمل ہے اور اخیر میں دوصفحات میں فہرست کتاب ہے، اس کتاب کو مصنف نے دوحصوں میں تقسیم کیا ہے: حصہ اول (مکی دور)، حصہ دوم (مدنی دور)

مکی دور:

اس دور کی ابتدا زمانہ جاہلیت اور عرب کی جغرافیائی، سماجی اور اخلاقی حالت سے کی ہے، اسکے بعد آپ ﷺ کی ولادت کے مختصر حالات، پرورش، والد اور دادا کی کفالت، آپ ﷺ کی پاک بازاور زہد و پرور جوانی، شق الصدر کا واقعہ، اصحاب الفیل کا حیرت انگیز واقعہ، حضرت علی کا اسلام قبول کرنا، ہجرت حبشہ، امیر حمزہ کا مشرف بہ اسلام ہونا وغیرہ جیسے واقعات کو ذکر کیا ہے۔

مدنی دور:

اس دور کا آغاز آپ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت سے ہوتا ہے، ہجرت کی تیاریاں رسول ﷺ کی شہر آفاق امانت داری، مسجد قبا کی تعمیر، مدینہ میں سلسلہ مواخات، مسجد نبوی کی تعمیر، جنگ بدر، جنگ احد، صلح حدیبیہ، غزوہ تبوک، حجۃ الوداع کے بعد آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ اس کتاب کا اختتام ہے۔ آخیر کتاب کے عناوین اس طرح ہیں:

موت کی عالمگیر حکومت۔ انجام حیات کا اذیت خیز تصور۔ موت کے پردے میں سامان نشاط۔ موت کے پردہ میں حیات جاوید۔ رحلت کی آخری ساعتیں۔

اس کتاب کی خصوصیت ہے کہ یہ کتاب اپنا مخصوص ادبی مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں بھی بالعموم کتب تاریخ وسیرت سے انحراف نہیں کرتی ہے، اور زبان میں سلاست روانی اور دل آویزی کے ساتھ ساتھ کتب کے بیشتر واقعات مستند روایات کی بنیاد پر منتخب کئے گئے ہیں، البتہ کتاب میں ماخذ کے حوالے کم ہیں، صرف روضۃ الاحباب، ولیم میور اور کارلائل کی

کتب کے نام ہیں، مصنف اپنی کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے کتاب میں جو کچھ لکھا ہے تحقیق کی روشنی میں لکھا ہے کسی فرد بشر یا کسی قوم کی خوشنودی کی خاطر اپنے ضمیر کو دھوکا نہیں دیا ہے، میں اس کتب کا حق پوری طرح ادا کرنا چاہتا ہوں کہ عرب کے چاند میں خاتم النبین کی حیات مبارکہ کو رقم طراز کرسکوں''۔(6)

2۔سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام:

سیرت کے موضوع پر غیر مسلم مصنف کی ایک قدیم کتاب ''سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام'' ہے، جس کے مصنف شردھے پرکاش دیو جی ہیں، یہ کتاب پہلی مرتبہ لاہور سے 1907ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب کے پہلے ایڈیشن میں 112/صفحات ہیں۔ دوسرے ایڈیشن 1908ء میں لاہور سے شائع ہوا، اس میں عناوین وغیرہ کا جزوی اضافہ ہے اور یہ 140/صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ایڈیشن میں متعدد شخصیات کی تقاریظ وتبصرے بھی کتاب کے اخیر میں شامل اشاعت کئے گئے ہیں، اور تیسرا ایڈیشن 1923ء میں شائع ہوا۔ اس میں 145/صفحات ہیں، اس میں بھی بعض تقاریظ وتبصرے کتاب کے اخیر کے بجائے کتاب کے شروع میں شامل کئے ہیں، تینوں نسخے راقم السطور کو ریختہ کی ویب سائٹ www.rekhta.org پر ملے ہیں۔ اصل کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب کے چند ذیلی عنوانات ہیں اور کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ میں کتاب کی تصنیف کی غرض وغایت مصنف نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایسے بہت ہی کم لوگ ہیں، جو ان کی اعلی زندگی کے حالات سے واقف ہیں۔ ہم کو سینکڑوں ہزاروں ایسے لوگوں سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوا ہے جو اپنے تئیں پکا مسلمان کہتے ہیں، لیکن اگر ان سے محمد صاحبؐ کے حالات کی بابت کچھ استفسار کرو تو منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، حالانکہ وہی لوگ جان عالم اور بے نظیر کے تمام

افسانے از بر سنا سکتے ہیں''۔(7)

''ہماری خواہش ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو ہر ملک اور ہر مذاہب کے بزرگ اشخاص کی زندگی کے حالات سے واقف کیا جاوے، اس لیے ہم پر محمدؐ صاحب کی سوانح عمری کا لکھنا بھی فرض تھا۔.....ہمیں امید ہے کہ جس غرض سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ غرض اس سے حاصل ہوگی اور آنحضرتؐ کی زندگی کے واقعات کے متعلق جو غلطیاں مشہور ہو رہی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی اور صداقت اپنی اصل رنگت میں چمکے گی''۔(8)

ڈاکٹر شمس بدایونی کے الفاظ میں اس کتاب کا مختصر تعارف یہ ہے:

''سیرت رسولؐ پر یہ پہلی کتاب ہے جو غیر جانب دارانہ انداز میں لکھی گئی ہے، اس میں ان اعتراضات کا بھی شافی جواب آ گیا ہے جو آنحضورؐ کی ذات گرامی پر غیر مسلم مصنفین کرتے رہے ہیں، حضورؐ کے نام کے ساتھ صرف لفظ ''صاحب'' کو کافی نہیں سمجھا گیا، بلکہ بالعموم آپؐ کے نام کے ساتھ شروع میں آنحضرتؐ اور بعد میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے۔

کتاب کی زبان سادہ، بیان موزوں اور پیش کس دلآویز ہے، واقعات سیرت کے سہارے کتاب از اول تا آخر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اور قاری کو کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ عظمت رسول کا دائرہ تنگ یا محدود ہو رہا ہے۔

کتاب عام فہم ہے، چھوٹے چھوٹے جملوں سے بات کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جہاں جہاں آج کاما کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وہاں ایک چھوٹے ڈیش سے کام لیا گیا ہے، گویا کہ ترسیل مفہوم کے لیے نہ صرف عبارت کی سادگی، مضمون کی دلآویزی بلکہ رموز اوقاف کا بھی حتی الوسع خیال رکھا گیا ہے، ہجری تاریخوں کی عیسوی سے تطبیق کی گئی ہے، اس طور آنحضورؐ کی پیدائش 29/ اگست 570ء اور وفات 8/ جون 632ء لکھی گئی ہے۔

بعد کے غیر مسلم مصنفین کے لیے یہ کتاب بنیادی ماخذ بن گئی،لیکن کسی نے اس کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا، کتاب کے آخری چار صفحات میں معاصرین کی آرا، اور تبصرے یکجا کر دیے گئے ہیں، ان میں خواجہ الطاف حسین حالی، مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ظفر علی خاں، سید ممتاز علی اور متعدد انگریزی اور اردو اخبارات کے تراشے دیے گئے ہیں''۔(9)

مولانا حالی علیہ الرحمہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی نسبت جو کچھ میں نے اخباروں میں دیکھا اور لوگوں سے زبانی سنا تھا، اس سے بہت زیادہ اس کو تعریف کے لائق پایا۔ معزز مصنف نے یہ کتاب لکھ کر سچائی اور حق پسندی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جس کی ہم سب ہندوستانیوں کو تقلید کرنی چاہیے۔..... مجھے یقین ہے کہ سردھے پرکاش دیو جی نے یہ کتاب مسلمانوں کے خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض صداقت کے ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا خوش ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے، اس لیے وہ تمام مسلمانوں کی طرف دلی شکریے کے مستحق ہیں''۔

3۔ سیرت رسول عربی:

''سیرت رسول عربی'' کے نام سے کئی کتابیں ہیں، اسی نام سے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب سردار گوردت سنگھ دارا (جی ایس دارا) کی بھی تصنیف ہے، کتاب کے مصنف بیرسٹر اور اخبار ہندلندن کے ایڈیٹر تھے، ریختہ کی ویب ساٹ پر جو کتاب موجود ہے وہ 126 رصفحات پر مشتمل ہے، اور اس کے ٹائٹل پر تحریر ہے:

''محمد کی سرکار میں ایک سکھ کا نذرانہ، یعنی سردار گوردت سنگھ صاحب دارا بیرسٹر وایڈیٹر اخبار ہندلندن کی لکھی ہوئی سیرت رسول عربی سکھ قوم کی معلومات کے لئے حسن نظامی دہلوی نے شائع کی نومبر 1924ء میں''۔

اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر انور محمود خالد نے لکھا ہے:

''اس کتاب کی اشاعت اول کے بارے میں قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے، ایک جگہ 1924ء اور دوسری جگہ 1927ء درج ہے۔ تاہم اس کا دوسرا ایڈیشن 1941ء میں چھپا جو 190 صفحات پر مشتمل ہے، اور اب عام دستیاب ہے''۔(10)

مصنف نے ابتدا میں رسول عربی کے عنوان سے ایک تمہید لکھی ہے جو بڑی پر جوش و پر اثر ہے، اس کے بعد پوری کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے، ہر باب کے ضمنی عنوانات حاشیے پر دیئے گئے ہیں، سید سلیمان ندوی نے اس کتاب کی بابت لکھا ہے:

''دار اصاحب نے پیغمبر اسلامؐ کی سوانح عمری بڑی بے نفسی اور بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے، کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا قلم کس جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے، میں نے اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھا اور ایک رواں کتاب کی حیثیت سے اس کو پسند کیا، ممکن تھا کہ یہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے اس سے زیادہ بلند پایہ پہ لکھی جا سکتی، لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربار رسالت میں پیش کر سکتا اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے''۔

4۔ حضرت محمدؐ اور اسلام:

''حضرت محمدؐ اور اسلام'' سیرت کے موضوع پر لکھی گئی کتاب ہے، جس کے مصنف ڈاکٹر پنڈت سندر لال ہیں۔ ان کی وفات 1983ء ہوئی۔ انہوں نے اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں، جن میں سے معروف کتاب ''گیتا اور قرآن'' ہے۔ حضرت محمدؐ اور اسلام کی پہلی اشاعت فروری 1942ء میں وسوانی پریس الہ آباد سے ہوئی، جو 224 صفحات مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست سے پہلے کتاب کے ناشر بشمبر ناتھ پانڈے نے ''ضروری بات'' عنوان کے تحت لکھا ہے:

''پنڈت سندر لال جی کئی سال سے دنیا کے دھرم، مذاہب اور کلچر پر ایک بڑی کتاب

لکھ رہے ہیں، جو کئی وجہوں سے ابھی پوری نہیں ہوسکی، ''حضرت محمدؐ اور اسلام'' اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، کچھ دوستوں کے کہنے پر اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے الگ سے چھاپ کر نکالا جا رہا ہے، اس کی بولی آسان رکھی گئی ہے کہ سب سمجھ سکیں، ناگری اور اردو، دونوں لکھاوٹوں میں یہ ایک ہی بولی میں چھاپی گئی ہے، یہ کتاب دونوں لکھاوٹوں میں ہمارے یہاں سے مل سکتی ہے''۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت کے شروع میں دیباچہ وغیرہ نہیں ہے بلکہ فہرست سے پہلے ناشر کی ضروری بات کے عنوان سے مذکورہ تحریر ہے اور فہرست کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس کا پہلا عنوان ہے ''عربوں کا دیش''، لیکن اس کی تیسری اشاعت میں کتاب کے شروع میں ''دو لفظ'' کے عنوان سے مصنف نے ایک دیباچہ لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلامؐ کی زندگی اور قرآن دونوں کو میں نے اپنے معلم ڈاکٹر مرزا ابوالفضل سے پڑھا ہے''۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھا تھا اور مولانا حسین احمد مدنی نے بھی (1942ء میں جب وہ نینی جیل میں تھے) اس کا پہلا ایڈیشن دیکھا تھا اور اس پر مفصل رائے ایک نوٹ بک کی شکل میں لکھ کر ان کو دی تھی، جس سے اس تیسرے ایڈیشن میں پوری طرح استفادہ کیا گیا ہے۔(11)

اس کتاب میں مصنف نے شروع میں تقریباً 29/صفحات پر سرزمین عرب کا جغرافیہ، عربوں کا رہن سہن اور وہاں کے باشندگان کے مذاہب کا ذکر کیا ہے اور بعثت سے قبل کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''اسی طرح کے دیش اور اسی طرح کے آدمیوں میں مکہ کے ایک بہت بڑے گھرانے کے اندر تاریخ 9/ربیع الاول سوموار 20/اپریل 571ء کو سورج نکلنے کے وقت محمد صاحب کا جنم ہوا''۔(12)

کتاب کی زبان سہل اور عام فہم ہے، اسے اس طور پر قلم بند کیا گیا ہے کہ ایک عام ہندی و اردو قاری کسی پڑھے لکھے شخص کا سہارا لیے بغیر اس کا مطالعہ کر سکے، بہت سی جگہ ہندی الفاظ کو ہی اردو میں تحریر کیا گیا ہے، جیسے: ''اتہاس، شبھ لگن، پوت، راجہ، سیوا'' وغیرہ، مصنف نے قرآن کریم کے بشمول متعدد سیرت نگاروں اور مغربی مورخین سے جا بجا استفادہ کیا ہے اور ان کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں، اس میں سیرالنبی علامہ شبلی کا حوالہ بھی موجود ہے۔

اس کتاب میں بعض جگہوں پر اسلامی اصطلاحات کے فرق کو ملحوظ رکھنے میں خلط ملط بھی ہے، جیسے معجزہ کو کرامت سے تعبیر کیا ہے، اور یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ محمد صاحب نے اپنے زندگی بھر نہ کوئی کرامات، معجزہ یا چمتکار دکھایا اور نہ دکھا سکنے کا دعویٰ کیا۔ دعویٰ کی بات تو صحیح ہے البتہ سرے سے معجزہ نہ دکھانے کی بات محل نظر اور بلکہ نا قابل قبول ہے۔(13) اسی طرح کعبے کے طواف کو کعبہ کی پوجا لکھا ہے، اور کعبہ کو مندر اور تیرتھ لکھا ہے۔(14) اہل علم جانتے ہیں کہ یہ تعبیر اسلام فکر و عقیدہ کی ترجمانی نہیں کرتی ہے؛ کیونکہ بقول مرزا غالب:

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

5۔Prophet Mohammad and His Companions:

Prophet Mohammad and His Companions کے مصنف ڈاکٹر این، کے ،سنگھ ہیں جو انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز دہلی کے ڈائرکٹر ہیں، انہوں نے اسلامیات کو بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے، ان کی یہ کتاب سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کے موضوع پر ایک جامع تصنیف ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے سیرت نبوی کے حوالے پیدا کردہ متعدد غلط فہمیوں کے ازالے کے ساتھ ساتھ سیرت سے متعلق درج ذیل عناوین پر بڑے متوازن انداز میں گفتگو کی ہے:

عہدِ جاہلیت کی مذہبی، سماجی صورت حال، پیغمبر کی ولادت اور بچپن، حلف الفضول میں

شرکت، مذہبی بیداری کا آغاز، نزولِ وحی، مقصدِ بعثت، سماجی بائیکاٹ، واقعہ معراج، ہجرتِ مدینہ، امت کی تشکیل، تعصب، غیر رواداری اور لادینیت کے خلاف محاذ آرائی، مصالحت کی کوششیں، آخری حج، وفات، امت کے لیے رہ نما خطوط۔

وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''محمد [ﷺ] پیغمبر کا نام ایک جدید عہد کی تعمیر کے لیے جانا جاتا ہے۔ مذہبی حلقوں کے درمیان اس غیر معمولی شخص کا کردار بالکل صاف وشفاف ہے۔ محمد [ﷺ] بہ حیثیت انسان مر چکے ہیں، لیکن بہ حیثیت پیغمبر انہوں نے اپنے پیچھے قرآن وسنت کی شکل میں اثاثہ چھوڑا ہے۔ جو تعلیمات انہوں نے ہمارے واسطے چھوڑی ہیں اگر ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس دنیا میں ایک خوش گوار زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسلام اس دنیا کا ایک عملی مذہب ہے جو انسانیت کے دنیاوی مسائل سے دل چسپی لیتا ہے اور حل پیش کرتا ہے''۔(15)

6۔Mohammad: The Prophet of Islam:

سیرت نبوی پر غیر مسلموں کی تصنیفات میں پروفیسر راما کرشنا راؤ کی کتاب Mohammad: The Prophet of Islam ایک مختصر عمدہ تصنیف ہے، جو 36 رصفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبہ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں، ان کی یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے، لیکن مقبولیت کی وجہ سے دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے جہاں ایک طرف غیر متعصب مغربی مصنفین اور مستشرقین کے حوالے دیئے ہیں، وہیں ہندو دانش وروں اور منصف مزاج شخصیات کے اقوال ذکر کر کے ان استشہاد بھی کیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق

متعدد الزامات کی تردید کی ہے، مثلاً یہ الزام کہ محمد ﷺ نے اسلام کو شمشیر کے ذریعہ پھیلایا، ایسے الزامات کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ان کی حیثیت ادبی اعجوبہ کاری سے زیادہ کچھ نہیں۔ مزید یہ کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات میں جمہوریت اور مساوات کو خوب سراہا ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان تعلیمات کے نتیجے میں بین الاقوامی اتحاد اور بھائی چارہ کے اصولوں کو آفاقی بنیادیں فراہم ہوئیں، اسی طرح عورتوں کے حقوق کے حوالے آپ ﷺ کی تعلیمات کو حقوق نسوان کے تحفظ کی پہلی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ چنانچہ یہودی بھی آپؐ کی صداقت کے قائل تھے۔ آپ کے کردار میں آپ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاوی مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی''۔(16)

7۔ محمدؐ جی حیاتی (محمد رسول اللہ ﷺ):

''محمدؐ جی حیاتی'' نامی یہ کتاب سندھی زبان میں ہے، اس کا اردو زبان میں ''محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے مصنف لعل چند امر دنو جگتیانی ہیں جنہوں نے سندھی میں پہلے سیرت نگار ہونے کی سعادت حاصل کی، لعل چند نے اپنی زندگی ایک معلم کی حیثیت سے شروع کی، ساتھ ہی ساتھ وہ علمی دنیا سے بھی وابستہ رہے، وہ ایک بلند پایہ ادیب اور صاحبِ طرز نثر نویس کی حیثیت سے سندھی زبان کے محسنین میں بھی شمار ہوتے ہیں، ان کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 191ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو لکھنے کا سبب لال چند خود یوں بیان کرتے ہیں کہ مسلم بچوں سے جب وہ سکول میں ان کے نبی کی حیات کے بارے میں پوچھتے تو کوئی بھی بچہ تسلی بخش جواب نہ دیتا، اس لیے انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ کی حیات پر ایک کتاب تحریر کریں۔ اس طرح وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان ہی دنوں کچھ مستشرقین کی کتابوں سے انھیں استفادے کا موقع میسر آیا، مگر اکثر مستشرقین کی کتابوں میں تعصب اور بغض کی بو آ رہی ہوتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے خود ہی کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا، اس

کتاب کے لکھنے میں ان کی رہنمائی مولانا عبیداللہ سندھی، پیر جھنڈ واور سعید آباد، ضلع ہالا سندھ مدرسۃ السلام کے فارسی معلم محمد علی شاہ نے کی۔(17)

1911ء میں چھپنے کے بعد یہ کتاب جنوری 2007ء میں سندھی ساہت گھر حیدرآباد سندھ کی جانب سے 72/صفحات میں دوبارہ شائع ہوئی۔

8۔میر محمد عربی:

''میر محمد عربی'' سیرت کے موضوع پر سندھی زبان میں لکھی گئی کتاب ہے، اس کتاب کے مصنف امر لال ہنگورانی ہیں، امر لال پیشے سے وکیل تھے، وہ ایک ہندو ادیب اور دانشور تھے، انہیں سندھی زبان میں حقیقت نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے، اس کتاب کو پہلی بار برہم پٹ لائین پرنٹنگ پریس، کراچی سے مؤلف نے 1947ء میں شائع کیا، دراصل یہ کتاب ہنگورانی صاحب نے مختلف انگریزی کتابوں سے استفادہ کر کے لکھی تھی۔

9۔اسلام جو پیغمبر (پیغمبر اسلام):

سندھی زبان میں سیرت کے موضوع پر ایک کتاب ''اسلام جو پیغمبر'' کے نام سے بھی ہے، جس کے مصنف ہندو ادیب اور دانشور چیٹھمل پرسرام گلجرانی ہیں، وہ دین اسلام، برہموسماج، سناتن دھرم اور تصوف کا وسیع علم رکھنے والے تھے، انہوں نے رومی اور خواجہ فریدالدین عطار کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور تقابل ادیان ان کا پسندیدہ موضوع تھا، انھیں قرآن، وید، گیتا، بائبل پر کمال کا درک حاصل تھا، 7/جولائی 1948ء کو ممبئی میں انتقال ہوا۔حضور ﷺ کی حیات اقدس پر ان کی کتاب ''اسلام جو پیغمبر'' درحقیقت ایک انگریزی کتاب کا سندھی ترجمہ ہے۔

دیگر کتابیں:

سیرت کے موضوع پر ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے چند

کے نام یہ ہیں:

☆ حیات محمد: گووند دایا جنڈ ہوک بیکانیری (طبع چمن لال ساہنی اینڈ برادرز لاہور: 1932ء)

☆ حضرت محمد اور اسلام: بابو کنج لال ایم اے (جید برقی پریس دہلی)

☆ پیغمبر اسلام: رگھوناتھ سہائے

☆ حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری: پروفیسر لاجپت رائے

☆ چار مینار، گوبند رام سیٹھی پرشاد، اتحاد پریس لاہور 1943ء، صفحات 221۔ (رام چندر جی، حضرت محمدؐ صاحب، حضرت عیسیٰ اور گرونانک جی کے حالات وتعلیمات)۔

مضامین:

ان کتابوں کے علاوہ سیرت کے موضوع پر لکھے گئے مضامین ومقالات کی کثیر تعداد ہے جو غیر مسلم قلم کاروں کی نے تحریر کئے ہیں مثلاً:

1۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ: مالک رام

2۔ مہا پرش محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: پنڈت گوپال کرشن ایڈیٹر بھارت ساچار ممبئی

3۔ ملک عرب کا سب سے بڑا ریفارمر: ماسٹر شنکر داس گیانی

4۔ بہترین اصلاح پسند: مسٹر وائل

5۔ وحدانیت کا متوالا: ڈاکٹر بیدہ ویر سنگھ

6۔ حضرت محمدؐ کے عالم انسانیت پر عظیم احسانات: لالہ رام لال ورما

7۔ بانی اسلام کی رحمدلی: بی ایس رندھاوا ہوشیار پور

8۔ مسلمان اور ان کے نبی کی تعلیم: سردار رام سنگھ گیانی امرتسر

9۔ رسول اللہؐ کی تعلیم اخوت وایمان: موتی لال ماتھر

10۔ ساری کائنات اور جملہ مخلوق الٰہی کے لئے رسول اللہؐ کی رحمت وشفقت: سوامی برج نرائن سنیاسی

11۔ پیغمبر اسلام کا رہن سہن: پنڈت سندر لال

12۔ رسول اللہ کی مکمل زندگی کے اخلاق حسنہ: رانا بھگوان داس بھگوان

13۔ پیغمبر اسلام کی شادیاں: پنڈت سندر لال

14۔ حضرت محمد کی زندگی سے سبق سیکھئے: سری لالہ دیش بندھو

15۔ رسول اللہ کا نظام سلطنت: رانا بھگوان داس بھگوان

16۔ رسول اللہ کی بہترین سیاست: رانا بھگوان داس بھگوان

17۔ حضرت محمد اور انسداد غلامی: لالہ شیام ناتھ ایم اے۔

ان مضامین کو بشیر احمد سید نے اپنی کتاب ''سرور کونین اغیار کی نظر میں'' میں جمع کیا ہے، ان مضامین کے علاوہ دیگر موضوعات پر غیر مسلموں کے لکھے ہوئے سینکڑوں ایسے مضامین ہیں جن میں ان مضامین کے لکھنے والوں نے کھلے لفظوں میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت، اخلاق حسنہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی جامعیت وآفاقیت کو سراہا ہے، جیسے جناب راجیند رنارائن لال (جنکی ولادت 1916ء میں ہوئی) نے ہندی میں 'اسلام۔ ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا' (اسلام۔ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ گزاری۔ آپ کسی امتیاز کے بغیر سبھی مذاہب اور طبقات کے لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ آپؐ اس قدر سخی تھے کہ قرض لے کر بھی دوسروں کی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے۔ آپؐ کے اندر کسی طرح کی بھی اخلاقی برائی نہیں پائی جاتی تھی۔ آپؐ سراپا صداقت، امانت، پاکیزگی وطہارت، رحم وکرم اور امن وسلامتی کے پیامبر اور سخاوت و رحمت کا

مظہر تھے۔صرف دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے زندہ رہے۔آپؐ کی نیکی کی کوئی حد نہ تھی، محنت ومشقت کی عظمت کے لیے دوسروں میں مساوات، بھائی چارہ اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے، آپؐ نے جنگ اور امن کسی بھی حالت میں ایسا کام نہ کیا جس کی وجہ سے لوگ آپؐ کو دوسروں سے ممتاز سمجھیں۔آپ جنگ اور امن میں حیرت انگیز طور پر رحم دل اور درگزر کرنے والے تھے''۔(18)

اسی طرح ہندوستانی ادبا میں منشی پریم چند(1936-1885ء) بہت معروف ومشہور ہیں، وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی وہ ہمیشہ اسلامی زندگی کے لیے آب حیات کا کام کرتی رہے گی۔اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل وانصاف، اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل وانصاف گونج رہی ہے۔آپؐ نے فرمایا:''اے مومنو! میری باتیں سنو اور اسے سمجھو۔تمہیں معلوم ہو کہ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔تمہاری ایک ہی برادری ہے۔ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ خوشی کے ساتھ نہ دے دی جائے۔ناانصافی مت کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو''۔اس پیغامِ جاوداں میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے۔اسلام کی بنیاد عدل پر مبنی ہے۔وہاں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب کے لیے فقط ایک انصاف ہے۔کسی کے ساتھ رعایت نہیں، کسی کی طرف داری نہیں''۔(19)

ان ہی حقیقت پسند مصنفین میں سوامی لکشمی شنکر اچاریہ بھی ہیں ان کی ولادت 1953ء میں کان پور کے ایک برہمن خاندان میں ہوئی، انہوں نے ایک کتاب''اسلام۔آتنک واد یا آدرش'' کے نام سے لکھی جو اردو میں''اسلام۔دہشت گردی یا ایک مثالی دین'' کے نام سے شائع ہوئی۔یہ کتاب سو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں انہوں نے اسلام کی خوبیوں کے اعتراف واقرار کے ساتھ

اپنی سابقہ کتاب ''اسلامک آتنک واد کا اتہاس'' میں لکھی گئی باتوں پر معافی بھی مانگی جو انہوں نے اسلام مخالف پروپگنڈوں سے متاثر ہوکر لکھ دی تھی۔ اسی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی مختصر سوانح بھی انہوں نے تحریر کی ہے جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

''حق کو قائم کرنے کے لیے اور باطل، ظلم وتشدد کے خاتمہ کے لیے جہاد (یعنی حفاظتِ دین اور اپنی مدافعت کے لیے جنگ) میں اللہ کے رسول ﷺ فتح یاب ہوتے رہے۔ مکہ اور گردونواح کے کافر ومشرک منہ کی کھاتے رہے۔ اس کے بعد پیغمبر محمد ﷺ دس ہزار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مکہ میں باطل ودہشت گردی کی جڑ کو نیست ونابود کرنے کے لیے چلے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی کام رانیوں اور مسلمانوں کی عظیم قوت کو دیکھ کر مکہ کے کافروں نے ہتھیار ڈال دیے۔ بغیر کسی خون خرابے کے مکہ فتح کرلیا گیا۔ اس طرح حق اور امن کی فتح اور ان کے مقابلہ میں باطل ودہشت گردی کی شکست ہوئی۔ مکہ میں، اسی مکہ میں جہاں کل ظلم کا بول بالا اور ذلت وخواری تھی، آج پیغمبر اور مسلمانوں کا استقبال ہورہا تھا۔ فراخ دلی، فیاضی اور رحم دلی کی مجسم تصویر بنے رسول ﷺ نے ان سبھی لوگوں کو معاف کردیا جنہوں نے آپ پر اور مسلمانوں پر بے دردی سے ظلم ڈھائے اور انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ آج وہی مکہ والے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے خوشی سے کہہ رہے تھے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خاص طور پر یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ قریش، جنہوں نے محمد ﷺ اور مسلمانوں پر خوف ناک مظالم ڈھائے تھے، فتح مکہ کے دن تھر تھر کانپ رہے تھے کہ آج کیا ہوگا؟ لیکن محمد ﷺ نے انہیں معاف کرکے گلے لگا لیا''۔(20)

یہ صرف چند نمونے ہیں، ورنہ آپ ﷺ کی مدحت سرائی کرنے والوں اور آپ کے اخلاق وکردار کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، ان ہی میں بہت سے

ہندو شعرا بھی ہیں جنہوں نے مثالی محبت وفراخ دلی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ اشعار کہے ہیں اور آپ ﷺ کے اوصاف حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔ جناب نور احمد میرٹھی نے 560/صفحات پر مشتمل کتاب ''بہر زماں بہر زباں'' میں تین سو سے زائد غیر مسلم شعرا کی نعتیہ شاعری کا تعارف وتذکرہ پیش کیا ہے۔

بہر حال نثر ونظم دونوں ہی میں غیر مسلم مصنفین ، دانشوروں اور ادیبوں نے سیرت محسن انسانیت کو بیان کیا ہے اور آپ ﷺ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے جو یقیناً آپ ﷺ کی عظمت وفضل کا کمال ہے۔ **وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔**

دوزداستان کا ایک پھٹا ہوا ورق بطور نذر

حوالہ جات:

1۔ عرب کا چاند: پیش لفظ از حکیم عبداللہ، صفحہ:6۔
2۔ پیش لفظ: صفحہ:4۔
3۔ عرب کا چاند:28۔
4۔ عرب کا چاند:61۔
5۔ عرب کا چاند:30
6۔ عرب کا چاند
7۔ ص:5۔
8۔ ص:8۔
9۔ غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی ﷺ: ڈاکٹر شمس بدایونی
10۔ اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص:478۔
11۔ ص:3۔
12۔ ص:29۔

13۔ ص:65۔

14۔ ص:31۔

15۔ مقدمہ۔

16۔ ص:19۔

17۔ ص:5۔

18۔ ص:23۔

19۔ اسلامی تہذیب:66-7۔

20۔ ص:24،25۔

☆☆☆

ہندو مصنفین کی سیرت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

مولانا امداد الحق بختیار
(صدر شعبہ عربی ادب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم، حیدرآباد)

تمہید:

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اس روئے زمین کی سب سے عظیم انقلاب آفریں شخصیت ہے، آپ کے اخلاق وکردار کی پاکیزگی، افکار وتعلیمات کی بلندی، جنگی اور سیاسی حکمت عملی، کامیابی وکامرانی کی بے نظیر شرح، مقبولیت ومحبوبیت کی حیرت انگیز وسعت اور اعلی ترین انسانی اوصاف وکمالات کی حامل زندگی اپنے اندر ایسی مقناطیسی کشش (Magnetic attraction) رکھتی ہے، جو ہر انصاف پسند طبیعت کو اپنی جانب مائل ہونے پر مجبور کر دیتی ہے؛ ہندو مذہب جو اپنی الگ تہذیب اور عبادت کا مخصوص نظام کار رکھتا ہے، جہاں رشی منیوں اور اوتاروں کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے، جن کے پاس قدیم مذہبی کتابیں ہیں اور دین ومذہب کے ساتھ ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔

جب اس کے پیروکار نبی آخر الزماں کی حیرت انگیز اور بے مثال زندگی سے روشناس ہوئے، تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اور فطرت سلیمہ کی حامل غیر متعصب شخصیات نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنا اشہب قلم دوڑایا، آپ کے پاکیزہ اوصاف وکردار کا برملا اعتراف کیا، متعصب گروہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے بے جا اعتراضات کی تردید کرتے ہوئے، ان کے عقلی جوابات دیے۔ قرطاس وقلم کی وادی میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کیے۔ بہت سے ہندو مصنفین نے سیرت رسول پر ایسی شاندار کتابیں لکھی ہیں، جن کی نظیر ہمارے مسلم

سیرت نگاروں میں بھی کم ہی ملتی ہے؛ چنانچہ ہندو حضرات کی طرف سے مثبت انداز میں کی گئی سیرت نگاری کے بعض فن پارے تو ایسے ہیں کہ ان کے مطالعہ کی گہرائی اور استنباط نتائج پر حیرت ہوتی ہے، چند کتابیں تو اس قدر عقیدت کے ساتھ لکھی گئی ہیں کہ کہ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی: ''ان کے حرف حرف سے عشق ومحبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیت پر رشک آنے لگتا ہے۔(1)

یہ سنہرا سلسلہ ماضی بعید سے چلتا ہوا آرہا ہے، حال تک قائم ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں ہندو مصنفین کی سیرت کے موضوع پر کتابوں کا بڑا قابل قدر ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ برصغیر کا خطہ اس حوالے سے بہت زرخیز ہے کہ یہاں کے ہندو شعرا، ادبا، فلاسفرز، سیاسی قائدین، مورخین اور مولفین کی ایک بڑی تعداد ہے؛ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں منظوم ومنثور ہر دو اصناف میں عقیدت ومحبت کے فن پارے پیش کیے ہیں، مذہبی تقریریں، اخباری بیانات، سیاسی تقریریں اور نعتیہ اشعار کو چھوڑ کر صرف ایسی کتابوں کی فہرست تیار کی جائے؛ جن میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور حیات کو سوانحی انداز میں پیش کیا گیا ہے، تو ایسی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں، جن کو ہم مستقل کتب سیرت کہہ سکتے ہیں، اس کے علاوہ ہمیں ایسی کتابوں میں بھی سیرت پر مواد ملتا ہے، جو بانیان مذاہب، منظوم کتب سیرت اور تاریخی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ ہندوؤں کی سیرت نگاری کے عہد پر غور کرنے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے بیشتر سیرت لٹریچر 1947-1857 ء کے درمیانی عرصہ میں وجود میں آیا ہے۔(2)

ہم نے اپنے اس مقالہ میں اس موضوع کی دستیاب شدہ متعدد کتابوں تعارف پیش کیا ہے، ان کے اسلوب بیان پر روشنی ڈالی ہے، ان کتابوں کی خصوصیات کو نمایاں کیا ہے، ان کے بعض اہم اقتباسات بھی نقل کیے گئے ہیں، ہم نے اس موضوع پر لکھی گئیں زیادہ سے زیادہ کتابوں تک پہنچنے کی اپنی حد تک کوشش کی ہے۔

(1) سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام

شردھے پرکاش دیو جی:

اس کتاب کے مصنف شردھے پرکاش دیو جی ہیں، وہ برامھ دھرم کے پرچارک اور مبلغ ہیں، لاہور کے برمھ مندر میں ان کا قیام تھا، مصنف کتاب ہادی عالم نبی آخرالزمان کی شان میں اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت محمد صاحب بانیٔ مذہب اسلام جن کی سوانح عمری کا یہ مختصر سا خاکہ ہے، منجملہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں، جنھوں نے قانون قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانے میں پیدا ہوکر دنیا میں بہت کچھ صداقت کی روشنی کو پھیلا دیا اور لوگوں کو روحانی ودنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا ہے۔.....ریگستان عرب کے لیے محمد صاحب کا وجود اس کی عزت وعظمت کا باعث ہے؛ بلکہ آں حضرت ﷺ کی ذات سے جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لیے نہ صرف عرب؛ بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا مناسب ہے۔کون کونسی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسانی کے لیے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ان کو اس میں اٹھانی پڑیں؟ عرب جیسے ایک وحشی اور کندہ ناتراش ملک کو خدا کی توحید کی تعلیم دینا اور سیدھے راستہ پر لانا ایک ایسے ہی فلسفی مزاج کا کام تھا اور آخر اسی سے انجام ہوا۔تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ ہی کہیں؛ لیکن جو لوگ انصاف اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد صاحب کی ان بے بہا خدمات کو کہ جو وہ نسل انسان کی بہبودی کے لیے بجالائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہوسکتے۔''(3)

مصادر سیرت کے تعلق سے مصنف کتاب کی رائے کا تحقیقی جائزہ:

شری پرکاش دیو جی نے اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں سیرت کی کتابوں اور اس کے مصادر کے علمی اور استنادی معیار کے بارے میں بڑی حیرت انگیز اور غیر تحقیقی بات لکھی ہے:

''آں حضرت ﷺ کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ زیادہ

تر عربی زبان میں ہی لکھی گئی ہیں، جن تک اردو خواں پبلک کی دسترس نہیں ہے؛ اس کے علاوہ عربی میں بھی جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں واقعات کی تحقیق وتنقید کے بجائے خوش اعتقادی اور توہمات سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ان کتابوں کو اگر اردو میں ترجمہ بھی کیا جائے تب بھی اہل اسلام کے سوا دیگر مذاہب کے پیروان کتابوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔'' (4)

جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام ہادیان عالم میں سے کسی شخصیت کی زندگی اتنی مضبوط سندوں، مضبوط ذرائع اور تحقیقی روایتوں سے نقل کی گئی ہوں، جتنی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کیا گیا ہے، علمی اور استنادی اعتبار سے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے زیادہ کوئی سیرت معتبر نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر لکھی معتبر کتابوں میں کوئی ایک بات بھی نہیں پیش کی جاسکتی، جس کی بنیاد'' توہمات'' پر قائم ہو، نیز'' خوش اعتقادی'' میں بھی سیرت نگاروں نے ایسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا، جس کا حقیقت حال سے تعلق نہ ہو؛ ممکن ہے'' خوش اعتقادی اور توہمات'' جیسے الفاظ کے ذریعہ شری پرکاش دیو جی کا اشارہ معجزات کی طرف ہو، جنہیں غیر مذہب کے لوگ ہضم نہیں کر پاتے؛ چاہے اس کی سند کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ ہمارے اس خیال کی تائید اخبار زمیندار سے ہوتی ہے، جس میں اس کتاب کے اشتہار اور تعارف کے ذیل میں لکھا ہے:

'' گو مصنف صاحب معجزات اور وحی کے قائل نہیں تھے؛ مگر ان کی تحریر صاف طور پر ثابت کر رہی ہے کہ اس کتاب کا ہیرو فی الحقیقۃ کامل اور اکمل بشر اور اپنے راسخ اور سچے متبعین کے لیے ذریعہ نجات وفلاح تھا۔'' (5)

تالیف کا پس منظر:

مصنف نے دیباچہ میں اس احساس کا شدت سے اظہار کیا ہے کہ ان کے زمانے تک سیرت پر کتابیں یا تو عربی زبان میں تھیں یا انگریزی میں، جن تک عام لوگوں کی پہنچ مشکل تھی، یا بعض ایسی تھیں جن میں سیرت کے کسی ایک پہلو کو ہی لیا گیا تھا؛ لہٰذا اردو زبان میں مکمل سیرت کی ضرورت محسوس

کی جارہی تھی؛ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے انہوں نے یہ کتاب تالیف کی؛ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

''ہماری خواہش ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو ہر ملک اور ہر مذہب کے بزرگ اشخاص کی زندگی کے حالات سے واقف کیا جاوے؛ اس لیے ہم پر محمد صاحب کی سوانح عمری کا لکھنا بھی فرض تھا؛ مگر ہم کو تردد یہی تھا کہ ہم ان کی سوانح عمری کے لکھنے میں کس طرح کامیاب ہوں گے، اگر چہ انگریزی کتابوں سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے؛ مگر تاہم اس سے ہمارا اطمینان نہیں ہوتا؛ لیکن شکر ہے کہ ہمارے ایک دوست نے اس کام کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لیا اور آخر بڑی محنت اور تلاش کے بعد انھوں نے حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری کا کچھ حال قلمبند کر کے دیا ہے؛ اگر چہ یہ حال بہت مختصر ہے۔''(6)

کتاب کا تعارف:

یہ کتاب تاریخی لحاظ اور مذہبی اعتبار سے اردو لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ ہے، کتاب کا بیانیہ اور مضامین سیرت کے حوالے سے مصنف کی وسعت معلومات کا عکاس ہے۔ کتاب انصاف پسندی کا نمونہ اور تعصب سے پاک ہے، کتاب کی زبان اتنی سلیس اور پیرایہ بیان اتنا دل چسپ ہے کہ کتاب ختم کیے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، پڑھنے والے کے دل و دماغ میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت، عزت، ادب واحترام جاگزیں ہوجاتی ہے۔ مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو ایسی منصفانہ طرز سے مگر ساتھ ہی ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بہت اعتراضات جو اکثر متعصب مخالفین اسلام جیسے آریہ یا پادری صاحبان کیا کرتے ہیں جیسے جنگوں کے متعلق یا نبی ﷺ کے تعدد ازدواج کے متعلق وغیرہ ان کی تردید ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی گئی ہے۔

کتاب 1907ء میں لکھی گئی ہے، اس کی متعدد اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں، ہمارے سامنے چوتھی اشاعت ہے، جو چھوٹے سائز میں (134) صفحے کی ہے، کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت کے عرب کی سماجی اور مذہبی حالت کو بیان کیا گیا

ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب، بچپن کے ایام اور سن بلوغت سے (25) سال کی عمر تک کے احوال، رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ کے رشتے، ملکی مفاد میں کوشش، زید بن حارثہ کو آزاد کرنا، گوشہ نشینی کی طرف میلان، معبود برحق کی طرف توجہ، صداقت کا ظہور، درجہ نبوت، حضرت خدیجہ اور حضرت علی اور دیگر حضرات کا ایمان لانا، قریش کا مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانا، مسلمانوں کا ترک وطن کر کے ابی سینا کی طرف ہجرت کر جانا، خواجہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ پر قریش کا ظلم، طائف کا واقعہ، حضرت سودہ کے ساتھ نکاح اور سیدہ عائشہ کے ساتھ نسبت، دعوت وتبلیغ میں ثابت قدمی، چند اہل مدینہ کا ایمان لانا اور ان کا عہد وپیمان، معراج کا واقعہ، آپ ﷺ کے قتل کی سازش اور ہجرت کا واقعہ، انصار ومہاجرین کے درمیان کے مواخات، مسجد نبوی کی تعمیر، وعظ ونصیحت، سیدہ عائشہ سے ازدواج، سیدہ فاطمہ اور حضرت کا نکاح، انتظام خانہ داری، اہل مدینہ سے عہد وپیمان، یہود اور قریش کی عداوت، قریش کا مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں اور معرکہ بدر، قریش کا مدینہ پر دھاوا، رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالی پر بھروسہ اور یقین، سیدہ حفصہ سے نکاح، سیدہ ام کلثوم کا حضرت عثمان غنی سے نکاح، قریش کا دوسرا حملہ اور احد کی لڑائی کا مفصل حال، بنو المصطلق کی سرکشی اور شکست، سیدہ جویریہ بنت الحارث کے ساتھ رشتہ ازدواج، غلاموں کی آزادی، عبداللہ بن ابی کی شرارت، سیدہ عائشہ پر بہتان، غزوہ خندق، بنو قریظہ پر چڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کی یاد وطن، حج کا شوق، مکہ والوں کے ساتھ صلح، آس پاس کے شہنشاہوں کے ساتھ سفارتیں، یہودیوں کی سرکشی اور خیبر پر چڑھائی، حجۃ الوداع کا واقعہ، اہل روما پر چڑھائی، فتح مکہ، ۹ تا ۱۰ ہجری کے مختصر واقعات اور نبی ﷺ کی وفات، ان عنوانین کے تحت کلام کیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب اختصار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اہم مراحل پر محیط ہے۔

کتاب کے تعلق سے خواجہ الطاف حسین حالی کا درج ذیل تبصرہ بڑا وقیع ہے:

اس کتاب کی نسبت جو کچھ میں نے اخباروں میں دیکھا اور لوگوں سے زبانی سنا تھا، اس سے بہت زیادہ اس کو تعریف کے لائق پایا، معزز مصنف نے یہ کتاب لکھ کر سچائی اور حق پسندی کا۔ ی

ایک ایسی مثال قائم کی ہے، جس کی ہم سب ہندوستانیوں کو تقلید کرنی چاہیے۔(7)

محل نظر مقامات:

رسول اللہ ﷺ نے غار حرا کس عمر سے جانا شروع کیا اس کے بارے میں مولف لکھتے ہیں:

''محمد صاحب کی عادت تھی کہ وہ آٹھ برس ہی کی عمر سے باہر پہاڑوں اور بیابانوں میں اکیلے پھرا کرتے اور صحیفہ فطرت (نیچر) کا سبق پڑھتے تھے۔ وہ ایک سنسان غار میں جو تاریخ میں غار حرا کے نام سے مشہور ہے جا کر اپنے وقت کا بہت سا حصہ صرف کیا کرتے تھے۔''(8)

حالانکہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے (35) سال کی عمر کے بعد غار حرا میں خلوت گزینی اختیار کی۔ آٹھ برس کی بات کہیں مذکور نہیں۔(9)

پہلی وحی کے سلسلہ میں صفحہ (29) کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''مگر بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتہ کوئی نہیں آیا، صرف ان کے دل ہی میں یہ القاء ہوا تھا اور خود بخود ان کی زبان سے یہ پانچ آیتیں کلی تھیں۔''(10)

حالانکہ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے، سب اس پر متفق ہیں کہ پہلی وحی کے موقع پر جبرئیل تشریف لائے تھے اور انہوں نے سورہ علق کی ابتدائی آیتیں رسول اللہ ﷺ کا پڑھوائی تھیں۔

ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ اپنے مکان سے ابوبکرؓ کے مکان کس طرح تشریف لے گئے، اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ مکان کے پچھلی طرف سے کود کر ابوبکر کے ہاں چلے گئے اور وہاں سے دونوں راتوں رات بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔''(11)

جبکہ اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی روایت کتب سیرت میں ملتی ہے۔ ہجرت کے متعلق تمام روایات میں واضح طور پر یہ چیز ملتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے گھر کے دروازے میں سے قریش کی آنکھوں کے سامنے گئے اور کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔

احد کے موقع پر مسلمانوں کی فوج میں سے جنگ سے قبل مدینہ واپس لوٹنے والے تین سو منافقین کے بارے میں شردھے پرکاش دیو جی لکھتے ہیں کہ وہ یہودی تھے:

''اہل اسلام کی کل فوج گنتی میں ایک ہزار ہوئی، جن میں سے تین سو یہودی تھے، جن پر اہل اسلام کو پورا بھروسہ نہ تھا؛ اس لیے وہ تین سے کو تین سو واپس ہو گئے۔''(12)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تین سو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے، جو قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھا۔

عہد شکنی اور غداری کی پاداش میں بنو قریظہ کے کتنے لوگ قتل کیے گئے، اہل سیر کا اس میں اختلاف ہے، سیرت نگاروں نے یہ تعداد (600) سے (700) کے درمیان لکھی ہے؛ لیکن اس کے برعکس شردھے پرکاش دیو جی لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ تقریباً (250) مجرم جرم بغاوت میں سزائے موت سے سزایاب ہوئے۔''(13)

فتح مکہ کے بیان کے ذیل میں ہندہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مسماۃ ہندہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی، یہ ابوسفیان کی بیوی تھی، جس نے اپنے شوہر کی ڈاڑھی پکڑ کر اسے جوتیوں سے پیٹا تھا کہ یہ مسلمان کیوں ہو گیا۔''(14)

حالانکہ جوتیوں سے مارنے کی بات کہیں نہیں ملتی، اتنی بات ضرور ملتی ہے کہ اس نے ابوسفیان کو برا بھلا کہا تھا۔

(2) عرب کا چاند

سوامی لکشمن:

سوامی لکشمن پرشاد نے اپنی زندگی کی صرف چھبیس بہاریں ہی دیکھیں؛ چنانچہ وہ ۱۹۳۹ء

میں چھبیس سال کی عمر میں وفات پا گئے، سوامی جی دنیا کی مایہ ناز عظیم شخصیتوں کی سوانح حیات مرتب کرنا چاہتے تھے؛ لہذا ان کے قلم گوہر رقم نے سب سے پہلے رحمۃ للعالمین ﷺ کی شخصیت کا انتخاب کیا؛ چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

''متذکرہ بالا خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے دنیا کی ان عظیم المرتبت اور نادرہ روزگار ہستیوں کے حالات بابرکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کرلیا ہے، جنہوں نے دنیا کی جہالت کی شب تاریک میں علم وعرفان کی ضیا پاشیوں سے روشنی پھیلائی اور اپس ے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش وعشرت کو بے دریغ قربان کردیا۔ دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے؛ اسی لیے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے''۔(15)

کتاب کا تعارف:

یہ کتاب (419) صفحے پر مشتمل ہے، 1932ء میں لکھی گئی ہے، اس کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں مکی دور کے احوال درج ہیں اور دوسرے حصے میں مدنی زندگی کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ دونوں حصوں کے چند عناوین ملاحظہ فرمائیں: دنیا کے مطلع پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں، شمع حرم کی شعاع ریزیاں، نور محمدی کی برکات عظیمہ، حضور انور کی آفرینش کی صبح درخشاں، ازدواجی زندگی کا مہکتا ہوا گلشن، نقش حیات، ہجرت کی تیاریاں، کفار کی عیارانہ چالوں کا ایک ادنی نمونہ، خیبر کے یہودیوں کی شرانگیزیاں۔

صرف عناوین کی ساخت اور ان میں الفاظ کے انتخاب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عشق

ومحبت میں ڈوب کر اور قلم کو ادب سے معطر کر کے اس کتاب کا ایک ایک لفظ جڑا گیا ہے؛ چناں چہ اس کتاب کی دو بڑی اہم خوبیاں ہیں: (1) اس میں رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو بھی بلا کم وکاست بیان کیا گیا ہے اور جنگی واقعات کو بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ذکر کیا گیا ہے؛ جبکہ اول الذکر کو غیر مذہب کے حضرات توہمات پر محمول کرتے ہیں اور ثانی الذکر پر قلم چلاتے ہوئے بعض مسلمان محققین بھی معذرت خواہانہ انداز اور دفاعی پوزیشن میں آجاتے ہیں یا بے جا تاویل کا دامن تھامنے لگتے ہیں۔

(2) کتاب کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اردو زبان وادب کا ایک انمول شاہکار ہے، حسین ادبی پیرہن میں اسے ملبوس کیا گیا ہے، الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ساخت اور زبان کی سلاست اثر آفریں اور سحر انگیز ہے، پہلی مرتبہ کسی ہندو مصنف نے سیرت نبوی کو اتنے خوبصورت پیرایہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے؛ بلکہ معمولی؛ مگر بنیادی تصرف کے بعد اگر مولف کے الفاظ میں کہوں تو یہ کتاب:

ادب وتاریخ کے امتزاج کا وہ دل فریب مرقع ہے، جس کی روح نواز تصویر مولف نے عالم تصور میں تخیل کے موقلم کی نگار آرائیوں سے تیار کی تھی، جہاں یہ کتاب گلہائے ادب کا دل پذیر گلدستہ ہے، وہیں تاریخی حقائق کا بصیرت افروز مجموعہ ہے، مولف نے شیدایان جمال مصطفوی اور سوختہ دلان جلوہ احمدی کی خدمت اقدس میں حضور انور ﷺ سے اپنے عشق جنوں نواز کی ایک دل دوز داستان کا ایک حسین ورق بطور نذر پیش کیا ہے۔

چنانچہ سوامی جی نے کتاب کو زبان کی پختگی وشائستگی، تشبیہ واستعارہ کی فراوانی، اسلوب کی دل آویزی، تخیل کی بلندی اور الفاظ کی کامل مہارت سے اپنی مثال آپ بنایا ہے، کتاب کی ابتداء میں جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے، آخر تک اسی انداز میں ڈھالا ہے، پوری کتاب میں کہیں زبان کی گرفت ان سے نہیں چھوٹی ہے۔ یہ کتاب اپنا مخصوص ادبی مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں بھی بالعموم کتب تاریخ وسیرت سے انحراف نہیں کرتی۔ یہ کتاب لوازمات سیرت نگاری سے متصف ہے؛ لیکن کتاب میں ماخذ کے حوالے کم ہیں، صرف روضۃ الاحباب، ولیم میور اور کارلائل

کی کتب کے نام ہیں۔

سوامی جی کا مقصد اس کتاب کے ذریعہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو جھنجھوڑا جائے، ان کے خوابیدہ، افسردہ، بے حس اور منجمد دلوں میں احساسات تازہ کیے جائیں اور اس بات کا یقین دلایا جائے کہ بنی نوع انسان کے لیے قابل اتباع اور نظام حیات کا عملی نمونہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔(16)

معجزات کے حوالے سے مولف کا نظریہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

حیرت انگیز واقعات، استعجاب انگیز کرشمے، خوارق عادت باتیں یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کم وبیش دنیا کے ہر بڑے مذہبی اور روحانی پیشوا کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ممکن ہے بہت صورتوں میں ان پر عقیدت مندوں کی مبالغہ آفرینی کا رنگ بھی چڑھ گیا ہو؛ مگر ان کی تہہ میں صداقت موجود ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔(17)

کتاب کے حوالے سے سوامی جی خود لکھتے ہیں:

''میں نے جو کچھ لکھا ہے، اپنے ضمیر کی روشنی میں لکھا ہے، کسی فرد بشر یا کسی قوم کی خوشنودی کی خاطر اپنے ضمیر کو دھوکا نہیں دیا ہے، میں اس کتاب کا حق پوری طرح ادا کرنا چاہتا ہوں کہ عرب کے چاند میں خاتم النبیین کی حیات مبارکہ کو رقم طراز کرسکوں۔ میں بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں اور انسانی کمزوریوں اور لغزشوں سے مبرا نہیں ہوں۔ اس لیے میں نے اپنی جانب سے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔''(18)

(3) سیرت رسول عربی

سردار گوردت سنگھ صاحب دارا بیرسٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن کی یہ کتاب ہے، کتاب کی کل ضخامت 124 صفحات ہیں، یہ کتاب 1914ء میں لکھی گئی ہے؛ لیکن 1924ء کی اشاعت ہمارے زیر مطالعہ ہے، کتاب کا آغاز فارسی کے دو شعر سے ہوتا ہے، اس کے بعد مولف رسول اللہ ﷺ کی

شان میں اپنی عقیدت کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''ایک صاحب کمال آیا، جس نے جلوۂ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی انکھڑیوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑ گئی اسے منھ مانگی مراد مل گئی، جس بشر کو اس موہن نے اپنا درشن دیا اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا''۔(19)

کتاب میں جگہ جگہ فارسی اور اردو کے اشعار ہیں، جن کے ذریعہ مولف نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے۔

کتاب کی زبان عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی اور عقیدت ووارفتگی کی موج کوثر میں دھلی ہوئی ہے، وہ ایک بچھڑے ہوئے محبوب کی طرح رسول اللہ ﷺ کو یاد کرتے ہیں؛ چنانچہ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

''اے ہمالہ کی بلند چوٹیوں! تم ہی کچھ کہو، سینکڑوں رشیوں نے تمہاری شفقت اور پیار کی گود میں نواس کیے، صدہا جوگیوں نے تمہارے پہلو سے محبت میں جوگ کمائے، ہزاروں نیشروں نے تمہاری آغوش الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروں سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے؛ مگر سچ کہنا، کہیں دیکھا ہو تم نے وہ مکہ کا راج دلارا، کہیں نظر پڑا ہو تمہیں وہ مدینہ کا پیارا''۔(20)

الغرض پوری کتاب اسی عشق کی زبان اور اسی محبت کے پیرایہ میں رقم کی گئی ہے۔ کتاب کل تین ابواب میں منقسم ہے:

پہلے باب میں عرب کی سماجی زندگی سے شروع ہوکر حضرت خدیجہ سے مناکحت پر ختم ہوتا ہے، حضرت خدیجہ سے تعلق اور مناکحت کو قدرے تفصیل اور ادبی زبان میں بیان کیا گیا ہے، اگرچہ اس ادب کی وجہ سے کہیں کہیں بعض الفاظ غیر مناسب آ گئے ہیں، جیسے حضرت خدیجہ اور رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی تعلقات کے ذکر میں آپ ﷺ کے لیے ''رنگیلا، رسیلا جوان'' کی تعبیر لائی گئی ہے۔

باب دوم حضرت زید بن حارثہ کے حالات سے شروع ہوکر ہجرت مدینہ اور مدینہ میں

اذان کی ابتداء کے مضمون پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

باب سوم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی اہل مدینہ میں دعوت اخوت ومحبت، قومیت اور اتحاد واتفاق سے ہوتا ہے اور حجۃ الوداع اور رسول اللہ ﷺ کی رحلت پر ختم ہوتا ہے۔

کتاب ایک طویل مرثیہ پر ختم ہوتی ہے، جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کرچکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبی نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

اور اس کا آخری بند ہے:

سیدی انت حبیبی وطبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی (21)

محل نظر مقامات:

سردار جی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ولادت باسعادت کے بعد عبدالمطلب آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے، وہاں موجود بتوں کو سجدہ کیا، ان کا شکر ادا کیا اور ان سے بچہ کی طویل عمر کے لیے دعا مانگی، جو بالکل بے سند اور غلط ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مطابق رسم ورواج عرب کے اب بچہ کو خانہ کعبہ لے جانا تھا، چنانچہ عبد المطلب نے اسے گود میں لے لیا اور طواف کے لے چلا، حرم محترم میں پہنچ کر بزرگ نے ان سلوں کو سجدہ دیا اور بتوں کے آگے سر جھکایا اور ان کے حضور میں دعا مانگی کہ اے بتو! میرا بخت خفتہ بیدار ہوا، میرا بھولا بھٹکا نصیب یاور ہوا، جو میرے بیٹے کے گھر بیٹا ہوا، اے مندر کی مورتیوں، میرے بچہ کو حیات بخشیو اور اس کی عمر دراز کیجیو۔''(22)

سردار گوردت سنگھ نے بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لڑکپن سے ہی غار حرا جا کر خلوت نشینی کرتے تھے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''آپ کی طبیعت میں لڑکپن ہی سے یہ عادت موجود تھی کہ آپ آبادی سے دور کسی گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھتے اور من بچار کرتے رہتے؛ بالعموم غار حرا میں آپ کا جانا ہوا کرتا تھا۔''(23)

پہلی وحی کے بیان میں ان کے اسلوب سے لگتا ہے کہ نہ جبرئیل آئے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو دیکھا؛ بلکہ وحی کے تمام مضامین غیب سے آنے والی ایک انجانی آواز کی شکل میں تھے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ایک دن حسب معمول آپ غار حرا میں بیٹھے سوچ میں محو تھے کہ ناگاہ ایک آواز غیب سے آئی کہ اے محمد پڑھ، آپ نے جو ہیں سنا کہ گھبرا گئے کہ یہاں نہ آدم ہے اور نہ آدم زاد، یہ کیا ماجرا ہے!''(24)

(4) حضرت محمد اور اسلام

پنڈت سندر لال کا منصوبہ یہ تھا کہ دنیا بھر کے دھرم، مذہب اور کلچر پر ایک ضخیم کتاب مرتب کی جائے، اسی منصوبہ کے ضمن میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت لکھی؛ لیکن اس کی اہمیت، ضرورت اور مطالبہ کی وجہ سے اسے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

کتاب 224 صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے آغاز میں عرب کے جغرافیائی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی احوال بیان کیے گئے ہیں، پھر رسول اللہ کی ولادت باسعادت، جوانی تک کے حالات، تجارتی مشغولیت، صادق وامین ہونا، خلوت نشینی، پہلی وحی، آغاز دعوت، بعد ازاں مصیبتوں کے تیرہ سال، مدینہ میں بحیثیت بادشاہ، دعوت کے طریقہ، جنگ بدر واحد، مکہ کی پہلی یاترا، صلح حدیبیہ، یہودیوں اور مسلمانوں میں میل، روم والوں سے لڑائی اور جیت، فتح مکہ، اسلامی حکومت،

پیغمبر کی شادیاں، آخری دن، پیغمبر کا رہن سہن، اسلام دھرم کا نچوڑ اور یورپ والوں کی کچھ رائے، ان موضوعات پر پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب میں بحث کی ہے۔

پنڈت جی کی اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ دیگر کتابوں کی بنسبت ہمیں اس میں حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کی تالیف صرف عقیدت کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ علمی معیار پر کی ہے۔ بعض اہم مصادر و مراجع کی ایک فہرست کتاب کے آخری صفحہ پر بھی دی گئی ہے؛ لیکن تمام مصادر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی نے زیادہ تر انگریزی کتابوں سے مدد لی ہے۔

اخیر میں پنڈت جی ایک حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''محمد صاحب کو ایک ساتھ تین چیزوں کو قائم کرنے کی خوش قسمتی ملی: ایک قوم، ایک راج اور ایک دھرم۔ اتہاس میں کہیں اس طرح کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ محمد صاحب کے مرنے کے سو برس کے بعد عربوں کا سامراج جتنا بڑا اور جتنی دور تک پھیلا ہوا تھا، روم کا مشہور سامراج اپنے اچھے سے اچھے دنوں میں کبھی نہ اتنا بڑھا، نہ اتنی دور تک پھیلا۔''(25)

(5) اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ

(Muhammad The Prophet of Islam)

پروفیسر کے. ایس راما کرشنا راؤ:

کے ایس راما کرشنا راؤ یونیورسٹی آف میسور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے، ان کی یہ کتاب چھ فصلوں (Chapters) پر مشتمل ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے عملی اور اخلاق گوشوں اور اسلامی اعلی تعلیمات پر خوبصورت پیرایہ بیان میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(1)۔ پہلے چیپٹر میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت، آپ کی آمد سے برپا ہونے والے

خوبصورت انقلاب کو بیان کیا ہے، اسی فصل میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں نے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تو مجھے کچھ تردد ہوا کیوں کہ میں اس مذہب سے تعلق نہیں رکھتا، یہ ایک نازک معاملہ تھا؛ اس لیے کہ دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ پائے جاتے ہیں، نیز ہر مذہب میں مختلف فرقے اور مکاتب فکر (Schools Of Thought) ہوتے ہیں اور بعض وجوہ سے دوسرے مذہب کے بارے کم سے کم لکھنا چاہیے؛ لیکن جب تمام انسان اپنی اصل اور بنیادی ضرورتوں کے استعمال میں بالکل ایک جیسے ہیں، تو اگر ہم اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اپنے پڑوسی کے دین، افکار اور تہذیب کے بارے میں جانکاری حاصل کریں تو اس سے تعلقات میں اضافہ ہوگا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ انسان کو دنیا کے تمام مذاہب کو صحیح عقیدت کے ساتھ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے؛ تاکہ باہمی معلومات اور تعلقات میں اضافہ ہو اور ہم بہتر طریقے سے اپنے قریب یا دور کے لوگوں کی قدر کر سکیں۔ اگر ہم اس دنیا میں اچھے شہری بننا چاہتے ہیں تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم عظیم مذاہب کے ان پیشواؤں کو جاننے کی کوشش کریں، جنہوں نے انسانوں پر حکومت کی ہے۔(26)

سیرت طیبہ کے بارے میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

> ''پیغمبر محمد ﷺ بھی ایک ایسے اکیلے تاریخی شخص ہیں، جن کی زندگی کے ایک ایک واقعہ کو بہت احتیاط کے ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا گیا ہے، ان کی زندگی اور ان کے کارنامے خفیہ اور پراسرار پردوں میں چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی کو بہت زیادہ محنت اور بھٹکنے کی ضرورت نہیں''۔(27)

پروفیسر موصوف نے پروپیگنڈہ کہ'' اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے''، اس کی تردید کی ہے۔(28)

(2) دوسرے چیپٹر میں یہ لکھا ہے کہ کیسے عرب جیسی خونخوار قوم میں آپ ﷺ کے اصلاحی انقلاب، دشمنوں سے تعلقات کی بحالی، جنگوں میں کم سے کم انسانی جانوں کے ضیاع، آپ ﷺ کے

انسانیت کی بنیاد پر جنگی اصول، دشمنوں کو معافی، ہدایات کے ساتھ عملی نمونے اور اسلام کے دنیا پر احسانات اور اس کے خوبصورت اصول کو بیان کیا گیا ہے۔

(3) تیسرے چیپٹر الامین کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی آزمائش، آپ کا موثر کردار، رسول اللہ ﷺ کے تئیں بے انتہاء محبت اور اچھی صلاحیت کے صحابہ جیسے عناوین پر کلام کیا گیا ہے۔

(4) چوتھی فصل صادق کے عنوان سے شروع ہوتی ہے، جس میں انسانی زندگی کے لیے مکمل نمونہ، عظیم محمد ﷺ، نبی امی، بے داغ اور خالص محمد ﷺ جیسے عناوین زیر بحث آئے ہیں۔

(5) پانچویں فصل ''دنیا کے لیے ایک دائمی میراث'' جیسے مرکزی عنوان سے شروع ہوتی ہے اور اس میں ایمانداری سے بڑھ کر، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علمی میراث اور مغرب علم میں عرب کا مقروض۔

(6) چھٹی فصل ''محمد اللہ کے رسول'' جیسے مرکزی عنوان سے شروع ہوتی ہے، جس کے ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں: اسلام ایک مکمل نظام حیات، اعلی تعلیمات، صحیح عقیدہ اور درست عمل کی بنیاد پر، اللہ کے جیسا کوئی نہیں، مخلوق میں انسان کا درجہ، یہ زندگی آخرت کی تیاری کے لیے ہے، انسان کی تقدیر اور محمد اور قرآن کے بارے میں غیر مسلم کا فیصلہ۔

اس کتاب کے متعدد زبانوں جیسے اردو اور ہندی وغیرہ میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

(6) پیغمبر اسلام محمد

(Muhammad The Prophet Of Islam)

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر نشی کانتا چٹوپادھیائے ہیں، جو حیدرآباد کالج کے مہتمم اور تاریخ کے پروفیسر تھے، 91 سال کی عمر میں 1956ء میں ان کا انتقال ہوا، یہ کتاب بھی انگریزی زبان میں

ہے، جو دراصل ایک لکچر کی کتابی شکل ہے، یہ لکچر مرزا فیضان علی خان کے دولت کدہ واقع چادر گھاٹ حیدرآباد پر 25/نومبر 1904ء کو دیا گیا تھا، جسے بعد میں کتابی شکل دے کر دی وِلّا اکیڈمی سلطان پورہ حیدرآباد نے 1904ء میں شائع کیا، یہ مجموعہ (36) صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر نشی کانتا کہتے ہیں کہ میں جب ایڈن برگ عجائب خانہ جاتا تھا، تو عام طور پر آمنے سامنے رکھی ہوئی دو تصاویر پر نظر پڑتی تھی، جن میں سے ایک عیسی مسیح کی تھی، جو ایک معصوم بچے کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور دوسری تصویر محمد ﷺ کی ہوتی، جو مسخ شدہ، انتہائی خوفناک، بدصورت، ڈراؤنی اور انتقام کو واضح کرنے والی تھی، یہ دونوں تصاویر محمد ﷺ اور عیسی مسیح کے ساتھ یوروپین عوام کے خیالات کو پیش کرتی ہیں، عیسائی دنیا میں عالمی سطح پر کسی نبی کو نہ اتنا بدنام کیا گیا اور نہ ہی تنقید کا نشانہ بنایا گیا، جتنا کہ محمد ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔(29)

اس کے بعد مغربی مصنفین کی رسول اللہ ﷺ پر تنقید اور خاکوں کو بطور مثال بیان کیا ہے، نیز اس دور کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس میں مغرب کے اس رویہ میں کچھ نرمی آئی اور بعض مغربی اہل علم نے اپنی تحریروں میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کچھ انصاف پسندی کا مظاہر کیا۔

اس کے بعد نشی کانتا جی کہتے ہیں:

خاموشی کے ساتھ سالوں کے ان تمام مطالعات اور تحقیقات کے بعد، اب میں نبی ﷺ کا بحیثیت ایک انسان، ایک نبی، ایک سیاست داں، ایک قانون ساز، اپنے ملک اور پوری دنیا پر ان کے اثرات، اور یونیورسل ہسٹری کے ہیرو کے طور پر ان کے مقام و مرتبہ پر ایک مختصر خاکہ پیش کرتا ہوں۔(30)

زمانہ جاہلیت کی مذہبی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی بدترین صورت حال پر روشنی ڈالی ہے، نیز کہتے ہیں:

پیغمبر اسلام نے ہی عرب کو ایک خدا، ایک مذہب تصور دیا، ان سب کو ایک قوم میں ضم کیا، ان سب کی ایک برادری تشکیل دی، اس نے ہی درحقیقت انہیں نہ صرف مزاحمت؛ بلکہ اپنے قدیم دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے لیے کافی طاقتور بنایا۔(31)

بعد ازاں مصنف نے عرب کی جغرافیائی، ماحولیاتی اور موسمیاتی خصوصیات اور رسول اللہ ﷺ کی انقلابی تحریک کے لیے ان میں موجود عناصر پر کلام کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی انقلابی تحریک کو برپا کرنے کیے لیے عرب کی مکمل فضا سازگار اور زمین ہموار تھی؛ چنانچہ محمد ﷺ آسمان سے اللہ کا دین لے کر آئے اور اس نے ایک چنگاری کی طرح عالم عرب کے آتشگیر مادہ میں آگ لگادی اور یہی عرب معزز اور عظیم عالمی ہیرو بن گئے۔(32)

پھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے اہم پہلو کو بیان کیا ہے، جیسے ولادت باسعادت، خاندان، صادق وامین، سفر شام، غار حرا کی تنہائی، پہلی وحی، حضرت خدیجہ کی تسلی، وحی کا لگاتار نزول، دعوت کا آغاز اور اولین مسلمان، قریش کی طرف سے اذیتیں، حضرت عمر اور حمزہ کا اسلام، ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال، حج کے موسم میں مدینہ سے آنے والے لوگوں میں دعوت، ہجرت مدینہ کی تفصیل، شاہان عالم کے نام دعوتی خطوط، غزوات کا تذکرہ، حجۃ الوداع اور اس موقع پر جامع خطاب، مرض الوفات رحلت اور اس موقع پر صحابہ کی کیفیت ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کی ازدواجی زندگی اور آپ کی ازواج مطہرات کے حوالے سے مغربی اور دیگر متعصب مولفین کی ہفوات کا بھی پروفیسر موصوف نے بہترین جواب دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

مندرجہ بالا تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے، میں یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ یورپ کے عیسائی مصنفین نے پیغمبر اسلام پر ان کے ازدواجی تعلق کی بنیاد پر فرد جرم عائد کرنے میں بہت جلد بازی اور ناانصافی کی ہے۔(33)

آخر میں آپ ﷺ کے شمائل، اخلاق واوصاف، سراپا اور کردار کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

پروفیسر نشی کانتا نے اپنے لیکچر میں جگہ جگہ مغربی مفکرین کی تحریروں کے حوالے پیش کیے،

ان کا تجزیہ بھی کیا اور تنقید بھی۔

دیگر کتابیں

(7) محمد جی حیاتی، از لعل چند امر دنو جگتیانی/سندھی

لعل چند امر دنو جگتیانی حیدرآباد سندھ میں 25/جنوری 1885ء کو پیدا ہوئے، اصلا پنجاب کے رہنے والے تھے، نقل مکانی کر کے سندھ پہنچے، جدید سندھی ادب کے نامور ادیب ہیں، 18/اپریل 1954ء کو انتقال ہوا، سندھی ہندوؤں میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ لکھنے والے پہلے ادیب ہیں۔

لعل چند کی یہ کتاب سب سے پہلے 1911ء میں شائع ہوئی، پھر 2004ء میں سندھی ساہت اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کیا، یہ کتاب دراصل سندھی زبان میں ہے، اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے تمام اہم گوشوں کا اختصار کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔(34)

(8) میر محمد عربی، از امر لعل وسن مل ہنگورانی

کھاہی نواب شاہ، ضلع نوشہرو فیروز، سندھ میں پیدا ہوئے، وکالت کے شعبہ سے متعلق تھے، امر لعل کو سندھی زبان میں حقیقت نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے، ان کی سیرت پر یہ کتاب 64 صفحات میں برہم پٹ لائین پرنٹنگ پریس کراچی سے 1947ء میں شائع ہوئی۔(35)

(9) اسلام جو پیغمبر، از جیٹھمل پرسرام گلجرانی

دین اسلام، برہموسماج، سناتن دھرم اور تصوف کا وسیع علم رکھنے والے جیٹھمل جی 1885ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، تقابل ادیان ان کا پسندیدہ موضوع تھا، انہیں قرآن، وید، گیتا اور بائبل

پر کمال کا درک حاصل تھا۔ان کی یہ کتاب دراصل انگریزی میں لکھی ہوئی سیرت کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے۔(36)

(10) حضرت محمد جی حیاتی جو بیان، از ہوت چند دے مل جگتیانی

یہ بھی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے، کوڑومل سندھی ساہت منڈل حیدرآباد، سندھ سے 1931ء میں شائع ہوئی۔(37)

(11) سوانح عمری محمد ﷺ، از لالہ دلیا رام گولانی، ترجمہ ''لائف آف محمد'' از واشنگٹن ارونگ (1892ء)

(12) حیات محمد، از گووند دایا جنڈ ھوک بیکانیری (طبع چمن لال ساہنی اینڈ برادرز لاہور، 1932ء)

(13) پیغمبر اسلام، از پنڈت سندر لال، (سلیمی پریس، الہ آباد، 1933ء)

(14) حضرت محمد اور اسلام، از بابو کنج لال ایم اے (جید پریس بلی ماران دہلی)

(15) پیغمبر اسلام، از رگھوناتھ سہائے۔

(16) حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری، از پروفیسر لاجپت رائے۔

(17) اسلام ایک خدائی نظام (ہندی) از راجندنارائن لال، اسلام آتنک واد یا آدرش، از سوامی لکشمی آچاریہ۔

(18) محمدی پرافٹ آف اسلام، از بی کے نارائن۔

(19) نراشنس واتم رشی، از پنڈت وید پرکاش۔

(20) محمد صاحب، از سیوا سنگھ۔

(21) قرآن ناطق، از سرجیت سنگھ لامبا

(22) دنیا کے نو مذہبی ریفارمر، از شام لال ستیارتھی۔

(23) پیام محبت، از رام سروپ کوشل۔

(24) ہمارے مربی، از پروفیسر پریتم سنگھ۔

(25) چار مینار، از گوبندرام سیٹھی۔

(26) دی پرافٹز آف دی ایسٹ، از دیوان چند شرما۔

(27) این انسائٹ ان ٹو ورلڈ ریلیجنز، از کے وی سنگھ۔

(28) اسلام میکر آف دی مسلم مائنڈ، از رامیش راؤ۔

(29) محمد کا جیون چرتر، از مسٹر شانتا رام۔

(30) Prophet Mohammad and his Companions، از ڈاکٹر این کے سنگھ ڈائریکٹر انٹرنیشنل سینٹر فار ریجلیئس اسٹڈیز نئی دہلی۔

(31) پیغمبر رو پیغام (مارواڑی)، از راجیو شرما کولسیا۔

(32) محمد-اے اسٹوری آف دی لاسٹ پروفیٹ، از دیپک چوپڑا۔

حوالہ جات:

1۔ دارا، گوردت سنگھ، رسول عربی، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن لاہور، 1941ء، صفحہ ۱۱، بحوالہ: ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ-روایات سیرت کے تناظر میں، صفحہ 277۔

2۔ پروفیسر حافظ محمد نعیم، ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ- روایات سیرت کے تناظر میں، جہات الاسلام، سیرت نمبر، جلد 4، (جولائی - دسمبر 2010ء جنوری - جون 2011ء) شمارہ 1،2، صفحہ 276-277)

3۔ شردھے پرکاش دیو، دیباچہ کتاب حضرت محمد صاحب، صفحہ 3،4۔

4۔ حوالہ بالا، صفحہ 5۔

5۔ اخبار زمیندار، 28/نومبر 1907ء، بحوالہ حضرت محمد صاحب، صفحہ 5۔

6۔ حوالہ بالا، صفحہ 5۔

7۔ دیباچہ کتاب حضرت محمد صاحب، صفحہ 2۔

8۔ حضرت محمد صاحب بانی اسلام، ص20۔

9۔ جہات الاسلام، سیرت نمبر، جلد4، شمارہ1، 2، صفحہ 278۔

10۔ حضرت محمد صاحب بانی اسلام، ص29۔

11۔ حوالہ بالا، ص58۔

12۔ حوالہ بالا، ص74۔

13۔ حوالہ بالا، ص92۔

14۔ حوالہ بالا، ص58۔

15۔ عرب کا چاند، سوامی لکشمن، صفحہ 25، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور۔

16۔ نقیب الہند، لکشمن پرشاد کی کتاب عرب کا چاند ایک نظریاتی مطالعہ، مقالہ ڈاکٹر محمد مصعب انصاری۔ naqeebulhind.hdcd.in۔

17۔ عرب کا چاند، صفحہ 52۔

18۔ حوالہ بالا، صفحہ 30، 29۔

19۔ سردار گوردت سنگھ، سیرت رسول عربی، اشاعت 1924ء، صفحہ 1۔

20۔ حوالہ بالا، صفحہ 3، 4۔

21۔ حوالہ بالا، صفحہ 123، 12

22۔ حوالہ بالا، ص13۔

23۔ حوالہ بالا، ص32۔

24۔ حوالہ بالا، ص34۔

25۔ پنڈت سندر لال، حضرت محمد اور اسلام، بشمبھر ناتھ وسوانی پریس، ساؤتھ ملاکہ، الہ آباد، (1942ء) صفحہ 224۔

26۔ کے، ایس، راما کرشنا راؤ، دی پرافیٹ آف اسلام، ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ، ریاض (1989ء) صفحہ 5، 6، 7۔

27۔ حوالہ بالا، صفحہ 7۔

28۔ دیکھیں: حوالہ بالا، صفحہ 8۔

29۔ ڈاکٹر نشی کانتا چٹوپادھیائے محمدی پرافیٹ آف اسلام، دی ولا اکیڈمی سلطان پورہ، حیدرآباد، 24، صفحہ 2-1۔

30۔ (Muhammad The Prophet Of Islam, p5,)

31۔ (Muhammad The Prophet Of Islam, p9)

32۔ حوالہ بالا، ص 13-12۔

33۔ دیکھیں: حوالہ بالا، صفحہ 32-30۔

34۔ مدثر نواز مغل، مقالہ ''سندھی ہندو سیرت نگار'' مجلّہ ششماہی التفسیر کراچی، جلد 13، شمارہ 34، جولائی - دسمبر 2019ء، صفحہ 278-274۔

35۔ حوالہ بالا، صفحہ 279-278۔

36۔ حوالہ بالا، صفحہ 280-279۔

37۔ حوالہ بالا، صفحہ 281۔

☆☆☆

ہندوستان کے چند غیر مسلم سیرت نگار

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی
(صدر شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات وستودہ صفات بے شمار خصائص وامتیازات کی حامل ہے، آپ کی سیرت کی جامعیت و ہمہ گیریت اور اس جامع و ہمہ گیر سیرت کی حفاظت وصیانت بھی آپ ﷺ کا ایک امتیازی وصف ہے، جس میں کوئی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اگر اسے معجزہ قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ کیونکہ چودہ سو سال پہلے کی کسی سیرت کی حفاظت کا یہ غیر معمولی انتظام بغیر تائید الٰہی کے ممکن نہیں ہے۔ چونکہ آپ قران کریم کے شارح اور معلم ہیں، لہٰذا آپ کی سیرت کی حفاظت فرمان الٰہی: ''**اِنا نحن نزلنا الذکر و اِنا له لحافظون**''(1) (یعنی: بیشک ہم نے اس ذکر۔ قران۔ کو اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔) کے دائرے میں داخل ہے۔ اور چونکہ آپ کی سیرت ساری خدائی کے لئے نمونہ عمل ہے، لہذا اللہ تعالی نے اسے ایسی جامعیت و شمولیت عطا کی کہ وہ ہر ایک لئے نمونہ عمل بن سکے، حاکم ہو، سیاستداں ہو، فوجی کمانڈر ہو، افسر ہو، جج ہو، معلم ہو تجارت پیشہ ہو یا پھر وہ بکریاں چرانے والا ہو، اور ہر حیثیت سے نمونہ عمل بن سکے، باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، شوہر ہو، دوست ہو، رفیق کار ہو یا پڑوسی ہو۔ خدا کی خدائی میں کسی کی بھی سیرت اتنی جامع، متنوع، اور ہمہ گیر نہیں ہے۔

اس سیرت کی عظمت وعبقریت کا ایک مظہر اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی کثرت ہے۔ 1963ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں کتب سیرت کی ایک نمائش منعقد کی گئی، اور اس میں پیش کی

گئی کتابوں کی ایک فہرست تیار کی گئی تھی۔اس فہرست میں گیارہ زبانوں کی آٹھ سو کتابیں شامل ہیں۔ (2)1974-75ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے منعقد سیرت کی کتابوں کی ایک نمائش میں تین ہزار کتابیں پیش کی گئیں۔ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان نے کتب سیرت کی ایک فہرست تیار کرائی ہے جو ارمغان حق کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔اس سلسلے میں ایک عمدہ کام مشہور عرب مصنف صلاح الدین المنجد نے "**معجم ما ألف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم**" کے نام سے کتب سیرت کی ایک طویل فہرست شائع کی ہے۔(3)

مارگلیوتھ اپنی سیرت کی کتاب "Mohammed , and the rise of Islam" میں لکھتے ہیں کہ:

"The biographers of the Prophet Mohammed form a long sereis which it is impossible to end, but in which it would be honourable to find a place". (4)

(یعنی محمد ﷺ کی سیرت پر لکھی جانے والی کتابیں ایک ایسا طویل سلسلہ بناتی ہیں جس کی انتہا نہیں ہے۔لیکن اس میں جگہ پانا اعزاز کی بات ہے۔)

غیر مسلموں نے بھی سیرت نبوی پر تصنیف تالیف میں بڑھ چڑھ حصہ لیا ہے۔ یہ موضوع مستشرقین کے کام کا بھی محوری موضوع رہا ہے۔ یوحنا دمشقی (5) سے لیکر کرین آرمسٹرانگ (پیدائش: 1944ء)(6) تک مستشرقین نے اس موضوع پر ہزاروں کتابیں تصنیف کی ہیں۔اور یہ سلسلہ ہنوز دراز ہے۔ ہندوستان میں بھی غیر مسلم سیرت نگاروں نے متعدد کام کئے ہیں۔اس موضوع پر چونکہ کوئی بڑا تحقیقی کام نہیں ہوا ہے، لہٰذا ان کتب سیرت کی کمیت و کیفیت کے بارے میں کوئی حتمی رائے دینا مشکل کام ہے البتہ ان میں سے اکثر متوفر کام غیر معیاری اور غیر منہجی یا کم معیاری اور کم منہجی ہیں، لیکن بایں ہمہ ان کے مطالعے کی ایک تاریخی، سماجی و مذہبی اہمیت تھی، ہے اور مستقبل میں بھی رہے گی۔

ہندوستان میں غیر مسلم سیرت نگاروں کے کام کو ہم تین دور میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1۔انیسویں صدی کا نصف آخر، 2۔بیسویں صدی کا نصف اول، اور 3۔بیسویں صدی کے نصف آخر سے تادم تحریر۔

پہلے اور دوسرے دور میں ہندوستانی غیر مسلم سیرت نگاری میں ان مستشرقین کے اعمال ونگارشات کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جنھوں نے اپنی بیشتر زندگی ہندوستان میں گزاری، اور یہیں رہکر اپنے علمی کارنامے انجام دئے، جیسے: ولیم میور (1905-1819ء) جنھوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال ہندوستان میں گزارے، اور سیرت رسول سے متعلق اپنی تمام کتابیں یہیں رہ کر تصنیف کیں۔ (7) علاوہ ازیں انگریزی اقتدار سے تقرب کے حصول کے لئے بہت سے ہندوستانی متنصرین اور نوعیسائیوں نے بھی سیرت کو اپنا موضوع بنایا۔1857ء کے ناکام انقلاب کے بعد ایسے متنصرین کی باڑھ سی آ گئی جن میں ایک معتد بہ تعداد ان کی بھی تھی جو اپنے نام کے ساتھ مولوی کا سابقہ بھی رکھتے تھے، اور جنھیں عیسائی تبشیری جماعتوں کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔مرزا غلام حمد متنبّی قادیانی نے اپنی کتاب 'نور الحق' (8) میں ایک درجن سے زیادہ ایسے مولویوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے عیسائیت اختیار کر لی تھی، اور جو اپنے نام کے ساتھ بالالتزام 'مولوی' لکھتے تھے، جیسے: مولوی کریم الدین، مولوی نظام الدین، مولوی الٰہی بخش، مولوی حمید اللہ خان، مولوی نور الدین، مولوی سید علی، مولوی عبداللہ بیگ، مولوی حسام الدین بمبئ، مولوی قاضی صفدر علی، مولوی عبدالرحمان، مولوی حسن علی وغیرہ۔ان میں سے کئی ایک نے سیرت پر کتابیں لکھیں جن میں نبی کریم ﷺ کو نشانہ بنایا۔ان میں سب سے زیادہ شہرت پادری عماد الدین کو ملی جس نے اپنی کتاب 'تحقیق ایمان' میں قران کریم اور رسول اسلام ﷺ پر بے حد نازیبا حملے کئے۔یہ کتاب 1867ء میں شائع ہوئی، مولانا الطاف حسین حالی نے بھی اس کتاب کے رد وابطال میں 'تریاق مسموم' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جواب ناپید ہے۔(9)

غلام حمد متنبّی قادیانی کا متذکرہ بالا رسالہ بھی پادری عماد الدین کی کتاب 'توزرین اقوال' کے رد میں ہے جس میں اس متنصر پادری نے قرآن اور سیرت رسول پر اعتراضات کئے تھے۔علاوہ ازیں پادری عماد الدین نے خاص سیرت کے موضوع پر بھی کتاب لکھی ہے جس نام 'تواریخ احمدی تھا،

یہ کتاب ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد میں کافی مشابہ ہے۔ دونوں مشنری کے لئے کام کرتے تھے اور دونوں عربی زبان میں مہارت رکھتے تھے، لہٰذا ان کے مابین افادہ و استفادہ کا تعلق عین ممکن ہے۔ ولیم میور کی یہ کتاب لائف آف محمد کے نام سے معروف ہے۔ اس کا اصل نام "A Life of Mahomet and History of Islam to the era of the Hegira" چار جلدوں کی اس کتاب کی پہلی دو جلدیں 1858ء میں اور آخری دو جلدیں 1861ء میں Smith Elder& Co. سے شائع ہوئیں۔ (10) میور کی اس کتاب کا عالمی مشنریز نے زبردست استقبال کیا، بلکہ ان کے لئے یہ کتاب انجیل کا درجہ رکھتی ہے۔ بعد کے مستشرقین نے بھی آنکھ بند کرکے اس پر اعتماد کیا ہے۔ میور عربی کے بڑے عالم تھے، اصول بحث وتحقیق سے اعلیٰ درجے کی واقفیت رکھتے تھے، اسلامی مصادر سے خوب مطلع تھے، لہٰذا بڑی چابکدستی کے ساتھ کتب سیرت میں موجود کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور ضعیف، غریب اور شاذ روایات کے سہارے اپنے متعصّبانہ خاکے میں رنگ وروغن بھرنے کی کوشش کی، اور مغرب میں سب سے بڑے علمی سیرت لکھنے والے کی حیثیت سے شہرت پائی۔ جبکہ ہندوستان سمیت دنیا کے تمام ملکوں کے مسلمانوں نے اس کے تئیں اپنے غم وغصے کا اظہار کیا۔ سرسید احمد خاں نے خطبات احمدیہ کے نام سے اس کتاب کا رد لکھا۔ (11) اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں علم سیرۃ کے مصنف کے مطابق علامہ شبلی نے سیرت النبی بھی ولیم میور کی اس متعصّبانہ کتاب کے جواب ہی میں لکھی تھی۔ (12) عالم اسلام میں بھی اس کے خلاف کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔

ہندوستان میں غیر مسلم سیرت نگاری کا پہلا دور برطانوی مستشرقین اور ہندوستانی متنصرین کے کارناموں سے ہی عبارت ہے۔ ان دونوں جماعتوں کے درمیان صلات وروابط اور تاثیر وتاثر پر تفصیلی کام کی ضرورت ہے۔ اگر اس موضوع پر سنجیدگی سے کام کیا جائے تو بہت سے مفید اور چونکانے والے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس دور کا ایک بڑا نام الوی اسپرنجر (Aloy Sprenger) متوفی 1893ء کا بھی ہے، یہ ایک آسٹیرین مستشرق تھے جنھوں نے برطانوی شہریت لے رکھی تھی، کئی زبانوں کے ماہر تھے، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ ہندوستان میں گزارا، دلی کالج اور مدرسہ عالیہ میں کام کیا،

کئی اہم اسلامی کتابوں کو اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا، سیرت نبوی پر ان کی ایک ضخیم کتاب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، روشن خیالی کے تمام تر دعووں کے باوصف یہ کتاب متعصّبانہ اسلوب اور جائرانہ احکام سے لبریز ہے۔(13) اس دور میں منفی نوعیت کی کئی کتابیں لکھی گئیں، لیکن مثبت کتابوں سے بھی یہ دور خالی نہیں ہے، اور مثبت کاموں کی فہرست کی ایک نمایاں کتاب ''سوانح عمری محمد صاحب'' ہے اس کے مصنف رلیا رام گولائی ہیں، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے یونین کیٹالاگ کے مطابق یہ کتاب دوسو چوراسی صفحے کی ہے اور 1892ء میں مطبع اروڑبنس، لاہور سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر انور محمود نے کتب سیرت کی فہرست 'ارمغان حق' کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ کتاب واچنگٹن ارونگ کی کتاب Life of Mahomet کا ترجمہ ہے۔(14)

ہندوستان میں غیر مسلم سیرت نگاری کا دوسرا دور بیسویں صدی کے نصف اول میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ ہندو احیا پرستی کے ابھار کا بھی دور تھا۔ ہندو احیا پرستی کے علمبرداروں میں سے کئی ایک نے سیرت النبی ﷺ کو اپنا موضوع بنایا۔ پنڈت دیانند سرسوتی متوفی 1883ء کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے، اور اس کی تحریک آریہ سماج سے متاثر کئی لوگوں نے سیرت پر کتابیں لکھیں۔ چونکہ ان افراد کا بنیادی مقصد سیرت نگاری نہیں تھا بلکہ اسلام کو ہدف تنقید وتعریض بنا کر ہندو احیا پرستی کی تحریک کو مہمیز دینا تھا، لہذا ان کتابوں کو علمی کام شمار کرنا دشوار ہے۔ اور نہ ہی یہ علمی معاییر بحث وتحقیق پر پوری ہی اترتی ہیں۔ سیرت النبی پر ہونے والے کاموں کا جائزہ لینے والے مصنف جناب محمد عین الحق صاحب نے اپنی کتاب ''سیرت النبی مع سیرت نگار'' میں دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش کو بھی کتب سیرت میں شمار کیا ہے جو کسی بھی طور پر درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے مصنف نے سیرت کے موضوع کو چھوا تک نہیں ہے، کتاب کے چودھویں باب میں اسلام پر اعتراض کئے گئے ہیں، اور تقریبا پچیس صفحات میں پھیلے اس باب میں 161 قرآنی آیات کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر تنقید کی گئی ہے، علمی موضوعیت کے مظاہرے کے طور پر آیت کے ساتھ پارہ نمبر، سورہ نمبر، منزل نمبر، اور آیت نمبر کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان آیات کو لکھ کر تجزئے کے عنوان سے تنقید کی گئی ہے، جس کا مواد بے

حد سطحی اور غیر موضوعی ہے۔اور یہ پورا عمل قرآن نافہمی کی دلیل ہے۔(15)

پنڈت دیا نند سرسوتی کے ایک شاگرد پنڈت لیکھ رام پیشاوری نے اسلام پر کئی کتابیں لکھیں جن میں سیرت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ان کتابوں میں علمیت اور موضوعیت دونوں کا فقدان ہے، زبان بھی غیر شائستہ اور غیر مہذب ہے۔وہ ایک پرجوش آریہ سماجی کارکن اور مبلغ تھے، آریہ سماج کے افکار ونظریات کی نشر واشاعت کے لئے انھوں نے ملک بھر متعدد اسفار کئے اور انھیں اپنے ان اسفار کی کثرت کے سبب آریہ مسافر کا لقب ملا۔ان کی تصنیفات اور ان کے مقالات کو کئی جلدوں میں کلیات آریہ مسافر کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔پنڈٹ لیکھ رام نے راست طور پر تو سیرت پر کوئی کام نہیں کیا ہے لیکن اپنی کئی کتابوں میں سیرت کو جزئی طور اپنا موضوع بنایا ہے۔ان میں راہ نجات، تکذیب براہین احمدیہ، تاریخ دنیا، اظہار حق، اور حجۃ الاسلام وغیرہ کتب میں سیرت کا موضوع ملتا ہے۔اور یہ سب آریہ سماج کے ٹکسالی اسلوب ومنہج میں لکھی گئی ہیں۔

پنڈت لیکھ رام کی کتابوں کی تصنیفات کے مطالعے کی یہ اہمیت ہے کہ بیسویں صدی میں ہندوستان میں اسلام مخالف کتابوں میں لیکھ رام کی تحریروں کی گہری چھاپ ملتی ہے۔مرزا غلام احمد سے ان کے کئی تحریری مناظرے ہوئے، دونوں نے ایک دوسرے کے رد میں کتابیں لکھی، متنبّی قادیان نے ان کی ہلاکت کی پیشین گوئی کی تھی، 1897ء میں انھیں چھرا مار کر ہلاک کر دیا گیا۔بعید از قیاس نہیں ہے کہ مرزا کی کئی پیشین گوئیوں کے غلط ثابت ہوجانے کے بعد ان کے کسی پرجوش پیروکار نے اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہو۔لیکھ رام کی پیروی میں کئی اہانت آمیز کتابیں لکھی گئیں جن میں کچھ کا مقصد شدھی تحریک اور احیا پرستی کی تحریکات کو تقویت پہنچانا تھا، اور کچھ محض مسلمانوں کی دل آزاری کے مقصد سے لکھی گئی تھیں۔ایسی کتابوں میں ایک بدنام زمانہ کتاب 'رنگیلا رسول' بھی ہے جس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور جس کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ان منفی اور غیر منہجی اعمال سے قطع نظر بیسویں صدی کے نصف اول میں غیر مسلم برادران

وطن کی جانب سے کچھ مثبت اور قابل تعریف کام بھی ہوئے ہیں ان میں سرفہرست شردھے پرکاش دیو جی کی کتاب سیرت بعنوان ' 'حضرت محمد صاحب بانی اسلام'' ہے، جو 1907ء میں شائع ہوئی، 1924ء میں یہی کتاب لاہور سے'' سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام'' کے نام سے شائع ہوئی۔ 132 صفحے کی یہ کتاب ہندوستانی غیر مسلم سیرت نگاری کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔تعصب سے خالی اور حقائق پر مبنی اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، اور صرف تین سال کے عرصے میں کتاب کے تین اڈیشن منظر عام پر آئے، 1910ء میں نول کشور پرنٹنگ پریس لاہور سے کتاب کا تیسرا اڈیشن تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوا جو اس کتاب کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ مولانا حالی نے اس کتاب کی تعریف کی، مولانا ظفر علی خاں نے زمیندار اخبار میں زوردار تبصرہ شائع کیا، انگریزی اخباروں: ماڈرن ریویو الہ باد اور آبزرور لاہور نے کتاب پر ریویو لکھے۔(16)

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اور ہر باب میں کئی کئی ذیلی عنوان لگائے گئے۔ کتاب کے آغاز میں سیرت کی عام فہم کتابوں کی عدم فراہمی کا شکوہ کیا ہے۔ان کے مطابق سیرت کی کتابیں یا تو انگریزی میں ہیں جو عامۃ الناس کی زبان نہیں ہے، یا اگر اردو میں ہیں بھی تو اس قدر ادق ہیں کہ عام قاری ان سے استفادہ نہیں کرسکتا ہے، جیسے امیر علی کی دی اسپرٹ آف اسلام یا سرسید کی خطبات احمدیہ وغیرہ۔ اسی کے پیش نظر انھوں نے اس عام فہم کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا۔ کتاب میں انھوں نے رسول اسلام ﷺ پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کی بھی سعی کی ہے۔ شردھے پرکاش عقیدتاً موحد تھے جس کا اندازہ ان کی دوسری کتابوں کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ان کی توحید پرستی کا اثر بھی ان کی اس کتاب میں صاف نظر آتا ہے۔

'حضرت محمد صاحب بانی اسلام' کے بعد غیر مسلم سیرت نگاری کا دوسرا بڑا شاہکار سردار گرودت سنگھ دارا کی کتاب'' رسول عربی'' ہے۔اس کتاب کو بھی غیر معمولی شہرت وقبولیت ملی، اور اس کے بھی بے شمار اڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا اڈیشن 1924ء میں شائع ہوا تھا۔اور راقم السطور کے علم کے مطابق اس کا آخری 2004ء میں اپنا ادارہ پبلشر لاہور نے شائع کیا ہے۔ کتاب میں مولنا سید

سلیمان ندوی کا دیباچہ بھی شامل ہے، جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ:

''یہ ناممکن ہے کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص ومحبت کی نذر دربار رسالت میں پیش کرسکتا ہے اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے''۔(17)

سردار جی بارایٹ لا تھے، مجاہد آزادی تھے، لندن سے 'انڈیا' نام کا ایک انگریزی رسالہ نکالتے تھے، لیکن کانگریس کے ہمنوا نہیں تھے؛ ان کی علمی حیثیت کے سبب کتاب بہت مشہور ہوئی۔ بہت سے غیر مسلموں نے انھیں ہدف ملامت بھی بنایا لیکن وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور اس میں سرمو فرق نہیں آیا۔ کتاب کا دوسرا اڈیشن 1941ء میں شائع ہوا، یہ اشاعت حفیظ جالندھری کے زیر اہتمام عمل میں آئی تھی۔ اس اڈیشن میں سر شیخ عبدالقادر کی تقریب اور حفیظ جالندھری کا پیش لفظ ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ہمدرد اخبار میں کتاب پر تبصرہ لکھا اور کتاب کی عقیدت مندانہ طرز نگارش کی خوب تعریف کی، یہ تبصرہ بھی اس اڈیشن کا حصہ ہے۔

کتاب کی علمی اور تحقیقی قیمت کچھ بھی قابل ذکر نہیں ہے لیکن مصنف کا خلوص، اس کی والہانہ عقیدت مندی اور اس کے اظہار وبیان کے لئے استعمال کی جانے والی زبان، مصنف کا شاعرانہ اسلوب، اور ہندی الفاظ کا برملا استعمال کتاب کو بے حد موثر، خوبصورت، اور دلپذیر بنا دیتے ہیں۔ اس کتاب کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی کے پس پشت ایک نفسیاتی نکتہ بھی کارفرما تھا، اس کتاب کی پہلی اشاعت سے محض ایک سال پہلے 'رنگیلا رسول' نامی کتاب نے فضاؤں کو مسموم کر دیا تھا، ایسے میں سردار دارا کی کتاب نسیم جانفزا بن کر آئی، اور قدردانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ہندوستان میں غیر مسلم سیرت نگاری کی اگلی قابل ذکر کڑی رگھوناتھ سہائے بی اے کی کتاب ''پیغمبر اسلام'' ہے، جس کی اشاعت 1929ء میں ہوئی، تین سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب بے حد سادہ زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ سیرت کے ان ابواب کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جن پر عموما غیر مسلم حضرات اعتراض کرتے ہیں، جیسے جہاد اور کثرت ازدواج وغیرہ۔ کتاب کے ہر دو موضوع

اور پیش کش سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب خصوصیت کے ساتھ ہندو قارئین کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے ایک تنازعہ بھی ہے کہ آیا اس کتاب کے مصنف لالہ رگھوناتھ سہائے ہی ہیں یا کوئی اور ہے، بعض لوگ اسے احمد ندیم قاسمی کی کتاب قرار دیتے ہیں جنھوں نے اسے لالہ رگھوناتھ سہائے کے لئے لکھا اور عمدہ آسان اور سادہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ لالہ اچھے اردو داں تھے اور اگر اسے کسی دوسرے نے لکھی ہے تو بھی ان کی مرضی سے ہی ان کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

ہندوستان میں غیر مسلموں کی لکھی سیرت کی کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت اور قبولیت سوامی لکشمن کی کتاب ''عرب کا چاند'' کو ملی، اور بلا شبہ اپنے موضوع پر یہ ایک عمدہ کتاب ہے اور اس زمرے کی کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور منفرد کتاب ہے جس کا مواد و اسلوب اور جس کی زبان و پیشکش سب کچھ معیاری ہے، جو اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتی ہے اور فنی اعتبار سے ایک مکمل تصنیف ہے۔ میرے پیش نظر کتاب کا جو نسخہ ہے وہ مکتبہ تعمیر انسانیت سے شائع ہوا ہے اور اس کے ناشر محمد سعید اللہ صدیق ہیں۔ کتاب پر اشاعت کی تاریخ درج نہیں ہے، لیکن چار سو بائیس صفحے کی کتاب کی قیمت 240 روپئے لکھی ہے جس سے لگتا ہے کہ ماضی قریب میں ہی اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

محمد عین الحق صاحب نے اپنی کتاب میں مصنف کا نام سوامی لکشمن پرشاد لکھا ہے، جبکہ مطبوعہ نسخے میں صرف سوامی لکشمن ثبت ہے، انھوں نے کتاب کی پہلی اشاعت کی تاریخ 1934ء لکھا ہے جو مصنف کے مربی حکیم محمد عبداللہ کے ذریعے لکھے گئے مقدمے میں مذکور کوائف سے ہم آہنگ ہے۔ اس کتاب کا انداز نگارش اس قدر شستہ اور فصیح ہے کہ اس کے مصنف پر ہمیشہ سوال قائم کئے گئے متعدد لوگ کتاب کے زبان و بیان کی خوبیوں کے سبب اسے کسی مسلمان کی کاوش ٹھہراتے ہیں جس نے تجارتی یا تبلیغی مقصد کے تحت اس پر ایک ہندو کا نام لکھ دیا۔ لیکن حکیم محمد عبداللہ صاحب نے کتاب کی پہلی اشاعت میں مصنف کا مفصل تعارف کرایا ہے اور ان کی گوناگوں صلاحیتوں اور علمی لیاقتوں کا جس طرح تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد یہ باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اس کتاب کے

مصنف سوامی لکشمن ہی ہیں۔

ہندوستانی غیر مسلم سیرت نگاری کے اس دوسرے دور کی ایک اور اہم کتاب پنڈت سندر لال الہ آبادی کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' ہے۔اس کے ناشر و شمبھر ناتھ نے اسے وشو وانڑی پریس سے 1942ء میں شائع کیا ہے۔(18) پھر اسی پریس سے یہ کتاب 1949ء میں دیوناگری رسم الخط میں شائع ہوئی، اور یہی دیوناگری نسخہ راقم کے پیش نظر ہے، جس میں ناشر نے ضروری بات کے عنوان سے اس امر کی صراحت کی ہے کہ ہندی اور اردو نسخوں میں رسم الخط کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ناشر کے مطابق یہ کتاب مصنف کی ایک بڑی کتاب کا حصہ ہے جس میں دنیا کے تمام مذاہب اور تہذیبوں کا ذکر کیا گیا ہے۔اور بعض احباب کی خواہش و فرمائش اور ضرورت کے پیش نظر سیرت النبی پر مشتمل اس حصے کو علاحدہ سے شائع کیا جارہا ہے۔244 صفحے کی اس کتاب میں سیرت کے تمام موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔کتاب مثبت انداز میں لکھی گئی ہے، اور جابجا اسلام کا دفاع کیا گیا ہے۔کتاب کے مراجع میں استشراقی اور اسلامی دونوں قسم کی کتابیں ہیں۔مصنف نے کتاب کے آخر میں اسلام کے بارے میں بعض مشہور مغربی مفکرین و اسکالرز کے اقوال دئے ہیں۔

غیر مسلم سیرت نگاری کا تیسرا دور بیسویں صدی کے نصف اخیر پر مشتمل ہے اور اکیسویں صدی میں بھی جاری و ساری ہے۔اس عہد میں غیر مسلم سیرت نگاروں نے علمی اور غیر علمی اور مثبت و منفی دونوں قسم کے کام کئے۔فرقہ پرستوں کی نفرت پھیلانے والی کئی کتابیں سامنے آئیں، اور سیاسی اغراض و مقاصد کے حصولیابی کے لئے بھی کئی نفرت انگیز اور دل آزار تحریریں لکھی گئیں۔مثبت انداز میں لکھی جانے والی ایک کتاب ڈاکٹر شنکر داس مہروترا کی ہے جس کا نام ''حضرت محمد کی زندگی، ایک ہندو کی نظر میں'' ہے، یہ کتاب مصنف نے خود ہی 1957ء میں بلیماران دہلی سے شائع کی ہے۔(19) یہ ایک عام سی کتاب ہے لیکن اس کی خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی ہے، اور مصنف کے مطابق ان دونوں کو ملانے کا نتیجہ صرف گمرہی کی شکل میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔یہ کتاب غالبا ہندوستانی غیر مسلم کی اردو میں لکھی گئی

سیرت کی کتابوں میں غالبا آخری قابل ذکر کتاب تھی۔اس کے بعد اردو کے ساتھ ملک عزیز میں جو سلوک ہوا وہ ہم سب کے علم میں ہے، برادران وطن تو کجا خود مسلمان بھی اس سے دور ہو گئے۔لیکن دوسری زبانوں میں غیر مسلم مصنفین کی سیرت میں لکھی گئی کتابوں کا سلسلہ جاری رہا۔

ڈاکٹر انور محمود خالد نے غیر مسلم حضرات کی لکھی گئی اس عہد کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں: بابو کنج لال ایم اے کی کتاب حضرت محمد ﷺ اور اسلام، رگھوناتھ سہائے کی تالیف پیغمبر اسلام، پروفیسر لاجپت رائے کی کتاب حضرت محمد کی سوانح عمری اور گووند رام سیٹھی شاد کی چار مینار (1943ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(20) کتابوں کے علاوہ غیر مسلم حضرات نے سیرت کے موضوع پر مقالات ومضامین بھی لکھے جو مختلف اخبار و جرائد میں شائع ہوئے۔اور سیرت نبوی پر مبنی غیر مسلم حضرات کے رشحات قلم کے کئی مجموئے بھی شائع ہوئے۔ایسے کئی مجموعوں کا ذکر ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔انھیں مجموعات میں ایک مجموعہ بشیر احمد سید کی مرتب کردہ کتاب ''سرور کونین۔اغیار کی نظر میں'' ہے۔اس کتاب میں سے چند مقالوں کا نام ذیل میں تحریر کیا جارہا ہے تا کہ ان کے عمومی مزاج کا اندازہ لگایا جاسکے:

1۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، از مالک رام
2۔ مہا پرش محمد رسول اللہ، از پنڈت گوپال کرشن (مطبوعہ: بھارت سماچار بمبئی)
3۔ ملک عرب کا سب سے بڑا ریفارمر، از ماسٹر شنکر داس گیانی
4۔ وحدانیت کا متوالا، از ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ
5۔ حضرت محمد کے عالم انسانیت پر عظیم احسانات، از لالہ رام لال ورما
6۔ بانی اسلام کی رحمدلی، از بی ایس رندھاوا(21)

تیسرے عصر کی سب سے نمایاں کتاب ''کلکی اوتار اور محمد صاحب'' نامی کتاب ہے جس کے مصنف پنڈٹ وید پرکاش اپادھیائے ہیں، جو نہ صرف سنسکرت زبان کے بڑے عالم ہیں بلکہ مذہبی امور میں بھی سند یافتہ ہیں۔یہ کتاب راست طور پر سیرت کے موضوع پر نہیں ہے۔لیکن اس

سے نبی اسلام ﷺ کی سیرت کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔اس کتاب میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ہندو صحیفوں میں جس کلکی اوتار یعنی عالمی رہنما و قائد کی آمد کی بشارت دی گئی ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ ویدوں اور پرانوں میں ہادی عالم کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور ان سے متعلق جو نشانیاں گنائی گئی ہیں ان کا اطلاق و انطباق رسول اسلام ﷺ کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا ہے۔ ہر محیر العقل چیز کی طرح اس کتاب کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ کتاب پہلی بار 1969ء میں الہ آباد سے شائع ہوئی ہے۔(22) دلچسپ بات یہ ہے اس کتاب کی اشاعت کو پچاس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک ترجمہ نگاران، تبصرہ کنندگان اور اور اس کتاب کا حوالہ دہندگان اسے 'حالیہ کتاب' یا 'تازہ کتاب' کے ذریعے اس کا تعارف کراتے ہیں۔ چنانچہ 2005ء کے ملی گزٹ میں شائع ایک مضمون میں اسے A Recently Published Hindi Book کہا گیا ہے جبکہ اس وقت کتاب کی اشاعت کو پینتیس سال ہو چکے تھے۔(23) پاکستان کے ایک پیر ریویو جرنل میں 2020ء میں یہی بات دوہرائی گئی ہے۔(24) دونوں مقالوں میں انھیں بنگالی برہمن لکھا گیا ہے، جب کی ان کا تعلق الہ باد کی سراتھو تحصیل سے تھا جو اب کوشامی ضلع میں واقع ہے۔

اس سلسلے کی ایک حالیہ کڑی مارواڑی زبان میں لکھی گئی سیرت کی کتاب ہے جس کے مصنف برہمن نژاد' راجیو شرما ہیں جو کولسیا ضلع جھنجھوں راجستھان کے رہنے والے ہیں، کولسیا ان کے نام کا بھی حصہ ہے۔ مارواڑی میں کتاب کا نام پیغمبر رو پیغام ہے یعنی پیغمبر کا پیغام۔ انھوں نے ابتدائی تعلیمی زمانے سے اسلام کے بارے میں مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے گاؤں کا گروکل کے نام سے ایک ای لائبریری شروع کی جس میں دنیا بھر سے ای کتابوں کو جمع کیا۔ اور جب اپنی یہ ای کتاب تیار کی تو اسے بھی اسی ای لائبریری پر اپلوڈ کر دیا۔ اس کتاب کی تصنیف پر ان کی پذیرائی بھی ہوئی اور شدت پسندوں نے انھیں ٹرول کیا بلکہ جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ لیکن راجیو شرما نے اپنے مشن کو جاری رکھا اور کتاب کا ہندی ترجمہ بھی کیا۔ یہ ایک سادہ سی سیرت ہے جس میں انھوں نے

نبی ﷺ سے اپنے تعلق اور اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔اور پیغمبر اسلام کی انسانیت پر مبنی تعلیمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔کتاب بے حد سادہ اور عام فہم ہے۔وہ سیرت کی ایک کتاب لکھ چکے ہیں جس کا عنوان ہے'' پیارے نبی جن سے مجھے محبت ہے''۔یہ کتاب ہندی میں ای کتاب کے طور پر آ چکی ہے اور جلد ہی کتابی شکل میں آنے والی ہے۔راجیو شرما نے قران کا مارواڑی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔وہ بھی گاؤں کا گروکل ای لائبریری پر موجود ہے۔(25)

غیر مسلم حضرات کی سیرت نویسی کو ہم عموماتین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔اسلام کی دشمنی میں لکھی جانے والی کتابیں جن میں بعض مستشرقین اور تمام متنصرین اور آریہ سماج وشدھی تحریک وغیرہ سے وابستہ مصنفین شامل ہیں۔دوسری قسم کی کتب سیرت ان کتابوں سے عبارت ہیں جن کے مصنفین نے مسلمانوں سے دوستی کے اظہار یا ان کی ہمدردی اور مودت کے حصول کے لئے کتابیں لکھیں۔تیسری قسم میں وہ کتابیں شامل ہیں جو عام قاری کی معلومات میں اضافہ یا ان کی معلومات کی تصحیح وتکمیل کے لئے لکھی گئیں، ان سب کے مشتملات کی صحت اور ان کے نتائج کی درستگی سے قطع نظر ان کے مطالعے کی اہمیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

مجموعی طور پر اور فن سیرت نگاری کے لحاظ سے ان کتابوں میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ ان کا پورا اعتماد ثانوی مصادر پر ہے۔نہ بنیادی مصادر تک ان کی رسائی نظر آتی ہے اور نہ ان میں امہات کتب سیرت سے اخذ واستفادہ ملتا ہے۔کتاب وسنت کے حوالے بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔اور جو حوالے ملتے بھی ہیں وہ موضوع سے راست تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ان کتب سیرت کی ایک اور اہم کمی یہ ہے کہ انھوں نے مغربی مصنفین کی کتابوں پر بہت زیادہ تکیہ کیا ہے۔چنانچہ ان کتابوں کی کئی کمیاں ان میں در آئی ہے۔عرب کا چاند جیسی مقبول ومعروف کتاب میں بھی زیادہ تر حوالے ولیم میور اور کارلائل کے ہیں۔

ان میں سے زیادہ تر کتابیں ایک دوسرے سے منقول ہیں۔اس امر نے ان کی علمی قدر وقیمت کو بہت کم کر دیا ہے۔بلکہ کئی کتابیں تو سیرت نگاری کے بجائے منقبت خوانی محض مدح سرائی کی

حیثیت رکھتی ہیں۔ڈاکٹر ثناءاللہ صاحب نے ان میں سے کئی ایک کا مقارناتی جائزہ لیا ہے۔اور ایسی بہت سی مثالیں دی ہیں جو موضوع، پیشکش اور زبان تینوں سطح پر یکساں یا بہت قریب ہیں۔(26)

غیر مسلم سیرت نگاری میں کم وبیش ایک بات مشترک ہے کہ ان کے مصنفین کے پیش نظر کوئی علمی وتحقیقی مقصد نہیں تھا بلکہ وہی مقاصد تھے جن کا گزشتہ سطروں میں ذکر کیا گیا۔نتیجے میں ان سب کی استنادی حیثیت کافی کمزور ہے۔ان میں ضعیف اور موضوع روایت کی کثرت ہے۔وقائع وحوادث کی تعلیل وتوجیہ میں اسناد کے بجائے اپنے ذوق پر رکھا گیا ہے۔ڈاکٹر ثناءاللہ نے ضعیف روایات اور غیر واقعی توجیہات کی 23 مثالیں دی ہیں۔میں ان میں سے ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔پنڈت سندر لال نے لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رضاعت کے لئے اس لئے بھیجا گیا کیونکہ حضرت آمنہ اتنی غمزدہ اور بیمار تھیں کی وہ سات دن سے زیادہ انھیں دودھ نہ پلاسکیں۔(27) جبکہ معمولی اسلامی ثقافت سے آگاہ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب اپنے بچوں کی صحت جسم وزبان کے لئے ایسا کرتے تھے۔

زبان وبیان کے اعتبار سے ان میں سے زیادہ تر کتابیں کم معیاری ہیں۔کئی ایک کا اسلوب افسانوی نوعیت کا ہے جو موضوع سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ہندی الفاظ کی کثرت بسا اوقات بے حد گراں گزرتی ہے۔قاری کے لئے اردو رسم الخط میں لکھے گئے ہندی کے کئی الفاظ کا تلفظ کرنا بھی دشوار ہوتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ الحجر:9

2۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور بار دوم:2006ء، جلد11، 509۔

3۔ بار اول؛ بیروت: دار الکتاب الجدید، 1982ء۔

4. D.S. Margoliouth, 3rd ed; New York: The Knicherbocker press

5۔ John of Damascus، منصور بن سرکون بن منصور اموی حکومت کے قیام کے زمانے میں 676ء میں دمشق میں ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے، ان کے باپ اور دادا نے بنو

امیہ کی حکومت میں کئی اہم عہدوں پر کام کیا۔ کچھ دن خود بھی حکومت کی خدمات انجام دی، پھر رہبانیت اختیار کر لی۔ لاہوت میں بلند مقام حاصل کیا، مسلم علما سے مناظرے کئے، قرآن اور نبی اسلام ﷺ کی ذات میں شکوک پیدا کرنے اور غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی، قدیم استشراق کی غلط فہمیوں کا مصدر انھیں کی ذات، تعلیمات اور تصنیفات ہیں۔ 749ء میں انتقال ہوا۔

تفصیلات کے لئے دیکھئے: یوحنا الدمشقی/ar.orthodoxwiki.org۔ و دائرۃ معارف بریطانیا https://www.britannica.com/biography/ Saint-John-of-Damascus. Accessed 6 February 2023.

6۔ Karen Armstong 1944ء میں انگلینڈ میں پیدا ہوئیں، آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کی، کچھ عرصے تدریس کا کام کیا، پھر کام چھوڑ کر تصنیف و تالیف سے وابستہ ہو گئیں، خود کو فری لانس مؤحد قرار دے دیا۔ مختلف مذاہب پر کئی کتابیں لکھیں، 1991ء میں سیرت پر ان کی پہلی کتاب Muhammad: A Western Attempt to understand Islam منظر عام پر آئی۔ 2006ء میں سیرت پر ایک اور کتاب بعنوان: Muhammad:The Prophet of our Time شائع ہوئی، اس کتاب کو کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب کا عربی میں ترجمہ بھی ہوا جس کا نام: **'محمد نبي لزماننا'** ہے۔

دیکھئے: آن لائن دائرہ معارف بریطانیہ/https://www.britannica.com/biography/ Karen-Armstrong. Accessed 6 February 2023 ، و محمد نبي لزماننا، ترجمہ: فاتن الزلبانی، نیویارک: ہارپر کالنز پبلیشر، 2008ء

7۔ دیکھئے: نجیب العقیقی، المستشرقون، بارسوم؛ دارالمعارف، مصر: 1965ء، 2:492۔

8۔ **الشركة الاسلامية المحدودة**، ٹلفورڈ، انگلینڈ، 2007ء، 92۔ عربی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب ان متنصرین کا جواب تھی جنھیں عربی دانی کا غرہ تھا۔ انھیں میں ایک پادری عمادالدین بھی تھے۔ جو ولیم میور کے بے حد قریبی تھے۔

9۔ محمد عین الحق، سیرت النبی مع سیرت نگار، کاک آفسیٹ پرنٹرز، دہلی 2005ء، 629۔ اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، انور محمود خالد، اقبال اکیڈمی، بار اول؛ حمایت پریس، لاہور: 1989ء، 370۔

10۔ دیکھئے: نجیب العقیقی، المستشرقون، بارسوم؛ دارالمعارف، مصر: 1965ء، 2:692۔

11۔ **الخطبات الاحمدیہ**، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس، علی گڑھ: 1887ء۔

12۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، علم سیرۃ، مجلد: 14۔1، 176۔

13۔ دیکھئے: نجیب العقیقی، المستشرقون، بارسوم؛ دار المعارف، مصر: 1965ء، 2: 631، 632، و اردو دائرہ معارف اسلامیہ، علم سیرۃ، مجلد: 14۔1، 183۔

14۔ دیکھئے: اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، انور محمود خالد، 468، حاشیہ: 2۔

15۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ویدک یینتر الیہ، پریاگ: سنوت 1939ء۔

16۔ بانی اسلام، بارسوم، لاہور، 1910ء۔

17۔ رسول عربی، جی ایس دارا، ماڈل ٹاؤن، لاہور، ص: 10۔

18۔ وشوواانڑی پریس، شاؤتھ ملاکہ، الہ آباد۔

19۔ حضرت محمد کی زندگی، ایک ہندو کی نظر میں، ناشر: مولف، بلیماران، دہلی: 1957ء۔

20۔ دیکھئے: اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، انور محمود خالد، مرجع سابق، 468۔

21۔ دیکھئے: اردو نثر میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، انور محمود خالد، مرجع سابق، 468۔

22۔ دیکھئے: سارسوت ویدانت پرکاش سنگھ، پریاگ۔

23۔ دیکھئے: Prophet Mohammad in Hindu Scriptures ترجمہ نگار: میر عبدالمجید، دی ملی گزٹ، 1۔15 جنوری 2005ء: 29۔

24۔ دیکھئے: ڈاکٹر ضیاء اللہ ازہری، ڈاکٹر وید پرکاش کی کتاب کلکی اوتار اور حضرت محمد ﷺ، ایک تحقیقی جائزہ، تہذیب الافکار، شعبہ علوم اسلامیہ، عبدالولی خاں یونیورسٹی، مردان، جلد: 7، عدد: 1 جنوری تا جون 2020ء، 95۔ بحوالہ کلکی اوتار اور حضرت محمد ﷺ، بیت الحکمت، لاہور، 2011۔

25۔ دیکھئے: http://ganvkagurukul.blogspot.com/

26۔ دیکھئے: ڈاکٹر ثناء اللہ، وڈاکٹر سلیم الرحمان، برصغیر کے غیر مسلم سیرت نگاروں کا ناقدانہ جائزہ، Hazara Islamicus, Issue:1, Jan-Jun 2019, pp 46.

27۔ نفس مصدرِ صفحہ: 49۔

☆☆☆

سیرت طیبہ پر ہندوستانی غیر مسلموں کی تحریری خدمات

مولانا اختر امام عادل قاسمی
(مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، بہار)

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد المصطفیٰ ! امابعد

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں نے بھی اپنے علم وتحقیق کا موضوع بنایا، اور دنیا کے مختلف علاقوں میں حضور ﷺ کی شخصیت پر کتابیں لکھی گئیں، اور اس کثرت سے لکھی گئیں کہ تاریخ انسانی میں کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ملتی جس کو اتنی دلچسپی اور سنجیدگی کے ساتھ مرکز توجہ بنایا گیا ہو، ہندوستان بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہا، سیرت نگاری میں ہندو مصنفین کا بھی بڑا حصہ ہے، اور بے شمار ہندو مفکرین اور اصحاب قلم نے سرکار دو عالم ﷺ کی شان عالی کیلئے نثر یا نظم میں اپنی عقیدت ومحبت کے جذبات نچھاور کئے، گو کہ اس ضمن میں بعض متعصّبانہ یا مخالفانہ تحریریں بھی سامنے آئیں، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے، زیادہ تر ہندو مصنفین حضور اکرم ﷺ کی عقیدت ومحبت میں سرشار نظر آتے ہیں، اور انہوں نے اس میدان میں پوری حق گوئی اور وسیع النظری کے ساتھ تاریخی سچائیوں کو پیش کیا، بلکہ اس ضمن میں کئی اسلامی عقائد ونظریات کی شاندار ترجمانی کی اور بہت سے شکوک وشبہات کا بہترین علمی دفاع کیا۔

سیرت طیبہ کی طرف ہندو مصنفین کے متوجہ ہونے کے اسباب:

سیرت طیبہ کی طرف ہندو مصنفین کے متوجہ ہونے کے کئی اسباب ہیں:

ویدوں میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر:

☆ سب سے اہم بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کی مذہبی مقدس کتابوں میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر بکثرت آیا ہے ،جس طرح تورات وانجیل میں حضور اکرم ﷺ کے لئے فارقلیط (Paracalet) کا لفظ آیا ہے ،یعنی محامدومحاسن کی حامل شخصیت(1)، اسی طرح ویدوں میں ''نراشنس ،، کا نام بارہا آیا ہے، یہ سنسکرت لفظ ہے ،اس کے معنی وہی ہیں جو عربی میں'' محمد ﷺ ،، کے ہیں،یعنی قابل تعریف شخصیت ،رگ وید میں 16 مرتبہ، یجروید میں 10 مرتبہ، اتھروید میں 4 جگہ اور سام وید میں ایک بار یہ لفظ آیا ہے،اس طرح چاروں ویدوں میں کل ملاکر اکتیس (31) جگہ نراشنس (محمدؐ) کے نام سے حضور ﷺ کا ذکر موجود ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پنڈت امرناتھ پانڈے (جنہوں نے عربی حروف تہجی پر ریسرچ کی ہے) کا کہنا ہے کہ ہندو تیس(30) بار انکار کرتا ہے، اکتیسویں بار انکار نہیں کرے گا،عربی کے حروف تہجی بھی ان کے نزدیک 31 ہیں ،اور سورۂ رحمان میں بھی 31 مرتبہ ہی اللہ پاک نے یہ سوال دہرایا ہے کہ''فبأی آلاء ربکماتکذبان – پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟(2)

اسی طرح ویدوں میں حضور ﷺ کے لئے عالم ارواح میں''احمت'' نام لکھا ہے،سنسکرت میں عموماً آخری'' د'' کو'' ت'' سے بدل دیتے ہیں،اس طرح یہ لفظ احمد ہے،رگ وید میں اللہ تعالیٰ کے لئے اگنی ایشور (رب کریم) کا ذکر ہے(3)،اگنی کا معنی'' رؤف الرحیم ،، بھی کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے دوصفاتی نام ہیں، جو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام حضور ﷺ کو عطا کردیئے ہیں:

''لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم
حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم''۔ (4)

اتھروید میں حضور ﷺ کے لئے'' دکھوں کا معالج اور پیغمبر امن'' کے الفاظ بھی استعمال

ہوئے ہیں، جوناف زمین (زمین کا مرکز، ام القریٰ مکہ کا قدیم نام) میں ظاہر ہوگا۔(5)

یجروید میں ایک جگہ ہے کہ؛ ''دنیا محمد کی تعریف سے گونج اٹھے گی'' جو قرآن پاک کی آیت کریمہ ''ورفعنالک ذکرک''(6) کا مفہوم ہے۔

اسی طرح ایک جگہ ہے: احمت (احمد) تمام علوم کا سرچشمہ ہے(7)، جو قرآن کریم کی اس آیت کا عکس ہے: ''علمک مالم تکن تعلم''۔(8)

رگ وید میں حضور ﷺ کیلئے ''سمدرادوت عربن'' کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنی ہے 'پیغمبر عربی خاتم النبیین'۔(9) اتھروید بیسویں کانڈ کا ایک سوستائیسواں سوکت نراشنس (محمد ﷺ) کے تذکرے میں بہت اہم ہے:

''لوگو! سنو! محمدؐ لوگوں کے درمیان مبعوث کیا جائے گا، اس مہاجر کو ہم ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں سے اپنی پناہ میں لیں گے، اس کی سواری اونٹ ہوگی، جس کے ساتھ بیس مادہ اونٹنیاں ہونگی جس کی عظمت آسمانوں کو بھی جھکا دے گی، اس عظیم رشی کو 100 دینار، دس مالائیں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کی گئی ہیں''۔(10)

حضور ﷺ کے بلند اخلاق اور انقلابی خدمات نے دنیا کو متأثر کیا:

☆ ہندی سیرت نگاری کا دوسرا بڑا محرک رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کی عظمت و معنویت، آپ کے بلند اخلاق اور حیرت انگیز انقلابی خدمات کی کشش ہے، جس نے دنیا کے ہر صاحب نظر کو متاثر کیا، اس بات کا ذکر متعدد ہندو سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ چنانچہ رائے بہادر لالہ پارس داس نے لکھا ہے:

''پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی کے جس قدر حالات مجھے معلوم ہیں وہ تمام تر روح کو مسرور اور دل کو فریفتہ کرنے والے ہیں''۔(11)

سوامی لکشمن پرشاد نے لکھا ہے:

''دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں کہ جن کے اسماء گرامی ہاتھوں کی

انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں ،رحمۃ للعالمین ،شفیع المذنبین، سیدالمرسلین،خاتم النبیین ، باعث فخر موجودات ،سرور کائنات ،حضرت محمد مصطفٰے ،احمد مجتبٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کوکئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس لئے سب سے پہلے میں نے اسی قابل تعظیم ،فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلمبند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے''۔(12)

سردار گوردت سنگھ صاحب دارابیرسٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن نے سرکار دوعالم ﷺ کوان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''اے ہمالہ کی بلند چوٹیو،تم ہی کچھ کہو!سینکڑوں رشیوں نے تمہاری شفقت اور پیاری گود میں نواس کئے ،صدہا جوگیوں نے تمہارے پہلوئے محبت میں جوگ کمائے ، ہزاروں پیلشروں نے تمہاری آغوش الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروں سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے،مگر سچ کہنا کہیں دیکھا ہو تم نے وہ مکہ کا راج دلارا،کہیں نظر پڑا ہوتمہیں وہ مدینہ کا پیارا،اے رودبار گنگا، تیرے پوتر جل نے پجاریوں کورام نام جپایا، تیری سیتل لہروں نے مسافران عدم کو تھپک کے ابد کی نیند سلایا، تیرے پاک پانی نے پریم کے جوت کا دیا ہر پریمی کے من جلایا، تیرے میٹھے میٹھے گھونٹوں نے معرفت کے تشنہ لب کو آب کوثر کا مزہ چکھایا،اے موج آب گنگا ،جس کسی کی آنکھیں تجھ سے دوچار ہوئیں ،تو نے اسے گنگ منتر پڑھا کے چھوڑا،اور جو خشک زبان تیری نظر میں پڑا،تو نے اسے گنگا جل پلا کے چھوڑا،مگر اے آب رود گنگا، مجھے اتنا تو بتا،کہیں اس آب زمزم والے سے بھی تیری آنکھ لڑی،کہیں اس مکی مدنی نے بھی تجھ سے کوئی گنگا جلی بھری۔۔۔

اے رسول عربی!تو خود ہی ہند کی بے چارگی دیکھ اور ہندیوں کی چارہ سازی کر،اے احمد! تیرے عشق نے اک ہندی کے دل پر زخم کاری لگائے ہیں،تو آ، دلنوازی کر، چودہ صدیاں شاہد ہیں کہ کوئی یوسف تیرے پایہ کا کسی مصر میں کبھی عزیز

نہ بنا، نہ کسی کی گرم بازاری ہی نے یہ رونق پکڑی جو حسن حقیقت نے تجھے عطا کی، پھر کون ہو جو تیرا شہرۂ خوبی اپنے گوش ہوش سے سنے اور تیری کشش حسن سے بچ نکلے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کین دولت از گفتار خیزد (13)

ماسٹر شنکر داس نے لکھا ہے:

''حضور ﷺ کی تعلیمات میں ہمیں بے حد خوبیاں نظر آتی ہیں، ان کی تعریف سے چشم پوشی کرنا ہٹ دھرمی اور بدترین تعصب ہے''۔(14)

جذبۂ اعتراف حق نے مجبور کیا:

☆ کبھی مذہبی اور سماجی بندشوں سے بالا محض جذبۂ اعتراف حق سے مجبور ہو کر بھی لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں، جس کی بہترین مثال سوامی لکشمن راؤ کی کتاب ''عرب کا چاند'' ہے، سوامی جی لکھتے ہیں:

''بہت ممکن ہے کہ میرے بعض متعصب اور تنگ نظر ہم مذہب اس بات پر ناک بھوں چڑھائیں کہ میں نے اپنے مشاہیر اوتاروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ایک پیغمبر کو کیوں اس لئے منتخب کیا کہ سب سے پہلے اس کی حیات مطہرہ کے حالات لکھنے کے لئے قلم کو جنبش دی، لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں، میری نگاہ میں اسے تعصب اور تنگ نظری کے ایک افسوسناک مظاہرہ کے سوا کسی اور شے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی بلند نظر اور نادرۂ روزگار ہستیاں کسی خاص قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتیں، بلا امتیاز نسل و رنگ اور بلا استثنائے مذہب و ملت ہر شخص پر ان کا احترام فرض اور ان کی بصیرت افروز تعلیم سے بہرہ اندوز سعادت ہونا واجب ہے، خود ایسی مایہ ناز شخصیتوں نے اپنی وسیع النظری کی وجہ سے اپنی تعلیمات و تلقینات سے بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی فیضیاب کرنے کی کوشش کی، اس باران رحمت کی طرح جس کی لطافت طبع کے لئے صحرا اور چمن یکساں ہیں''۔ (15)

ان کی حق پسندی کی انتہا یہ ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک ہندو دوست نے موصوف کو بہت سی رقم دلانے کا وعدہ کیا اگر وہ سوامی دیانند کی سوانح عمری لکھ کر انہیں دے دیں، مگر عرب کے چاند کے شیدا نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں سوامی دیانند کو اس قابل نہیں خیال کرتا کہ اس کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے کے لئے قلم کو حرکت میں لاؤں''۔(16)

ڈاکٹر وید پرکاش نے پوری حق گوئی کے ساتھ لکھا:

''میری تحقیق کے مطابق حضرت محمد ﷺ آخری نبی ثابت ہوئے، حضرت محمد ﷺ پر یہ کتاب میں نے حق کو ظاہر کرنے کے لئے لکھی''۔(17)

وحدت ادیان کا تصور:

☆ وحدت ادیان کے تصور نے بھی بعض ہندو مصنفین کو سیرت نگاری کے لئے مہمیز کیا، مثلاً: گوبند رام سیٹھی کی کتاب ''چار مینار'' (مطبوعہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہو 1943ء) اسی تصور کے تحت لکھی گئی۔

ہندو مسلم اتحاد اور مذہبی رواداری:

ہندستان جیسے مشترکہ معاشرے میں ہندو مسلم اتحاد اور مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لئے بھی بعض مصنفین نے سیرت پاک کو اپنی کوششوں کو محور بنایا، مثلاً:

☆ بابو کنج دلوائی کی کتاب ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام'' (مطبوعہ برقی پریس دہلی)

☆ مسٹر دیوان شرما کی یہ کتابیں: (Our Indian Heritage) اور (The Prophet of the East) بھی اسی فکر کی نمائندہ ہیں۔

☆ گیان چند جی کی کتاب ''ہندو مسلم اتحاد'' (مطبوعہ تیج پریس دہلی)

☆ لالہ ونی چند صاحب کپور پرچارک کی کتاب ''دنیا کا ہادیٔ اعظم غیروں کی نظر میں''

(مطبوعہ مقبول بکڈپو قادیان 1928ء)

مخالفانہ اور متعصّبانہ تحریرات کا دفاع:

☆ بعض ہندو دوستوں نے اسلام دشمنوں اور متعصب مخالفین کی کتابوں کے جواب میں بھی کتابیں لکھیں، پروفیسر گوردت سنگ دارا کی کتاب ''رسول عربی ﷺ'' (جس کا ذکر اوپر آیا) اور بابو کنج دلوائی کی کتاب ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام'' (جس کا ذکر اوپر آیا) اس کی شاندار مثالیں ہیں۔

حضور ﷺ کے کارہائے نمایاں کے اثرات کا جائزہ:

☆ عالم انسانیت کے لئے حضور ﷺ کے کارہائے نمایاں کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے بھی ہندو مصنفین نے سیرت نگاری کی وادی میں قدم رکھا، پروفیسر راما کرشنا راؤ کی کتاب ''The Prophet of Islam'' اسی فکر کی نمائندہ ہے۔

ہندو سیرت نگاری کا عہد:

ہندو سیرت نگاروں نے اردو زبان میں سیرت پاک کے موضوع پر جو مستقل کتابیں لکھیں ،ان میں سے اکثر کتابوں کا عہد تالیف انیسویں صدی عیسوی کے اختتام سے بیسویں صدی کے وسط تک محیط ہے ،ان میں بعض کتابیں ایسی تحقیقی اور اثر انگیز ہیں اور ان کی زبان و بیان میں عربیت اور فارسیت کی ایسی شیرینی ہے کہ آج کے حالات میں نا قابل یقین حد تک حیرت ہوتی ہے، ہم ذیل میں چند کتابوں کا تعارف پیش کرتے ہیں جو مستقل طور پر سیرت پاک ﷺ کے لئے لکھی گئیں:

محمد کی سرکار/ رسول عربی:

(1) یہ پروفیسر گوردت سنگھ دارا کی تالیف ہے، وہ پنجاب ہائی کورٹ کے وکیل تھے، والد

تحصیلدار تھے، پہلے محکمۂ مال میں ملازم تھے،لیکن رشوت سے بچنے کے لئے اس سے مستعفی ہوگئے، 1917ء میں لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا، کچھ عرصہ وکالت کر کے چھوڑ دی اورلندن سے اخبار ہند جاری کیا،مصنف نے اس کتاب کی تیاری میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے مدد لی تھی، اورعلامہ نے اس پر مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا،پہلی مرتبہ یہ کتاب خواجہ حسن نظامی دہلویؒ نے نظام المشائخ پریس دہلی سے شائع کی ،میرے پیش نظر 1924ء کا مطبوعہ نسخہ ہے،ٹائٹل پر'' محمد کی سرکار،، اور'' رسول عربی،،دونوں چھپا ہوا ہے،لیکن بعد میں صدیق بکڈپو لکھنؤ اور مسلم پرنٹنگ پریس اعظم گڑھ سے یہ کتاب'' رسول عربی'' کے نام سے شائع ہوا۔

کتاب چار حصوں اور 25 ابواب اور 124 صفحات پر مشتمل ہے،جس میں عرب کے احوال، اورحضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر وصال تک کے احوال انتہائی سلیقہ کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، کتاب کا اسلوب اعلیٰ ادبی نوعیت کا حامل ہے،تاریخی واقعات کو نہایت دلکش طریقے پر پیش کیا گیا ہے،حرف حرف سے عشق رسول،سچائی اور والہانہ پن نمایاں ہے، کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

''ایک صاحب کمال آیا،جس نے جلوۂ حق دکھایا،جس کسی نے اسے پریم کی انکھڑیوں سے دیکھا اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی،جس کی نگاہ شوق اس پر پڑگئی،اسے منہ مانگی مراد مل گئی،جس بشر کو اس موہن نے اپنا درشن دیا اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔

بہ آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
ایا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اے دلدار عرب سنتے ہیں، تیری پریت کی جوت جس من میں جگی پھر وہ بجھائے نہ بجھی،اسے تاجدار عرب کہتے ہیں،

غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

پھر اے خسروخوبی کرنا ایک نظر ادھر بھی ، بھلا دیکھ تو ! تیرے در پر
کھڑا دست سوال دراز کئے ہے، دے نام عشق کچھ زکوٰۃ حسن اسے بھی ، مانا کہ
تیرا مداح خود کبریا ہے، مانا کہ تو حبیب خدا ہے، مگر

یہ تو میں کیوں کر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

اے مایۂ ناز! جو یہ نہیں، تو ہم سے بے رخی کیوں، پھر ہم سے حجاب کیسا، آ

بے حجابانہ در آ از در کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما (18)

کتاب میں بکثرت قرآن کریم ، احادیث نبویہ، کتب سیرت اور دیگر آسمانی کتابوں سے استشہاد کیا گیا ہے ، مثلاً دیکھئے حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے منظر کو کس خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے:

''سورۂ بقرہ کے رکوع پندرہ میں رقم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ اے خدا! مکہ والوں میں ایک نبی انہی میں سے بھیج ، ایسا ہی سورۂ صف کے پہلے رکوع اور انجیل یوحنا کے سولہویں باب میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا، نام اس کا احمد ہوگا، آنحضرت ﷺ نے خود بھی فرمایا ہے کہ میں اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں، آخر وہ نیک ساعت آ پہنچی جس کا اشارہ تھا، اور وہ شبہہ لگن آ گیا، جس کا وعدہ تھا، چڑھا وہ سورج بھگوان جس کی سنہری کرنوں سے شرق میں جگمگ جگمگ ہونے لگی، نکلا وہ چودھویں کا چاند جس کی چاندنی سے غرب کی تاریکی روشن ہونے لگی۔

بطحا کا باشی من موہن جب فرش پہ آیو آنن میں
تب کاسے کہوں میں اے ری سکھی جو دھوم تھی کون ومکانن میں
سب حور وملائک جن وبشر ساتوں ہی فلک اور سارے نبی

تھی صل علیٰ کی دھوم مچی آتی تھی صدا یہی کانن میں

صانع نے اپنی صنعت کے کرشمے بارہا دکھائے ،طرح طرح کے شمع رو بنائے ،اور عجیب وغریب مہرو دکھائے ،مگر ذات حق نے اب کے وہ کان خوبی دکھائی، کہ جہان سے عالم بھر کے خوبان نے اپنی ملاحت پائی،

جب حسن ازل پردۂ امکان میں آیا
ہررنگ بہر رنگ ہراک شان میں آیا
حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا
گل ہے ،وہی سنبل ہے،وہی نرگس حیراں
اپنے ہی تماشہ کو گلستان میں آیا
قانون وہی ساز وہی طبلہ وہی ہے
ہرتار میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا
اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
مذکور یہی آیت قرآن میں آیا(19)

کتاب میں اسلامی عقیدہ کے مطابق توحید کا عکس بھی بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

''بھولی دنیا، بھلا بتوں نے کب کسی سے وفا کی ،ایک نہیں کوئی ہزار جان سے ان پر نثار ہو،تن من دھن سبھی لٹادے،کوئی من چلا ان کی آستین پر سر گھسا دے، مگر یہ وہ ذات ہیں کہ کبھی خاطر میں نہ لائیں اور آنکھ سے آنکھ نہ ملائیں ،بڑے بڑے خانماں انہوں نے تباہ کئے ،بڑے بڑے خوبرو جوان انہوں نے فنا کئے ،بتوں سے وفا ڈھونڈھنا،ان سنگدلوں سے پیار کرنا،خدا پناہ دے،ان کا عشق بری بلا ہے، نہ اس کے ڈسے کا علاج نہ کاٹے کا منتر(20)

ایک اور جگہ غزوۂ خیبر کے ذکر میں رقمطراز ہیں:

''آنحضرت صلعم نے سب کو یک قلم معاف کر دیا، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جو مذہب تم کو بھلا معلوم ہوتا ہے اور جو دین تم کو تسلی قلب بخشتا ہے، اختیار کرو، اسلام کسی پر جبر نہیں سکھاتا اور نہ قرآن کسی پر سختی کی تعلیم دیتا ہے، مگر میں تم کو اتنا ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ میں پیغمبر خدا ہوں اور پیغام حق لایا ہوں، اسے سنو اور عاقبت کا نفع اٹھاؤ ذات حق کو پہچانو اور یاد رکھو کہ اس کا کوئی شریک نہیں، لاالٰہ الا اللہ،

مالک الملک لاشریک لہ وحدہ لا الٰہ الا ہو
عاشقاں جان ودل نثار کنند بردر لا الٰہ الا ہو
صوفیاں گر بہشت می طلبند ذکر شاں لاالٰہ الا ہو
باغبان قدیم لم یزلی صفتش لا الٰہ الا ہو
طوق لعنت فرنگ برابلیس حسرتش لا الٰہ الا ہو
مؤ مناں رانعیم شد روزے برکتش لا الٰہ الا ہو
خوش درختے است درمیان جناں میوہ اش لا الٰہ الا ہو
شمس تبریز گر خدا طلبی خوش بخواں لاالٰہ الا ہو (21)

حضور ﷺ کے صادق وامین ہونے کو آپ کے معجزہ اور دلیل صداقت کے طور پر پیش کرنے کا انداز دیکھئے:

''عمر کے اس عالم میں صادق القول بننا بشر کے مقدور سے دور ہے، اور انسان کی طاقت سے باہر، یہ بات ہی کچھ اور ہے، آؤ لوگو! دیکھو، یہ طلسم حق ہے، اے آنکھ والو! دیکھو، تربیت کے سلسلہ کو برہم نہ کرو، اور نرنکار کے نور کو اجسام خاک میں نہ ملاؤ، اس امین کو دیکھو، یہ امن روپ ہے، یہ سندر سروپ ہے، اے کانو والو، اس صادق کی سنو، یہ کان قرآن ہے، یہ صداقت کا پیغام ہے(22)

کتاب میں علامہ حالیؔ، اور دیگر اسلامی شعراء کے اردو اور فارسی کلام اتنی کثرت سے نقل

کئے گئے ہیں، کہ کتاب ادب، تاریخ اور شاعری کا خوبصورت شہ پارہ بن گئی ہے۔

حضرت محمد ﷺ صاحب بانی اسلام:

صفحات 134، طبع اول یونین اسٹیم پریس 1914ء، طبع دوم: کاشی راقم پریس لاہور 1926ء

(2) اس کتاب کے مصنف شردھے پرکاش دیو پرچارک 28/ مارچ 1855ء سادھوڑا میں پیدا ہوئے، اور 18/دسمبر 1914ء میں لاہور میں انتقال کیا، غربت کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر 1880ء میں بیس روپے ماہوار پر ریلوے میں ملازم ہوگئے، شروع میں بنیاد پرست ہندو تھے، لیکن رفتہ رفتہ فکری اصلاح ہوتی گئی، کیونکہ وہ دوران ملازمت فلسفہ اخلاق اور مذاہب پر کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے، جب برمبھ سماج دھرم کے ممبر بنے تو نام تبدیل کر کے شدھ پرکاش دیو رکھا۔ تصانیف کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے، مگر ان کی اس کتاب سیرت نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بڑی شہرت پائی، کتاب میں واقعات سیرت کو ایسے عمدہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، جیسے کسی مسلم عالم دین نے کتاب لکھی ہو، یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، اس میں قرآن کریم، صحاح ستہ اور سیرت کی بنیادی کتابوں سے استفادہ کیا گیا، اسلوب بیان عقیدت ومحبت سے لبریز ہے، اس میں حضور ﷺ کی طرف سے بہت سے اعتراضات کا زوردار علمی دفاع بھی کیا گیا ہے۔(23)

عرب کا چاند:

(3) صرف چھبیس (26) سال کی عمر میں وفات پانیوالے جواں سال مصنف سوامی لکشمن پرشاد (1913-1939ء) کی یہ کتاب اہل ہنود کی اردو سیرت نگاری میں بہت نمایاں اور مشہور ہے، عرب کا چاند کے علاوہ ''کفر شکن اور پیکر جمال'' کے نام سے بھی مصنف نے حضور ﷺ کے حسن وجمال پر کتابیں لکھیں، جو عرب کے چاند کا حصہ نہیں ہیں۔

کتاب ''عرب کا چاند،، کا تعارف اس کے سرورق پر ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

''ابتدائے اسلام سے آج تک نہ جانے کتنی بے شمار کتب مختلف زبانوں میں مؤرخانہ انداز میں، عالمانہ انداز میں، عارفانہ انداز میں، اور عاشقانہ انداز میں

لکھی جا چکی ہیں، اور لکھی جاتی رہیں گی، لیکن ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر زیر نظر کتاب ''عرب کا چاند،، اپنی شان انفرادیت کا ایک عجیب وغریب شاہکار ہے، چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب بیشتر لوازمات سیرت نگاری سے متصف ہوتے ہوئے اپنے انداز کی ندرت وجدت کے اعتبار سے زبان اردو کے خزینۂ ادب کے لئے سرمایۂ فخر ومباہات ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے جس نے قومی تعصب سے بالاتر رہ کر حقیقت شناشی کے جذبہ سے خاتم الانبیاءؐ کی حیات طیبہ کو ایسے ادبی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے نہ صرف داد تحسین بلکہ رشک آتا ہے''۔

اس کتاب کو حکیم محمد عبداللہ نے دارالکتب سلیمانی قصبہ روڑی ضلع حصار 1937ء میں پہلی بار شائع کیا، پاکستان میں مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور نے 2005ء میں چھاپا، اس حقیر کے سامنے یہی نسخہ ہے۔

مصنف کا ادبی نام ''کرشن کنوردت شرما،، ہے، ان کا اصل وطن فیروز پور تھا، کتاب کا ابتدائی نام ''یثرب کا چاند،، تھا، بعد میں اس کا نام ''عرب کا چاند'' رکھ دیا گیا، کتاب کے دو حصے ہیں اور 422 صفحات پر مشتمل ہے، پہلا حصہ قبل از اسلام عربوں کے حالات سے ہجرت نبویؐ تک ہے، اس میں واقعۂ ابرہہ سے غار ثور اور نزول وحی تک کے مسلسل واقعات ہیں، دوسرا حصہ سفر ہجرت سے وصال پاک تک ہے۔

کتاب اتنے اعلیٰ ادبی فارسی آمیز اسلوب میں لکھی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید یہ کسی مسلم ادیب کی تصنیف ہو، اس کا ذکر خود ناشر کتاب اور مصنف کے سرپرست جناب حکیم عبداللہ صاحبؒ نے اپنے پیش لفظ میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

''اکثر احباب کا خیال ہے کہ دراصل اس کتاب کو لکھنے والا کوئی مسلمان ہے، اور کسی تجارتی غرض یا تبلیغی مقصد کیلئے اس پرسوامی لکشمن کا فرضی یا اصلی نام لکھ دیا گیا ہے، بلکہ بعض احباب نے تو اس کتاب کا نگارندہ مجھے ہی گردانا ہے، اور تعجب ہے کہ باوجود میرے بار بار انکار کرنے اور اصل معاملہ سے آگاہی دے دینے کے

انہوں نے میری تصنیف نہ ہونے اور سوامی جی کے مصنف ہونے کو باور نہیں کیا۔ غالباً اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو لکھنے کی صلاحیت اور خاص طور پر ادبی رنگ میں پیش کرنے کی اہلیت اہل ہنود میں بہت کم پائی جاتی ہے''۔(24)

یہ اس کتاب کی بڑی انفرادیت ہے، اس سے قبل غیر مسلم اصحاب قلم کی جانب سے سیرت طیبہ کے موضوع پر اردو زبان میں جتنی قلمی کاوشیں سامنے آئیں ان میں کوئی بھی اس کتاب کے ادبی معیار اور زبان معلّٰی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اتنی جچی تلی، شگفتہ وشائستہ اور محبت وخلوص کی شیرینی میں ڈوبی ہوئی زبان شاید ہی کہیں اور مل سکے، اس کے ساتھ ہی مؤلف کے عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

''مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اسے میری کسر نفسی کی بجائے ایک حقیقت پر محمول فرمادیں گے جب میں یہ کہوں کہ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے ،ادب وتاریخ کے امتزاج کا وہ دلفریب مرقع نہیں ہے، جس کی روح نواز تصویر میں نے عالم تصور میں تخیل کے موقلم کی نگار آرائیوں سے تیار کی تھی، وقت کی قلت اور دماغ کی پریشانی کی وجہ سے اس جدت طرازی میں یہ کتاب آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بن کر رہ گئی ہے، اور میں نہایت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ موجودہ صورت میں یہ کتاب نہ گلہائے ادب کا کوئی دلپذیر گلدستہ ہے اور نہ تاریخی حقائق کا کوئی بصیرت افروز مجموعہ، اس لئے میں اس ناچیز تحریر کو کسی علمی وادبی دعوے کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، بلکہ نہایت عاجزی سے اپنی علمی فروما ئیگی اور دماغی انتشار کا اعتراف کرتا ہوا شیدائیان جمال مصطفویؐ اور سوختہ دلان جمال احمدیؐ کی خدمت اقدس میں حضور انور ﷺ سے اپنے عشق جنوں نواز کی ایک دل دوز داستاں کا ایک پھٹا ہوا ورق بطور نذر کے گذرانتا ہوں''۔ (25)

تالیف کتاب کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''موجودہ ہندوستان کے اخلاق سوز حالات اور جاہلیت کے عرب کے

تہذیب سوز واقعات کا تطابق بھی اس امر کا محرک ہے کہ سب سے پہلے اس مصلح اعظم کی حیات طیبہ کے حالات قلمبند کئے جائیں ،جس نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر عرب کے کفرستان میں نورو ایمان کی ایسی روشنی پھیلانے میں محیر العقول کامیابی حاصل کی تھی ،جیسی روشنی کی آج کل کے ہندوستان کو اشد ضرورت ہے۔ ..... یہ کتاب جو میری علمی فروما ئیگی کا ایک افسوناک مظاہرہ ہے، کسی مسلمان دوست کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے معرض تحریر میں نہیں لائی گئی ،اور نہ ہی سردار کائنات ، باعث فخر موجودات، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بآبائنا وامہاتنا ایسی نادرۂ روزگار ہستی کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پاکیزہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوکر آپ کی حیات طیبہ کے انقلاب آفریں واقعات پر تبصرہ کرنے کے لئے اس قسم کا والہانہ طرز نگارش اختیار کر کے ان لوگوں کی جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنا میرا مطمح نظر ہے، جن کے قلوب تعصب اور حسد کے شعلوں سے آتشکدۂ ایران کے ہم سر بنے ہوئے ہیں۔ میں اپنے تئیں کسی ایسی حرکت سے بہت بلند سمجھتا ہوں ،اپنے ضمیر کی آواز کو میں وہ گوہر نایاب سمجھتا ہوں جسے میں کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں''۔ (26)

حضرت محمد ﷺ اور اسلام:

(4)اس کتاب کے مصنف پنڈت سندر لال ہیں،224 صفحات کی یہ کتاب پہلی بار لانگ مین کمپنی کلکتہ سے 1935ء میں شائع ہوئی ، پھر فروری 1942ء میں الہ آباد سے طبع ہوئی ، پنڈت سندر لال اپنا عربی نام'' جمیل احمد'' بتاتے تھے، جو سندر لال کا عربی ترجمہ ہے، کتاب میں سیرت کے تقریباً تمام موضوعات زیر بحث آئے ہیں، بعض یورپی مصنفین کی آراء کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، کتاب کا اسلوب فنی اور علمی نوعیت ہے، اردو کے ساتھ ہندی الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں، اس کتاب میں جہاد وغیرہ کے تعلق سے بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے عفو و درگذر کو خاص موضوع بنایا گیا ہے۔(27)

کلکی اوتار اور حضرت محمد ﷺ:

(5) یہ پنڈت وید پرکاش اپادھیائے کی تصنیف ہے، پنڈت پرکاش بنگال کے ہندو یجر وید برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے، الٰہ آباد کی تحصیل منجھن پور کے قصبہ برہم پور میں پیدا ہوئے، ویدک اور سنسکرت اپنے والد سے پڑھی، الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور ڈی فل کا کورس مکمل کیا، ان کا خاندان سناتن دھرم سے تعلق رکھتا تھا، جو اپنی حد تک توحید کا قائل تھا۔

ویدوں میں کلکی اوتار کے نام سے ایک ہادیٔ کامل کا تصور ملتا ہے، اس کے متعلق جو نشانات، اشارات اور صفات وکمالات بیان کئے گئے ہیں ان کے مطابق اس کا مصداق سرکار دوعالم ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، کلکی کے معنی سفید گھوڑے (براق) کا سوار اور اوتار کے معنی پیغمبر، یعنی حامل براق یا صاحب براق پیغمبر، مصنف نے ویدوں سے ثابت کیا ہے کہ بائبل، بدھ مذہب اور ویدوں میں جس نبی آخرالزماں کی تشریف آوری کا ذکر ہے اس کے حتمی اور قطعی مصداق صرف حضور ﷺ ہیں، مصنف نے ویدوں کے حوالے سے کلکی اوتار (حضرت خاتم النبیین) کے جو خصائص بیان کئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوگا، یعنی صاحب براق اور بہادر ہوگا۔

2۔ تلوار کا دھنی ہوگا، یعنی غزوات کی قیادت کرے گا۔

3۔ علم ودانائی کا مظہر ہوگا، اعلیٰ خاندان کا فرد ہوگا، بے نفسی، انکسار، اور ضبط نفس میں بے مثال ہوگا۔

4۔ صاحب وحی والہام ہوگا، کم گو، سخی، فیاض اور شکر گذار ہوگا۔

5۔ جگت پتی یعنی ہادیٔ عالم ہوگا۔

6۔ چار بھائی اس کے مددگار ہونگے (یعنی خلفاء راشدین)، ظلم کو ختم کرے گا، شیطان کو شکست دے گا، خدا کے فرشتے اس کی مدد کریں گے۔

7۔ اس کا جسم پاکیزہ اور خوشبودار ہوگا، اس کی پیدائش مہینہ کی بارہ تاریخ کو ہوگی۔

8۔ دیانت وامانت میں مشہور ہوگا۔

9۔ والد کا نام وشنو بھگت اور والدہ کا نام سومتی ہوگا، وشنو کا معنیٰ اللہ اور بھگت کا معنیٰ غلام یعنی عبداللہ، سومتی کے معنیٰ امن وقرار والی، یعنی آمنہ۔

10۔ کلکی اوتار کا ظہور شھمبل بستی میں ہوگا، ہندی زبان میں شھمبل کا معنیٰ امن کا گھر یعنی مکہ مکرمہ۔

ظاہر کہ ان تمام اوصاف کا مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ تاریخ انسانی میں اور کوئی نہیں۔(28)

نراشنس وانتم رشی:

(6) یہ بھی پنڈت وید پرکاش اپادھیائے کی ہی کتاب ہے، اس کا معنیٰ ہے: محمد ﷺ بحیثیت خاتم النبیین، اس کو سارسوت ویدانت پرکاش سنگھ نے دہلی سے 1970ء میں شائع کیا، اس میں حضور ﷺ کو آخری نبی ثابت کیا گیا ہے۔(29)

ہندو کی نعت اور منقبت:

(7) نثر کے علاوہ اردو شاعری کے لبادے میں بھی حضور ﷺ کی سیرت پر مستقل کتابیں ہندو شعراء نے لکھی ہیں، جس کو نعتیہ شاعری کہتے ہیں، اس کی بہترین مثال چودھری دلورام کوثری (ساکن ناندڑی ضلع حصار پنجاب) کی کتاب ''ہندو کی نعت اور منقبت'' ہے، اس کو خواجہ حسن نظامی نے مرتب کیا ہے، بیالیس صفحات کی اس کتاب کو جولائی 1924ء میں حلقۂ مشائخ بک ڈپو دہلی نے شائع کیا، چودھری دلورام نے صحابۂ کرام کیلئے بھی منظوم مناقب لکھے، وہ تعصب سے پاک اور رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والے انسان تھے، بطور نمونہ ان کے کلام سے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

تھا مجھے عشق محمدؐ جبکہ یہ عالم نہ تھا
بس خدا ہی تھا خدا حوا نہ تھی آدم نہ تھا

چاند سورج آسماں تارے زمیں دریا نہ تھے
گل نہ تھا گلشن نہ تھا او ر قطرۂ شبنم نہ تھا
آب وآتش صنعت تحلیل میں محلول تھے
خاک میں یہ خاکساری اور ہوا میں دم نہ تھا
عاشق ومعشوق کا راز محبت تھا نہاں
مونس وہمدم نہ تھا اورآشنامحرم نہ تھا
کوثریؔ اس وقت بھی تھامجھ کو عشق مصطفیٰ
آج کل جیسا ہے عشق ایساہی تھا کچھ کم نہ تھا

ان کی شاعری میں بڑی حکمت، والہانہ پن اورندرت بیان ملتی ہے، مثال کے طور پر یہ کلام دیکھئے:

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا
مسلماں مان جائیں لوہاسب تیغ مہند کا
جداکیا لام دلو رام ہے میم محمدؐ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدد سے مشدد کا
محمد ؐ اور دلورام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا
کبھی گنگامیں آڈوبا کبھی کوثر پہ آنکلا
پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجر د کا
محمد ؐ کی شفاعت پر یقیں تھانعت گویوں کو
کسی نے قافیہ باندھانہیں اب تک جو شاید کا
لکھوں کیا کوثریؔ میں کون سا قصہ ہے اب باقی
محمدؐ جب خدا کا ہے خدا جب ہے محمدؐ کا (30)

ہندو مصنفین کی یہ کتابیں سیرت نگاری کا روشن باب ہے، جو ہمارے حضور ﷺ کی رفعت شان اور عظمت مقام کو ظاہر کرتی ہیں، اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ تاریخ انسانی میں ایک حضور اکرم ﷺ ہی کی شخصیت ہے جن کی ذات عالی پر ساری انسانیت بلا امتیاز مذہب وملت جمع ہوسکتی ہے۔

''ان فی ذلک لآیة وماکان اکثرھم مؤمنین''۔ (31)

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

حوالہ جات:

1۔ انجیل یوحنا باب 14 تا 16، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور 1984ء
2۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو۔۔۔ص 132 تالیف مولانا شمس نوید عثمانی، ناشر: روشنی پبلشنگ ہاؤس بازار نصر اللہ خان، رامپور، اگست 1989ء
3۔ رگ وید 12-1
4۔ التوبۃ:128
5۔ اتھر وید 127-20
6۔ سورۂ الم نشرح
7۔ یجر وید 31-18
8۔ النساء:114
9۔ رگ وید 163-1
10۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو۔۔ص 132
11۔ کتاب رائے بہادر کی نعت ص 5، 6، برقی پریس دہلی 1928ء
12۔ عرب کا چاند ص 22، 24 سوامی لکشمن، ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور
13۔ سیرت رسول عربی ص 4، 5 تالیف سردار گوردت سنگھ صاحب دارا پیر سٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن، نومبر 1924ء، دہلی
14۔ رسالہ مولوی دہلی، ربیع الاول 1381ھ، نقوش رسول نمبر ج 4 ص 467
15۔ آفتاب حقانیت المعروف بہ عرب کا چاند ص 23 سوامی لکشمن، ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، 2005ء

16۔ آفتاب حقانیت المعروف بہ عرب کا چاند ص10، 11 سوامی لکشمن، ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور

17۔ ڈاکٹر وید پرکاش، نراشنس وانتم رشی ص 17، 18، اردو ترجمہ: بعثت نبوی کی پیشین گوئیاں، دارالکتب لاہور، 2004ء

18۔ سیرت رسول عربی ص 1 تا 6 تالیف سردار گوردت سنگھ صاحب دارا پبر سٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن، نومبر 1924ء، دہلی

19۔ سیرت رسول عربی ص 10 تالیف سردار گوردت سنگھ صاحب دارا پبر سٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن، نومبر 1924ء، دہلی

20۔ ص14

21۔ ص93

22۔ ص93

23۔ دیکھئے: رام نرائن گپتا کی کتاب شردھے پرکاش دیو کی سوانح عمری، مطبوعہ سنٹرل پرنٹنگ پریس لاہور، 1915ء

24۔ آفتاب حقانیت المعروف بہ عرب کا چاند ص4 سوامی لکشمن، ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، 2005ء

25۔ ص30

26۔ ص26، 27

27۔ سیرت نگاری میں ہندو مصنفین کا حصہ ص126 مضمون نگار نجمہ رانی، و محمد ادریس لودھی شعبہ علوم اسلامیہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

28۔ ڈاکٹر وید پرکاش، نراشنس وانتم رشی ص 64، 65، اردو ترجمہ: بعثت نبوی کی پیشین گوئیاں، دارالکتب لاہور، 2004ء

29۔ سیرت نگاری میں ہندو مصنفین کا حصہ ص126 مضمون نگار نجمہ رانی، و محمد ادریس لودھی شعبہ علوم اسلامیہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

30۔ 'ہندو کی نعت اور منقبت، چودھری دلورام کوثری، ص ے، مرتبہ خواجہ حسن نظامی، ناشر: حلقۂ مشائخ بک ڈپو دہلی، جولائی 1924ء

31۔ الشعراء:8

☆☆☆

حضرت محمد ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

پروفیسر اقتدار محمد خان
(صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

اسلامی علوم فنون پر یورپ کے مصنفین بالخصوص مستشرقین کی قابل ذکر خدمات ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان کے غیر مسلموں نے بھی ان علوم وفنون پر توجہ کی ہے اور اسلامی علوم وفنون کے مختلف شعبوں پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری ہے۔

دنیا میں لاکھوں مصلحین، فلاسفہ وحکماء، مدبرین، عمائدین سلطنت، انسانوں کے خیر خواہ اوران کی فلاح و بہبود کے کام کرنے والے آئے، لیکن انسانی سماج پر جتنے ہمہ گیر اثرات خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی سے مرتب ہوئے، اتنی اثر آفرینی کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ آپ ﷺ کی شخصیت کے سحر، کردار کی عظمت اور اخلاق کی پاکیزگی کی گواہی غیروں نے بھی دی ہے۔آپ ﷺ کی تعلیمات وافکار کی بازگشت دنیا کے ہر خطے میں سنائی دی ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ پیغمبر اسلام کا نام محمد ہے، محمد کے معنی ہیں ''جس کی خوب خوب تعریف کی جائے''۔آج یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں صبح وشام بلکہ ہر لمحہ اور ہر سکنڈ میں آپ ﷺ کی تعریف بیان کی جاتی ہے، لکھی جاتی ہے، سنی جاتی ہے، اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں، غیر مسلموں نے بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ کہا اور لکھا ہے، انھوں نے بھی آپ کی سیرت پر کتابیں لکھیں، پی ایچ ڈی کئے، ریسرچ کئے، دنیا کے سامنے آپ ﷺ کی

عظمت کی گواہی دی۔ اگر ہم تاریخ کے جھروکے میں جھانکیں تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو اسلام کے بدترین دشمنوں نے بھی پرتپاک انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے مفکرین، مؤرخین اور اصحاب علم ودانش پیدا ہوئے جنھوں نے حضرت محمد ﷺ کی ذات، آپ کی اعلیٰ صفات، آپ کی پاکیزہ سیرت، آپ کے بلند اخلاق وکردار، آپ کی عادات شریفہ، آپ کی حکمت عملی اور فکروتدبر کو تسلیم کیا، پھر آنے والی نسلوں کے لئے شہادت کے طور پر سرد قرطاس کیا۔

غیر مسلم دانشوروں میں سے پنڈت سندر لال، جی ایس، دارا، پروفیسر پریتم سنگھ، سردھے پرکاش دیو۔ بی، کے نارائن۔ راما کرشنا راؤ۔ ایم، این رائے۔ ونئے کمار اوستھی۔ پریم سرن پرنت۔ چلوکوری نارائن راؤ اور اچاریہ دنود بھائی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سے متعلق دو طرح کے رویے ہم دیکھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو مطعون کیا، آپ پر بے بنیاد الزام لگائے ہیں، آپ کے اخلاق وکردار میں نقص نکالنے کی جسارت بے جا کی ہے اور انسانی سماج پر آپ کی تعلیمات کے نفی اثرات دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے یہ نتائجِ افکار ان کی مریضانہ ذہنیت کے عکاس ہیں۔ دوسرا رویہ ان انصاف پسند دانشوروں کا ہے، جنہوں نے آپ کی شخصیت کا پوری سنجیدگی ومتانت اور ادب واحترام کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے گرویدہ ہوگئے، آپ کے کردار کی عظمت کا گہرا نقش ان کے دل پر قائم ہوا، انہوں نے اپنی تحریروں میں عقیدت ومحبت کے موتی بکھیرے۔ یہ دونوں انسانی رویے ہمیں یوروپ میں بھی نظر آتے ہیں اور ہندوستان میں بھی۔

ہندوستان میں جب مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آیا تو عیسائی مشنریاں اور ہندو احیاء پرست تحریکیں ان کے خلاف سرگرم ہوگئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے مذہب، تہذیب، معاشرت اور اقدار پر تابڑتوڑ حملے کیے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے درمیان ایسے غیر متعصب مصنفین بھی پائے گے جنہوں نے عقیدت میں ڈوب کر آپ

نے کی سوانح عمری لکھی ہیں، آپ کے اخلاق و کردار کے تابندہ نقوش کو سپرد قلم کیا ہے اور آپ کی تعلیمات کو دل کی گہرائیوں سے سراہا ہے۔

موقع کی مناسبت سے چند ہندو دانشوروں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا، جنہوں نے حضرت محمد ﷺ پر مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ سیرت رسول اللہ ﷺ سے متعلق غیر مسلم ہندی دانشوروں کی چند معروف تصانیف حسب ذیل ہیں۔

ڈاکٹر انور محمود خالد کے بقول سیرت رسول پر ہندی غیر مسلم مصنف کی اردو میں پہلی نثری کتاب لالہ (پنڈت) رلیا رام گولائی کی ''سوانح عمری محمدؐ'' (1892ء) ہے، جو واشنگٹن ارونگ کی کتاب Life of Mohammad کا اردو ترجمہ ہے۔(1) اردنگ کی کتاب انگریزی میں 1850ء میں شائع ہوئی تھی۔ پنڈت رالیارام نے امرت سر سے ''سناتن دھرم پر چارک'' کے نام سے 1886ء میں ایک اخبار بھی جاری کیا تھا۔

1۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام، از شردھے پرکاش دیو جی، طبع اول لاہور، 1907ء۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ لاہور سے 1907ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ بعد کے غیر مسلم مصنفین کے لیے یہ کتاب بنیادی ماخذ بن گئی۔ لیکن عجیب بات ہے کہ کسی نے اس کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ سردھے پرکاش دیو کی کتاب کے بعد سیرت پر دو اہم کتابیں قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی ''رحمۃ اللعالمین'' اور مولانا شبلی نعمانی کی ''سیرت النبیؐ'' منظر عام پر آئیں۔ (اگر چہ ان دونوں کتابوں سے کرشن دیو کی کتاب کا موازنہ کسی بھی لحاظ سے نہیں کیا جا سکتا، لیکن بیسویں صدی کے غیر مسلم سیرت نگاروں میں ان کو تاریخی تقدم حاصل ہے۔)

2۔ رسول عربی، از گرودت سنگھ دارا، طبع اول اعظم گڑھ، سنہ ندارد، غالباً 1924ء۔ اس کتاب کے مصنف سردار گرودت سنگھ دارا (جی ایسی دارا) تھے۔ یہ لاہور ہائی کورٹ میں بیرسٹر تھے اور لندن سے شائع ہونے والے ''انڈیا'' نام کے کسی اخبار یا جریدے کے مدیر تھے۔ اس طور سے کہا جا سکتا ہے کہ مصنف انگریزی و اردو دونوں زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔

3۔ آفتاب حقانیت یعنی عرب کا چاند، از سوامی لکشمن پرشاد، روڈی پنجاب، 1934ء۔432 صفحات پر مشتمل سیرت کی اس مشہور کتاب کے مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہیں جن کا نام سوامی لکشمن پرشاد ہے۔ انہوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کو ایسے ادبی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے نہ صرف داد تحسین نکلتی ہے بلکہ رشک بھی آتا ہے۔ سوامی لکشمن کی تصنیف ''عرب کا چاند'' اب تک ہندو محققین کی جانب سے پیش کردہ نثر نگاری میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

4۔ حضرت محمد ﷺ اور اسلام، از ڈاکٹر پنڈت سندر لال طبع اول الہ آباد، 1942ء۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر پنڈت سندر لال (1983ء) گاندھیائی فلسفہ وفکر کے علم بردار تھے۔ انہوں نے اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، معروف کتاب ''گیتا اور قرآن'' انہی کی تصنیف ہے۔ شروع میں ''دولفظ'' کے عنوان سے مصنف نے ایک صفحہ میں دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''پیغمبر اسلام کی زندگی اور قرآن دونوں کو میں نے اپنے معلم ڈاکٹر مرزا ابوالفضل سے پڑھا ہے''۔

دولفظ کے بعد مقدمہ ہے (ص4 تا13)۔ مقدمہ پنڈت بشمبر ناتھ پانڈے نے لکھا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے آفاقی پیغام ''تحفظ انسانیت'' کو موضوع بناتے ہوئے اس ضمن میں دنیا کے مشاہیر کی آرا نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ ''مجھے یقین ہے کہ دیش واسی اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے اور اسے پڑھ کر اسلام اور اس کے پیغمبر کے بارے میں صحیح صحیح رائے قائم کر سکیں گے''۔(2)

5۔ پیغمبر اسلام، از رگھوناتھ سہائے، (یہ دراصل میلاد نامہ ہے جو 128 صفحات پر مشتمل ہے)۔ تقسیم ملک سے قبل جن اعلیٰ اقدار کی حامل ہندو شخصیات نے ملک میں بھائی پارہ اور یکجہتی کو اپنا نصب العین بنایا ان میں ایک نمایاں نام رگھوناتھ سہائے کا ہے، جنہوں نے یہ کتاب لکھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''میں اپنی محنت سپھل سمجھوں گا اگر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کر کے میرے ہندو مسلمان اور دیگر بھائی ان کی خوبیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔ میری یہ زبردست خواہش

ہے کہ ہم سب اپنے مذہبی اختلافات سے بالاتر اٹھ کر ایک دوسرے کو بلا لحاظ مذہب وملت بغل گیر کر سکیں اور پہلو بہ پہلو دنیا کے کام کر سکیں''۔(3)

اس سوانحی خاکہ کو مصنف نے 21/ابواب میں تقسیم کیا ہے۔مثلاً اسلام سے پہلے عرب کی حالت۔ خاندان اور پیدائش۔ ہجرت۔ اسلامی جنگوں کا زمانہ۔ فتح مکہ۔ آپ ﷺ کی تعلیمات وارشادات وغیرہ۔

6۔ **چار مینار**، از گوبند رام سیٹھی پرشاد، اتحاد پریس لاہور، صفحات 122۔(اس کتاب میں چار عظیم المرتبت شخصیت حضرت محمد ﷺ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رام چندر جی، اور گرونانک جی کے حالات وتعلیمات قلمبند کئے ہیں۔)

7۔ **حیات محمد**، از گووند دایا جنڈ ہوگ (بیکانیری)، ناشر چمن لال ساہنی اینڈ برادرز، لاہور 1932ء۔

8۔ چرن سرن مانک پوری نے ''رہبر اعظم'' نام سے ایک کتاب لکھی۔

9۔ **حضرت محمد ﷺ اور اسلام**، بابو کنج لال ایم اے، جید برقی پریس دہلی۔

10۔ **حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری**، از پروفیسر لاجپت رائے نیر۔

پروفیسر راما کرشنا را:

میسور یونیورسٹی، شعبہ فلسفہ کے سابق صدر و استاذ پر و فیسر راما کرشنا را نے Mohammad: The Prophet of Islam کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کی ہے، جس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔مصنف نے اپنے کتابچہ میں جہاں ایک طرف غیر متعصب مغربی مصنفین اور مستشرقین کے حوالے دیئے ہیں، مثلاً جارج برناڈ شا، پروفیسر میگن، پروفیسر ہر گرونچ، جرمن شاعر گوئٹے، چارلس بوسورتھ، ایڈورڈ گبن، سر چارلس ایڈورڈ، ہملٹن، تھامس کارلائل اور رابرٹ بریفالٹ وغیرہ، دوسری طرف معتدل ہندو دانشوروں سے بھی استشہاد کیا ہے، مثلاً مہاتما

گاندھی، دیوان چند شرما، بسنت کمار بوس اور سروجنی نائڈو وغیرہ۔

موصوف نے آپ ﷺ سے متعلق متعدد الزامات کی تردید کی ہے، مثلاً محمد ﷺ نے اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلایا۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ایسے الزامات کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپ کی تعلیمات میں جمہوریت اور مساوات کو خوب سراہا ہے۔ ان کے مطابق ان تعلیمات کے نتیجہ میں بین الاقوامی اتحاد اور بھائی چارہ کے اصولوں کو آفاقی بنیادیں فراہم ہوئیں، عورت کو میراث کا حق دار قرار دیا گیا۔ بارہ صدیوں کے بعد انگلینڈ نے، جو جمہوریت کا مرکز کہلاتا ہے، عورت کے حق میراث کو 1881ء میں قانونی شکل دی، جب کہ سینکڑوں سال قبل پیغمبر اسلام نے عورتوں کو مردوں سے نصف حق میراث دلوایا تھا۔(4)

اسی طرح صفحہ 18، 19 پر لکھتے ہیں:

''محمد اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ چنانچہ یہودی بھی آپ کی صداقت کے قائل تھے۔ آپ کے کردار میں آپ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاداری اور مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی''۔

پروفیسر موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ کا قلب مبارک محبت اور اخوت سے لبریز تھا۔ آپ زندگی بھر اپنے بدترین دشمن کو بھی معاف کرتے رہے ہیں۔ ذات محمدی ﷺ ایک ایسی گھٹا تھی جو خشک آسمانوں پر پھیل گئی، وہ روشنی کا ایک مینارہ تھی۔ چودہ صدیاں ختم ہوگئیں مگر یہ روشنی اپنی جگہ پر قائم ہے، اور امتداد زمانہ کے باوجود اس چراغ کی لو سے زمانہ آج تک رہنمائی حاصل کر رہا ہے''۔

آپ مزید کہتے ہیں کہ:

''محمد ﷺ کی شخصیت اور اس کی پوری سچائی میں جانا بہت مشکل ہے۔

ہم صرف چند پہلوؤں کو ہی پکڑ سکتے ہیں۔محمد ایک نبی بھی ہیں،محمد ایک سپہ سالار بھی ہیں،تاجر بھی ہیں،خطیب بھی ہیں،مبلغ بھی ہیں،یتیموں کے مولیٰ بھی ہیں،غلاموں کے محافظ بھی ہیں،(مظلوم) عورتوں کے نجات دہندہ بھی ہیں،جج بھی ہیں،ولی بھی ہیں،ان تمام اعلیٰ صفات میں اور انسانی سرگرمیوں میں وہ ایک ہیرو کی طرح ہیں''۔

اسی طرح رانا بھگوان داس لکھتے ہیں کہ:

''اگر آپ نہ آتے تو دنیا کا ظلم بڑھتے بڑھتے اس کو تباہ کر دیتا،اگر آپ نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک تر ہو جاتے۔اگر آپ نہ ہوتے تو انسان ریگستانوں میں پڑے بھٹکتے پھرتے۔جب میں آپ کے جملہ صفات اور تمام کارناموں پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ کیا تھے؟ اور کیا رہے ہوں گے اور آپ ﷺ کے تابع دار صحابیوں نے جن میں آپ نے زندگی کی روح پھونک دی تھی کیا کیا کارنامے دکھائے تو آپ مجھے سب سے بڑے بزرگ، سب سے برتر دکھائی دیتے ہیں''۔

ڈاکٹر این، کے، سنگھ:

ڈاکٹر این، کے، سنگھ (ڈائرکٹر انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجس اسٹڈیز، دہلی) نے Prophet Mohammad and his companions کے نام سے سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کی ایک جامع کتاب تصنیف کی ہے۔اس کتاب میں سیرت نبوی سے متعلق درج ذیل عناوین کے تحت گفتگو کی گئی ہے:

عہد جاہلیت کی مذہبی اور سماجی صورت حال، پیغمبر کی ولادت اور بچپن، حلف الفضول میں شرکت، مذہبی بیداری کا آغاز، نزول وحی، مقصد بعثت، سماجی بائیکاٹ، واقعہ معراج، ہجرت مدینہ، امت کی تشکیل، تعصب، غیر رواداری اور لادینیت کے خلاف محاذ آرائی، مصالحت کی کوشش، آخری حج، وفات، امت کے لیے رہنما خطوط۔

فاضل مصنف نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بڑے متوازن انداز میں گفتگو کی ہے۔

مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''محمد پیغمبر کا نام ایک جدید عہد کی تعمیر کے لیے جانا جاتا ہے۔ مذہبی حلقوں کے درمیان اس غیر معمولی شخص کا کردار بالکل صاف وشفاف ہے۔محمد ﷺ بحیثیت انسان مر چکے ہیں،لیکن یہ حیثیت پیغمبر انہوں نے اپنے پیچھے قرآن وسنت کی شکل میں اثاثہ چھوڑا ہے۔ جو تعلیمات انہوں نے ہمارے واسطے چھوڑی ہیں اگر ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس دنیا میں ایک خوش گوار زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔اسلام اس دنیا کا ایک عملی مذہب ہے جو انسانیت کے دنیاوی مسائل سے دلچسپی لیتا ہے اور حل پیش کرتا ہے''۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان''تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں''پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ کا مذہب عوامی اور اجتماعی تھا۔ یہ کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہ تھا۔ چنانچہ اپنی اسی آفاقیت کے نتیجے میں تمام ایمان لانے والے ایک دوسرے کے عالمی طور پر بھائی تصور کیے گئے اور ان کے درمیان زبان،نسل یا طبقہ کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا اور بڑائی و بزرگی کی بناء خوف خدا اور تقوی قرار پائی''۔(5)

متعصب مصنفین نے عام طور پر یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ عہد نبوی میں ہونے والی جنگوں میں زبردست خون خرابہ ہوا اور بے شمار انسانوں کا قتل ہوا۔ جناب این، کے،سنگھ پرزور الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دس سالہ زندگی کی ان تمام جنگوں میں صرف ڈھائی سو(250) غیر مسلموں کا قتل ہوا، جب کہ مسلمان اس سے بھی کم کام آئے۔ان چند اموات کے طفیل پورے خطہ عرب سے، جو لاکھوں مربع میل پر محیط ہے، انارکی اور بدکرداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دس سال کی ان حقیر کوششوں کے نتیجے میں پورا جزیرہ عرب اور عراق وفلسطین کے جنوبی حصے نے بہ خوشی اسلام قبول کرلیا''۔(6)

نوٹ: قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ عہد نبوی کی کل 83 جنگوں میں 259 مسلمان اور 759 کفار مارے گئے تھے۔(7)

آپ ﷺ کے عدل وانصاف کے متعلق جناب این، کے سنگھ رقمطراز ہیں:

''انہوں نے تعصب سے خالی عدل کا تصور پیش کیا، جس کے نتیجے میں ریاست کا حکم راں بھی عام شہری کی مانند تصور کیا جانے لگا۔ اس ریاست میں مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ مسلم حکومتوں کی غیر مسلم رعایا کو قانون سازی اور تہذیبی امور میں مکمل آزادی حاصل تھی''۔(8)

دھنیت رائے منشی پریم چند:

معروف افسانہ نویس وادیب منشی پریم چند (1936-1880ء) کا ہفت روزہ پرتاپ، دسمبر 1925ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس کی تلخیص 'اسلامی تہذیب' کے نام سے مدھر سندیش سنگم سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں انہوں نے تہذیب کے تعین نمونوں (عدل وانصاف۔ مساوات۔ اخوت) سے بحث کی ہے اور ان میں اسلام کی امتیازی شان کو نمایاں کیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے ذریعہ اپنی بات مدلل کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی وہ ہمیشہ اسلامی زندگی کے لیے آب حیات کا کام کرتی رہے گی۔ اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل وانصاف، اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل وانصاف گونج رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: 'اے مومنو! میری باتیں سنو اور اسے سمجھو، تمہیں معلوم ہو کہ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہاری ایک ہی برادری ہے۔ ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ خوشی کے ساتھ نہ دے دی جائے۔ نا انصافی مت کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو۔ اس پیغام جاوداں میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے۔ اسلام کی بنیاد عدل پر مبنی

ہے۔ وہاں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب کے لیے فقط ایک انصاف ہے۔ کسی کے ساتھ رعایت نہیں، کسی کی طرف داری نہیں''۔(9)

محمد ﷺ کے سوا دنیا میں کون ایسا مذہبی پیشوا ہوا ہے جس نے خدا کے سوا کسی انسان کے سامنے سر جھکانا گناہ ٹھہرایا ہو؟ (10) حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے''۔ ان کا یہ قول سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے: ''خدا کی تمام مخلوق اس کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کا برگزیدہ ہے جو بندگان خدا کے ساتھ نیکی کرتا ہے''۔(11)

''ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام الناس کے لیے جتنی قوت کشش ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔ جب نماز پڑھتے وقت ایک مہتر خود کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں احساس فخر کی ترنگیں نہ اٹھنے لگتی ہوں گی؟ اس کے برعکس ہندو سماج نے جن لوگوں کو پست بنا دیا ہے ان کو کنویں کی منڈیر پر بھی نہیں چڑھنے دیتے۔ انہیں مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ اپنے سے ملانے کی نہیں، اپنے سے الگ کرنے کی علامتیں ہیں۔(12)

راجیند رنارائن لال:

جناب راجیند رنارائن لال کی پیدائش 1916ء کو بھرت پور، راجستھان میں ہوئی، ان کی تعلیم وتربیت وارانسی، یوپی میں ہوئی۔ کیونس کالج سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد کاشی ہندو یونیورسٹی بنارس سے 1940ء میں قدیم ہندوستانی تاریخ اور سنسکرت میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں شروع ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا۔ امن وشانتی کی تلاش میں انہوں نے ہندو مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا۔ انہوں نے ہندی میں ''اسلام: ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون دیوستھا'' (اسلام۔ ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے ابتدا میں

بدھ ازم، عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا نہایت مدلل انداز میں ازالہ کیا ہے۔ اسلام کا تعارف کراتے ہوئے ابتدا میں پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی جانب سے عفو عام کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جناب راجندر لال نے لکھا ہے:

''اسلام لانے کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی وہ گویا اس کی تاریخی حیات نو ہے۔ سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد کی قیادت میں فتح مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں گئی (سوائے دو تین نہایت سرکش لوگوں کے) اور پیغمبر اور ان کے پیروؤں نے اپنے اپنے دشمنوں کے مظالم کا بدلہ وانتقام لیے بغیر انہیں چھوڑ دیا۔ تاریخ میں جنگ کے بعد فاتحین کے ذریعہ مفتوحین کو اس طرح اجتماعی طور پر معافی دینے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے برعکس دیگر دھارمک پرانوں کے قصوں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کے ذریعہ سے مخالفین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے''۔(13)

آپ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ گزاری۔ آپ کسی امتیاز کے بغیر بھی مذاہب اور طبقات کے لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ آپ اس قدر سخی تھے کہ قرض لے کر بھی دوسروں کی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے۔ آپ کے اندر کسی طرح کی بھی اخلاقی برائی نہیں پائی جاتی تھی۔ آپ سراپا صداقت، امانت، پاکیزگی وطہارت، رحم وکرم اور امن وسلامتی کے پیام برادر سخاوت ورحمت کا مظہر تھے۔ صرف دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے زندہ رہے۔ آپ کی نیکی کی کوئی حد نہ تھی، محنت ومشقت کی عظمت کے لیے دوسروں میں مساوات، بھائی چارہ اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے، آپ نے جنگ اور امن کسی بھی حالت میں ایسا کام نہ کیا جس کی وجہ سے لوگ آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھیں۔ آپ جنگ اور

امن میں حیرت انگیز طور پر رحم دل اور درگزر کرنے والے تھے''۔(14)

رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام سے متعلق جو جدو جہد اور اس راہ میں جو اعلی اخلاق کا مظاہرہ کیا اس کو جناب راجندر لال نے اپنی کتاب میں بہت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

سوامی لکشمن شنکر اچاریہ:

سوامی لکشمن شنکر اچاریہ کانپور کے ایک برہمن خاندان میں 1953ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کانپور اور الہ آباد سے تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ کے بعد روحانیت کی طرف مائل ہو گئے۔ اسلام کے خلاف ہونے والے پروپگنڈے سے متاثر ہو کر 'اسلامک آتنک واد کا اتہاس' نامی کتاب لکھی، جس کا انگریزی ترجمہ The History of Islamic Tolerence کے نام سے شائع ہوئی۔ بعد میں سوامی جی کچھ مسلمانوں کے رابطے میں آئے، جنہوں نے انہیں آگاہ کیا کہ اسلام کی حقیقت جاننے کے لیے قرآن کا مطالعہ براہ راست یا کسی ترجمہ کی مدد سے کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے اس ذات گرامی کا مطالعہ بھی ضروری ہے جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔ سوامی جی نے اس بات کو سنجیدگی سے لیا۔ ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور ایک سیرت کی کتاب حاصل کی۔ ان کا مطالعہ کرتے ہی سوامی جی کی کایا پلٹ گئی اور اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے تمام اعتراضات کافور ہو گئے۔ انہوں نے ضروری سمجھا کہ اپنے سابقہ خیالات کے لیے ایک نئی کتاب تالیف کریں۔ ان کی یہ نئی کتاب ہندی میں 'اسلام- آتنک واد یا آدرش'، اور اردو میں 'اسلام- دہشت گردی یا ایک مثالی دین' کے نام سے شائع ہوئی۔ سوامی جی نے اپنی مؤخر الذکر کتاب کے پیش لفظ میں اپنی فکری روداد سفر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''میں اللہ سے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے اور کبھی مسلمان بھائیوں سے علی الاعلان معافی مانگتا ہوں اور لاعلمی میں لکھے ہوئے یا بولے ہوئے الفاظ کو واپس لیتا ہوں۔ عوام سے میری اپیل ہے کہ 'اسلامی دہشت گردی کی تاریخ' نامی میری کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اسے صفر سمجھیں''۔(15)

سو(100)صفحات کی اس کتاب میں شنکر آچاریہ نے بہت سے موضوعات کا احاطہ کا ہے۔ انھوں نے اسلام پر لگائے جانے والے دہشت گردی کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے، عدل وانصاف، مساوات اور قرآن کی دیگر اخلاقی و روحانی تعلیمات کو سراہا ہے، سناتن ویدک دھرم اور اسلام میں بہت سی مماثلتیں بیان کی ہیں۔

سوامی لکشمی اچاریہ کی اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی ایسے ہندو مصنف کی کتاب پڑھ رہے ہیں جو کبھی خود اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتا تھا اور دہشت گردی کا رشتہ اسلام اور مسلمانوں سے جوڑتا تھا۔

موہن داس کرم چند مہاتما گاندھی جی:

موہن داس کرم چند مہاتما گاندھی جی کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ مغرب خطرناک تاریکی میں بھٹک رہا تھا مشرق میں روشن ہونے والے اسلام کے بلند سورج نے مستحق عذاب دنیا کو روشن و منور کر دیا اور باشندگان دنیا کو سلامتی، راحت وطمانیت بخشا۔ دین اسلام باطل مذہب نہیں، جب بھی ہندوؤں نے اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور اسکے بارے میں تلاش وجستجو کی ہے تو وہ اس کے ایسے ہی گرویدہ ہو گئے جیسا میں اس کا گرویدہ ہوں۔

پنڈت گوپال کرشن:

پنڈت گوپال ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی، ''مہا پرش'' کے عنوان سے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

''رشی محمد صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان کو سنسار سدھارنے کے لئے بھیجا تھا، ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر اور ایک مہا پرش (ہستی اعظم) میں ہونی چاہیے، وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لئے پیغام رحم وکرم تھے، آپ کی تعلیم میں ایک چمکتا ہوا ستارہ یہ بھی ہے کہ وہ امیر وغریب کو ایک ہی سطح پر

زندگی بسر کرنے کا ڈھب سکھلاتے تھے، آپ کا قول تھا کہ غریب کے پہلو میں بھی دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش اور برے سلوک سے ناخوش ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے عناد و تعصب کی بنیاد پر حضرت محمد ﷺ کے خلاف کتابیں لکھیں جن میں سیرت کا مواد موجود ہے، مثلاً سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش۔ پنڈت لیکھ رام کا رسالہ جہاد کی حقیقت، راہ نجات اور رام پال کی نخل اسلام اور تہذیب الاسلام میں مخالفانہ روش کو پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح مہا کرشن کی ''رنگیلا رسول'' اور راجپال نتھو رام کی ''ہسٹری آف اسلام'' اس بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ اردو نثر میں سیرت رسول، ناشر اقبال اکادمی پاکستان، لاہور 1989ء، ص 468۔
2۔ ص:13
3۔ رگھوناتھ سہائے، عرض حال، یکم فروری 1947ء۔
4۔ محمد، دی پروفٹ آف اسلام، ص:11۔
5۔ ص:10۔
6۔ ص:17۔
7۔ رحمۃ للعالمین: قاضی محمد سلیمان منصور پوری
8۔ ص:21۔
9۔ ص:7-6۔
10۔ ص:9۔
11۔ ص:12-11۔
12۔ ص:14۔
13۔ ص:32-31۔
14۔ ص:32۔
15۔ ص:11۔

☆☆☆

ہندوستانی غیر مسلموں کی سیرت نگاری: ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد ممتاز عالم رضوی
(اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسیٹی پٹنہ)

ہندوستانی غیر مسلم سیرت نگاروں کے مقاصد:

مستشرقین کے بر خلاف بیشتر ہندوستانی غیر مسلم سیرت نگاروں کا خاص مقصد باہمی رواداری کا فروغ اور آپسی صلح وآشتی کی فضا کو ہموار کرنا تھا چنانچہ ''کلکی اوتار اور حضرت محمد'' کے مصنف نے لکھا ہے:

> ''نام سے کوئی شخص ہندو، مسلمان یا عیسائی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر ''سراج الحق'' کو ''ستیہ دیب''، ''عبداللہ'' کو ''پنڈت رام داس'' یا ''رام یش'' اور ''عبدالرحمٰن'' کو ''بھگوان داس کہوں تو بیجا نہ ہوگا، کیونکہ ان ناموں کا سنسکرت مفہوم یہی ہوتا ہے۔ میرے نام کا عربی ترجمہ نورالہدی ہے، اگر وہ چاہیں تو مجھے نورالہدی بھی کہہ سکتے ہیں، اللہ تعالی سے میری دعا ہے میری تحقیقی کتاب لوگوں میں نیک خیال پیدا کرے اور بنی نوع انسان فلاح یاب ہو''۔(1)

اس کتاب کا انتساب جن کے نام سے کیا ہے ان کے اوصاف پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب رواداری کے فروغ کے لئے ہی لکھی گئی ہے۔ مصنف کا جملہ ہے'' عالی جناب وووودھوری دھورے، ودوانوں کے محور اختیار کرنے والے، پنڈتوں کے علمی غرور کو توڑ کر چور چور کرنے کا علاج بنے ہوئے، وحدت انسانیت کے حامی، اصلوں سے متزین شعور رکھنے والے نظائر وفلسفہ سے اچھی راہوں

کی نمائش کرنے والے''۔(2)

رسول عربی کے مصنف جی ایس دارایک درویشانہ صفت رکھنے والے آدمی ہیں، وہ ایک ایسی فضا میں جینے کی آرزو رکھتے ہیں جہاں رشوت ستانی کا نام نہ ہو، اسی فضا کی تلاش میں وہ تحصیلداری کی نوکری سے مستعفی ہوجاتے ہیں اورلندن میں مقیم ہوکر اخبار'' ہند'' نکالنا شروع کرتے ہیں۔مگر یہاں کی فضا میں بسنے والے برصغیر کے باشندوں میں پائی جانے والی منافرت جس کی انتہا مذہبی رہنماؤں کی شان میں گستاخیوں پر ہوتی ہےاورنتیجہ فرقہ وارانہ فساد کی شکل میں نکلتا ہے، سے پر درد ہیں، چاہتے ہیں، مسلمانوں کے پیغمبر کی اصلی زندگی لوگوں کے سامنے آجائے ان کی اسی سعی کا نام ''رسول عربی'' ہے۔اپنی اس تصنیف کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''خیال تھا کہ قومی کام کی منزل اگرچہ کٹھن تو بڑی ہوگی لیکن کم ازکم اتنا تو ہوگا کہ یہ راستہ تعصب کے کانٹوں سے صاف ہوگا۔مگر یہ بھی ایک خیال خام ثابت ہوا۔اکثر راہ نمایان قوم کے اندرونی رویے اور بیرونی گفتگو میں میں نے بڑا بھاری تفاوت پایا۔ہندو مسلم تنازعات تو میں نے بکثرت دیکھے سنے تھے۔مگر اندرونی ریشہ دوانیاں جو جانبین کے راہ نمایاں ایک دوسرے کے خلاف کیا کرتے تھے ان کا علم مجھے لاہور سے بھی کہیں بڑھ کر یہاں لندن میں ہوا''۔(3)

موصوف مذہبی شخصیات پر ہونے والے حملوں سے بے تاب ہو جاتے ہیں، اور جن شخصیتوں کو مجروح کرنے کی کوشش ہوتی ہے ان کے صحیح حالات کے مطالعہ کی ٹھان لیتے ہیں، جن مذہبی رہنماؤں پر حملے ہوئے ان میں صرف ان کے مذہبی پیشوا گرونانک یا سکھ ہی نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، ان پر ہونے والے نازیبا قلمی ولسانی تبصروں نے انہیں ان کی زندگی کے مطالعہ کی ترغیب دلائی۔خود لکھتے ہیں:

> ''میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں پیغمبر اسلام کی زندگی کے حالات پڑھوں اور جو جو باتیں میں نے سنی ہیں ان کی تصدیق یا تردید کی جستجو کروں۔پہلی

دفعہ میں نے اس مضمون پر ایک کتاب دیکھی تو اس کے پڑھنے سے مجھے از حد دلچسپی پیدا ہوئی۔ جوں جوں میرا مطالعہ بڑھتا گیا اتنی ہی آنحضرت کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی''۔(4)

''عرب کا چاند'' کے مصنف ''لکشمن پرساد'' نے اپنی سیرت نگاری کا مقصد بیان کرتے ہوئے عرب کے دور جاہلیت اور ہندوستان کے اس وقت کے حالات کا موازنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جن حالتوں سے عرب کا دور جاہلیت دوچار تھا بالکل وہی حالت ہندوستان کی ہے۔ مگر اب عرب کے پیغمبر یا کسی اور پیغمبر کا کوئی امکان نہیں ہے، ہاں عرب کو اجالا بخشنے والے چاند کی روشنی سے اپنی راتوں کو منور کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''موجودہ ہندوستان کے اخلاق سوز حالات اور جاہلیت کے عرب کے تہذیب سوز واقعات کا تطابق بھی اس امر کا محرک ہے کہ سب سے پہلے اس مصلح اعظم کی حیات طیبہ کے حالات قلمبند کئے جائیں جس نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر عرب کے کفرستان میں نور وایمان کی ایسی روشنی پھیلانے میں محیر العقول کامیابی حاصل کی تھی۔ جیسی روشنی کی آجکل کے ہندوستان کو اشد ضرورت ہے''۔(5)

''حضرت محمد اور اسلام'' کے مصنف پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب کو خود چھاپنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ وہ مختلف مذاہب وشخصیات پر جامع کتاب تصنیف کر رہے تھے اس میں ایک باب اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں تھا۔ ارادتمندوں کے اصرار پر اس کی طباعت کی گئی۔ ناشر نے لکھا ہے:

''پنڈت سندر لال کئی سال سے دنیا کے دھرم، مذہب اور کلچر پر ایک بڑی کتاب لکھ رہے ہیں جو کئی وجہوں سے ابھی پوری نہیں ہوسکی، ''حضرت محمد اور اسلام'' اسی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ کچھ دوستوں کے کہنے پر اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے الگ سے چھاپ کر نکالا جارہا ہے''۔(6)

''سوانح عمری حضرت محمد صاحب'' کے مصنف نے اپنی تصنیف کے حوالے سے لکھا ہے:

''ہماری خواہش ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو ہر ملک اور ہر مذہب کے

بزرگ اشخاص کی زندگی کے حالات سے واقف کیا جاوے۔ اس لئے ہم پر محمد صاحب کی سوانح عمری کا لکھنا بھی فرض تھا''۔(7)

ان چند کتابوں کے اقتباس سے یہ واضح ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلموں نے سیرت نگاری کسی جذبہ عداوت میں نہیں تشہیر الفت ومحبت کے لئے اپنایا ہے تاکہ قومی یکجہتی اور رواداری کی فضا قائم ہواور مختلف مذاہب کے لوگ دوسرے مذہب کے رہنماؤں کو بھی عزت وتوقیر دے جو وہ اپنے رہنماؤں کو دیتے ہیں۔کبھی اگر کچھ کہنا ہوتو وہ کہیں جو سچائی پر مبنی ہے بے سروپا کی باتیں نہ اڑائے۔اس ملک میں امن کی فضا اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے۔اب ہم ان کے اسلوب کا جائزہ لیتے ہیں۔

غیر مسلموں کی سیرت نگاری کے اسلوب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ادب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر قلم اٹھانے سے پہلے ہر مسلمان مصنف یہ اعتراف کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ میں اس خواجہ عالم کی زندگی پر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا، میں صرف اس جذبے سے کام کررہا ہوں کہ ان کے ثنا خوانوں میں میرا نام آجائے،خواہ نثر نگار ہو یا نظم نگار سب کہتے نظر آتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اس لئے مسلم سیرت نگاروں کو سیرت کے حوالے سے جو کچھ مواد ملتا ہے قبول کر لیتے ہیں، اس پر تنقید کی جسارت کو جرم سمجھتے ہیں،جن لوگوں نے سیرت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے انہوں نے بھی ادب واحترام کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔اسی روش کی پیروی کرتے ہوئے غیر مسلم سیرت نگار ادب و احترام کا لحاظ اپنے طریقے سے کرتے ہیں اور وہ اپنے مقدس ترین ہستیوں کو جو خطاب دے سکتے ہیں اسی خطاب سے ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتے ہیں۔ممکن ہے ہمارے نزدیک وہ افراط یا تفریط

ہومگران کا مقصد صرف اور صرف احترام کا اظہار ہے۔ان میں بعض وہ ہیں جو جب بھی آپ کا نام گرامی لکھتے ہیں تو لاحقہ کے طور پر صلی اللہ علیہ وسلم یا صلعم یا ص یا صاحب کا التزام کرتے ہیں، اور سابقہ کے بطور کہیں حضرت محمد یا صرف محمد صاحب یا آنحضرت کہتے ہیں۔شردھے پرکاش نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ آپ کے نام کے ساتھ صاحب کا استعمال کیا ہے چناچہ شردھے پرکاش دیو لکھتے ہیں:

''جس طرح ہندوستا کو شاکیہ منی گوتم عرف بدھ اور راجہ رام موہن رائے، اور فارس کو زردشت اور چین کو کنفیوشش اور یہودیوں کو حضرت عیسی کے وجود پر فخر ہے، ویسے ہی ریگستان عرب کے لئے محمد صاحب کا وجود اس کی عزت وعظمت کا باعث ہے بلکہ آنحضرت کی ذات سے جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئے''۔(8)

کبھی نام لئے بغیر صرف حضرت لکھ کر پیغمبر کا ذکر تے ہیں جیسے کہ'' عکرمہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت اپنی بیوی کو بطور سفارشی ہمراہ لایا''۔

محمد صاحب کہنے سے چونکہ مسلم سیرت نگار گریز کرتے ہیں اس پر ممکنہ اعتراض کا مکمل تسلی بخش جواب تیسرے یڈیشن میں محمد اعظم صاحب کی تحریر کو شامل کر کے دیا ہے جس کا آخری جملہ ہے ''لفظ صاحب بہر وجہ آپ کے نام مبارک کے ساتھ تعظیمی ہے محل اعتراض نہیں۔

''کلکی اوتار اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مصنف نے ہندوستان کے اوتاروں کے نام کو ہندوستانی روایات میں لکھا ہے جب کہ پیغمبروں کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور حضرت محمد کے نام کے ساتھ جگہ جگہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا التزام کیا ہے یہ اقتباس دیکھئے:

''مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں اور ہندوستان میں کلکی کو آخری اوتار کہا گیا ہے''۔(9)

صفحہ 21 پر حضرت عیسی علیہ اسلام کے نام کے ساتھ علیہ السلام۔صفحہ 22 پر ہے'' حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سے سنسکرت زبان کا زوال شروع ہوا''۔

''رسول عربی'' کے مصنف نے ہر جگہ آپ کا آپ کے ازواج اور آپ کے اصحاب کا ذکر کیا ہے توص یا رض لکھنے کا التزام کیا ہے، ممکن ہے جو کتابیں انہیں دستیاب ہوئی ہو اس میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہو اس لئے یہ طریقہ مسلمانوں کے یہاں بھی رائج ہے اسی طریقے کی پیروی انہوں نے کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں'' دھوم دھام سے خوشی منائی گئی اور بچے کا نام نامی اسم گرامی محمد ص رکھا گیا''۔

زباں پہ بار خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے میری زباں کے لئے (10)

لکشمن پرساد نے اپنی کتاب کو جس زبان و بیان میں لکھا ہے کہیں سے نہیں لگتا ہے کہ یہ غیر مسلم کی تصنیف ہے، مگر علم پہ کس کی اجارہ داری رہی ہے؟ خدائے تعالی کی یہی وہ نعمت ہے جو سب کے لئے عام ہے، جو محنت کرتا ہے علم اسی کا مقدر ہوتا ہے، ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہیں جو ہندی و سنسکرت میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہزاروں غیر مسلم ہیں جو اردو زبان و بیان پہ قدرت رکھتے ہیں۔ بالخصوص اردو ادب کی دنیا جس طرح حالی کے بغیر بدحال رہے گی ایسے ہی رگھو پتی سہائے فراق کا فراق بھی اسے خون کے آنسو رلائے گا۔

رسول عربی کے مصنف نے سیرت رسول لکھنے میں ان تمام امور کو ملحوظ خاطر رکھا ہے جو ایک عشق رسول سے سرشار سیرت نگار رکھ سکتا ہے وہ لکھتے ہیں'' موجودہ دور کے ہندوستان کے سامنے جس عظیم المرتبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات رکھے جا سکتے ہیں میرے خیال میں وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے؛ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔(11)

انہوں نے کہیں آپ ص تو کہیں حضور انور کہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آفتاب حقانیت، سرور کائنات، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضور اقدس، حضور اکرم وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ان کی تحریر میں جو احترام ملحوظ ہے اس کی ایک جھلک دیکھئے:

'' قارئین کرام اب ہم سرور کائنات سرور عالم پیکر رحم و کرم، مجسمہ عفو و در گذر و داعی عدم تشدد و صلح جو اور صلح کل نبی نبی اکرم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیات مطہرہ کے اس ہنگامہ خیز زمانہ پر آ گئے جہاں آ کر انہیں مجبوراً اور بادل نا خواستہ حکم دینا پڑا کہ اگر فرزندان اسلام خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسلام کو زندہ دیکھنے اور زندہ رکھنے کے تمنائی ہیں تو شمشیر باطل شکن کے قبضہ پر حق کی حمایت اور باطل کی مدافعت کے لئے ہاتھ ڈالیں''۔(12)

غیر مسلم سیرت نگار اور نبوت ورسالت:

مستشرقین اور دوسرے عناد پسند لوگوں نے پیغمبر کو عام انسان منوانے کی بڑی تگ ودو کی ہے وہ رسول اللہ کو صرف بحیثیت انسان ہی متعارف کروانا چاہتے ہیں اس لئے ان کی زندگی کے ان حالات پر زیادہ زور دیتے ہیں جو بشری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں مگر انہیں مقام نبوت ورسالت کہیں نظر نہیں آتا۔ جب کتابوں کے حوالے سے رسول اللہ زندگی ان کے سامنے آتی ہے تو وہ طائف کے باشندوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ خدا کرے کہ اہل طائف کی طرح ان کے بھی حالات بدلے۔ ہندوستان کے بیشتر غیر مسلم سیرت نگار ان کے مقام نبوت ورسالت کو سلامی دیتے نظر آتے ہیں بالخصوص ''کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا ہی نہیں خاتم النبیین ہونے کا اعلان ہے وہ لکھتے ہیں:

''اسلامی روایات میں جو مقام رسولوں' نبیوں یا پیغمبروں کا ہے وہی مقام ہندوستانی روایات میں اوتار کا ہے، مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں اور ہندوستان میں کلکی کو آخری اوتار کہا گیا ہے''۔(13)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اب میں اللہ کا نام لے کر آخری اوتار (حضرت خاتم النبیین صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کا بیان پیش کروں گا''۔(14)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرتے ہوئے انہوں نے لفظ اوتار کی تشریح کی ہے اور بتا

یا ہے کہ اس کا لفظی معنی زمین پر آنا ہے اور اصطلاحی معنی ہے'' لوگوں کو خدا کا پیغام سنانے والے بزرگ کا زمین پر مبعوث ہونا ہے (ایضاص 24) ایشور کے اوتار کی تشریح میں لکھا ہے کہ'' اللہ سے وابستہ'' پھر وضاحت کیا ہے کہ اللہ سے وابستہ انسان اللہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہے یہ خوبی تو ہر پیغمبر میں ہوتی ہے مگر جو سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کرے اسے سنسکرت میں'' کیری'' اور عربی میں'' احمد'' کہا جاتا ہے نہ خدا کی تعریف کرنے میں ان کا کوئی ثانی ہے اور نہ ہی ان کے فیض رسانی کا کوئی جواب ہے وہ لکھتے ہیں'' ہر ملک وقوم کے لئے علیحدہ علیحدہ اوتار ہوئے ہیں کیونکہ ایک اوتار (نبی) سے تمام ملکوں اور قوموں کی بھلائی غیر متوقع ہے لیکن آخری اوتار (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات اور ہے کیونکہ جب اس کا ظہور ہوگا تب اس کا دین تمام اقوام واوطان میں پھیل جائے گا۔(15)

اس کے بعد انہوں نے انبیاء یا اوتار کے اسباب کے نزول میں نمبر وار 13 انسانی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جب ایسے حالات ہوتے ہیں تب اوتار کا ظہور ہوتا ہے آخری اوتار کے ظہور کے وقت جیسے حالات ہوں گے اس کی تفصیل نمبر وار ذکر کرنے کے بعد آخری نبی یا اوتار کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے، جو خصوصیات انہوں نے بیان کئے ہیں انھیں پڑھ کر اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ پہلے انہوں نے کلکی کے متعلق بشارت پڑھی ہے یا پہلے نبی کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے، ان کی تحریر سے واضح ہے کہ انہیں جب معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تب انہوں نے کلکی کے ظہور کے آثار قرائن قدیم کتابوں میں تلاش کئے اور پھر سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا۔ خود لکھتے ہیں'' کلکی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تقابلی مطالعہ کو پڑھ کر لوگوں یہ مغالطہ نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتوں کی بنیاد پر کلکی کی خیالی روداد بنائی گئی ہے میں نے جن قدیم مذہبی کتب کا سہارا لیا ان میں پرانوں کے دور تصنیف کو اندرونی اور بیرونی دلائل سے ثابت کروں گا۔(16)

کلکی اوتار کی دس خصوصیات کا نمبر وار ذکر کیا ہے (1) شہسواری (2) شمشیر برداری (3) اشٹ ایشویہ گنا نوت (آٹھوں صفات اعلی کا حامل ہونا (4) جگت پتی؛ عالم کی حفاظت کرنے والا (5) اسادھو ومن بدکاروں کو مارنے والا (6) چار بھراتاو کے ساتھ (یعنی چار مددگار

(7) دیوتاووں (ملائکہ) کے ذریعے ان کی مدد (8) کلی کو بھگانے والا؛ شیطان کو شکست دینے والا (9) اپریتم دیوتی (بے مثل حسین (10) نرپ لنگ چھدی دسیون؛ راجا کے بھیس میں چوروں کو مٹانے والا (11) انگ راگاتی پنیہ گندھا؛ جسم سے خوشبو کا پھوٹنا (12) بہت بڑے سماج کا اپدیشک بننا (13) مادھو ماس کی دوادشی شکل پکش میں جنم؛ ربیع الاول میں ولادت (14) شمبھل کے پردھان پروہت کے گھر میں ولادت۔

جس عرقریزی سے انہوں نے اپنے مواد اکٹھے کئے ہیں جن علامتوں کو بیان کیا ہے اور پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان شواہد کو تلاش کر کے لکھا ہے کون کہہ سکتا ہے آخری نبی اس کے مصداق نہیں ہیں۔ وہ اس بات پر ہی نہیں زور دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں بلکہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ آخری نبی ہیں اور وہ اس بات کی دعوت تک دیتے ہیں'' بھارتیہ (اہل ہنود) جس کلکی کو اوتار مانتے ہیں مسلمان اسی کلکی کے پیروکار ہیں کلکی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بھارتیوں کے ساتھ بڑی بھلائی کریں گے یعنی نجات دلائیں گے اس جذبہ کے تحت سب بھارتی کلکی پر ایمان لائیں کیونکہ وہی آخری اوتار ہیں جو شہسوار اور شمشیر بردار ہیں۔ اب آگے جو زمانہ آرہا ہے وہ گھوڑوں اور شمشیروں کے دور سے کافی دور ہوتا جارہا ہے۔(17)

رسول عربی کے مصنف نے اپنی کتاب کا نام حضرت محمد کے سب سے اہم وصف رسالت پر رکھا ہے ان کی آمد اور عرب کی قسمت کو خراج پیش کرتے ہیں اے عرب تو نے نیا جنم پایا کیونکہ تجھے رسول خدا ہاتھ آیا۔(18)

''عرب کا چاند'' کی ایک ایک سطر سے عشق رسالت کی خوشبو پھوٹتی ہے، ہر جگہ آپ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ خاتم النبیین' رسول اکرم اور پیغمبر اخدا وغیرہ لفظوں سے ذکر رسالت مآب کیا گیا ہے ایک اقتباس دیکھئے:

> ''سرور کائنات' فخر انسانیت' بنی آخر الزمان پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کے انیسویں دادا کا نام نامی اور اسم گرامی مضرتھا''۔(19)

پنڈت سندر لال رسول اللہ کی پیغمبری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''اس میں بھی شک نہیں کہ کھوجی اور بے چینی محمد کو ٹھیک اسی طرح اور اسی طرح کی حالتوں میں اپنے بھیتر یا اپنے پرماتما سے روشنی ملی جس طرح دنیا کے کسی بھی بڑے بڑے پیغمبر درشٹا یا دھرم چلانے والے کو کبھی ملی ہے''۔(20)

سوانح عمری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف نے لکھا ہے:

''محمد صاحب سے پہلے بھی دنیا میں بہت سے نبی گزر چکے تھے اور ان میں سے بعض جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے لیکن ان کی رسالت اور آنحضرت کی رسالت میں بڑا فرق یہ تھا کہ وہ صرف اپنے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت کو اپنا فرض سمجھتے تھے حضرت موسیٰ کی نبوت اور اوران کی کل زندگی بنی اسرائیل اور ان کے ہی معاملات میں صرف ہوئی حضرت مسیح بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ میں بنی اسرائیل کی بھٹکی بھیڑوں کو راستہ دکھانے آیا ہوں۔ چنانچہ انہیں کی ہدایت میں لگے رہے لیکن آنحضرت ص نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بنی اسمعیل کی ہدایت کے لئے آیا ہوں انہوں نے بنی اسمعیل اور بنی اسرائیل کو ایک آنکھ سے دیکھا بلکہ انہیں اور تمام دنیا کو اپنا بھائی جانا اور سب کو یکساں محبت اور دردمندی سے پیغام الٰہی سنایا''۔(21)

اسلام اور پیغمبر اسلام سے عناد رکھنے والوں نے جن پہلوؤں کو خاص طور سے پیش نظر رکھا ہے وہ جنگ و جہاد اور کثرت ازواج ہے اس کے برخلاف ہندوستانی غیر مسلموں نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اس کی عقلی توجیہ بھی ہے۔

کثرت ازواج اور غیر مسلم سیرت نگار:

''محمد صاحب اور اسلام'' کے مصنف نے پیغمبر اسلام کی پہلی شادی اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''محمد صاحب کی محنت اور امانتداری سے خدیجہ کو بہت لابھ ہوا آخر ایک بار ان کے شام

سے مکہ لوٹنے پر خدیجہ نے ان سے شادی کی بات کہی۔ وہ راضی ہو گئے۔ محمد صاحب کی یہ پہلی شادی تھی، دونوں کی عمر میں بڑا فرق تھا، محمد صاحب کی عمر شادی کے وقت 25 اور خدیجہ کی چالیس تھی پھر بھی یہ شادی زندگی میں دونوں کے لئے بڑی با برکت ثابت ہوئی اور آخر تک دونوں میں پریم رہا (22) انہوں نے پیغمبر کی شادیوں پر باب باندھ کر تفصیلی گفتگو کیا ہے ایک ایک شادی کے مقصد کو واضح کیا ہے اور اخیر میں لکھا ہے:

''اس وقت تک دنیا کے شاید کسی دیش میں بھی ایک آدمی کی ایک سے زیادہ بی بیاں ہونا کسی طرح برا نہ سمجھا جاتا تھا اور محمد صاحب کی ان شادیوں کی غرض صاف تھی''۔(23)

''رسول عربی'' کے مصنف نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی سے متعلق چند جملے تحریر کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے پیغمبر کی ازداجی زندگی صرف اور صرف تعلیم امت کے لئے تھی نہ کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے۔ ان کے الفاظ ہیں:

''آپ نے ام المومنین کی حین حیات میں دوسرے نکاح کا نام تک نہیں لیا۔ اسی پیرانہ سال بڑھیا پر جس کا گلشن شباب پامال عمر ہو چکا تھا، ہزار جان سے فریفتہ رہے۔ روحانی محبت کا یہ وہ گلشن ہے جس کے پھولوں میں نفسانیت کی بو نہیں پائی جاتی۔ سن وسال کا تفاوت اسی وقت کوئی معنی رکھتا ہے جب طرفین ایک دوسرے سے نفسانی لطف ومسرت کے خواہاں ہوں۔ جب ازواجی زندگی کو عیش ونشاط کی طلسمی زندگی نہیں بلکہ فرائض کی ایک نا قابل شکست زنجیر تصور کر لیا جاتا ہے تو زوجین کی روحیں فرط محبت سے باہم مزوج ہو جاتی ہے اور یہ اتصال قلبی لافانی ہوتا ہے''۔(24)

جب شادی سے بلند مقاصد وابستہ ہوں نصف آبادی کی تعلیم وتربیت اور سرکش قبائل کو ایک لڑی میں پرونا ہو تو ایسی شادی پر اعتراض کیا، وہ لکھتے ہیں:

''اس قسم کی محبت انسان کو پابند دنیا نہیں کرتی بلکہ اس کی روح کی ترقی

کے لئے ایک سنہری زینہ کا کام دیتی ہے''۔(25)

تعدد ازواج کا مسئلہ اسی صورت میں کسی عورت کے لئے سوہان روح ہوتا ہے جب کہ انصاف کا فقدان ہو اور جملہ امور میں انصاف ملحوظ ہو تو شاید اتنی مخالفت کی صدائیں بلند نہ ہوں اور پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ناانصافی ناممکن بات ہے، یہی وجہ تھی کہ جملہ ازواج مطہرات حضور سے خوش رہتی تھیں اور اس سعادت پر ناز کرتی تھیں اگر چہ حضرت خدیجہ کی زندگی میں حضور نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اگر کر بھی لئے ہوتے تو ملکی اور سماجی اعتبار سے محل اعتراض نہیں ہوتا۔ اس نوع کا ایک دلچسپ مکالمہ انہوں نے لکھا ہے:

''ایک مرتبہ سرور کائنات نے آپ کو بتایا کہ جنت میں تمہارے سوا میری اور بیویاں فلاں فلاں بھی ہوں گی تو آپ نے مسکرا کر جواب دیا یہ کونسی عجیب بات ہے بادشاہوں کے کئی کئی بیگمیں ہوتی ہیں''۔(26)

رسول اللہ کی حضرت خدیجہ کی شادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار کر لینے کے متعلق ''رسول عربی'' کے مصنف نے لکھا ہے ''اس وقت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی اور محمد پچیس برس کے جوان تھے۔ محض خدیجہ کی وہ صاف اور ستھری فطرت اور حق شناسی وراست پسندی تھی جس نے محمد کی رفاقت کا شرف حاصل کر لیا۔(27)

کلکی اوتار اور محمد صاحب کے مصنف نے کلکی اوتار کے وصف ''اشٹ وشویہ گنانوت'' یعنی آٹھ صفات تقوی کی تفصیل میں ایک وصف ''ضبط نفس'' کو قرار دیا ہے پھر حضور اکرم کے کثرت ازواج سے ہونے والے اعتراض کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے ''یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کیا یوگی راج شری کرشن جی کی پٹ رانیاں تعداد میں چھ سے زیادہ نہیں تھی زائد (یوگی) دنیا کے عیش وعشرت میں رہ کر بھی خلوص اور جذبۂ بے غرضی (نش کام بھاونا) کے سبب خواہش سے بری رہتا ہے۔ جیسے کنول کا پتا پانی میں رہتے ہوئے بھی پانی سے الگ رہتا ہے ویسے ہی عابد وباخدا انسان بھی دنیا کے عیش وعشرت میں رہتے ہوئے بھی اس سے مبرا رہتا ہے۔(28)

ان تحریروں سے واضح ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم سیرت نگاروں نے نہ تو حضور کی پہلی شادی پر اعتراض کیا ہے کہ یہ مال و دولت کے لئے تھا اور نہ تعدد ازواج پر کوئی سوال کھڑا کیا ہے بلکہ اسے بامقصد اور برمحل قرار دیا ہے۔

سیرت رسول میں جنگ کے ابواب اور غیر مسلم سیرت نگار:

دنیا کی ہر تحریک سے زیادہ صلح و مصالحت کی دعوت دین و مذہب دیتا ہے۔ خدا کے پیغمبر جنگ برپا کرنے لئے نہیں جنگوں کی آگ سرد کرنے کے لئے آتے ہیں۔ مگر جب مخالفین ناک میں دم کر دیں اور بغیر جنگ کے کوئی چارہ نہ رہے تو تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے ہر خطے اور قبیلے کے پیغمبروں اور مصلحوں نے دفاع کی لڑائی لڑی ہے، ایسی حالتوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ میں شرکت کی۔ دنیا کے لوگوں کو یہ بات اب تک نہیں سمجھ میں نہیں آئی اور اپنے اعتبار سے نکتہ چینی کرتے رہے مگر حضور نے جنگ میں بھی جس احترام انسانیت کو باقی رکھا ہے اس کی اچھی وضاحت یہاں کے غیر مسلموں نے کیا جنگ بدر میں فتح کے بعد مسلمانوں نے دشمن قیدیوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس کے نتائج پر رقشنی ڈالتی ہوئی یہ عبارت:

> ''لڑائی کے بعد دشمن کے مردوں اور گھائلوں کے ناک کان کاٹ لینے کا جنگی رواج ان دنوں یہودیوں، عیسائیوں اور سب لوگوں میں تھا۔ قریش نے بھی احد کی لڑائی کے بعد ایسا ہی کیا تھا، محمد صاحب نے اپنے آدمیوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور دھیرے دھیرے محمد صاحب ہی کے حکم سے یہ رواج عرب سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا''۔(29)

میدان بدر میں جو لوگ قید ہوئے رسول اللہ نے ان سے ساتھ خود اچھا برتاؤ کیا اور اپنے اصحاب کو اچھے برتاؤ کا حکم دیا اس برتاؤ کے نتائج کی وضاحت پر مشتمل اقتباس:

> ''جب ان قیدیوں میں سے سب سے پہلا قیدی رہائی پا کر مکہ آیا تو اہل

اسلام کی نسبت اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ خدا ان کا بھلا کرے وہ ہم کو سواری دیتے تھے اور خود پیادہ پا چلتے تھے وہ ہم کو گیہوں کی روٹی کھانے کو دیتے تھے اور آپ کھجوریں کھا کر گزارا کرتے تھے''۔(30)

بدر کے قیدیوں مین سے دو قیدی قتل کئے گئے تھے اس پر تبصرہ پڑھئے:

''اس لڑائی میں دو قیدیوں کے قتل کرنے سے معترضین نے محمد صاحب پر سخت الزام لگایا ہے اور اسے شان پیغمبری کے خلاف ٹھہرایا ہے مگر الزام لگاتے وقت سب پہلوؤں کو دیکھنا چاہئے اگر وہ مجرم زندہ رہتے اور بیشمار بندگان خدا کے خون بہتے تو اس خونریزی کا کون ذمہ دار ہوتا''۔(31)

مسلمانوں نے جن جبری حالات کے پیش نظر پیغمبر اسلام کی قیادت میں بے سروسامانی کے عالم میں جنگ بدر میں شرکت کی اس کی عکاسی کرتی ہوئی تحریر دیکھئے:

''عرصہ دراز تک یہ لوگ خاموش رہے آخرش مجبور ہو گئے جب جان پر آبنے تو ظالم کے پنجے سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانا انسان کا فرض اعلی ہو جاتا ہے۔دنیا میں آخر ہر چیز کی ایک حد ہوا کرتی ہے یہاں معاملہ کہیں حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔جل جس قدر بھی شیتل یا ٹھنڈا ہے مگر اگنی کی تپش سے وہ بھی اسی طرح تپ جاتا ہے اور ایسے ہی جلاتا ہے جیسے اگنی خود''۔(32)

جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر یا دوسرے شرائط پر چھوڑ دیا گیا تھا لکھتے ہیں:

''ان شرائط سے اسیران بہت ہی خوش ہو گئے کیونکہ دنیا میں یہ پہلا ہی واقعہ تھا کہ قیدیان جنگ کے ساتھ کسی فاتح نے ایسی خوش اسلوبی سے برتاؤ کیا ہو یہاں تک پسندیدہ سلوک ان لوگوں سے مسلمانوں نے کیا کہ ان اشخاص کو اپنا مہمان تصور کر لیا۔جب کسی مسلمان کے گھر اپنے کھانے کو کافی نہ ہوتا تو وہ خود کھجور کھا کے گزارہ کر لیتا مگر مہمان کو ضرور گندم کی روٹی ہی دیتا''۔(33)

''عرب کا چاند'' کے مصنف کا تجزیہ:

''مدت سے عرب میں یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ فاتح قوم اپنے اسیران جنگ کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک روا رکھتی تھی ان کو انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز ستم کی آماجگاہ بنانے کے بعد نہایت بے دردی اور بے رحمی سے تہ تیغ کر دیا جاتا تھا مگر مسلمانوں نے اس کے عین برعکس کیا ان فرزندان توحید نے ان اسیران جنگ کے ساتھ جو شریفانہ اور قابل قدر سلوک روا رکھا اس کی یاد سے آج بھی انسانی اخلاق میں ایک خاص رفعت و بلندی پیدا ہوتی ہے''۔(34)

''اگر چہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ و جدال پر صلح و آشتی کو ہمیشہ ترجیح دی ہے مگر کفار مکہ کے روز افزوں اشتعال انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں کو دیکھ کر مسلمانوں کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا ان کی عربی حمیت و غیرت جوش میں آ گئی تھی انہوں نے بارہا داعی عدم تشدد سے جنگ کی اجازت طلب کی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبر و ضبط کی تلقین کرتے رہے اب مخالفین اسلام کی استبداد نوازیاں حد سے گذر گئیں تو خدائے تعالی کی طرف سے بھی جہاد کی اجازت مل گئی اور مسلمانوں کو بھی اپنے دل کے ارمان نکالنے کا موقع مل گیا''۔(35)

غیر مسلموں کی کتب سیرت کا مطالعہ اور احتیاط:

''رسول عربی''، اور بالخصوص ''عرب کا چاند'' کی زبان اردو ادب کی اعلی اور فصیح زبان میں لکھی گئی ہے اور دوسری کتابوں میں ہندی اردو زبان کا استعمال ہوا ہے۔ بہت سے جملے اور بہت سے محاورے جو عام لوگ بولتے ہیں مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس جملے کا استعمال کریں ہے اس لئے ان کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو فقیہانہ احتیاط رکھنا چاہئے۔ مثلاً ''رسول عربی'' کی عبارت دیکھئے:

''آخر وہ نیک ساعت آئی جس کا اشارہ ہو چکا تھا لگاوہ شبھ لگن جس کی منتظر

ایک خلق خدا تھی چڑھا وہ سورج بھگوان جس کی سنہری کرنوں سے مشرق میں جگمگ ہو
نے لگی نکلا وہ چودھویں کا چاند جس کی چاندنی سے مغرب کی تاریک شعاع نور بن گئی
خدا کا نور ایک خاکی پیرہن زیب تن کئے بزم عالم میں جلوہ گر ہوا''۔(36)

حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی پریشاں خاطر کی قدرتی تسکین کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس نصیب سے تو بہرہ ور ہے اس کی تجھے کیا خبر بھگوان نے جو بھاگ
تیرے لئے لکھے ہیں اس کا تجھے کیا علم ۔کہاں ہے تیرا دھیان اور تو ہے کس سوچ
میں ۔ذرا ہوش کی کی لے اور عقل کی آنکھ کھول جس پر یتیم کو مکہ میں اپنے پریم کی
چھب دکھانی ہے وہ ابھی تیری آغوش الفت میں آ کر نہیں بیٹھا جس شمع کو اپنی اچنبیہ
روشنی سے عرب کا اندھیرا اجالا کر دینا ہے وہ ابھی روشن نہیں ہوئی جس چندرما کو
بھارت میں چودھویں کا چاند بن کر چمکنا ہے وہ ابھی نہیں نکلا''۔(37)

عبدالمطلب کی دعا میں ''اے مندر کی مورتیوں میرے بچے کی زندگی بخشیو اور اس کی عمر دراز کی جیو(38) اسی بات کو عام مسلم سیرت نگار کے طرز پر سوانح عمری حضرت محمد صاحب میں یوں لکھا گیا ہے'' بزرگ عبدالمطلب بچے کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنتے ہی دوڑے آئے اور معصوم بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر لے گئے اور کعبہ کا طواف کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔(39)

کتاب رسول عربی یہ ہیڈنگ'' دنیا دار پیغمبر کی دینداری''ص ۱۱۴ پر چاہے جتنا اخلاص سے لکھا گیا ہو مگر اہل ایمان کو معیوب لگتا ہے۔

ان کتابوں کے مطالعہ کے وقت جہاں بہت سے مقامات فقہی بصیرت کے متقاضی ہیں وہیں بعض توضیح دلوں کو چھو لینے والے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو پورے مکہ کے لوگوں سے صادق و امین عین عالم شباب میں منوالیا تھا آپ کا پیشہ تجارت تھا مگر پورے عہد تجارت میں کوئی آپ کے اس لقب پر انگشت نمائی نہ کر سکا آپ کے تاجر ہونے کے باوجود صادق و امین ہونے کو انہوں نے کس خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

''آپ نے اپنی صداقت وسچائی اور خوش معاملگی سے کاروبار میں بڑی شہرت حاصل کی یہاں تک کہ لوگ آپ کو صادق وامین کے خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔تجارت اور صداقت ہر دو ضدین ہے ان کا ساتھ ساتھ نباہ گویا آگ پانی کو ملانا ہے تجارت وہ پیشہ ہے جس کے اشتیاق کی اگنی کو اگر حسد وحرص کے بھوت ساتھ ساتھ دھونکتے نہ جائیں تو بنج بیوپار کا گرم بازار آناً فاناً ٹھنڈا ہو جائے''۔(40)

پیغمبر کی بے داغ پر جوانی پر تبصرہ:

پیغمبر اسلام کا وطن عرب کا شہر مکہ تھا جہاں مئے نوشی،عشق بازی فحش گوئی اور بے مقصد شاعری نوجوانوں کا شیوہ تھا، اس ماحول میں جہاں ننگی حالت میں کعبہ کا طواف ہوتا تھا یقیناً عفت مآب ہونا کمال کی بات ہے اور یہ کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بدرجہ اتم تھا اسے دیکھ کر ہندوستان کی مٹی پکار اٹھی:

''جوانی ایک بری بلا ہے جوانی کے ندی نالے جب طغیانی پر آجائیں تو بڑے بڑے گنی پنڈتوں اور دھرم وان کمیشھروں کو ان کے سبھی گیان گوشٹ سمیت آگے بہالیجائیں، جوانی کے عالم میں صادق القول کہلانا بشر کے مقدور سے باہر ہے اور انسان کی طاقت سے بعید مگر یہاں حقیقت ہی کچھ اور ہے''۔(41)

اس کتاب کا ابتدائی جملہ بھی مسحور کن ہے لکھتے ہیں:

''ایک صاحب کمال آیا جس نے جلوۂ حق دکھایا جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی جس کی نگاہ شوق اس پر پڑی منہ مانگی مراد مل گئی۔جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا''۔

موجودہ دور میں اس کام کی اہمیت:

موجودہ دور میں جو لوگ رواداری کی فضا کے حامی،امن کے خواہاں اور محبت کے موید ہے

ان کی ذمہ داری ہے کہ پرنٹ میڈیا' الیکٹرونک میڈیا' اخبار ورسائل' سیمینار' ویبنار ڈیبیٹ اور مباحثوں میں انہیں انصاف پسندوں کی پیروی کرتے ہوئے پیغمبر اسلام کی بے داغ زندگی سے لوگوں کو واقف کرائیں تا کہ آنے والے وقتوں میں ان کی عقیدت کی دیواریں بھی محفوظ رہ سکیں ورنہ فتنہ وفساد کی تباہی سب کو خاکستر کر دے گی اس لئے کہ نفرتوں کے سوداگر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

حوالہ جات:

1۔ ''کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ''ص19 مطبع میٹرو پرنٹرز لاہور 2011ء
2۔ ''کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ''ص4 مطبع میٹرو پرنٹرز لاہور 2011ء
3۔ ''رسول عربیؐ''ص13 مطبع اعلی پریس دہلی 1979ء
4۔ ''رسول عربیؐ''ص14 مطبع اعلی پریس دہلی 1979ء
5۔ عرب کا چاند'ص26'مطبع'المطبعۃ العربیہ لاہور سال ندارد
6۔ حضرت محمد اور اسلام'پنڈت سندر لال'ص۔ضروری بات۔ابتدا میں
7۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب ص6'شردھے پرکاش دیو یونین سٹیم پریس لاہور 2013ء
8۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب ص3'شردھے پرکاش دیو یونین سٹیم پریس لاہور 2013ء
9۔ ''کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ''ص18 مطبع میٹرو پرنٹرز لاہور 2011ء
10۔ ''رسول عربیؐ''ص31 مطبع اعلی پریس دہلی 1979ء
11۔ عرب کا چاند'ص25'مطبع'المطبعۃ العربیہ لاہور سال ندارد
12۔ عرب کا چاند'ص224'مطبع'المطبعۃ العربیہ لاہور سال ندارد
13۔ ''کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ''ص18 مطبع میٹرو پرنٹرز لاہور 2011ء
14۔ ایضاً ص23
15۔ ایضاً ص25
16۔ ایضاً ص19
17۔ 'ایضاً ص61

18۔ ''رسول عربی''ص23 مطبع اعلی پریس دہلی 1979ء

19۔ عرب کا چاند ص45 'مطبع' المطبعۃ العربیہ لاہور سال ندارد

20۔ حضرت محمد اور اسلام ص53

21۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب ص97

22۔ محمد صاحب اور اسلام ص40

23۔ محمد صاحب اور اسلام ص172

24۔ عرب کا چاند ص91

25۔ عرب کا چاند ص93

26۔ عرب کا چاند ص95

27۔ رسول عربی ص37

28۔ کلکی اوتار اور۔۔ص53

29۔ حضرت محمد اور اسلام ص104

30۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب ص70

31۔ سوانح عمری حضرت محمد صاحب ص70

32۔ رسول عربی ص94

33۔ رسول عربی ص100

34۔ عرب کا چاند ص253

35۔ عرب کا چاند ص239

36۔ رسول عربی ص28

37۔ رسول عربی 27

38۔ رسول عربی ص31

39۔ رسول عربی ص19

40۔ رسول عربی

☆☆☆

ہندوستان کے غیر مسلم مصنفین کی سیرت نگاری

ڈاکٹر محمد انظر ندوی
(ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف عرب اسٹڈیز، افلو، حیدرآباد)

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی جامعیت اور آفاقیت میں بے مثال ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اعجاز و کمال ہی کا نتیجہ ہے کہ یوروپ کے مصنفین بالخصوص مستشرقین اور قدیم و جدید مسلم اور غیر مسلم حضرات وخواتین نے آپ کی ذات مبارک پر اتنا کچھ لکھا ہے کہ جس کا احاطہ ممکن نہیں اور دنیا کا وہ کون سا علاقہ یا خطہ ہے جہاں سیرت رسول عربی کی مہک نہ پہنچی ہو اور وہاں کے اہل قلم سیرتِ رسولِ رحمت کا مطالعہ نہ کرتے ہوں اور اس پر خامہ فرسائی کا فریضہ نہ انجام دیتے ہوں۔ چنانچہ ہمارے ملک ہندوستان بلکہ برصغیر کے غیر مسلموں یعنی ہندوؤں اور سکھوں نے بھی سیرت رسول سے اعتناء کیا ہے، وہ بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سائبان میں پناہ لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں نعت کہنے والوں میں غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ غیر مسلموں نے محض نعت نگاری پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قلم اٹھایا ہے، یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ ایک قابل لحاظ تعداد ایسے ہندو اور سکھ سیرت نگاروں کی بھی نظر آتی ہے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے ذریعے اپنی تحریر کی حرمت و پاکیزگی میں اضافہ کیا ہے، یہی نہیں بلکہ سیرت نبوی پر لکھنے اور لکھانے اور پھر اسے سرمۂ چشم بنانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

لیکن سوال ہے کہ برصغیر جہاں کی مخلوط معاشرت، مذہبی ثقافتی معاشرتی سیاسی اور تہذیبی حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہے، وہاں ہندوؤں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اپنی دلچسپی کیوں دکھائی؟ ان کی سیرت نگاری کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ اس کے تین اسباب یہاں بیان کیے جارہے ہیں۔

''سیرت رسول کی طرف ہندوستانی غیر مسلموں کی دلچسپی کی متعدد وجوہ ہیں، جو ان رسائل کے مطالعے سے معلوم ہوتی ہیں:

اول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم اور عالم گیر مذہب کے پیغمبر، ان کے لفظوں میں بانیٔ اسلام، اوتار، یا انقلابی پُرُش، جنہوں نے 23 رسال کی مختصر مدت میں سماج سے برائیوں کے مٹانے اور نیکیوں کی طرف راغب کرنے کا کام انجام دیا اور ایک پرماتما کو ماننے کی تلقین کی، جو کسی حد تک ویدک فلسفۂ توحید کے قریب تر ہے۔

دوم: ایک ایسے پُرُش جنہوں نے انسان کو اعلی اخلاق کی تعلیم دی، عورتوں کے ازدواجی اور وراثتی حقوق بحال کیے، لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے اور انسانوں کو غلام بنانے کی پرتھا کو ختم کیا اور سارے دوسرے مذاہب کا احترام کرنا سکھایا۔

سوم: مذہبی یکجہتی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب پر بھی فراخ دلی سے لکھا جائے اور ان کی اچھی تعلیمات کا دل کھول کر اعتراف کیا جائے، ہندو مسلم منافرت کے سیلاب پر باندھ باندھا جائے اور قدیم گنگا جمنی تہذیب کو پھر سے زندہ کیا جائے''۔(1)

برصغیر ہندو پاک کے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی اور ان کے کردار کو اپنا موضوع سخن بنایا اور آپ کے کردار کی عظمت، آپ کی پاکدامنی اور آپ کے عادات واخلاق کی پاکیزگی کو تسلیم بھی کیا اور اپنے قلم کے ذریعے اسے مکمل طور پر اور پوری قوت کے ساتھ اجاگر بھی کرنے کی کوشش کی۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں جن بعض غیر مسلم مصنفین نے سیرت رسول صلی

اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھایا ان میں ایک طرف تو وہ ارباب قلم ہیں، جنہوں نے آریہ سماج کے اٹھائے ہوئے طوفان کی رو میں بہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں اور دوسری طرف وہ سوانح نگار ہیں جنہوں نے رواداری اور ہمدردی کے جذبے کے تحت غیر متعصّبانہ، بے غرضانہ اور عالمانہ کتب سیرت تصنیف کیں۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ مناسب ہے کہ مذہبی یکجہتی کے حصول کے لیے جو کتابیں لکھی گئیں وہ ''اس دور میں لکھی گئیں جب ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سخت مذہبی کشاکش کا دور تھا، یہ کشمکش عیسائی مشنریز (حرکت عمل 1823ء)، آریہ سماج تحریک (قیام 1875ء)، اکھل بھارتیہ ہندو مہا سبھا (قیام 1915ء)، شدھی سنگٹھن (قیام 1923ء) اور آر ایس ایس (قیام 1925ء) کا ثمرہ تھی، جس کے زیر اثر ہتک آمیز کتب و رسائل لکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کا دروازہ کھول دیا گیا تھا، بعد میں اس نے ایک مناظراتی صورت اختیار کر لی''۔(2)

''عیسائیوں کے اعتراضات کا مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف 1891ء)، مولانا قاسم نانوتوی (ف 1880ء)، ڈاکٹر وزیر خان، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چریاکوٹی (ف 1903ء)، مولانا سید محمد علی مونگیری (ف 1927ء) اور بعض دوسرے علما نے رد اور ان کی سازشوں کا بھرپور دفاع کیا۔(3)

مسلمان ابھی عیسائیوں کے نرغے سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ عیسائیوں کی شہ پر آریہ سماجیوں نے ان پر حملہ بول دیا، انہوں نے منظّم منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کے عقائد، ان کے پیغمبر اور ان کی آسمانی کتاب کو نشانۂ ملامت بنایا، اسی کے نتیجے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفرت پروان چڑھی اور فاصلے بڑھتے چلے گئے۔(4) 1923ء کے بعد کے عرصے میں ''شدھی کرن'' کے عمل میں اضافہ کے ساتھ ملک میں بلوے شروع ہو گئے۔ گاندھی جی نے بلووں پر قابو پانے کے لیے 21 دن کی فاقہ کشی کی جس کے نتیجے میں عارضی طور پر ہندو اور مسلمانوں کی چپقلش کچھ کم تو ہوئی لیکن ختم نہ ہو سکی''۔(5)

آریہ سماج کے اٹھائے ہوئے طوفان کی رو میں بہہ کر پیغمبر اسلام کے خلاف ایک انتہائی دل آزار کتاب لکھی گئی جس کا نام ''رنگیلا رسول'' تھا، جسے 1924ء میں لاہور کے ایک آریہ سماجی ناشر راجپال نے لاہور سے شائع کیا اور اگرچہ اس کتاب کے مصنف کا نام مخفی رکھا گیا تھا، لیکن خیال یہی تھا کہ اسے روزنامہ ''پرتاب'' لاہور کے مدیر ''مہاشے کرشن'' (رادھا کرشن بی اے) (ف 25 فروری 1963ء) اور آریہ سماج تحریک کے مبلغ یعنی مہاشے نے تحریر کیا تھا (6)۔ 96 صفحات پر مشتمل اس ناپاک کتاب نے مذہبی انتہاء پسندی کی حدود کو پار کر دیا تھا، نیز اس نے پورے برصغیر میں آگ لگا دی تھی، حالانکہ اس کا مواد مسلمانوں کی معروف مذہبی کتابوں سے اخذ کیا گیا تھا، لیکن سیاق وسباق سے الگ کر کے اور نہایت توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا، بالآخر لاہور کے ایک نوجوان علم الدین شہید نے راجپال کو قتل کر کے اس آگ کو ٹھنڈا کیا۔ مولانا راشد کاندھلوی کے بقول اس کتاب کے دس بارہ جوابات لکھے گئے، مگر علمی سطح پر اس کا معروف جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''مقدس رسول'' (ناشر دفتر اہل حدیث، امرتسر، 1925ء) لکھ کر دیا، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سوقیانہ تحریروں کا سلسلہ اگرچہ پچھلی صدی یعنی انیسویں صدی سے شروع ہو چکا تھا اور پادری عماد الدین پانی پتی کی ''تواریخ احمدی'' (1870ء)، پنڈت دیانند سرسوتی (1883ء) کی ''ستیارتھ پرکاش'' (چودھواں باب) (جس کا جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''حق پرکاش'' کی شکل میں لکھا) اور پنڈت لیکھرام (م 1897ء) کی متعدد تصانیف اس کی مثال ہیں، جن میں پیغمبر اسلام کے متعلق انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی تھی اور آپ کی ذات اقدس پر بے بنیاد الزامات عائد کیے گئے تھے۔

یقیناً، بیسویں صدی بھی اس طرح کی دل آزار اور غیر مہذب کتابوں سے محفوظ نہ رہی، تاہم فرقہ وارانہ تعصب اور مذہبی بغض وعناد کے ایسے ماحول میں وہ ہندو اور سکھ اہل قلم جو اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب اور اس کے ماننے والوں کا احترام کرتے تھے اور اسی جذبے کے تحت دین اسلام کے بارے میں بھی ایک مثبت رائے رکھتے تھے، انہوں نے ہندوستان میں مذہب اسلام کے

متعلق آریہ سماجیوں، مہاسبھائیوں اور شدھیوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے ازالے اور اسلام کی صحیح اور درست تعلیمات سے متعارف کرانے کے لیے سیرت رسول کو ایک بہتر ذریعہ تصور کیا اور اس موضوع پر کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ کردار کی عظمت، آپ کے چال چلن کی عصمت و پاک دامنی اور عادات واطوار کی پاکیزگی کو نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ اپنے قلم کے ذریعہ سے اسے بھرپور انداز میں اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی، نیز انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سوانح عمریاں ضبط تحریر میں لائیں جو نہ صرف یہ کہ دل آزار نہ تھیں بلکہ اپنے منصفانہ نقطۂ نظر کی وجہ سے ہندوستان کے مذہبی گروہوں کو اتحاد کی لڑی میں پرونے والی تھیں، بلکہ ان میں سے سیرت کی بعض کتابیں اس قدر ہمدردانہ، مخلصانہ اور والہانہ انداز واسلوب میں تحریر کی گئی تھیں کہ ان پر مسلمانوں کی کتابیں ہونے کا گمان گذرتا تھا۔

برصغیر کے غیر مسلم مصنفین کی مثبت سیرت نگاری کے حوالے سے ہندو اصحاب علم و دانش امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ ہندو شاعروں، ادیبوں، فلسفیوں، سیاسی رہنماؤں اور مؤرخین کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نظم ونثر ہر دو صنفوں میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

''ہندوؤں کی سیرت نگاری کے عہد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے بیشتر سیرت لٹریچر 1857ء تا 1947ء کے درمیانی عرصہ میں وجود میں آیا''(7)۔ نیز ہندوستانی غیر مسلموں کی طرف سے رسولِ رحمت کی حمایت میں سیرت کی کتابیں خود لکھنے یا دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ابتدا بھی انیسویں صدی کے آخر میں ہوئی، چنانچہ لالہ رلیا رام گولاٹی (جس نے امرتسر سے ''سناتن دھرم پرچارک'' کے نام سے 1886ء میں ایک اخبار بھی جاری کیا تھا) کی ''سوانح عمری محمدؐ'' 1892ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، یہ کتاب دراصل واشنگٹن ارونگ کی کتاب Life of Mahomet (مطبوعہ 1850ء) کا اردو ترجمہ ہے۔(8)

لیکن بیسویں صدی میں مذہبی اور سیاسی تقریروں، اخباری بیانات اور نعتیہ شاعری کے

علاوہ ایسی کتابوں کی تعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوگیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر سوانحی انداز میں لکھی گئی تھیں اور جنہیں ہم مستقل کتب سیرت کہہ سکتے ہیں، علاوہ ازایں مذاہب اور بانیان مذاہب سے متعلق کتابوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ، منظوم کتب سیرت، تاریخی طرز پر لکھی گئی کتابوں میں سیرت رسول کے حالات و واقعات اور مطبوعہ تقاریر اور مضامین و مقالات کی صورت میں بھی سیرتی مواد موجود ہے۔

بیسویں صدی عیسوی میں سیرت کی کئی مستقل کتابیں معرض وجود میں آئیں، اس قسم کی کتب سیرت میں شردھے پرکاش دیو جی کی ''حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام'' (مطبوعہ لاہور، 1907ء)، جی ایس دارا (گرودت سنگھ دارا) کی ''رسول عربیؐ'' (مطبوعہ 1914ء)، سوامی لکشمن پرشاد کی کتاب ''آفتاب حقانیت المعروف بہ عرب کا چاند'' (9)، گووند دایا جنڈ ہوک (بیکانیری) کی کتاب ''حیات محمدؐ'' (10)، پنڈت سندر لال کی مطبوعہ تقریر ''پیغمبر اسلام'' (11)، ڈاکٹر پنڈت سندر لال کی کتاب ''حضرت محمد صلعم اور اسلام'' (طبع اول الہ آباد، 1942ء)، بابو کنج لال ایم اے کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' (جید برقی پریس دہلی)، رگھوناتھ سہائے کی کتاب ''پیغمبر اسلام'' (یہ دراصل میلاد نامہ ہے)، گوبندرام سیٹھی پرشاد کی کتاب ''چار مینار'' (12)، پروفیسر لاجپت رائے نیر کی کتاب ''حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری'' ہے۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہندی غیر مسلم مصنفین کی ان کتابوں کے علاوہ اور بھی اہم اور مستقل کتابیں منظر عام پر آئیں، مثال کے طور پر:

بی کے نارائن (برج کمار نارائن) نے ''Mohammed the Prophet of Islam: A flame in the desert'' نامی کتاب لکھی جسے لانسرز، نیو دہلی نے 1978ء میں شائع کیا۔ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبۂ فلسفہ کے پروفیسر راما کرشنا راؤ نے ''Muhammad: The Prophet of Islam'' کے نام سے کتاب لکھی، جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور جس کا اردو ترجمہ شمیم احمد عثمانی نے ''اسلام کے پیغمبر محمدؐ'' کے عنوان

سے کیا ہے۔ انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز، دہلی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر این کے سنگھ کی کتاب Prophet Muhammad & His Companioans اس موضوع پر انتہائی اہم کتاب ہے۔ اسی طرح پنڈت وید پرکاش کی کتاب ''نراشنس وانتم رشی''، سیوا سنگھ کی کتاب ''محمد صاحب'' اور سرجیت سنگھ لامبا کی کتاب ''قرآن ناطق'' بہت اہم کتابیں ہیں۔

راجندر نارائن لال (ولادت 1916ء) کا تعلق بھرت پور، راجستھان سے ہے، انہوں نے ہندی میں ''اسلام۔ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا'' (اسلام۔ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ڈاکٹر شنکر داس مہرہ (بی ایس سی، ایم بی بی ایس، دہلی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''حضرت محمد کی زندگی ایک ہندو کی نظر میں''۔الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ہندو برہمن پروفیسر پنڈت ویر پرکاش کی تحقیق ''کالکی اوتار'' (یعنی اس ساری کائنات کا رہبر یا پیغمبر) کے نام سے 2009ء میں ہندی زبان میں شائع ہوئی اور جس نے پورے ہندوستان میں ایک قسم کا تہلکہ مچایا ہے۔

مراٹھی داں غیر مسلم ایم وہی پردھان نے 340 صفحات پر مشتمل کتاب مراٹھی زبان میں لکھی ہے جس کا نام ہے ''محمد پیغمبر'' (مطبوعہ 1929ء)۔''اس کتاب کے مطالعے کے بعد بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیرت پر مراٹھی زبان میں یہ ایک مکمل کتاب ہے، مصنف کوتاہ بینی، تعصب ذہنی، بہتان تراشی اور افتراء پروری کے امراض سے پاک اور بڑی حد تک اسلامی افکار و انقلابات کا معترف اور نسلا برہمن ہونے کے باوجود سیرت نبوی کے تابناک پہلوؤں کا نقیب نظر آتا ہے''۔(13)

قدرتی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والے ہندو حکیم راجیو شرما نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر مرواڑی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے ''پیغمبر رو پیغام'' (پیغمبر کا پیغام)۔کولسیا (Kolsiya)، راجستھان کے جواں سال باشندہ راجیو شرما کی 112 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 2014ء میں منظر عام پر آئی، حالانکہ اس کی اشاعت پر اسے تنقید کا سامنا کرنا

پڑا۔(14)

اسی طرح کے ایل گابا(K.L.Gauba) کی کتاب The Prophet of the Desert ہے جس کا اردو ترجمہ ''پیغمبر صحرا'' (مطبوعہ دہلی 2004ء) کے نام سے پروفیسر احمد الدین مارہروی نے کیا ہے۔ یہ کتاب مصنف نے اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد لکھی ہے اور اسے اپنے مسلم نام خالد لطیف گابا(K.L.Gauba) کے نام سے شائع کیا ہے، لہذا یہ قابل غور ہے کہ مصنف کی اس کتاب کو غیر مسلم مصنفین کی کتب سیرت کے زمرہ میں شمار کیا جائے یا نہیں؟

مذاہب اور بانیان مذاہب سے متعلق کتابوں میں بھی سیرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر تفصیل یا اختصار سے گفتگو کی گئی ہے، مثال کے طور پر شام لال ستیارتھی کی کتاب ''دنیا کے نو مذہبی ریفارمر''، رام سروپ کوشل کی کتاب ''پیام محبت''، پروفیسر پریتم سنگھ کی کتاب ''ہمارے مربی''، گوبند رام سیٹھی کی کتاب ''چار مینار'' (رام چندر جی، حضرت محمد صاحب، حضرت عیسی اور گرونانک جی کے حالات وتعلیمات)، دیوان چند شرما کی کتاب '' The Prophets of the East''، کے وی سنگھ کی کتاب ''An Insight into World Religions'' اور اسی طرح رامیش راؤ کی کتاب ''Islam Maker of The Muslim Mind'' قابل ذکر ہیں۔

ہندوستانی غیر مسلم مصنفین کے اخبارات ورسائل میں بہت سے مضامین ومقالات شائع ہوئے، جن میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات اور سیرت وکردار کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی تھی اور ایسے مضامین بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے، چنانچہ ان ہی مضامین کے مجموعوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے جو غیر مسلم مصنفین کے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہیں: بشیر احمد سید کی مرتب کردہ کتاب ''سرور کونین۔ اغیار کی نظر میں''(15)، ظل عباس عباسی کی مرتب کردہ کتاب ''پیغمبر اسلام۔ غیر مسلموں کی نظر میں''(16)، محمد حنیف یزدانی کی مرتب کردہ کتاب ''محمد رسول اللہ۔ غیر مسلموں کی نظر میں''۔ ان مجموعہائے مقالات کے علاوہ چند نام اور ہیں اور وہ یہ ہیں: ''دنیا کا ہادیٔ اعظم غیروں کی نظر میں''(17)، ''برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول''(18)، اور ''اسلام غیر

مسلموں کی نظر میں''(19)۔

مطبوعہ مضامین ومقالات میں رائے بہادر لالہ پارس داس کا مقالہ'' رائے بہادر کی نعت''، بابو گنج لال دلوالی کا مقالہ بعنوان'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام'' اور مسٹر اڈیار کا مضمون بعنوان ''اسلام جس سے مجھے عشق ہے''۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت میں غیر مسلم مصنفین نے منظوم کتب سیرت بھی تحریر کی ہیں، مثال کے طور پر امرناتھ سیڈھا شوق کی کتاب'' مدنی موہن عرف پیغمبر اسلام''، چرن سرن ناز مانکپوری کی کتاب'' رہبر اعظم'' اور سگم چند مکیتش کی کتاب'' مہا کاویہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام لیے جاسکتے ہیں۔(20)

برصغیر کی تاریخ، تہذیب وثقافت، مسلمانوں کی آمد اور ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کسی نہ کسی حوالے سے گفتگو کی گئی ہے، چنانچہ ڈاکٹر تارا چند کی Influence of Islam on Indian Culture، ایشوری پرشاد کی A Short History of Muslim Rule in India اور ودیا درمہاجن کی The Muslim Rule in India، اور مشہور کمیونسٹ رہنما ایم این رائے کی تصنیف The Historical Role of Islam وغیرہ اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

ادبی تخلیقات کے مصنف منشی پریم چند (1936-1885ء) کا ایک مضمون ہفت روزہ پرتاب، دسمبر 1925ء میں شائع ہوا تھا، اس کی تلخیص'' اسلامی تہذیب'' کے نام سے مدھر سندیش سنگم سے شائع ہوئی، اس میں انہوں نے تہذیب کے تین نمونوں (عدل وانصاف، مساوات، اخوت) سے بحث کی ہے اور ان میں اسلام کی امتیازی شان کو نمایاں کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے ذریعہ اپنی بات کو مدلل کیا ہے۔(21)

جناب انیس احمد چشتی صاحب (پونا) نے اپنے ایک مضمون بعنوان'' سیرت نبوی پر ایک ہندو کی مراٹھی تصنیف'' میں لکھا ہے:'' جن غیر مسلموں نے اسلام پر لکھا ان میں اچاریہ ونوبا بھاوے،

یدوناتھ تھتّے، سانے گرو جی، ایم وہی پردھان، دی جی گدرے اور شری پاد جوشی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ جن لوگوں نے اسلام پر لکھا ان میں سے اکثر نے ان میں دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں''۔(22)

سوامی لکشمی شنکر اچاریہ (ولادت: کان پور، 1953ء) نے''اسلامک آتنک واد کا اتہاس'' نامی کتاب لکھی، جس کا انگریزی ترجمہ The History of Islamic Tolerence کے نام سے شائع ہوا، بعد ازآں وہ کچھ مسلمانوں کے رابطے میں آئے اور ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا اور ایک کتابِ سیرت کا مطالعہ کیا، پھر انہوں نے اپنے سابقہ خیالات کی تردید کی خاطر ایک نئی کتاب لکھی، ان کی یہ نئی کتاب ہندی میں''اسلام۔آتنک واد یا آدرش'' اور اردو میں''اسلام۔دہشت گردی یا ایک مثالی دین'' کے نام سے شائع ہوئی، سو صفحات کی اس کتاب میں شنکر آچاریہ نے بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا ہے، اسی کتاب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح حیات بھی درج ہے جو 13 صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے کہ غیر مسلموں کے ان مضامین و مقالات کے بعض امور ومقامات سے پوری طرح اتفاق کرنا اہل اسلام کے لیے مشکل ہے، کیوں کہ وہ اسلامی عقائد کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے ہیں، تاہم یہ سمجھ کر اور مان کر انہیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ ان مقالہ نگاروں کا اختلاف رائے بر بنائے عناد نہیں تھا، بلکہ بر بنائے ناواقفیت تھا، یا ثبت اور لطیف علمی محاکمہ کیا جاسکتا ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی غیر مسلموں کی باقاعدہ کتابیں بڑی حد تک ان عیوب سے پاک ہیں، بلکہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم مصنفین کی طرف سے مثبت انداز میں کی گئی سیرت نگاری کے بعض فن پارے ایسے ہیں کہ ان کے مطالعے کی گہرائی، وسعت اور استنباط نتائج پر حیرانی ہوتی ہے اور وہ ان کے جوش عقیدت کی اس حد تک ترجمانی کرتی ہیں کہ بہ قول عبد الماجد دریابادی''ان کے حرف حرف سے عشق ومحبت کے آب کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیاز پر رشک آنے لگتا ہے''۔(23)

بیسویں صدی کے نصف اول میں لکھی گئی کتب سیرت کے ہندو اور سکھ مصنفین اپنے دور کے معروف اہل قلم تھے اور ان کو پڑھنے والوں کا حلقہ بھی میسر تھا، وہ کم از کم اس امر میں متحد نظر آتے ہیں کہ اہل وطن کے دل میں مسلمانوں کے مذہب اور پیغمبر اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کو اس انداز سے ختم کیا جائے جس میں صحیح معلومات و اطلاعات کا عنصر غالب ہو، جس کا مواد تاریخی سچائی رکھتا ہو اور سرو دھرم سم بھاو کے اصول سے سرمو انحراف نہ کرتا ہو، چنانچہ سیرت پیغمبر اسلام پر لکھی گئی ان کتابوں میں غیر مسلموں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ایک مثالی نمونہ کے طور پر نہ صرف پیش کیا گیا ہے، بلکہ جبری اشاعت اسلام، دوسرے مذاہب کے لوگوں کے قتل و غارت گری اور پیغمبر اسلام کی شہوت پرستی (نعوذ باللہ من ذلک) وغیرہ جیسے ان پر لگائے گئے متعدد الزامات کی تردید بھی کی ہے، انہوں نے قدیم تاریخ وسیر کی کتابوں سے ماخوذ حقیقی واقعات کی روشنی میں پیغمبر اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے من گھڑت افسانوں کی بھی خوب قلعی کھولی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیغمبر اسلام کی حمایت اور دفاع میں ہندو اصحاب قلم نے اہل ہند کے درمیان مذہب اسلام کے متعلق آریہ سماجیوں، مہا سبھائیوں اور شدھیوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے ازالے اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے متعارف کرانے کے لیے بڑے خلوص دل اور پاکیزہ نیت کے ساتھ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھایا ہے،'' لیکن ان کی کتب سیرت میں چند روایات ایسی ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے عقائد سے مطابقت نہیں رکھتیں، بغیر حوالہ جات کے روایات کا بیان، ثانوی ماخذ پر انحصار اور فن سیرت سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کی مثبت سیرت نگاری بہت سے تسامحات کا شکار ہوئی اور کہیں کہیں عقیدت میں مبالغہ آمیزی کی وجہ سے بھی قلم غیر محتاط ہوگیا، غیر مسلم سیرت نگاروں کی چند کمزوریوں میں سے یہ بھی ہے کہ ذاتی قیاس اور رائے کو جگہ دے دی گئی ہے، پیغمبر اسلام کی زندگی کا مطالعہ ایک پیغمبر کے بجائے ایک مصلح یعنی ریفارمر کی حیثیت سے کیا گیا ہے، وہ اپنی سیرت نگاری کے دوران زیادہ سے زیادہ واقعات بیان کرنے کے مشتاق نظر آتے ہیں، جن کا امہات کتب سیرت میں کوئی ذکر نہیں، بنیادی مآخذ سے لاعلمی اور مغربی مصنفین کی

کتابوں سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ان غیر مسلم سیرت نگاروں کی کتابوں میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات اور واقعات شامل ہوگئی ہیں''۔(24) شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور کے حافظ محمد نعیم جیسے بعض اہل علم نے اس موضوع پر کچھ کام کیا ہے، ان کتابوں میں بیان کردہ روایات و واقعات سیرت کی مزید تنقیح و تحقیق کی ضرورت آج بھی باقی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ڈاکٹر شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، 18/اگست 2018ء، ویب لنک: quranwahadith.com۔

2۔ حوالہ مذکورہ بالا۔

3۔ قاموس الکتب جلد اول (کراچی 1961ء) میں ''مناظرۂ نصاری'' کے تحت 275 کتب ورسائل (ص 800 تا 828) کا اندراج ملتا ہے۔

4۔ قاموس الکتاب ج ا میں ''مناظرۂ آریہ'' عنوان کے تحت 27 کتب (ص 829 تا 831) اور ''ردمناظرۂ آریہ'' عنوان کے تحت 82 کتب (ص 832 تا 838) کا اندراج ملتا ہے۔

5۔ ڈاکٹر شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، 18/اگست 2018ء، ویب لنک: quranwahadith.com۔

6۔ ڈاکٹر انور خالد محمود، اردو نثر میں سیرت رسول اللہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول 1989ء، ص 467، ڈاکٹر شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، 18/اگست 2018ء، ویب لنک: quranwahadith.com، آہنگ بازگشت، محمد سعید، 9 ڈی سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی، 1979۔

7۔ ڈاکٹر شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، 18/اگست 2018ء، ویب لنک: quranwahadith.com۔

8۔ ڈاکٹر انور محمود خالد: اردو نثر میں سیرت رسول اللہ، ص حاشیہ 168۔

9۔ مطبوعہ روڈی پنجاب، 1934ء، صفحات 432، بار دیگر دار الکتب سلیمانی حصار۔

10۔ ناشر چمن لال سا ہنی اینڈ برادرز، لاہور، 1932ء۔
11۔ مطبوعہ سلیمی پریس، الہ آباد، 1933ء، صفحات 33۔
12۔ مطبوعہ اتحاد پریس لاہور، 1943ء، صفحات 221۔
13۔ انیس احمد چشتی (پونا)، سیرت نبوی پر ایک ہندو کی مراٹھی تصنیف، معارف، اپریل 1997ء، ص 273۔
14۔ پیغمبر اسلام ﷺ پر کتاب لکھنے پر ہندو قلم کار کو کڑی تنقید کا سامنا، 26/ اکتوبر 2015ء، تعمیر نیوز ڈاٹ کوم۔
15۔ مطبوعہ کتاب مرکز، گوجرانوالہ۔
16۔ مطبوعہ ادارہ نئی راہ، بمبئی، 1956۔
17۔ مطبوعہ بکڈپو تالیف واشاعت قادیان، پنجاب۔
18۔ مطبوعہ کتاب گھر، قادیان، پنجاب۔
19۔ ایم عبدالعزیز اینڈ سنز۔
20۔ حافظ محمد نعیم، ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ (روایات سیرت کے تناظر میں)، جہات الإسلام سیرت نمبر، جلد 4، شمارہ 2-1، جولائی۔دسمبر 2010ء، جنوری۔جون 2011ء۔
21۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی: پیغمبر اسلام ﷺ ہندوستانی غیر مسلم دانش وروں کی نظر میں، اشاعت 1/ جولائی 2016ء، مضامین.کوم۔
22۔ انیس احمد چشتی (پونا)، سیرت نبوی پر ایک ہندو کی مراٹھی تصنیف، معارف، اپریل 1997ء، ص 272۔
23۔ گوردت سنگھ دارا (جی ایس دارا)، رسول عربی، مجلس اردو ماڈل ٹاؤن، لاہور، 1941، ص 11۔
24۔ حافظ محمد نعیم، ہندوؤں کی سیرت نگاری کا ناقدانہ جائزہ (روایات سیرت کے تناظر میں)، جہات الإسلام سیرت نمبر، جلد 4، شمارہ 2-1، جولائی۔دسمبر 2010ء، جنوری۔جون 2011ء۔

☆☆☆

سیرت پیغمبر ﷺ پر غیر مسلموں کی تصنیفات

جناب محمد منور کمال
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

علامہ شبلی نے اپنی کتاب ''سیرت النبی'' کی پہلی جلد میں ہر دور کے سیرت نگاروں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے مثال کے طور پر صحابہ کرام میں سے عروہ ابن زبیر 94ھ کا نام خاص طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، اسی طرح دوسری صدی ہجری میں سے محمد بن مسلم شہاب زہری، محمد ابن اسحاق، اور تیسری صدی ہجری میں سے ابو محمد عبد الملک بن ہشام کا نام خاص طور پر شمار کیا جا سکتا ہے، اسی طرح آگے چل کر ہر دور اور دنیا کے ہر خطے میں اس موضوع پر کام ہوتا رہا، چنانچہ اگر ہندوستان ہی میں دیکھا جائے تو بڑے بڑے علماء نے بہت ہی عمدہ کام کیے اور بہت حد تک اس موضوع کا حق ادا کر دیا، ان کاموں میں سے سلیمان منصور پوری صاحب کی ''رحمۃ للعلمین'' اور علامہ شبلی و علامہ سید سلیمان ندوی صاحبان کی ''سیرت النبی'' کا خاص طور پر شمار کیا جا سکتا ہے، اور اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کا تذکرہ ضروری نہیں۔

اللہ نے اپنے آخری نبی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایسی جامع اور با کمال شخصیت کا مالک بنایا کہ جو کوئی بھی ان کی سیرت و سوانح کو پڑھتا ہے ان سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو نہ صرف مسلم علماء نے قلمبند کیا بلکہ غیر مسلم علماء بھی اس نیک کام میں پیچھے نہیں رہے۔

ہندوستان اور برصغیر کے غیر مسلم علماء نے سیرت پیغمبر ﷺ پر جو قابل تعریف کتابیں تصنیف کیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1)۔عرب کا چاند: از سوامی لکشمن، 2)۔حضرت محمد اور اسلام: از پنڈت سندر لال، 3)۔ پیغمبر صحرا: از کے۔ایل۔گابا، 4)۔رسول عربی: از پروفیسر جی۔ایس۔دارا، 5)۔سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام: از شردھے پرکاش دیو، 6)۔حیات محمد: از گووند دایا جنڈ ہوک، 7)۔پیغمبر اسلام: از ڈاکٹر سندر لال، 8)۔حضرت محمد اور اسلام: از بابو کنج لال ایم۔اے، 9)۔حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری: از پروفیسر لاجپت رائے، 10)۔پیغمبر اسلام: از رگھوناتھ سہائے، 11)۔ چار مینار: از گووندرام سیٹھی پرشاد۔

(1)۔عرب کا چاند

اس کتاب کے مصنف سوامی لکشمن جی ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، پاکستان سے چھپی ہے۔ پوری کتاب 414 صفحات اور دو جلدوں پر محیط ہے۔ پہلی جلد میں صاحب کتاب نے مکی زندگی کے حالات و واقعات کو یکجا کیا ہے جیسے کہ، عرب کا جاہلی دور، خاندان قریش کا تذکرہ، مکہ کے حالات، حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر نبوت تک کے واقعات اور پھر نبوت ملنے کے بعد کے تمام تر واقعات جیسے کہ، غریب مسلمانوں کا ستایا جانا، اور حضور ﷺ کو دین کی دعوت سے باز رکھنے کے لیے کفار مکہ کی کوششیں، وغیرہ، جو تمام ہی کتب سیر میں ملتے ہیں۔ دوسری جلد میں مصنف نے سال کا لحاظ رکھتے ہوئے واقعات کو قلمبند کیا ہے جیسے کہ ہجرت کا پہلا سال، ہجرت کا دوسرا سال، اور ہجرت کا تیسرا سال وغیرہ، اور اس کے تحت اس دوسری جلد میں ہجرت کے واقعہ سے لیکر حضور ﷺ کی وفات تک کے تمام واقعات کو جمع کیا ہے جو عام طور پر دوسری تمام سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

مقصد تالیف:۔صاحب کتاب کا ماننا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی سنوارنے اور نکھارنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاق و کردار کو درست کرے اور اخلاق و کردار کے سب سے اعلیٰ معیار پر جو شخصیت فائز ہے وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے، اور جن شخصیات نے دنیا کو راہ ہدایت کا سامان فراہم کیا ان میں سے آپ ﷺ سب سے ممتاز ہیں، چنانچہ صاحب کتاب لکھتے ہیں۔''میں

نے دنیا کی ان عظیم المرتبت اور نادرہ روزگار ہستیوں کے حالات بابرکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کرلیا ہے جنہوں نے دنیا کو جہالت کی شب تاریک میں علم وعرفان کی ضیاء پاشیوں سے روشنی پھیلائی اور اپنے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش وعشرت کو بے دریغ قربان کر دیا۔ دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کے انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسی لیے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلمبند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے''۔(1)

تجزیہ:۔ صاحب کتاب نے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو عالمگیر شخصیت بتاتے ہوئے ان لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ صرف ایک قوم کے رہنما اور قائد ہیں، چناچہ لکھتے ہیں۔'' دنیا کی بلند نظر اور نادرہ روزگار ہستیاں کسی خاص قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتیں۔ بلا امتیاز نسل ورنگ اور بلا استثنائے مذہب ہر شخص پر ان کا احترام فرض اور ان کی بصیرت افروز تعلیم سے بہرہ اندوز سعادت ہونا واجب ہے۔ خود ایسی مایۂ ناز شخصیتوں نے اپنی وسیع النظری ہی کی وجہ سے اپنی تعلیمات وتلقینات سے بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی فیض یاب کرنے کی کوشش کی۔ اس باران رحمت کی طرح جس کی لطافت طبع کے لیے صحرا اور چمن یکساں ہیں۔ پس ہم اس قسم کی تنگ نظری اور تعصب کے مظاہرے کیوں کریں کہ ان کی عالمگیر شخصیت کو کسی خاص قوم اور مذہب سے مخصوص کر کے خود ان کے ارشادات عالیہ کے فیض سے محروم رہیں''۔(2)

صاحب کتاب نے عرب کے جاہلی دور اور ہندوستان کے موجودہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت جو حالات عربوں کے تھے وہی حالات آج ہندوستان کے بھی ہیں اور جس طرح کی برائیاں عربوں میں پائی جاتی تھیں اسی طرح کی برائیاں آج ہندوستان میں بھی عام ہیں۔(3)

صاحب کتاب نے اسلامی جنگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات کا خلاصہ کیا ہے کہ، اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔(4)۔ صاحب کتاب نے بہت کم ایسی چیزیں لکھی ہیں جو قابل اعتراض یا قابل تردید ہوں، ہاں بعض جگہ ایسی باتیں بھی آ گئی ہیں جو عام طور پر مسلم سیرت نگاروں نے نہیں بیان کی ہیں، جیسے کہ صاحب کتاب نے فرشتوں کی طرف سے حضرت آمنہ کو بشارت دینے کا ذکر کیا ہے۔(5)

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف موصوف حضور اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار تھے، آپ کی زبان میں وہ چاشنی اور مٹھاس نظر آتی ہے جو کم سیرت نگاروں کی کتابوں میں ملتی ہے، اور صاحب کتاب نے جگہ جگہ پر خوبصورت اشعار اور نظم کا بھی سہارا لیا ہے جس کی وجہ سے زبان کی مٹھاس اور سحر انگیزی دوبالا ہوگئی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اردو اور ہندی کے علاوہ عربی اور فارسی زبان میں مہارت رکھتے تھے، اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے مستشرقین کی کتابوں سے نہیں بلکہ مسلم سیرت نگاروں کی کتابوں سے استفادہ کر کے یہ کتاب تیار کی ہے، کیونکہ آپ کی اس کتاب میں عام طور پر وہی چیزیں مذکور ہیں جن کو مسلم سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ مسلم سیرت نگاروں کی کتابوں اور آپ کی اس کتاب میں ایک کھلا فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ مسلم سیرت نگار عام طور پر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں جبکہ آپ کی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی اور اس میں دیگر حوالہ جات کی بھی کمی پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کتاب کے مطالعہ سے ایک خاص چیز کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ کہ صاحب کتاب ایک موحد شخص تھے۔

خلاصۃً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مجموعی طور پر کتاب بہت عمدہ اور قابل مطالعہ ہے، پوری سچائی اور حضور پاک ﷺ کی مبارک زندگی عشق و محبت کے پیرائے میں حقیقت بیانی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

(2)۔ حضرت محمد اور اسلام

اس کتاب کے مصنف پنڈت سندر لال جی ہیں، اور اس کو بشمبھر ناتھ، وسوانی پریس ساؤتھ

ملا کہ الہ آباد نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً 227 صفحات پر مشتمل ہے۔

مقصد تالیف :۔ کتاب کے پبلشر بشمبھر ناتھ نے اس کتاب کے مقصد تالیف میں یہ بات لکھی ہے کہ پنڈت سندر لال جی ادھر کچھ سالوں سے مختلف مذاہب اور کلچر پر ایک بڑی کتاب لکھ رہے ہیں اور یہ اسی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے جو لوگوں کی فرمائش پر الگ سے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کو تحقیقی طور پر لکھا ہے اور اس کی تصنیف میں انصاف پسندی اور سچائی سے کام لیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کو اردو، ہندی اور انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان سے بھی بخوبی واقفیت حاصل تھی، صاحب کتاب نے اکثر چیزیں حوالوں کی روشنی میں لکھی ہیں، لیکن زیادہ تر حوالے انگریزی کتابوں کے دئے گئے ہیں، کہیں کہیں پر قرآن کریم کی آیات اور احادیث بھی نقل کی گئی ہیں، کتاب میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو قابل اعتراض ہیں جیسے کہ، (1) مصنف نے ''عربوں کا دھرم'' کے عنوان سے یہ لکھا ہے کہ ان کا پرانا مذہب بت پرستی تھا، (6) حالانکہ تاریخ کی روشنی میں یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ عربوں کا اصل مذہب ایک خدا کی عبادت تھی یہ الگ بات ہے کہ ان کے اندر شرک کے نام پر بت پرستی کا رواج پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو ترک کر دیا تھا اور گمراہی کے شکار ہو گئے تھے۔

(2) اسی طرح مصنف کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اسلام مکہ میں پیدا ہوا اور وہیں سے پھیلا، (7)۔ حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت آدم اور حوا علیہ السلام سرزمین عرب عرفہ ہی میں ایک دوسرے سے ملے جیسا کہ روایات سے پتہ چلتا ہے اور اس حساب سے انسانوں کی آبادی کا پہلا مرکز بھی مکہ ہی کو ماننا چاہئے اور اسلام کی جنم بھومی بھی، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ صاحب کتاب نے جو تصور دیا ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں اسلام کا جنم ہوا اور وہیں سے پوری دنیا میں پھیلا جب کہ تاریخ کی روشنی میں یہ بات بالکل نا قابل

قبول ہے، کیونکہ جس دن اللہ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا اسی دن سے ان کو جو دین عطا کیا وہ دین اسلام ہی تھا اور تمام انبیاء کرام نے اسی دین اسلام کی اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی، یہ الگ بات ہے کہ ان کی شریعتوں میں تھوڑا بہت فرق ضرور رہا لیکن دین تمام انبیاء کا ایک ہی تھا اور وہ تھا دین اسلام۔

(3) اسی طرح مصنف نے ایک بات لکھی ہے جو عام طور سیرت نگاروں نے نہیں لکھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت آمنہ حضرت عبداللہ کے انتقال کی وجہ سے صدمہ میں تھیں اور بیمار تھیں اسلئے آپ حضور ﷺ کو سات دن سے زیادہ دودھ نہیں پلا سکیں، (8) اور اس بات کا صاحب کتاب نے کوئی حوالہ بھی نہیں دیا ہے۔ حالانکہ تاریخ وسیر کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ ان کے شریف گھرانوں کے بچے دیہات میں پرورش پاتے تھے تاکہ ان کی زبان اچھی ہو سکے اور شہر کے ہر طرح کے آلائشوں سے پاک صاف رہ کر کھلے ماحول میں پرورش پا سکے۔ اس لیے دیہات سے عورتیں آتی تھیں اور شریف گھرانوں کے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاتیں اور دل وجان سے ان کی پرورش کرتی تھیں تاکہ ان کو بچوں کے وارثین کی طرف سے عمدہ سے عمدہ انعامات حاصل ہو سکیں۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت سندر لال جی بھی سوامی لکشمن ہی کی طرح اس بات کے قائل تھے اسلامی جنگیں دفاعی تھیں نہ کے اقدامی، (9)۔ اسی طرح ''اسلام پھیلانے کا طریقہ'' کے عنوان سے صاحب کتاب نے قرآن کریم کی مختلف آیات کے حوالوں کی روشنی میں یہ بات لکھی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی طرف سے کبھی بھی اسلام کی تبلیغ میں زور زبردستی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ہمیشہ احکام خداوندی کی پابندی کرتے ہوئے اس سلسلے میں نرمی اور خوش اخلاقی کا پہلو اختیار کیا گیا، چناچہ لکھتے ہیں۔ ''مدینہ پہنچ کر پہلی بار محمد صاحب کو کھلے طور پر پوری شانتی اور آزادی کے ساتھ اپنے وچاروں کو پھیلانے کا موقع ملا۔ اب وہ بڑے جوش کے ساتھ اپدیش دینے لگے۔ ہزاروں آدمی ان کا پیغام (سندیش) سننے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اس کام میں کسی کے ساتھ کسی طرح کے بھی زور زبردستی کی کوئی جگہ نہ تھی''۔ پھر قرآن کریم کی مختلف آیات کے حوالوں کے ساتھ تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''محمد صاحب کا اپنے دھرم کو پھیلانے کا طریقہ زندگی بھر ایسا

رہا جیسا قرآن کی ان آیتوں میں بتایا گیا ہے، ان کی ساری زندگی میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی جس میں انہوں نے کبھی کسی کو بھی تلوار کے زور سے یا کسی طرح کا دباؤ ڈال کر اپنے دھرم میں شامل کیا ہو، اور نہ انہوں نے کسی قبیلہ یا گروہ کو اپنے دھرم میں لانے کے لئے کبھی کسی پر بھی چڑھائی کی یا ایک بھی لڑائی اس کام کے لیے لڑی۔ وہ دھرم میں دوسروں کو اتنی ہی آزادی دیتے تھے جتنی وہ دوسروں سے اپنے لیے چاہتے تھے''۔(10)

خصوصیت :۔ کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے کتاب کے آخر میں ''اسلام دھرم کا نچوڑ'' کے عنوان سے اسلامی تعلیمات کو خلاصے کے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔(11) اسی طرح صاحب کتاب نے اخیر میں کچھ ایسی حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں ایمان و یقین، اچھے اخلاق و کردار اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے۔

مجموعی طور پر کتاب بہت عمدہ اور سادہ و سلیس زبان میں ہے۔ اس میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے الفاظ مستعمل ہیں۔ مصنف نے جنگوں کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کیا ہے اور کتاب قدرے مختصر مگر جامع ہے۔ صاحب کتاب نے تاریخ کا استعمال نہ کے برابر کیا ہے لیکن انگریزی کتابوں کے حوالوں کا کثرت سے استعمال کیا ہے ساتھ ہی قرآنی آیات اور موقع بہ موقع احادیث مبارکہ کا بھی سہارا لیا گیا ہے، اور بہت کم چیزیں قابل تردید ہیں۔

(3)۔پیغمبر صحرا

اس کتاب کے مصنف کے۔ایل۔گابا ہیں۔ یہ کتاب اصل میں انگریزی زبان میں ''دی پروفٹ آف دیزرٹ'' کے نام سے لکھے گئی تھی اور اس کا اردو ترجمہ پروفیسر احمد الدین مارہروی نے کیا ہے۔ اس کتاب کو جامعہ کراچی کے دارالتحقیق برائے علم و دانش نے پبلش کیا ہے۔ اور یہ کتاب مجموعی طور پر تقریباً 242 صفحات پر مشتمل ہے۔

مقصد تالیف :۔ کتاب کی تالیف کے مقصد کے بارے میں صاحب کتاب نے خاص

طور دو باتیں بیان کی ہیں: ایک تو یہ کہ وہ یہ کتاب کسی چیز کی لالچ یا شہرت کے لیے نہیں لکھ رہی ہیں بلکہ ان کا خاص مقصد یہ ہے کہ عام انسان اس کتاب سے استفادہ کر سکے اور پیغمبر ﷺ کی زندگی سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اور دوسری بہت اہم بات یہ لکھی ہے کہ پچھلی کچھ صدیوں میں اسلام اور اس کے پیغمبر ﷺ کے بارے میں کثرت سے غلط باتیں لکھی جا رہی ہیں اور عوام کے اندر نفرت وعداوت کا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے، اس لیے حضور ﷺ کی زندگی کو ہر انسان تک پہنچانا ضروری ہے تا کہ وہ خود حقیقت سے روشناس ہو سکے اور اچھے برے کی پہچان کر سکے، چنانچہ صاحب کتاب نے اپنی کتاب کے مخاطبین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میری اس کتاب کے مخاطب پانچوں وقتوں کی نماز پڑھنے والے مسلمان بھی ہیں اور تمام مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی۔

انداز تصنیف:۔ مصنف نے پوری کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے اور حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے لیکر فتح مکہ تک کے واقعات اور پھر اخیر میں اسلام کے پیغام کو بیان کرتے ہوئے کتاب کو مکمل کیا ہے۔ کتاب کے ابواب کچھ اس طرح ہیں۔

پہلا باب: شتربان، دوسرا باب: پیغمبر، تیسرا باب: مہاجر، چوتھا باب: مصلح، پانچواں باب: جنگجو، چھٹا باب: فاتح، ساتوں باب: انسان۔

مصنف نے کتاب کی زبان کو بالکل سادہ اور آسان فہم رکھا ہے۔ اور تحریر کا انداز بالکل افسانوی ہے، اس لیے جو لوگ افسانوی چیزیں پڑھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب چاشنی اور مٹھاس سے پر ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس میں معلومات کا خزانہ بھی ہے۔ اور مصنف نے چونکہ کتاب کا انداز افسانوی رکھا ہے اور کسی کے جواب یا چیلنج میں یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ عوام الناس کو خاص طور پر اپنی اس کتاب کا مخاطب بنایا ہے اسلیے حولوں کا استعمال بھی نہیں کیا ہے، لیکن جگہ جگہ ضرورت کے مطابق قرآنی آیات کو بیان کیا ہے جیسے کہ نبوت ملنے اور نزول وحی کے سلسلے میں سورہ اقراء اور سورہ مزمل کی آیات کا (12)۔ مصنف نے پوری کتاب اخلاص وسچائی کے ساتھ لکھی ہے اور غلط بیانیوں سے پورے طور پر گریز کیا ہے۔

(4)۔رسول عربی

اس کتاب کے مصنف جی۔ایس۔دارا صاحب ہیں جو کہ سکھ مذہب کے ماننے والے اور محبّ رسول ﷺ ہیں۔ ساجد بکڈپو، آفریدیان، رامپور، یوپی نے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1930ء میں دوسری بار 1940ء میں اور تیسری بار 1979ء میں چھپی تھی۔ یہ کتاب کل 160 صفحات اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

مقصد تالیف:۔اس سلسلے میں صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ ان دنوں پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف غلط باتیں لکھی جارہی تھیں اور اس سلسلے میں میں نے دو چار بار نہیں بلکہ سینکڑوں بار باتیں سنیں جس کی وجہ سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں خود پیغمبر ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کروں تا کہ حقیقت تک پہنچ سکوں، جب میں نے اس پر ایک کتاب پڑھی تو مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی اور میں نے اور بھی دوسری بہت سی کتابیں پڑھیں اور جوں جوں مطالعہ بڑھتا گیا پیغمبر ﷺ سے میری محبت میں اضافہ ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ میں نے جو کچھ بھی اردو، ہندی، اور عربی فارسی کتابوں میں پڑھا اسے ایک جگہ مرتب کرنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ یہ کتاب اسی مطالعہ کا ایک نتیجہ ہے۔(13)

اس کتاب کی اہمیت اور صدق دلی کے ساتھ لکھی جانے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اس کتاب کا دیباچہ حفیظ جالندھری صاحب نے لکھی اور اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے بھی اس کی بھرپور تعریف کی ہے۔(14) اور اس کا پیش لفظ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے لکھا ہے جس میں انہوں نے اس بات کا خلاصہ کیا ہے کہ جی۔ایس۔دارا صاحب کی طرح ہر فرقہ میں کچھ لوگ پیدا ہوجائیں تو ابنائے ہند میں اتحاد و اتفاق اور محبت کی ایسی دیوار قائم ہوجائے کہ باہر کے سارے دشمن بھی مل کر اسے ہلا نہ سکیں۔(15)

مصنف نے کتاب کو چار جلدوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں حضور ﷺ کی پیدائش

سے لے کر نزول وحی تک کے واقعات درج ہیں۔ دوسری جلد میں نبوت سے لے کر ہجرت مدینہ تک کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں مدینہ میں داخلہ سے لے کر غزوۂ خندق کے حالات نقل کئے گئے ہیں۔ جب کہ جلد چہارم میں صلح حدیبیہ سے لے کر حضور اکرم ﷺ کی وفات تک کے واقعات کا بیان ہے۔ کتاب کی زبان بالکل سادہ اور سلیس ہے عام طور پر اردو کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، کہیں کہیں پر فارسی کے الفاظ بھی شامل ہیں، ساتھ ہی موقع بہ موقع اچھے اور چنندہ اشعار بھی شامل عبارت ہیں جن کی وجہ سے انداز بیان خوبصورت اور بہترین ہو گیا ہے۔ کتاب معیاری اور متوسط درجے کے طلبا کے لیے بہت مفید اور عمدہ ثابت ہو سکتی ہے۔ مصنف نے حوالوں کا استعمال نہیں کیا ہے لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے اس کی تعریف کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھا کہیں کوئی گڑبڑی یا غلط باتیں نہیں لکھی گئیں ہاں یہ ممکن ہے کہ کہیں کہیں پر املاء کی غلطیاں رہ گئی ہوں، اور یہ کوئی بڑا جرم نہیں ہے۔

(5)۔سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام

اس کتاب کے مصنف شردھے پرکاش دیو جی ہیں جو ''براھم دھرم'' کے ایک پرچارک تھے۔ اس کتاب کی اشاعت یونین اسٹیم پریس لاہور مین بابو دیوی چند رصاحب پرنٹر کے اہتمام سے ہوئی ہے۔ یہ کتاب کل 132 صفحات پر مشتمل ہے۔

مقصد تالیف:۔ تالیف کا مقصد صاحب کتاب نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ ہر قوم و ملت کے رہنما اپنی جگہ ایک مقام رکھتے ہیں اور انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بھی لکھا ہے حضور ﷺ نہ صرف کسی ایک قوم و مذہب کے رہنما اور قائد تھے بلکہ ان کی تعلیمات میں تمام انسانوں کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا سامان موجود ہے، جو ایسا سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ صرف کسی ایک قوم کے رہنما اور قائد تھے وہ متعصب اور فرقہ پرست انسان ہے۔(16) اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ میری خواہش ہے کہ ہر قوم وملت کے رہنماؤں اور رہبروں کی تاریخ سے ہر ایک

کوواقفیت ہونی چاہیےاس لیے میں نے حضورﷺ کی سیرت طیبہ کومرتب کرنے کاارادہ کیا۔(17)

مصنف نے اپنی کتاب کے طرز تحریر کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ''اگر چہ یہ حال بہت مختصر ہے۔مگر پھر بھی ایسا ہے کہ جن لوگوں کو دنیا کے اس بڑے ریفارمر کے حالات سے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ان کو کچھ تو آگاہی ہو جائیگی۔اور کچھ تعجب نہیں کہ اس کو دیکھ کر کسی اور صاحب کو تحریک پیدا ہو۔ اور تھوڑے ہی زمانے میں ہم ایک مفصل اور عمدہ سوانح عمری محمد صاحب کی اردو خانوں کے کتب خانوں میں دیکھیں۔جو ہماری عین دلی آرزو ہے''۔(18)

اس کتاب کومصنف نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے جس میں حضورﷺ کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے واقعات کو خالص اردو، بہت ہی سادہ اور آسان زبان میں بیان کیا ہے۔اس کتاب کے نام میں صاحب کتاب نے حضور اکرمﷺ کو اسلام کا بانی لکھا ہے جو کہ میرے حساب سے درست نہیں ہے۔اس کتاب کی اچھائی اور مصنف کے خلوص اور عقیدت مندی کا اعتراف الطاف حسین حالی اور مولوی بشیر صاحب کے علاوہ اور بھی کئی بڑی شخصیات نے کیا ہے۔

خلاصۂ کلام

مجموعی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مذکور تمام مصنفین نے اپنی کتابوں میں خلوص اور صدق دلی کے ساتھ حضورﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کیا ہے۔اور یہ ساری کتابیں قابل استفادہ اور ہر طرح کے لغویات سے پاک ہیں۔اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ یہ خصوصیت حضور پاکﷺ ہی کی ہے کہ جو شخص بھی آپ کی سیرت طیبہ کو صدق دل اور پاک نیت سے پڑھتا ہے وہ آپ کی ذات با برکات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔چنانچہ ان مصنفین کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں سے اکثر حضورﷺ کی محبت وعقیدت سے سرشار نظر آتے ہیں۔ایک اور اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تمام کی تمام کتابیں 20ویں صدی میں تصنیف کی گئی ہیں، جب کہ ہر طرف حضور اکرمﷺ کی شان میں گستاخیوں کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے،جس کی وجہ سے مسلم علماء کے ساتھ ساتھ غیر

مسلم علماء بھی پریشاں حال تھے کہ اس سلسلے میں کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے کہ ہر قوم و مذہب کے لوگ آپس میں امن و آشتی اور محبت و بھائی چارگی کے ساتھ رہیں اور ہر مذہب کے لوگ ایک دوسرے کے مذہبی رہنماؤں کا احترام کریں، چنانچہ یہ کتابیں اسی مقصد کے حصول کے تحت تصنیف کی گئی تھیں۔

حوالہ جات:

1۔ سوامی لکشمن آنجہانی۔عرب کا چاند۔مکتبہ تعمیر انسانیت۔اردو بازار لاہور۔پاکستان۔صفحہ۔23
2۔ ایضاً۔صفحہ۔22-23
3۔ ایضاً۔صفحہ۔24-25
4۔ ایضاً۔صفحہ۔122اور336
5۔ ایضاً۔صفحہ۔66
6۔ پنڈت سندر لال، حضرت محمد اور اسلام، پبلشر بشمبھر ناتھ۔ساؤتھ ملاکہ الہ آباد یوپی۔ ہندوستان، صفحہ۔13
7۔ ایضاً۔صفحہ۔28
8۔ ایضاً۔صفحہ۔22
9۔ ایضاً۔صفحہ۔100
10۔ ایضاً۔صفحہ۔91اور96
11۔ ایضاً۔صفحہ۔191
12۔ کے۔ ایل ۔ گابا۔ پیغمبر صحرا۔ترجمہ پروفیسر احمد الدین مارہروی۔جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم ودانش۔صفحہ۔42-40
13۔ جی۔ایس۔دارا۔رسول عربی۔ساجد بکڈپو۔آفریدیان،رامپور یوپی۔ہندوستان۔صفحہ۔14-13
14۔ ایضاً۔صفحہ۔10
15۔ ایضاً۔صفحہ۔9
16۔ شردھے پرکاش دیو۔سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام۔یونین اسٹیم پریس لاہور۔مین بابو دیوی چندر صاحب پرنٹر۔پاکستان۔صفحہ۔3
17۔ ایضاً۔صفحہ۔6
18۔ ایضاً۔صفحہ۔7

سیرت نبوی میں ہندوستانی غیر مسلموں کی خدمات

مولانا محمد صلاح الدین ایوبی
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو)

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین** آپ کی رحمت کا دائرہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی رحمت کے سائبان میں پناہ لیتے رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر دور میں نبی اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف میں نعت گوئی ونعت نگاری کا شرف حاصل کرنے والوں میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی رہی ہے۔

نعت کے علاوہ غیر مسلموں نے سیرت نبوی ﷺ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ تاریخ کے صفحات پر یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے ہندو سیرت نگاروں کی بھی موجود ہے جنہوں نے رسول عربی ﷺ کی سیرت پاک کے ذریعہ اپنی تحریر کی حرمت وتقدس میں چار چاند لگایا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ اپنی جامعیت وآفاقیت کی وجہ سے ہمیشہ لوگوں کی دلچسپی کا موضوع رہی ہے اور یہ سیرتِ پاک کا اعجاز وکمال ہے کہ مختلف مذاہب کے مصنفین نے مختلف انداز میں اور مختلف پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی ہے۔ سیرت پر غیر مسلم دانشوروں نے اتنا لکھا ہے کہ ان سب کا احاطہ ممکن نہیں، بلکہ روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں سیرت نبوی کے جاننے والے اور اس پر لکھنے والے موجود نہ رہے ہوں اور اس علاقے میں سیرت نبوی کی خوشبو نہ پہنچی ہو۔ زیر نظر مقالے میں روئے زمین کے ایک بہت بڑے خطے یعنی ہندوستان کے ہندو سیرت نگاروں کی تحریروں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

سیرت نگاری میں غیر مسلموں کی دلچسپی کی وجوہات:

ہندو سیرت نگاروں کی کتابوں کے مطالعہ سے سیرت نگاری کی طرف ہندوستانی غیر مسلموں کی دلچسپی کی کئی وجوہات ملتی ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک بڑے اور عالم گیر مذہب کے پیغمبر ہیں، ان کے لفظوں میں بانی اسلام، اوتار یا انقلابی پُرُش ہیں، جنہوں نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں سماج سے برائیوں کو مٹانے اور انسانوں کو نیکیوں کی طرف راغب کرنے کا کام انجام دیا۔ آپ نے انسان کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی، عورتوں کے ازدواجی اور وراثتی حقوق بحال کئے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور انسانوں کو غلام بنانے کی رسم کو ختم کیا نیز دوسرے مذاہب کا احترام کرنا سکھایا اس کے علاوہ ایک پرماتما کو ماننے کی تلقین کی، جو کسی حد تک ویدک فلسفہ توحید کے قرب تر ہے۔ لہذا ایک ایسی عظیم شخصیت کی سیرت وسوانح پر قلم اٹھانا اپنے لئے سعادت سمجھا۔

دوم: مذہبی یکجہتی کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب پر بھی فراخدلی سے لکھا جائے اور ان کی اچھی تعلیمات کا دل کھول کر اعتراف کیا جائے، ہندو مسلم منافرت کے سیلاب پر بند باندھا جائے اور قدیم گنگا جمنی تہذیب کو پھر سے زندہ کیا جائے۔

سوم: تیسری وجہ عقیدت ومحبت ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے غیر مسلم سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کی عقیدت ومحبت میں اس طرح ڈوب کر کتاب لکھی جسے پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ کسی غیر مسلم کی تصنیف ہے۔

چہارم: چوتھی وجہ انصاف پسند غیر مسلموں کی جانب سے متعصب اور شدت پسند غیر مسلم مصنفین کی کتابوں کا رد اور جواب دینا بھی ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی ہندو اور مسلمانوں کے درمیان سخت مذہبی کشاکش کا دور تھا۔ یہ کشمکش عیسائی مشنریز، آریہ سماج تحریک، اکھل بھارتیہ ہندو مہا سبھا، شدھی سنگٹھن اور آر ایس ایس کی

کوششوں کا نتیجہ تھی، جس کے زیر اثر ہتک آمیز کتب ورسائل لکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ بعد میں اس نے ایک مناظراتی صورت اختیار کر لی۔ عیسائیوں کے اعتراضات کا مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا عنایت رسول چریا کوٹی اور مولانا سید محمد علی مونگیری جیسے علماء نے رد کیا اور ان کی سازشوں کا بھرپور دفاع کیا۔ مسلمان ابھی عیسائیوں کے نرغے سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ عیسائیوں کی شہ پر آریہ سماجیوں نے ان پر حملہ بول دیا۔ انہوں نے منظّم منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کے عقائد، پیغمبر اسلام اور قرآن کریم کو نشانہ ملامت بنایا۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفرت پروان چڑھی اور فاصلے بڑھتے گئے۔

1924ء میں آریہ سماج تحریک کے مبلغ مہاشے کرشن نے ''رنگیلا رسول'' لکھ مذہبی انتہا پرستی کی ساری حدیں پار کر دیں۔ اس کتاب کے دس بارہ جوابات لکھے گئے، جن میں سب سے مشہور جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ''مقدس رسول'' کے نام سے تھا، جو 1925ء میں دفتر اہل حدیث امرتسر سے شائع ہوئی۔ رنگیلا رسول نامی کتاب انتہائی دل آزار کتاب تھی۔ اس کتاب نے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں ایک آگ لگا دی۔ اس بیہودہ کتاب پر اس کے مصنف نے اپنا نام شائع نہیں کیا تھا، اس لئے مسلمانوں نے مصنف کے بجائے اس کتاب کے ناشر راج پال کو آگھیرا اور آخر کار غازی علیم الدین نے اس بدبخت کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بہت عرصے بعد کتاب کے مصنف کا سراغ لگ سکا۔(1)

ایسے ماحول میں وہ ہندو اہل قلم جو دوسرے مذاہب کا حترام کرتے تھے اور مسلمانوں کے دین کے بارے میں مثبت رائے رکھتے تھے، انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اسلام سے متعلق آریہ سماجیوں، مہاسبھائیوں اور شدھیوں کی پیدہ کردہ غلط فہمیوں کو دور کرنا اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے ہندوستان کے باشندوں کو متعارف کرانا ضروری سمجھا، چنانچہ اس کے لئے انہوں نے سیرت رسول پر کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔

اُس وقت ہندوستان میں رسول کریم ﷺ کی شان کے خلاف لکھنے والے عیسائی اور ہندو دونوں تھے۔ ان میں سب سے پہلے جس شخص نے حضور اکرم ﷺ کے خلاف تعصب اور بغض وعناد کی

آگ کتابی صورت میں لگائی وہ پادری عماد الدین پانی پتی تھا۔اس نے ''تواریخ محمدی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو 1870ء میں منظر عام پر آئی۔اس کے بعد 1883ء میں پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' شائع ہوئی، وہ بھی اسی زہر افشانی کا نمونہ تھی۔اس کے بعد 1897ء میں پنڈت لیکھ رام کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں بھی اسی بغض وعناد کا پشتارہ تھیں۔تاہم ان بے ہودہ کتابوں کے جوابات لکھنے کا سلسلہ اسی وقت شروع ہو گیا تھا اور اس کام کا سہرا مولانا ثناءاللہ امرتسری کے سر ہے، جنہوں نے پنڈت دیانند سرسوتی کے رد میں ''حق پرکاش'' کے نام سے کتاب لکھی۔ساتھ ہی مولانا نے سہاشا کرشن کی کتاب ''رنگیلا رسول'' (سن تالیف 1924ء) کے جواب میں مقدس رسول لکھی۔(2)

اس کے برعکس اس دور کے بہت سے معتدل مزاج غیر مسلم مصنفین نے سیرت نبوی پر بہت سی شاندار کتابیں لکھ کر آنحضرت کو خراج عقیدت پیش کیا۔اس کی ابتداء 1892ء میں واشنگٹن ارونگ کی کتاب ''Life of Mahomet'' کے ترجمے سے ہوئی، جو لالہ دلیا رام گولانی نے ''سوانح عمری محمد ﷺ'' کے نام سے کیا تھا۔انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں پیغمبر اسلام کی سیرت وسوانح پر لکھنے کا رجحان شریف النفس، انصاف پسند غیر مسلموں میں پروان چڑھ رہا تھا، جس کی ابتدائی بہترین مثال شردھے پرکاش کی کتاب ''حضرت محمد صاحب بانی اسلام'' ہے جو 1907ء میں منظر عام پر آئی۔اس کے بعد جے۔ایس دارا نے 1914ء میں ''رسول عربیؐ'' کے نام سے کتاب لکھی۔اس کے بعد لکشمن پرشاد نے سیرت نبوی پر 1932ء میں ایک بہت ہی مشہور ومعروف کتاب لکھی جس کا نام ''عرب کا چاند'' ہے۔اس کے علاوہ غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں پنڈت سندر لال کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام''، بابو کنج لال کی تصنیف ''حضرت محمد اور اسلام''، رگھوناتھ سہائے کی کتاب ''پیغمبر اسلام''، گوبند رام سیٹھی شاد کی کتاب ''چار مینار'' (سن تالیف 1944ء)، پروفیسر لاجپت رائے کی کتاب ''حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری'' وغیرہ چند نمایاں مثالیں ہیں۔(3)

ذیل میں چند ہندو سیرت نگاروں کا تذکرہ اور ان کی کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام:

اس کتاب کے مصنف شردھے پرکاش دیوجی ہیں اور یہ کتاب پہلی مرتبہ لاہور سے 1907ء میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے سات ابواب ہیں اور ہر باب کے چند ذیلی عنوانات ہیں۔ کتاب کے شروع میں چھ صفحات پر مشتمل طبع اول کا دیباچہ ہے جس میں مصنف نے کتاب لکھنے کی غرض وغایت کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''ایسے بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان کی (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی) اعلیٰ زندگی کے حالات سے واقف ہیں۔ ہم کو سینکڑوں، ہزاروں ایسے لوگوں سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوا ہے جو اپنے تئیں پکا مسلمان کہتے ہیں، لیکن اگر ان سے محمد صاحب کے حالات کی بابت کچھ استفسار کرو تو منھ دیکھتے رہ جاتے ہیں، حالاں کہ وہی لوگ جان عالم اور بے نظیر کے تمام افسانے از بر سنا سکتے ہیں''۔(4)

اس کتاب میں اگرچہ بعض مقامات پر تعبیر کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور بعض جگہوں پر مصنف کے مذہبی نظریات حاوی ہو گئے ہیں، تاہم مجموعی طور پر یہ ایک بہترین کتاب ہے اور پہلی ایسی کتاب ہے جو کسی غیر مسلم کی طرف سے غیر جانبدارانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ان اعتراضات کا بھی شافی جواب دیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر غیر مسلم مصنفین کرتے رہے ہیں۔ شردھے پرکاش نے حضور کے نام کے ساتھ صرف لفظ ''صاحب'' کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انہوں نے آپ ﷺ کے نام کے شروع میں آنحضرت اور بعد میں ﷺ لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔ کتاب کی زبان سادہ، بیان موزوں اور پیشکش دل آویز ہے۔ سیرت کے واقعات کو بڑے تسلسل اور عظمت کے ساتھ بیان کیا ہے جنہیں پڑھ کر قاری کو کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ عظمت رسول کا دائرہ تنگ یا محدود ہو رہا ہے۔ کتاب میں ہجری تاریخوں کی عیسوی سے تطبیق کی گئی ہے۔ کتاب کے آخری چار صفحات میں معاصرین کی آراء اور تبصرے یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں الطاف حسین حالی، مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ظفر احمد خان، سید ممتاز علی اور متعدد انگریزی اور اردو

اخبارات کے تراشے دیئے گئے ہیں۔

رسول عربی ﷺ:

یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ پر نہایت سلیقہ سے لکھی گئی ایک سکھ مصنف پروفیسر سردار گرودت سنگھ دارا کی تصنیف ہے۔ سردار گرودت سنگھ دارالاہور ہائی کورٹ میں بیرسٹر تھے اور لندن سے شائع ہونے والے ''انڈیا'' نامی ایک جریدہ کے مدیر تھے۔ مصنف انگریزی اور اردو دونوں زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ کتاب میں جا بجا برمحل فارسی اشعار کے استعمال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی زبان بھی جانتے تھے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حفیظ جالندھری نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی نے پیش لفظ تحریر کیا اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس کتاب پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ تینوں نامور شخصیات نبی کریم ﷺ پر لکھنے والے اہم ستون مانے جاتے ہیں۔ کتاب کے ناشر وجیہ اللہ خاں قادری کے مطابق اس کتاب کی طباعت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہندوستان میں قومی یک جہتی کا سامان فراہم کر سکتی ہے، جس کی اب بھی ہندوستان کو ضرورت ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1930ء میں شائع ہوئی، دوسرا ایڈیشن 1940ء میں آیا اور یہ تیسرا ایڈیشن اپریل 1979ء کا طباعت شدہ ہے۔ اس دور کے ہندو مسلم تنازعات میں اس کتاب کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ سید صاحب نے معارف پریس سے اس کی طباعت اور دفتر دارالمصنفین سے اس کی اشاعت فرما کر اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کو دوچند کر دیا۔

مصنف نے ابتداء میں رسول عربی کے عنوان سے ایک تمہید لکھی ہے جو بڑی پرجوش اور پر اثر ہے۔ اس کے بعد پوری کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب کے ضمنی عنوانات حاشیے پر دیئے گئے ہیں۔ سید سلیمان ندوی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے مصنف جناب جی۔ ایس۔ دارا، بی۔ ایل، بیرسٹر ایٹ

لا (لاہور) سے لندن میں ملنے جلنے کا اکثر اتفاق ہوا۔ ان کی بے تعصبی اور توحید پرستی دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ اگر ہندوستان کے مختلف فرقوں میں ایسی انسانیت و محبت کے چند افراد پیدا ہو جائیں تو ابنائے ہند کی باہمی الفت کی دیوار اس قدر مستحکم ہو جائے، کہ باہر کے دشمن اس کو کبھی توڑ نہ سکیں۔ دارا صاحب نے پیغمبر اسلام کی سوانح عمری بڑے بے نفسی اور بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے۔ کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آبِ کوثر کی بوندیں ٹپکتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا قلم کس جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے۔ میں نے اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھا اور ایک رواں کتاب کی حیثیت سے اس کو پسند کیا۔ ممکن تھا کہ یہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے اس سے زیادہ بلند پایہ پر لکھی جا سکتی، لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربارِ رسالت میں پیش کر سکتا۔ اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے۔ اگر الفاظ اور طریق تعبیر میں کہیں کہیں غلطی ہو تو مفہوم و معنی پر نظر اور مصنف کے حسن نیت پر گمان نیک رکھنا چاہیے۔''(5)

حضرت محمد اور اسلام:

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر پنڈت سندر لال (متوفی 1983ء) گاندھیائی فلسفہ و فکر کے علم بردار تھے۔ انہوں نے اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔'' گیتا اور قرآن'' ان کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ ان کی ایک کتاب'' سن ستاون'' کے پیش لفظ میں پروفیسر آل احمد سرور نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''پنڈت سندر لال ملک کے ان قومی رہنماؤں میں سے ہیں جنہیں خلوص، نظر، دردمندی اور شعور کی انمول دولت ملی ہے۔ گاندھی جی کی رفاقت نے ان میں حق پرستی اور حق گوئی پیدا کی۔ مختلف مذاہب کے ہمدردانہ مطالعہ نے ان میں رواداری، اخلاق اور انسانیت کی قدریں راسخ کیں۔''(6)

اس کتاب سے پہلے ان کی ایک تقریر ''پیغمبر اسلام'' کے نام سے 1933ء میں سلیمی پریس الہٰ آباد سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ یہ تقریر انہوں نے یوم النبی کے موقع پر الہٰ آباد میں کی تھی، اسے خان بہادر غضنفر اللہ ایم۔ ایل۔ سی وصدر جلسہ نے ایک ہزار کی تعداد میں چھپوا کر دفتر انجمن تبلیغ الہٰ آباد کے ذریعہ شائع کیا۔ یہ کتاب ناقص حالت میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے۔(7)

''حضرت محمد اور اسلام'' کا پہلا ایڈیشن فروری 1942ء میں وسوانی پریس الہٰ آباد سے 224 صفحات پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔اس کے پبلشرز بشمبھر ناتھ پانڈے تھے۔ پانڈے جی اس کتاب کے بارے میں ''ضروری بات'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''پنڈت سندر لال جی کئی سال سے دنیا کے دھرم، مذاہب اور کلچر پر ایک بڑی کتاب لکھ رہے ہیں جو کئی وجہوں سے ابھی پوری نہیں ہو سکی ہے۔'' حضرت محمد اور اسلام'' اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ کچھ دوستوں کے کہنے پر اور اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے الگ سے چھاپ کر نکالا جا رہا ہے۔ اس کی بولی آسان رکھی گئی ہے کہ سب سمجھ سکیں۔''(8)

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن شانتی پریس الہٰ آباد نے شائع کیا جو کتابی سائز کے 174 صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندوستانی پرچار سبھا بمبئی نے آٹھ ہزار روپے کی امداد ہندوستانی کلچر الہٰ آباد کو دی تھی کہ وہ ''گیتا اور قرآن'' اور ''حضرت محمد اور اسلام'' کی 550 کاپیاں اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور ادبی اداروں کو مفت تقسیم کرے۔(9)

اس کتاب کے آغاز میں مصنف نے ''دو لفظ'' کے عنوان سے ایک صفحہ کا دیباچہ بھی شامل کیا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی اور قرآن دونوں کو میں نے اپنے معلم ڈاکٹر مرزا ابوالفضل سے پڑھا ہے۔'' انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھا تھا اور مولانا حسین احمد مدنی نے بھی (جب وہ 1942ء میں نینی جیل میں تھے) اس کا پہلا ایڈیشن دیکھا تھا اور اس پر مفصل رائے ایک نوٹ بک کی شکل میں لکھ کر ان

کو دی تھی۔ اس کتاب کا مقدمہ پنڈت بشمبر ناتھ پانڈے نے لکھا ہے، انہوں نے مقدمہ میں حضور ﷺ کے آفاقی پیغام ''تحفظ انسانیت'' کو موضوع بناتے ہوئے اس ضمن میں دنیا کے مشاہیر کی آراء نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ'' مجھے یقین ہے کہ دیش واسی اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے اور اسے پڑھ کر اسلام اور اس کے پیغمبر کے بارے میں صحیح صحیح رائے بنا سکیں گے۔''(10)

کتاب کی زبان سہل اور عام فہم ہے۔ اسے اس طور پر قلم بند کیا گیا ہے کہ عام ہندی و اردو قاری آسانی سے مطالعہ کر سکے۔ مصنف نے مغربی مؤرخین اور سیرت نگاروں سے جا بجا استفادہ کیا ہے اور ان کے اقوال بھی درج کئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب ہندو مسلم یکجہتی کے جذبے سے لکھی گئی ایک بہترین کتاب ہے۔

عرب کا چاند:

اس کتاب کے مصنف سوامی لکشمن پرساد ہیں۔ ابتدائے اسلام سے آج تک نہ جانے کتنی بے شمار کتب مختلف زبانوں میں مؤرخانہ انداز میں، عالمانہ انداز میں، عارفانہ انداز میں اور عاشقانہ انداز میں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی، لیکن ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر'' عرب کا چاند'' اپنی شانِ انفرادیت کا ایک عجیب و غریب علمی شاہکار ہے۔ چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب سیرت نگاری کے بیشتر لوازمات سے متصف ہوتے ہوئے اپنے انداز کی ندرت و جدت کے اعتبار سے زبان اردو کے خزینہ ادب کے لئے سرمایہ فخر و مباہات ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف ایک ہندو نوجوان ادیب ہے جس نے قومی تعصب سے بالاتر رہ کر حقیقت شناسی کے جذبے سے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی حیات طیبہ کو ایسے ادبی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے نہ صرف مصنف کو داد تحسین دینے پر دل مجبور ہوتا ہے بلکہ ان کی اس کاوش پر رشک آتا ہے۔

سوامی لکشمن پرشاد نے اتنی کم عمری میں سیرت پر ایک ایسی کتاب لکھی ہے، جس کو پڑھ کر انسان کشمکش میں پڑ جاتا ہے کہ یہ کتاب ایک ہندو مصنف کی ہے یا ایک مسلمان کی؟ سوامی لکشمن

پرشاد حضرت محمد ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ کم وبیش ہر جگہ ﷺ اور بعض جگہوں پر فداہ ابی وامی وروحی الفا الفا لکھتے ہیں۔ حضور کی اس قدر محبت اور شعائر اسلام سے اس قدر انسیت واحترام کے باوجود یہ سن کر بہت تعجب ہوگا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ سوامی جی نے کتاب کو زبان کی پختگی وشائستگی، تشبیہ واستعارہ کی فراوانی، اسلوب کی دل آویزی، تخیل کی بلندی، اور الفاظ کی کامل مہارت سے اپنی مثال آپ بنایا ہے، اور انہوں نے کتاب کی ابتدا میں جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے اس کو اختتام تک باقی رکھا ہے۔

سوامی لکشمن پرشاد دنیا کی مایہ ناز شخصیتوں کی سوانح حیات قلم بند کرنا چاہتے تھے، لیکن انہوں نے سب سے پہلے خاتم الانبیا محمد ﷺ کی شخصیت کا انتخاب کیا، اس سلسلے میں مصنف خود فرماتے ہیں:

> ''میں نے دنیا کی عظیم المرتبت اور نادر روزگار ہستیوں کے حالات با برکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کرلیا ہے، جنہوں نے دنیا کی جہالت کی شب تاریک میں علم وعرفان کی ضیا پاشیوں سے روشنی پھیلائی اور اپنے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش وعشرت کو بے دریغ قربان کر دیا۔ دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس لئے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔''(11)

کتاب کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ کتاب اپنا مخصوص ادبی اسلوب کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق بیان کرنے میں بھی بالعموم کتب تاریخ وسیرت سے انحراف نہیں کرتی ہے۔ کتاب کی زبان میں سلاست وروانی اور دل آویزی بھرپور ہے۔ یہ کتاب لوازمات سیرت نگاری سے متصف ہوتے ہوئے بھی اپنے انداز کی ندرت وجدت کی وجہ سے اردو زبان کے خزینہ ادب کے لئے سرمایہ

فخر گردانی جاتی ہے۔اس کتاب سے مصنف کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو جھنجوڑا جائے، ان کے خوابیدہ وافسردہ اور بے حس ومنجمد دلوں میں احساسات پیدا کئے جائیں اور اس بات کا یقین دلایا جائے کہ نبی نوع انسان کے لئے قابل اتباع اور نظام حیات کا عملی نمونہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔

لکشمن پرشاد نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ مکی دور اور دوسرا حصہ مدنی دور پر مشتمل ہے۔مکی دور کی ابتدا زمانہ جاہلیت اور عرب کی جغرافیائی، سماجی، اخلاقی حالت سے کی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ کی ولادت کے مختصر حالات، پرورش، والد اور دادا کی کفالت، آپ ﷺ کی پاک باز اور زہد پرور جوانی، شق الصدر کا واقعہ، اصحاب الفیل کا حیرت انگیز واقعہ، حضرت علی کا قبولِ اسلام، ہجرت حبشہ اور امیر حمزہ کا مشرف بہ اسلام ہونا وغیرہ جیسے واقعات کو 22 عناوین کے تحت بیان کئے ہیں۔

مدنی دور کا آغاز آپ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت سے ہوتا ہے، ہجرت کی تیاریاں، رسول ﷺ کی شہرہ آفاق امانت داری، مسجد قبا کی تعمیر، مدینہ میں سلسلہ مواخات، مسجد نبوی کی تعمیر، جنگ بدر، جنگ احد، صلح حدیبیہ، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع کے بعد آپ ﷺ کی وفات وغیرہ جیسے 18 عناوین کے بعد اس کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

اس کتاب کا خالص ادبی رنگ اور عقیدت بھرا اسلوب لوگوں کو حیرت وتعجب میں ڈال دیتا ہے اور یہ شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی ہندو مصنف کی تصنیف نہیں بلکہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے، اسی شک کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کتاب کو حکیم عبداللہ کی طرف منسوب کیا ہے، جس کی وجہ سے حکیم صاحب کو وضاحت پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جو کتاب کے شروع میں بعنوان ''سوامی لکشمن مرحوم'' دیکھی جاسکتی ہے۔حکیم عبداللہ کا اس کتاب کی تصنیف وتالیف میں صرف اتنا رول ہے کہ انہوں نے ایک ہندو نوجوان سوامی لکشمن پرشاد کے اندر حضرت محمد ﷺ سے والہانہ عشق ومحبت کو دیکھ کر اپنے پاس ٹھہرایا، ان کی مدد کی اور کتابوں کی سہولت بہم پہنچائی۔

حکیم عبداللہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''گو اس کتاب سے پیشتر کئی ایک ہنود اور سکھ فرقہ سے تعلق رکھنے والے غیر

متعصب اور انصاف پسند حضرات کو حضور ﷺ کی سوانح حیات قلمبند کرنے کی سعادت حاصل ہوچکی ہے، مگر لوگوں نے ان اصحاب کی سیرت کی کتابوں پر کوئی اظہار تعجب نہیں کیا، کیوں کہ ان کی زبان سادہ اور ان کا انداز وہی تھا جو ایک غیر قوم کا چشم و چراغ دوسرے طبقہ کے کسی بزرگ کو قلمی ہدیہ عقیدت پیش کرتے وقت ہونا چاہئے، مگر بخلاف دیگر غیر مسلم سیرت نگاروں کے عرب کے چاند کا مصنف کچھ اس انداز عاشقانہ سے عالم وارفتگی میں حب نبوی میں سرشار ہوکر قلم کو تھامتا ہے کہ پھر دنیا و مافیھا سے غافل ہوکر سیرت مصطفیٰ کی وادی میں سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے اور سر راہ کوئی شئی مانع نہیں بنتی۔ حتیٰ کہ معجزات اور جہاد جن کے صحیح مطلب کو نہ سمجھنے کی بنا پر علامہائے دہر من قوم مسلم کے راہوار قلم بھی صحیح راہ چھوڑ کر تاویل اور پھیر کے راستے اختیار کرنے لگتے ہیں، مگر یہ عشق مصطفوی کے طفیل بڑے بڑے ٹیلوں اور خندقوں کو پھلانگ کر گزر جاتا ہے اور نا صرف یہ کہ خود گزر جاتا ہے بلکہ راستہ سے ہٹنے والوں کا مذاق بھی اڑاتا جاتا ہے اور زبان حال سے کہتا ہے کہ لوگو! یہ ٹیلے اور خندقیں جو نظر آرہی ہیں فی الحقیقت مسافر ایمان کی امتحان گاہیں ہیں۔ اس راہ صراط پر گامزن رہنے والا مسافر اتنی جلدی منزل کو طے کرلیتا ہے کہ اسے خود اپنی زودروی اور شتاب رسی پر تعجب ہونے لگتا ہے۔''(12)

سوامی لکشمن پرشاد بے حد محنتی، حق گو، با اخلاق اور دلیر انسان تھے۔ اس پر یہ واقعہ گواہ ہے کہ جب مسجد کے باہر سے گزرتے ہیں تو اپنے دل کا حال کا بیان کرتے ہیں:

''جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بخود سست پڑ جاتی ہے، گویا کوئی میرا دامن پکڑ رہا ہو، میرے قدم وہیں رک جانا چاہتے ہیں، گویا وہاں میری روح کے لئے تسکین کا سامان موجود ہو، مجھ پر ایک بیخودی سی طاری ہونے لگتی ہے، گویا مسجد کے اندر سے کوئی میری روح کو پیام مستی دے رہا ہو، جب مؤذن کی زبان سے میں اللہ اکبر کا نعرہ سنتا ہوں تو میرے دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا بپا ہوجاتا ہے، گویا کسی خاموش سمندر کو متلاطم کر دیا گیا ہو، جب نمازیوں کو میں خدائے

قدوس کے سامنے سربسجود دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں میں ایک بیداری سی پیدا ہو جاتی ہے، گویا میری روح کو یک متوحش خواب سے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا ہو''۔(13)

سوامی لکشمن پرشاد چھبیس سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے اور سیرت رسول ﷺ پر قلم اٹھانے والے انصاف پسند غیر مسلم مصنفوں کی صف میں اپنے لئے مستقل جگہ بنا گئے۔ اس کتاب کی ایک ایک سطر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہر مسلم اور غیر مسلم کو اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے رہی ہے، جس میں ساری انسانیت کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔

محمد جی حیاتی:

اس کتاب کے مصنف لعل چند امر دنو جگتیانی ہیں۔ لعل چند امر دنو جگتیانی 25/جنوری 1885ء کو حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ ہیرانند اکیڈمی سے میٹرک پاس کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی ایک معلم کی حیثیت سے شروع کی، ساتھ ہی وہ علمی دنیا سے بھی وابستہ رہے۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب اور صاحب طرز نویس کی حیثیت سے سندھی زبان کے محسنین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی خدمات کی وجہ سے جدید سندھی ادب میں ان کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہندو ادیبوں میں لعل چند امر دنو جگتیانی وہ پہلے ادیب ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر پہلی مرتبہ نثر میں ''محمد جی حیاتی'' کے نام سے کتاب لکھ کر شائع کی اور سندھ میں سب سے پہلے سیرت نگار ہونے کی سعادت حاصل کی۔(14)

لعل چند تقسیم ہند کے بعد سندھ سے ہندوستان چلے آئے تھے، مگر ساری زندگی ذہنی اضطراب اور رنج والم میں مبتلاء رہے۔ وہ سرزمین سندھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور سندھ کی مٹی ہمیشہ ان کے دل میں رہی۔ اسی محبت کی بنا پر انہوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی ارتھیاں ہندو رسم کے مطابق گنگا کی بجائے دریائے سندھ میں بہائی جائے۔ چنانچہ 18/اپریل 1956ء کو ان کا انتقال ہندوستان میں ہوا لیکن ان کی ارتھیاں ہندو مذہب کی مکمل رسموں کے ساتھ دریائے سندھ میں بہائی گئیں۔(15)

اس کتاب کے لکھنے کا سبب لعل چند خود بیان کرتے ہیں کہ مسلم بچوں سے جب وہ اسکول میں ان کے نبی ﷺ کی حیات کے بارے میں پوچھتے تو کوئی بھی بچہ تسلی بخش جواب نہ دیتا، اس لئے انہوں نے حضرت محمد کی حیات پر ایک کتاب تحریر کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ انہی دنوں کچھ مستشرقین کی کتابوں سے انہیں استفادہ کا موقع میسر آیا، مگر اکثر مستشرقین کی کتابوں میں تعصب اور بغض کی بو آرہی تھی، لہٰذا انہوں نے خود ہی کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کتاب کے لکھنے میں ان کی رہنمائی مولانا عبیداللہ سندھی اور مدرسۃ السلام ضلع ہالا سندھ کے فارسی کے معلم محمد علی شاہ نے کی۔(16)

لعل چند کی کتاب ''محمد جی حیاتی'' کا اردو زبان میں ترجمہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کے نام سے ہو چکا ہے۔ پہلی بار یہ کتاب 1911ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ اس کے بعد جنوری 2007ء میں دوبارہ سندھی ساہت گھر حیدرآباد (پاکستان) سے 72 صفحات میں شائع ہوئی۔ لعل چند کا نام سندھی ادب میں تو پہلے ہی بلند تھا، لیکن سیرت پر کتاب لکھ کر انہوں نے اپنا مرتبہ مزید بلند کرلیا۔(17)

میر محمد عربی:

اس کتاب کے مصنف ہندو ادیب اور دانشور امر لعل وسن مل ہنگورانی ہیں جو سندھ کے ضلع نوشہرو فیروز کے علاقے کھاہی نواب شاہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نواب شاہ سندھ میں حاصل کی۔ ان کے والد کا نام وسن مل ہنگورانی تھا۔ 1930ء ڈی۔ جے کالج سے بی۔ اے کرنے کے بعد ایل۔ ایل۔ بی۔ کی سند بھی حاصل کی اور جلد ہی وکالت کے شعبے سے وابستہ ہوگئے۔

سیرت نبوی پر ان کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ''میر محمد عربی'' ہے جو سندھی زبان میں لکھی گئی ہے اور یہ کتاب پہلی بار کراؤن سائز کے 64 صفحات میں برہم پٹ لائین پرنٹنگ پریس کراچی سے قیام پاکستان کے بعد 1947ء میں شائع ہوئی۔ امر لعل کو سندھی زبان میں حقیقت نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ایک بہت ہی اچھے کہانی کار کے علاوہ ایک اچھے مضمون نگار بھی تھے۔ تقسیم ہند سے قبل ان کی کہانیاں بہت مشہور ہوئیں۔ ان کی سب سے اچھی کہانی ''ادو عبدالرحمٰن'' ہے جس کا کئی

زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔(18)

اسلام جو پیغمبر:

اس کتاب کے مصنف ہندو ادیب اور دانشور جیٹھ مل پرسرام گلجرانی ہیں جو دین اسلام، برہموسماج، سناتن دھرم اور تصوف کا وسیع علم رکھتے ہیں اور سندھ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، انہوں نے بہت سی کتابوں کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی حیات اقدس پر بھی ایک کتاب انگریزی زبان سے سندھی زبان میں ''اسلام جو پیغمبر'' کے عنوان سے ترجمہ کی تھی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ان کی پیدائش 1885ء میں حیدرآباد (پاکستان) میں ہوئی۔ انہوں نے 1914ء میں ''بھائی کالا چند'' کی سوانح عمری لکھ کر تصنیف وتالیف کا آغاز کیا۔1923ء میں انہوں نے تصوف اور تھیاسافیکل فلسفے پر لکچر دینے کا سلسلہ شروع کیا جو 1944ء تک جاری رہا، جس میں تمام مذاہب بالخصوص قرآن، گیتا اور ویدانت کے باریک مضامین کو بڑی خوبی سے پیش کیا جاتا تھا۔ان کی زندگی سندھی سماج کی عکاس ہے۔ان کو تصوف اور ویدانیت پر کافی دسترس تھی۔سندھ سے محبت اس حد تک تھی کہ مرنے کے بعد ان کی ارتھیاں ہندو مذہب کے رواج کے مطابق گنگا میں بہانے کی بجائے ان کی وصیت کے مطابق دریائے سندھ میں بہائی گئیں۔ وہ کہتے تھے کہ سندھ اور گنگا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ان کے متعدد مضامین ہندو مسلم اتحاد پر اپنی مثال آپ تھے جو کہ سندھی اور انگریزی زبان کے مختلف اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔انہوں نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا اور گاندھی جی کے ساتھ جیل بھی گئے۔ان پر مسلم صوفیاء کے کلام کا بہت گہرا اثر تھا۔انہوں نے گرونانک، بھگت کبیر، میراں بھائی اور کالی داس کو کافی پڑھا تھا۔مغربی مصنفین میں شیکسپیئر، شیلی اور گوئٹے اور فارسی کے حافظ، رومی اور خواجہ فریدالدین عطار کا بھی بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔تقابل ادیان ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔انہیں قرآن، وید، گیتا اور بائیبل پر کمال کا درک حاصل تھا۔سندھ کا یہ عظیم فرزند 7 جولائی 1948ء کو ممبئی میں انتقال کر گیا اور ان کی ارتھیاں دریائے سندھ میں بہائی گئیں۔(19)

ہندو مصنفین کی جانب سے لکھی ہوئی سیرت نبوی پر یہ چند کتابیں تھیں جن کا ماقبل میں تعارف اور تذکرہ پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ گووند دایا جنڈ ہوک کی لکھی ہوئی کتاب حیات محمد، پنڈت سندر لال کی کتاب پیغمبر اسلام، بابو کنج لال کی کتاب حضرت محمد اور اسلام، رگھوناتھ سہائے کی کتاب پیغمبر اسلام، گوبند رام سیٹھی پرساد کی کتاب چار مینار اور پروفیسر لاجپت رائے نیر کی کتاب حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری اور ان جیسی دوسری کتابیں سیرت نبوی پر ہندو مصنفین کی لکھی ہوئی اہم کتابیں ہیں۔

مستقل کتابوں کے علاوہ ہندو اور سکھ قلم کاروں کے وہ مضامین بھی اہم ہیں جو انہوں نے مختلف رسائل و جرائد میں تحریر کئے تھے۔ اس طرح کے مضامین کے تین مشہور مجموعے ملتے ہیں، پہلا مجموعہ ''سرور کونین اغیار کی نظر میں'' کے عنوان سے ہے جس کو سید بشیر احمد نے جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کے نامور ہندو اور سکھ اسکالرز کے لکھے ہوئے مضامین ہیں جن میں مالک رام، پنڈت گوپال کرشن، ماسٹر شنکر داس گیانی، ڈاکٹر بدھ ویر سنگھ، لالہ رام لال ورما، بی۔ ایس۔ رندھلوا رام سنگھ گیانی، موتی لال ماتھ، سوامی براج نرائن سنیاسی، پنڈت سندر لال، بھگوان داس بھگوان، لالہ دیش بندھو جی وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں'' ہے جس کو ظل عباس عباسی نے ترتیب دیا ہے، اور تیسرا مجموعہ ''محمد رسول اللہ، غیر مسلموں کی نظر میں'' کے نام سے ہے، جس کو محمد حنیف یزدانی نے مرتب کیا ہے۔ بعض جگہوں پر یقیناً ان غیر مسلم افراد کی کتابوں اور مضامین میں کچھ کمیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں جو مسلم عقائد کی صحیح ترجمانی نہیں کرتیں، لیکن یہ کمیاں رسول اللہ ﷺ سے بغض وعناد اور مسلمانوں سے کسی دشمنی کی بنا پر نہیں ہیں، بلکہ قلت معلومات یا قلت فہم کی بنیاد پر ہوئی ہیں، اس لئے انہیں نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے، کیوں کہ بظاہر ان کی نیت صاف تھی، بلکہ بعض کتابیں ان منصف مزاج اور انصاف پسند حضرات نے اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کے رد میں لکھی ہیں، جن میں ان افراد کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے، جو حضور کریم ﷺ پر بے جا اور بے ہودہ الزامات عائد کرتے ہیں۔ ان تحریروں نے حق گوئی کی ایک بہترین مثال قائم کی، جو ان من گھڑت قصوں اور پیغمبر ﷺ کی ذات پر لگائے گئے الزامات پر کاری ضرب ہیں۔

کتابوں اور مقالات ومضامین کے علاوہ بہت سے ہندو بھائیوں اور بہنوں نے سیرت کوئیز میں اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کر کے بارگاہِ رسالت میں اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ابھی چند سالوں پہلے دسمبر 2017ء میں حیدرآباد میں جماعت اسلامی ہند کی جانب سے منعقدہ سیرت نگاری مقابلہ میں ریاست بھر سے مختلف اسکولوں کی بیس ہزار سے زائد طالبات نے شرکت کی، جس میں ریاست تلنگانہ کے ضلع جگتیال کی گیارہویں جماعت کی ایک غیر مسلم طالبہ پدما جی نے سیرت نبوی پر منعقدہ مضمون نگاری کے مقابلہ میں حصہ لیا اور پچیس ہزار روپئے پر مشتمل دوسرا انعام حاصل کرتے ہوئے ایک طرف رحمۃ للعالمین کی بارگاہ رحمت میں اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا تو وہیں دوسری طرف ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی شاندار مثال قائم کی۔(20)

سطور بالا میں چند ہندو سیرت نگار اور ان کی کتابوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ہندو ادیب ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو بطور موضوع اختیار کیا ہے۔اس مقالے میں تفصیل کی گنجائش نہیں تھی اس لئے مشتے نمونہ از خروارے چند ہندو سیرت نگاروں کی خدمات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔سیرت رسول ﷺ پر ان غیر مسلموں کی کتابیں اور خدمات اس بات کا ثبوت ہیں کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کا دائرہ مسلم وغیر مسلم سب کو محیط ہے اور یہ آپ ﷺ کی بے پایاں رحمت کا اعجاز ہے جس نے غیر مسلموں کو بھی سیرت پاک کے درخشاں پہلوؤں کو حوالہ قرطاس کرنے پر مجبور کر دیا۔کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے درست کہا تھا کہ

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

حوالہ جات:

1۔ شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی، مشمولہ معارف اعظم گڑھ، اگست 2018، ص 114۔
2۔ مدثر نواز مغل، سندھی ہندو سیرت نگار، ششماہی التفسیر کراچی، جلد 13، شمارہ 34، جولائی، دسمبر 2019ء، 276۔
3۔ مدثر نواز مغل، سندھی ہندو سیرت نگار، ص 276۔

4۔ شردھے پرکاش، سوانح عمری حضرت محمد صاحب،(لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز بک سیلرز، 1907ء)،6۔

5۔ سلیمان ندوی، پیش لفظ رسول عربی مصنفہ جی۔ایس۔دارا،(رام پور: ساجد بک ڈپو،1979ء)،9،10۔

6۔ آل احمد سرور، پیش لفظ سن ستاون،مصنفہ پنڈت سندر لال (علی گڑھ:انجمن ترقی اردو ہند، 1957ء)،7۔

7۔ شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی،ص125۔

8۔ بشمبھر ناتھ،ضروری بات،حضرت محمداور اسلام از پنڈت سندر لال،(الہٰ آباد:وسوانی پریس،1942ء)

9۔ شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی،ص125۔

10۔ شمس بدایونی، غیر مسلم مصنفین اور سیرت نبوی،ص125۔

11۔ سوامی لکشمن پرشاد،عرب کا چاند،پیش لفظ از حکیم عبداللہ،مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور،ص:22۔

12۔ سوامی لکشمن پرشاد،عرب کا چاند،پیش لفظ،ص4،5۔

13۔ سوامی لکشمن پرشاد،عرب کا چاند،پیش لفظ،ص6۔

14۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص274۔

15۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص275۔

16۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص275۔

17۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص277۔

18۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص278،279۔

19۔ مدثر نواز مغل،سندھی ہندو سیرت نگار،ص280۔

20۔ روزنامہ اعتماد حیدرآباد،19 دسمبر 2017ء۔

☆☆☆

سیرت نبوی کا مطالعہ
سوامی لکشمن پرشاد کے حوالے سے

جناب شکیل الرحمٰن بن اکبر علی
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

غیر مسلموں میں سیرت نگاری کی روایت:

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابتداءاً یہاں کی غیر مسلم عوام اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔اور جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ بھی اس کے اخلاقی ومعاشرتی اور انسانیت پر مبنی تعلیمات کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔اوراسی بڑھتے اسلامی اثرات کا نتیجہ تھا کہ ان میں بھکتی اور شدھی وغیرہ اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہوا۔اور سناتن دھرم کی ستی، ذات پات، چھوا چھوت وغیرہ مختلف غیر انسانی ریتی رواج کے خلاف آواز بلند ہوئی۔(1) لودھی عہد میں جب یہاں کے غیر مسلموں کو فارسی وعربی زبان سیکھنے کی اجازت ملی تو ہندووں نے اسے سیکھ کر بڑے پیمانہ پر سرکاری نوکری حاصل کی۔جس کے نتیجہ میں ان کے یہاں اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔اورلوگوں نے اسلام کو پڑھ کر سمجھنا شروع کیا تو اس کی حقانیت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔لیکن جب یہاں کی مسلم اقتدار کا ستارہ گردش میں آیا تو ہندو احیاء پرست تحریکیں حرکت میں آئیں اور مذہبی عصبیت کا شکار ہوکر کفار مکہ کی طرح کھل کر اسلام کی مخالفت کی اور عیسائی مشنریوں ومستشرقین کی مانند اسلام ومحمد ﷺ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ان کے خلاف

پروپیگنڈہ کے لئے مناظرہ بازی کے ساتھ پرچہ نویسی اور کتابیں تحریر کیں۔اس سلسلے میں سوامی دیا نند سرسوتی (متوفی: 1883ء) کی ''آریہ سماج تحریک'' سب سے زیادہ متحرک تھی۔(2) دیا نند سرسوتی نے اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش''(3) میں اور ان کے ایک متحرک کارکن پنڈت لیکھ رام (متوفی:1897ء) نے فرقہ قادیانیہ کے خلاف اپنی مختلف تحریروں میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو نشانہ بنایا۔اور پھر انہیں کے نقش قدم کی پیروی میں لاہور کے ایک آریہ سماجی ناشر راجپال نے ء میں ''رنگیلا رسول''(4) نامی کتاب کو مصنف کے نام کو مخفی رکھتے ہوئے شائع کیا۔جس میں نبی کریم ﷺ کو شہوت پرست بتا کر ان کے اعلیٰ کردار کو داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

تاریخی اعتبار سے ہندوستانی غیر مسلموں نے انیسویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی پر خامہ فرسائی کرنا شروع کیا۔اور مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز و منشا کے مطابق سیرت کے واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ان میں ایک اچھی خاصی تعداد انصاف پسند اور غیر جانبدار سیرت نگاروں کی ہے۔جنہوں نے سیرت نگاری میں معروضیت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے۔ان میں شردھے پرکاش دیو، پروفیسر راما کرشنا راؤ، ڈاکٹر این۔کے۔سنگھ، جے۔ایس۔دارا، ڈاکٹر تاراچند اور منشی پریم چند وغیرہ کا نام کافی اہم ہے۔بعض سیرت نگاروں پر سرور کائنات کی عقیدت کا ایسا رنگ چڑھا کہ ان کی تحریروں میں مسلم عقیدت مندوں کا عکس نظر آتا ہے۔جیسے سوامی لکشمن پرشاد، پنڈت سندر لال اور سوامی لکشمی شنکر اچاریہ وغیرہ۔

اسلام اور سیرت نبوی سے متعلق غیر جانبدار اور معتدل ہندوؤں نے بے شمار مضامین بھی لکھیں ہیں۔جنہیں بشیر احمد نے کتابی شکل میں سرور کونین اغیار کی نظر میں کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمد حنیف یزدانی نے ''محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں'' اور ظل عباس عباسی نے ''پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں'' کے نام سے ایسے ہی مضامین کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ادبی رسالہ ''نقوش'' کے (رسول نمبر) میں بھی ایسے مضامین و افکار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

سوامی لکشمن پرشاد:

ہندو سیرت نگاروں میں ان کا شمار معتقدین رسول میں ہوتا ہے۔عنفوان شباب میں انہیں نبی کریم ﷺ سے گہری عقیدت ہوگئی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جگہ جگہ نبی کریم ﷺ کے نام کے ساتھ فداہ ابی وامی وروحی الفاالفاتو کبھی ﷺ بآبائناوامہاتنا لکھتے ہیں۔

ان کے جس قدر حالات کا علم ہوسکا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ولادت بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں حصار کے ایک ہندو گھرانے میں ہوئی۔اسی ماحول میں پرورش پاکر جوان ہوئے۔اور مثل ابراہیم اپنی قوم کے اعمال سے متنفر اور ہمہ وقت حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہے۔اسی اثنا جب کہ ان کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال تھی،ان کی ملاقات حکیم محمد عبداللہ سے ہوئی۔حکیم صاحب نے ان کے لئے اپنے گھر ولائبریری کا دروازہ کھول دیا اور ایک مشفق و ہمدرد رہنما کی حیثیت سے ان کی رہنمائی کی۔ان کے زیر سایہ انہوں نے جی بھر کر تاریخ وطب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور دونوں میں کمال حاصل کیا۔حکیم صاحب اورن کے لائبریری سے استفادہ کے بعد انہوں نے کوٹوہانہ ضلع حصار کا رخ کیا اور وہاں کے مشہور رسالہ آب حیات کے ایڈیٹر کی ذمہ داری انجام دیتے ہوئے ءکو داعی اجل کو لبیک کہا۔

ادبی ذمہ داری کے ساتھ انہوں نے جسمانی مریضوں کے لئے طبابت کو اپنا پیشہ بنایا۔اور کرشن کنور کے نام سے شہرت حاصل کی۔اور ادبی دنیا میں اپنی شاہکار تصنیف عرب کا چاند کے سبب شیدائی محمد سوامی لکشمن پرشاد سے جانے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ سے والہانہ الفت ومحبت کے اور اسلام کی حمایت میں اپنی قوم سے جھگڑا مول لینے والے حق پرست سوامی مسلمانوں سے کہیں زیادہ اپنے ایمانی پختگی کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو ہمیشہ ہندو کہتا ہے اور بظاہر اسلام قبول کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔اس نے اپنے اس طرز عمل کا جواب اپنے ایک خط میں بہت ہی صاف لفظوں میں دیا ہے۔جس کا عنوان ہے جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں اس لئے اسے ہو بہو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بخود سست پڑ جاتی ہے گویا کوئی میرا دامن پکڑ رہا ہو۔ میرے قدم وہیں رک جانا چاہتے ہیں۔ گویا وہاں میری روح کے لیے تسکین کا سامان موجود ہو۔ مجھ پر ایک بیخودی سی طاری ہونے لگتی ہے۔ گویا مسجد کے اندر سے کوئی میری روح کو پیام مستی دے رہا ہو۔ جب موذن کی زبان سے میں اللہ اکبر کا نعرہ سنتا ہوں تو میرے دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا بپا ہو جاتا ہے۔ گویا کسی خاموش سمندر کو متلاطم کر دیا گیا ہو۔ جب نمازیوں کو میں خدائے قدوس کے سامنے سربسجود دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں میں ایک بیداری سی پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا میری روح کو ایک متوحش خواب سے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا ہو۔

لیکن جب مسجد سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہوں تو پھر میری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ آتا ہے رنگ کسی قدر پھیکا! خطوط کسی قدر غیر متناسب! حدود کسی قدر غلط! برتن کسی قدر تنگ!''۔(5)

عرب کا چاند:

سوامی جی کی یہ کتاب مدحیہ سیرت نگاری اور ادبی طرز تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔ اگرچہ سوامی جی نے نبی کریم ﷺ کی عقیدت میں ڈوب کر یہ کتاب لکھی ہے اور ہر جگہ ان سے اپنی الفت و محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔ لیکن سیرت نگاری کے اصولوں کے ساتھ حق پرستی و انصاف کے دامن کو چھوٹنے نہیں دیا ہے۔ مطالعہ کتب کے بعد نبی کریم ﷺ کی جو شخصیت ان کے سامنے بنی ہے اس کو انہوں نے صاف سیدھے لفظوں میں رقم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی قوم کی تنقید کی بالکل بھی پرواہ نہیں کی ہے۔ اس کتاب کی تالیف اور اپنے طرز تحریر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے

''یہ کتاب جو میری علمی فرومائیگی کا ایک افسوس ناک مظاہرہ ہے کسی مسلمان دوست کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے معرض تحریر میں نہیں لائی گئی اور نہ ہی سرور کائنات، باعث وفخر موجودات، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ

احمد مجتبیٰ ﷺ بآبائنا وامہاتنا ایسی نادرہ روزگار ہستی کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پاکیزہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوکر آپ کی حیات طیبہ کے انقلاب آفرین واقعات پر تبصرہ کرنے کے لئے س قسم کا والہانہ طرز نگارش اختیار کر کے ان لوگوں کی جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنا میرا مطمح نظر ہے جن کے قلوب تعصب اور حسد کے شعلوں سے آتشکدہ ایران کے ہمسر بنے ہوئے ہیں۔

میں اپنے تئیں کسی ایسی حرکت سے بہت بلند سمجھتا ہوں، اپنے ضمیر کی آواز کو میں وہ گوہر نایاب سمجھتا ہوں جسے میں کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں''۔(6)

سوامی جی نے پیدائش سے وفات تک سیرت کے تمام اہم پہلوؤں کو بہت ہی آسان اور ادبی پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے جہاں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہ کسی مسلم عقیدت مند کی تحریر ہے۔ جو نبی کریم ﷺ کے خلاف اغیار کے لایعنی سوالات کا منہ توڑ جواب ہے۔ وہیں پر قاری کو ادب کی صنف ناول کے مطالعہ کا بھی احساس ہوتا ہے۔

کتاب کے آغاز میں بیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان کو جاہلی دور سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'' آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے کفرستان میں سیاہ کاری اور ظلم وستم کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی جس کو عرب کے چاند نے اپنے نور وایمان کی روشنی سے دور کیا تھا۔ ٹھیک وہی صورتحال موجودہ ہندوستان کی بھی ہے اس لئے اسی روشنی کی اسے اشد ضرورت ہے''۔(7)

بعثت نبوی:

سوامی جی نے نبی کریم ﷺ کی بعثت سے متعلق رطب و یابس ہر طرح کی روایات ومعجزات کو قابل استناد بنایا ہے۔ کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ حیرت انگیز واقعات اور خوارق عادت باتیں

وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو کم وبیش دینا کے ہر بڑے مذہبی وروحانی پیشوا کے دامن سے وابستہ رہی ہیں۔اس سلسلہ میں عقیدت مندوں کی مبالغہ آرائی کا بھی امکان ہے لیکن اس کی تہہ میں صداقت کا بھی پہلو چھپا ہوتا ہے اس لئے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔(8) یہی وجہ کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو اس نور سے تشبیہ دی ہے جو تمام موجودات عالم، لوح وعلم اور عرش وکرسی وغیرہ سے پہلے موجود تھا، پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کے اندر جلوہ گر ہوا اور پھر تمام انبیاء کرام کے توسط سے ہوتا ہوا حضرت عبداللہ وآمنہ تک پہنچا اور نبی آخر الزماں کی شکل میں نمودار ہوا۔انہوں نے معجزات وخرق عادت واقعات کی منکرین اور ظاہر پرستوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ایسے واقعات سے ان کے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے، جس کے سبب وہ ایسی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے توہم پرستی کا نام دیتے ہیں۔اس لئے میرے ظاہر پرست قارئین اپنے پیش نظر صرف یہ بات رکھیں کہ یہ خرق عادت واقعات فخر موجودات، بحر روحانیت حضرت محمد ﷺ کے مبارک ہاتھوں یا ان کے بزرگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے ہوں تو ہمیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ان پر خدا تعالی کی نظر عنائت تھی یا ان کی اپنی محنت وریاضت جس کا ثمر شیریں انہوں نے خود چکھا اور دنیا کو اس سے لذت اندوز کیا''۔(9)

سوامی جی کا ماننا تھا کہ دنیا کی ہر ایک چیز کو سائنس یا عقل کے پیمانہ پر ثابت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ کچھ چیزوں کو بذریعہ مفروضہ ماننا ہی پڑتا ہے۔انہیں میں سے عقیدہ کا بھی مسئلہ ہے۔اس امر کی وضاحت میں وہ لکھتے ہیں:

''بہت ممکن ہے کہ بہت سے سائنس زدہ لوگ جن کی آنکھیں سائنس کی روشنی سے ماند پڑ گئی ہوں، ان حیرت خیز اور استعجاب انگیز واقعات کی تہہ میں کوئی حقیقت نہ دیکھ سکیں، بلکہ انہیں افسانہ قیس یا داستان پری اور عقیدت مند دماغوں کے رنگین تخیل کے سوا اور کسی چیز سے تعبیر نہ کریں۔ایسے عقل پرست اصحاب کی

خدمت عالیہ میں میں نہایت ادب سے التماس کرتا ہوں کہ وہ ان واقعات کی صداقت کوتسلیم کریں یا نہ کریں۔مگر روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس حقیقت غیر مشتبہ پر شاہد عادل ہے کہ بعض اوقات ایسے ایسے محیر العقول واقعات پیش آتے ہیں جن کی سائنس باوجود اپنی استعجاب انگیز ترقیوں کے اور فلک پیما نظریوں کے کوئی تشریح و توضیح نہیں کرسکتی۔ پھر یہ واقعات تو کچھ ایسے عجیب بھی تو نہیں ہیں جیسے ولائیت کے اخباروں میں بڑے بڑے عقل پرست لوگوں کی تصدیقوں کے ساتھ آئے دن چھپتے رہتے ہیں۔اور جن کی صداقت ہر سائنس زدہ اور نئی روشنی کا پرستار روشن خیال جنٹلمین بلا کسی چوں و چرا کے تسلیم کر لینے کو تیار ہوجاتا ہے۔کیونکہ اس کے لئے ہر وہ چیز جو آسمان مغرب سے نازل ہو بمنزلہ ایمان کے ہے۔....(لہٰذا) آپ حیات طیبہ کے حیرت انگیز کارناموں سے بدظن نہ ہوں.....(چوں کہ) حیات محمدی کے واقعات تاریخی واقعات ہیں۔اس لئے ان کو اسی نظر احترام سے دیکھا جائے جس سے دوسری تاریخی ہستیوں کو دیکھا جاتا ہے''۔(10)

ہجرت مدینہ:

سوامی جی کا ماننا ہے کہ حق وصداقت کی تبلیغ کی کوششیں جو ضمیر کا ہمنوا ہوکر کی جائیں آج تک کبھی ناکام نہیں ہوئیں، تاریخ شاہد ہے کہ اصلاح کے لئے اٹھایا ہوا کوئی قدم کبھی بے کار ثابت نہیں ہوا ہے۔(11) لہٰذا مکہ میں اشاعت اسلام کی مسلسل سالہ جدوجہد کے بعد بھی جب اہل مکہ کے ظلم وستم کا سلسلہ کم نہیں ہوا، تو اللہ نے اہل یثرب کو نعمت غیر مترقبہ کے طور پر مکہ بھیجا۔جنہوں نے اسلام قبول کرکے اس کے لئے اپنے جان و مال کی بازی لگادی۔اہل یثرب کا اسلام لانا اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔انہوں نے اس عہد و پیمان پر کہ وہ ہر حال میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیں گے، نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ یثرب (مدینہ) آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے دیا لیکن

خود اللہ کے حکم کے انتظار میں رکے رہے ۔ یہاں تک کہ ایک دن مکہ کی دارالندوہ میں نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوا تو اسی دن ٹھیک دوپہر میں آپ ﷺ کو مدینہ ہجرت کا حکم ہوا اور آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں (14/اکتوبر 622ء کو) مکہ سے نکلے اور اس کے جنوبی سمت میں میل کے فاصلہ پر غار ثور میں پناہ لی۔ تین دن بعد یہاں سے مدینہ کا رخ کیا اور ساحلی راستوں سے جب مکہ سامنے پہنچے تو اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

''آہ، اے وطن مقدس ! تیری بے پایاں محبت میرے دل کی گہرائیوں میں ایک بحر متلاطم کی طغیانیوں کی طرح موجزن ہے، مگر وائے حسرتا ! کہ تیرے باشندے مجھے اس لائق تصور نہیں کرتے کہ میں تیری شاداب فضاوں میں سانس لے سکوں ۔ اس لئے مجبوراً حسرت بھرے دل اور آنسووں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ میں تجھے الوداع کہتا ہوں''۔(12)

اس کے بعد راستے میں اپنی نبوت کے جلوے بکھیرتے ہوئے 20/اکتوبر 622ء کو قباء پہنچ کر کچھ روز کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام کرتے ہیں اور مسجد قباء کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر ان سے ملتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ ابوبکر و علی کے ساتھ جمعہ کے دن مدینہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں جہاں ان کا پر جوش استقبال ہوتا ہے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کے داخلہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے سوامی جی رقمطراز ہیں:

''مدینہ کی گلیاں آراستہ پیراستہ ہیں، شہر کی غیر معمولی تزئین و آرائش کسی جلیل القدر ہستی کی آمد کا پتہ دیتی ہے۔ ء کے نومبر کی تاریخ اور جمعہ کا دن ہے کہ حضور انور قبا والوں سے رخصت ہوکر مدینہ میں قیام کے ارادے سے تشریف لا رہے ہیں۔ شہر میں ہر طرف جوش و مسرت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ گلیوں اور کوچوں میں دور دور تک لوگوں کا دریا امنڈا ہوا نظر آتا ہے۔ مکانوں کی چھتیں تمنائی دید لوگوں سے بھری پڑی ہیں اور عورتیں اور لڑکیاں خوشی کے ترانے گا رہی ہیں۔ اہل

عقیدت جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں۔حضور ﷺ ایک ناقہ پر سوار ہیں۔سر پر یمنی عمامہ ہے، کندھوں پر سفید چادر۔اس سادہ لباس میں بھی آپ ﷺ ایک عظیم الشان ہستی نظر آ رہے تھے، کیوں کہ لعل و جواہر گدڑیوں میں کبھی نہیں چھپتے۔ اس وقت آپ ﷺ کے لبوں پر ایک تبسم کھیل رہا ہے، آنکھوں میں مسرت کی چمک ہے، مدینہ والوں نے کبھی کسی کا ایسا پرتپاک اور شاندار خیر مقدم نہ کیا تھا، اور نہ اس سے پہلے کبھی ایسے جوش و مسرت کا مظاہرہ ہوا تھا، یہ جلوس غیر معمولی طور پر شاندار تھا''۔(13)

غزوات نبوی:

ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو اہل مکہ کے ظلم وستم سے نجات تو مل گئی تھی لیکن ان کی ریشہ دوانیوں نے ابھی بھی انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا۔مدینہ کے یہود و نصاری کے ساتھ ان کے خفیہ مراسلات کے سبب ہر وقت اس بات کا خوف لگا رہتا تھا کہ کب وہ لوگ مدینہ کا محاصرہ کر کے ان کے ساتھ پھر سے ظلم و جور شروع کر دیں۔ابھی تک ان کا مقابلہ صرف اہل مکہ سے تھا لیکن مدینہ آنے کے بعد یہود و نصاری اور منافقین کی جماعت بھی مقابل میں آ گئی تھی۔لہٰذا نبوی رہنمائی میں مسلمانوں نے اپنے مدافعانہ اعمال کو اختیار کیا۔انہیں میں سے ایک تدبیر تلوار کے ذریعہ اہل باطل کا مقابلہ کرنا تھا۔بقول سوامی جی اسلام نے ملک کے خرمن امن و رافت میں چنگاری ڈالنے کے لئے شمشیر آتش نشاں نہیں اٹھائی۔بلکہ اس کا مقصد وحید باطل کی خس و خاشاک کو پھونک کر ملک میں امن و امان بحال کرنا تھا۔(14) یہی وجہ ہے کہ سوامی جی غزوات نبوی کے ضمن میں اس کی نوعیت و اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قارئین کرام !اب ہم سردار کائنات، سرور عالم، پیکر رحم و کرم، مجسمہ عفو درگذر و داعی عدم تشدد، صلح جو اور صلح کل نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی حیات مطہرہ کے اس ہنگامہ خیز زمانہ پر آ گئے ہیں جہاں آ کر انہیں مجبوراً اور بادل ناخواستہ حکم دینا

پڑا کہ فرزندان اسلام اگر خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسلام کو زندہ دیکھنا اور زندہ رکھنے کی تمنائی ہیں تو شمشیر باطل کے قبضہ پر حق کی حمایت اور باطل کی مدافعت کے لئے ہاتھ ڈالیں۔مشرکین مکہ کی روز افزوں فتنہ انگیزیاں ، سرکشیاں اور استبداد نوازیاں اب صبر وضبط کے حیطہ اختیار سے باہر ہوچکیں تھیں۔ان کے طاغوتی گروہ کی خفیہ ریشہ دوانیاں کی خزاں سامانیوں نے گلشن اسلام کو پامال خزاں کرنے کے لئے پہلے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔مگر اب تک ان کی مساعی جمیلہ کی باد صرصر اسلام کے گلشن نونہالوں کے لئے نسیم وصبا کے روح پرور اور بہار آفریں جھونکے اور آب بقا کی حیات بخش چھینٹے ہی ثابت ہوئی تھی۔...(اہل مکہ) کے جارحانہ اقدام نے فرزندان توحید کو باوجود اپنے رحم وکرم اور صلح وآشتی کی گہری محبت کے حفاظت اسلام اور تحفظ حق کے لئے مدافعانہ قدم اٹھانے کے لئے مجبور کیا۔ان نازک حالات میں اگر خدائے کریم اپنے عاجز اور عبادت گذار بندوں کی دستگیری نہ کرتا تو ظلم وعدوان اور کفر وضلالت کا پانی فرزندان توحید کے سر سے گذر جاتا۔اگر اس ظلم وستم کے بحر بیکراں کو دیکھ کر بھی خدائے قہار کا قہر جوش میں نہ آتا تو آج مسلمان تختہ دنیا پر سے حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہوتے''۔(15)

اس کے بعد اغیار کے الزام اسلام کشت وخونریزی کا مذہب ہے اور تلوار کی بدولت اس کی اشاعت ہوئی ہے۔کے جواب میں لکھتے ہیں:

''وہ متعصب اور شپرہ چشم تذکرہ نویس جن کی تنگ نظری کو زندگی کا لطف ہی خرمن اقوام میں نفاق کی چنگاری کا دل سوز نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔روز روشن کی طرح آشکارا حقیقت کو کذب وافترا کے تاریک بادلوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ صریح واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کرکے کہتے ہیں کہ داعی اسلام نے فرزندان اسلام کو غارت گری اور خوں ریزی کے لئے جہاد کا حکم دیا، اور ملک کو شعلہ زار جنگ وجدال بنا دیا۔مگر وہ اہل نظر جنہوں نے اسلام کے قانون

جنگ کو گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ الزام اصلیت کی توہین ہے۔ واقعیت کی تضحیک ہے، ایک حقیقت غیر مشتبہ کا بطلان ہے۔ اس بہتان میں اتنی صداقت بھی نہیں ہے جتنی ماش پر سفیدی''۔(16)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سوامی لکشمن پرشاد ایک انصاف پسند اور حق گو انسان تھے۔ انہوں نے سناتن دھرم کی پیروی کے باوجود اسلام اور سیرت نبوی کا بہت ہی باریکی اور عادلانہ مطالعہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ جس نتیجہ پر پہونچے اس کو علی الاعلان سپرد قلم کیا نیز اسلام اور سیرت نبوی پر انگشت نمائی کرنے والوں کے متعلق کہا کہ انہوں نے حقیقت سے آگہی کے باوجود اسلام دشمنی میں اس پر پردہ ڈالا ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو انہوں نے اس کا مطالعہ انصاف کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اب ہم مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ لوگوں میں پیش کریں تا کہ اسلام کی حقانیت اظہار ہو اور اسلام دشمن طاقتیں انگشت نمائی کرنے سے پہلے سوچنے پر مجبور ہوں۔

حوالہ جات:

1۔ اس کی تفصیل پروفیسر تاراچند کی کتاب ''ہندوستانی تہذیب پر اسلامی اثرات'' میں دیکھیں۔
2۔ تفصیل ''قاموس الکتب اردو'' اور ''آریہ سماج کی تاریخ'' لالہ لاجپت رائے میں دیکھی جاسکتی ہے۔
3۔ اس کتاب کا جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''حق پرکاش'' کے نام سے دیا ہے۔
4۔ کئی مسلم علماء نے اس کا جواب لکھا ہے جس میں سب سے اچھا جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''مقدس رسول'' کے نام سے لکھا ہے۔
5۔ پرشاد۔ سوامی لکشمن۔ عرب کا چاند۔ مکتبہ الحسنات۔ دہلی، 1990ء، ص:7-6
6۔ ایضاً صفحہ 27-26 7۔ ایضاً صفحہ 25-6
8۔ ایضاً صفحہ 49 9۔ ایضاً صفحہ 51 10۔ ایضاً صفحہ 48
11۔ ایضاً صفحہ 176 12۔ ایضاً صفحہ 199 13۔ ایضاً صفحہ 205
14۔ ایضاً صفحہ 227 15۔ ایضاً صفحہ 5،224 16۔ ایضاً صفحہ 227

☆☆☆

سیرت نگاری میں غیر مسلموں کا حصہ
(گوردت سنگھ دارا کے حوالے سے)

مولانا محمد ثاقب راز
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد)

غیر مسلم سیرت نگاروں میں ایک طرف ایسے ارباب علم نظر آتے ہیں جنہوں نے آریہ سماج کے اٹھائے فتنے میں آکر نبی کریم کے خلاف دل آزار کتابیں لکھی، سب سے پہلے جس شخص نے حضور کے خلاف تعصب اور بغض وعناد کی آگ کتابی صورت میں لگائی وہ پادری عماد الدین پانی پتی تھا، اس کی کتاب ''تواریخ محمدی'' 1870 میں منظر عام پر آئی تھی، اس کے بعد دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' 1883ء بھی اسی زہر افشانی کا نمونہ تھی، اس کے بعد پنڈت لیکھ رام کی 1879ء میں لکھی ہوئی متعدد کتابیں اور ''رنگیلا رسول'' جسے 1924ء میں لاہور کے ایک آریہ سماجی ناشر راج پال نے مصنف کا نام مخفی رکھ کر شائع کیا تھا، اسی بغض وعناد کا نمونہ تھیں، جن میں نبی کریم کے متعلق انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی تھی اور آپ کی ذات اقدس پر بے بنیاد الزام عائد کئے گئے تھے۔(1)

دوسری طرف کثیر تعداد میں ایسے بھی ہندو اور سکھ ارباب علم نظر آتے ہیں جنہوں نے رواداری اور ہمدردی کے جذبے کے تحت فرقہ وارانہ تعصب اور مذہبی بغض وعناد کے اس ماحول میں بر بنائے عقیدت یا بر بنائے مصلحت نبی کریم کی ایسی سوانح عمریاں لکھیں جو نہ صرف غیر متعصّبانہ، بے غرضانہ اور عالمانہ تھیں بلکہ اپنے منصفانہ نقطہ نظر کی وجہ سے ہندوستان کے مذہبی گروہوں کو اتحاد کی لڑی

میں پرونے والی تھیں جن میں نبی کریم کا تذکرہ بڑے ہی عقیدت واحترام سے کیا گیا ہے۔(2)

ہندی غیر مسلموں کی جانب سے محمد ﷺ کی حمایت میں کتب سیرت لکھنے یا دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ابتدا انیسویں صدی کے آخر میں واشنگٹن ارونگ کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' سے ہوئی جس کا ترجمہ ''لالہ دلیا رام گولانی'' نے 1829ء میں ''سوانح عمری محمد ﷺ'' کے نام سے کیا تھا،لیکن بیسویں صدی میں یہ سلسلہ دراز ہوا اور مختلف کتابیں منظر عام پر آئیں۔(3)

مستقل کتب سیرت میں چند نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب بانی اسلام،شردھے پرکاش دیو جی،طبع اول لاہور1970ء۔

2۔رسول عربیؐ،گوردت سنگھ دارا،طبع اول اعظم گڑھ،سنہ ندارد،غالباً1924ء۔

3۔حیات محمدؐ،گووندداس جنڈ ہوک (بیکانیری)،ناشر چمن لال ساہنی اینڈ برادرز،لاہور1923ء۔

4۔پیغمبر اسلامؐ،پنڈت سندر لال،سلیمی پریس الہ آباد،1933ء(مطبوعہ تقریر،ص33)۔

5۔آفتاب حقانیت یعنی عرب کا چاند،سوامی لکشمن پرشاد،روڈی پنجاب،1934ء،صفحات432،

6۔حضرت محمدؐ اور اسلام،ڈاکٹر پنڈت سندر لال،طبع اول الہ آباد1924ء۔

7۔حضرت محمدؐ اور اسلام،بابو کنج لال ایم اے،جید برقی پریس دہلی۔

8۔پیغمبر اسلامؐ،رگھوناتھ سہائے،(یہ دراصل میلاد نامہ ہے)۔

9۔چار مینار،گوبند رام سیٹھی پرشاد،اتحاد پریس لاہور 1943ء،صفحات 122۔(رام چندر جی، حضرت محمدؐ صاحب،حضرت عیسیٰؑ اور گرونانک جی کے حالات وتعلیمات)۔

10۔حضرت محمدؐ صاحب کی سوانح عمری،پروفیسر لاجپت رائے نیر۔(4)

اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں نے اخبارات ورسائل میں بھی بے شمار مضامین لکھے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ کی سوانح اور سیرت وکردار پر روشنی ڈالی ہے،جس میں ڈاکٹر لکشمی کا مضمون ''عرب کا مہان آتما''۔ڈاکٹر شنکر داس مہر کا ''پیغمبر اسلام اور ان کی نئی راہ''۔لالہ رام لال ورما کا

''حضرت محمد کی تعلیم جمہوریت اور اخوت''۔ پنڈت چمپوہتی ایم اے کا ''ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں سے عرب کے ریتیلے ٹیلوں تک''۔ رانا بھگوان داس کے تین مضامین ''رسول اللہ کی مکمل زندگی کے اخلاق حسنہ''، ''رسول اللہ کا نظام سلطنت'' اور ''رسول اللہ کی بہترین سیاست''، اور ملک رام کا مضمون ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' قابل ذکر ہیں۔

مضامین کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں، مثلاً سید سرور شاہ گیلانی کی ''جگت گرو یا جگت مہاشی'' میں آٹھ ہندو دانشوروں کے مضامین اور لکچر کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح سید بشیر احمد کی کتاب: ''سرور کونین اغیار کی نظر میں'' اس کتاب میں برصغیر کے نامور ہندو اور سکھ اسکالرز کے لکھے ہوئے مضامین کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح ظل عباس عباسی کی کتاب: ''پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں'' اور محمد حنیف یزدانی کی کتاب: ''محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں'' اہم کتابیں شمار ہوتی ہیں۔(5)

رسول عربی: ایک تعارف:

یہ کتاب ایک سکھ مصنف پروفیسر سردار گوردت سنگھ دارا کی تصنیف کردہ ہے، آپ لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ اور رسالہ ''انڈیا'' لندن کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انگریزی، اردو، عربی، فارسی اور پنجابی زبانوں سے واقف تھے، مصنف اپنی کتاب کی تمہید میں رسول عربی کی وجہ تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں پیغمبر اسلام محمد کی زندگی کے حالات پڑھوں اور جو جو باتیں میں نے سنی ہیں، ان کی تصدیق یا تردید کروں اسی جستجو میں پہلی دفعہ جب میں نے اس مضمون پر ایک کتاب پڑھی تو مجھے از حد دلچسپی پیدا ہوگئی، جوں جوں میرا مطالعہ بڑھتا گیا، اتنی ہی محمدؐ کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی، یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوگئی کہ میں ان سب خیالات کو ایک جگہ اکٹھا کروں، طرح طرح کی کتابوں کے مطالعے نے جو میں نے اس مضمون پر پڑھی تھیں، میرے

عالم خیال میں ایک پھلواری سی پیدا کردی، پنجابی، ہندی، اردو، فارسی، عربی کے پھول جہاں جہاں سے دستیاب ہوئے میں نے اپنے گلدستے کے لئے چن لئے اور نام اس کا رسول عربی رکھ کر قوم کی خدمت میں نذر کیا۔(6)

رسول عربی چار حصوں اور تئیس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر حصہ متعدد ابواب کے تحت منقسم ہے، کتاب کی ابتدا بعنوان ''بحضور رسول عربیؐ'' سے ہوتی ہے، یہ پیرا گراف ایک طرف اردو ادب کا شاہکار ہے اور دوسری طرف عشق و محبت اور عاجزی وانکساری کا مرقع ہے، جس میں مصنف نے بڑے عقیدت مندانہ انداز میں حضورؐ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ایک صاحب کمال آیا، جس نے جلوہ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑی، اسے منہ مانگی مراد مل گئی، جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا، اے عرب کیا ہی عجب ہونگے تیرے بھاگ، جو تو نے نور خدا اپنی آنکھوں سے دیکھا، کیا ہی اچھے ہونگے تیرے بخت، جو تو نے حبیب خدا کے اپنی آنکھوں سے درشن کئے''۔(7)

اس کے بعد کتاب کا اصل حصہ شروع ہوتا ہے، حصہ اول (صفحہ 25 تا 42): سرزمین عرب کا مختصر تعارف، معاشرتی اور سیاسی حالت، حضور کے والدین کا تذکرہ، آپؐ کی آمد کی بشارت آسمانی صحائف میں، حضورؐ کی رضاعت، جوانی، حضرت خدیجہؓ کی ملازمت اور ان سے نکاح، رسالت سے قبل کے اہم واقعات، زید بن حارثہؓ کی آزادی اور شادی کا تذکرہ، حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ اور معرفت وگیان کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم (صفحہ 44 تا 90) وحی کا آغاز، اعلان نبوت، سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں کا تذکرہ، دعوت وتبلیغ کی مشکلات، عہد نامہ، عدم تعاون، ہجرت حبشہ، حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر، مشرکین مکہ کی چالبازیاں اور آپ کے قتل کے منصوبے، مختلف صحابی کا ایمان لانا، حضرت خدیجہؓ

وابوطالب کی رحلت، ہجرت مدینہ، غارثور میں پناہ لینا اور مدینہ منورہ میں آمد وغیرہ پر مشتمل ہے۔

حصہ سوم (صفحہ 91 تا 114) میں مختلف جنگوں کا تذکرہ ہے اور حصہ چہارم (صفحہ 115 تا 159) میں صلح حدیبیہ، عمرۃ القضا، فتح مکہ، دشمنان اسلام کا قبول اسلام، جنگ ہوازن اور جنگ موتہ، بادشاہوں کے نام خطوط، الوداعی حج اور آپؐ کی رحلت تک کے واقعات کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔(8)

قبل از اسلام عربوں کی معاشرتی اور سیاسی حالت کا نقشہ کھینچنا سیرت نگاری کے بنیادی لوازم میں سے شمار کیا جاتا ہے اور بعض کتب سیرت میں تو اس کے لئے بیسیوں صفحات مختص کئے گئے ہیں۔ دار اصاحب نے بھی اس روایت کی پیروی کرتے ہوئے عربوں کے زمانہ جاہلیت کے حالات بیان کئے ہیں، لیکن تفصیلات میں جانے کے بجائے چند اشعار کے ذریعے ان کی اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی حالت کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے، اس حوالے سے درج ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے(9)

آپؐ کی پیدائش کے سلسلے میں سیرت نگاروں کے یہاں بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں ولادت سے قبل رونما ہونے والے معجزات اور خوارق عادات وواقعات کا بیان ہے، ارض وسما میں ہونے والی تبدیلیوں کا تذکرہ ہے، صاحب کتاب ان تمام روایات اور ان کی تفصیلات دینے کے بجائے چند اشعار میں ان تمام روایات کا نچوڑ بیان کر دیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

بطحا کا باشی من موہن جب فرش پہ آیو آنن میں
تب کاسے کہوں میں اے ری سکھی جو دھوم تھی کون ومکانن میں
سب حور و ملائک جن و بشر ساتوں ہی فلک اور سارے نبی
تھی صل علیٰ کی دھوم مچی آتی تھی صدا یہی کانن میں(10)

فتح مکہ کے موقع پر جب رسولؐ نے ابوسفیان کو امان بخشی تو صاحب کتاب کا قلم یہاں بھی امان کے حوالے سے معروف شعر لکھنے سے نہ رہ سکا وہ لکھتے ہیں:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو ملی تو پھر وہ کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

مکہ فتح میں عام معافی کا اعلان کیا گیا، دارا صاحب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ! کیا ٹھکانا دریائے رحمت کی اس طغیانی کا تھا، یہ دریا اُمڈا اور غلاظت وعفونت گناہ کی بہالے گیا، رسولؐ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو اپنی نور چشم کے قاتلوں کو اپنے چچا کے کلیجہ کھانے والوں کو سبھی کو معافی دیدی اور قطعی معافی، قتل عام دنیا کی تواریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی اور جو عقل سے پوچھو تو وہ بھی نہ مانے کہ ایک بندہ خدا بندگان خدا پر اتنا رحم کرسکتا ہے کہ قاتلوں کو معافی عام دیدے مگر اس بچاری بھولی بھٹکی عقل کو اس کی کیا خبر وہ ایک رسول خداؐ، وہ ایک رحمت کا دریا، نہ اسے کینہ سے کام نہ انتقام سے غرض، وہ رحم کا چشمہ وہ محبت کا منبع، وہ بندہ کبریا، وہ حبیب خدا''۔(11)

اس کتاب میں اگرچہ تاریخی واقعات کا بیان ہے لیکن مصنف نے ان کو ایسے دلکش اور دل آویز انداز میں تحریر کیا ہے کہ یہ تاریخی سے زیادہ ادبی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ رسول عربی کی قبولیت، افادیت اور اہمیت کا اندازہ کتاب میں شامل ان نامور شخصیتوں کے پیش لفظ، دیباچہ اور تبصرے سے لگایا جاسکتا ہے جو فن سیرت نگاری اور زبان وادب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، حفیظ جالندھری نے اس کتاب کا پیش لفظ تحریر کیا ہے جبکہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کا دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔(12)

معروف ادیب وانشا پرداز عبدالماجد دریابادی اس کتاب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''رسول عربی اس مختصر و جامع رسالہ کا نام ہے، جو دارا صاحب کے تخم محبت کا ثمر اولین ہے اس میں سرور عالم کے حالات حیات مبارکہ شروع سے آخر تک

اس انداز میں جمع کر دئے گئے ہیں کہ اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیازی پر رشک آنے لگتا ہے''۔(13)

پروفیسر گوردت سنگھ دارا نے حضورؐ کے حالات زندگی کو جس محبت وعقیدت اور انصاف پسندی کے ساتھ تحریر کیا ہے، وہ نہ صرف غیر مسلموں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے، بلکہ مسلمانوں کیلئے بھی اس میں بہت سے مفید اسباق موجود ہیں، اس کے علاوہ ادبی ذوق رکھنے والوں کیلئے ادبی حس کی تسکین کا سامان بھی ان کی تحریر میں پوری طرح پایا جاتا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت رسول کو دارا سنگھ نے ادبیت کا جامہ پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول، اقبال اکاڈمی، لاہور، پاکستان، 1989، صفحہ 370
2۔ ایضاً، صفحہ 462
3۔ محمد نعمان، کتب سیرت کا تعارف، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان، 2016، صفحہ 98
4۔ قاموس الکتب، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1961، صفحہ 699
5۔ محمد نعمان، کتب سیرت کا تعارف، صفحہ 99
6۔ جی، ایس، دارا، رسول عربی، ساجد بکڈپو، رام پور، یوپی، 1930، صفحہ 7
7۔ ایضاً، صفحہ 22
8۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول، صفحہ 483
9۔ جی، ایس، دارا، رسول عربی، صفحہ 2
10۔ ایضاً، صفحہ 10
11۔ ایضاً، صفحہ 111
12۔ ایضاً، صفحہ 9
13۔ ایضاً، صفحہ 11

☆☆☆

''عرب کا چاند'' از سوامی لکشمن پرشاد۔ایک جائزہ

ڈاکٹر ندیم اشرف
(اسسٹنٹ پروفیسر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

بلا شبہ اس دنیا میں محمد ﷺ ہی وہ واحد اور کامل ترین ہستی ہیں جن کی زندگی اپنے اندر عالم انسانیت کی مکمل رہنمائی کا پورا سامان رکھتی ہے۔ جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ قرار دیا (1)۔گزشتہ چودہ صدیوں میں اس شخصیت کامل کی سیرت وصورت پر ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین لکھے جا چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔(2) آپؐ کی رحمت کا دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی رحمت کے سائبان میں پناہ لیتے ہیں۔شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ نبی مکرمؐ کی تعریف و توصیف میں نعتیہ کلام لکھنے کا شرف حاصل کرنے والوں میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ایک ایسے ہی ہندو سیرت نگار کی تصنیف ہے جس نے رسول دو عالم ﷺ کی سیرت سے متأثر ہو کر عاشقانہ انداز میں اس کتاب کو تصنیف کیا۔

یہ کتاب دو حصوں میں چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ رسول ﷺ کی مکی زندگی کا احاطہ کرتا ہے جس میں رسول اللہ کی پیدائش سے لے کر ہجرت مدینہ تک کا ذکر ہے۔ دوسرا حصہ مدنی زندگی کو بیان کرتا ہے۔جس میں ہجرت مدینہ سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کی ابتداء میں حکیم محمد عبداللہ نے مقدمہ کے طور پر سوامی لکشمن پرساد کے تعارف میں چند صفحات لکھے ہیں اور یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ کوئی ایسی کتاب نہیں جسے فقط ہندو شخص کی طرف

منسوب کر دیا گیا ہو بلکہ حقیقتاً اس کتاب کے مصنف ایک ہندو نوجوان ہی تھے جس کا نام لکشمن پرساد تھا۔(3) اس مقدمہ میں انہوں نے مسلمانوں میں رائج غلط رسم و رواج اور عادات و خصائل کا ذکر کرتے ہوئے انہیں راہ راست پر گامزن ہونے کی تلقین کی ہے۔ ایک ایسے نبی کے امتی ہوکر جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ کامل ہے، اگر ہم اس کے طریقے سے انحراف کریں گے اور اس کے لائے ہوئے احکامات کو پس پشت ڈال کر دنیا میں زندگی بسر کریں گے تو دنیا و آخرت دونوں میں ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے رسول کی سیرت کا مطالعہ کریں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا رہیں جن کے اخلاق و اوصاف حمیدہ اور نمونۂ کامل ہونے کے معترف خود غیر مسلم بھی ہیں۔(4)

اس کے بعد مصنف نے کتاب کی تصنیف کے متعلق خود ایک اعتراض اٹھا کر اس کا جواب دیا ہے۔ خود لکھتے ہیں:

> ''بہت ممکن ہے کہ میرے بعض متعصب اور تنگ نظر ہم مذہب اس بات پر ناک بھوں چڑھائیں کہ میں نے اپنے مشاہیر اوتاروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ایک پیغمبر کو کیوں اس لئے منتخب کیا کہ سب سے پہلے اس کی حیات مطہرہ کے حالات لکھنے کے لیے قلم کو جنبش دی۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں، میری نظر میں اسے تعصب اور تنگ نظری کے ایک افسوس ناک مظاہرہ کے سوا کسی اور شے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی بلند نظری اور نادر روزگار ہستیاں کسی خاص قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتیں بلکہ بلا امتیاز نسل و رنگ اور استثنائے مذہب و ملت ہر شخص پر ان کا احترام فرض اور ان کی بصیرت افروز تعلیم سے بہرہ اندوز سعادت ہونا واجب ہوتا ہے۔ خود ایسی مایہ ناز شخصیتوں نے اپنی وسیع النظری کی وجہ سے اپنی تعلیمات و تلقینات سے بنی نوع کو بحیثیت مجموعی فیض یاب کرنے کی کوشش کی۔ اس باران رحمت کی طرح جس کی لطافت طبع کے لئے صحرا اور چمن یکساں ہیں''۔(5)

گویا اس طرح مصنف نے کتاب کے مقصد تصنیف کو بھی بیان کر دیا ہے کہ درحقیقت رسول اللہ کی تعلیمات فقط مسلمانوں کے لئے ہی فائدہ کا سامان نہیں بلکہ تمام عالم کو انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی ہیں۔

مصنف نے اس کے بعد موجودہ دور کے ہندوستان اور دور جاہلیت کا موازنہ کر کے یہ بتایا ہے کہ موجودہ ہندوستان بھی اس وقت کے دور جاہلیت سے کچھ کم نہیں ہیں۔جس طرح اس وقت عرب معاشرہ میں برائیاں رائج تھیں آج بھی وہی کچھ صورت حال ہندوستانی معاشرے کی ہے ان برائیوں کو دور کرنے کے لئے پیغمبر خدا کی سیرت تریاق سے کم نہیں۔

مصنف نے باقاعدہ طور پر رسول کریم ﷺ کے حالات زندگی کو قلم بند کر کے کتاب کی شروعات کی ہے۔سب سے پہلے آپ ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے وقت عرب کے حالات کیا تھے۔وہاں کس طرح بت پرستی عام تھی، ہر انسان اپنے نفس کا پیرو تھا،عورتوں اور غلاموں کی تحقیر کی جاتی تھی، جہالت غالب تھی، چھوٹی چھوٹی بات پر سالوں آپس میں جنگ وجدال جاری رہتا،شراب نوشی اور قمار بازی ان کا خاص مشغلہ تھا، بیٹیوں کے پیدا ہونے پر انہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، ایسے سخت حالات میں عرب میں ایک ایسا چاند نمودار ہوا جس نے نہ صرف زمین عرب کو بلکہ پوری دنیا کے اندھیروں کو چھاٹ دیا اور انسانوں میں مرچکی انسانیت کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

رسول کریم ﷺ کی ولادت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''آخر وہ روز سعید اور مبارک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ بیتاب تھا۔ بہار ابھی کم سن تھی، باغ وراغ کے اندر قافلہ گل آ پہنچا تھا۔حد نظر تک زمین کا دامن پھولوں سے پٹا پڑا تھا۔نسیم خوشبو سے مہکی ہوئی تھی کہ جناب عبداللہ کے کاشانہ میں وہ ماہتاب طلوع ہوگیا جس کی ضیا پاشیوں سے شب دریچوں کی تاریکیاں اس طرح کافور ہوگئیں جس طرح اس کی علمی نوفشانیوں سے

آگے چل کر جہالت کی تاریکیاں دور ہو جانے والی تھیں''۔(6)

اس کے بعد رسول کریم کی زندگی میں بچپن سے جوانی تک رونما ہونے والے حالات و واقعات کو مصنف نے بہترین اور ادبی انداز میں تحریر کیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ سب صرف لفاظی پر مبنی ہے بلکہ خوبصورت اور ادبی الفاظ کے ساتھ رسول کریم کی سیرت کے تمام گوشوں کو مصنف نے اجاگر کیا ہے۔ آپ ﷺ کے والدین کے انتقال کے بعد جناب ابو طالب کی سرپرستی میں آپ کا پروان چڑھنا، بچپن سے ہی نیک طبیعت ہونا، جوان ہونے پر صادق و امین کا لقب حاصل ہونا، آپ کا حضرت خدیجہ سے نکاح، آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت عطا کیا جانا، اس کے بعد حضرت خدیجہ کا آپ کی گھبراہٹ پر آپ کو تسلی دینا اور پھر اللہ کے دین کی تبلیغ کی شروعات کرنا ان تمام واقعات کو مصنف نے ایک عمدہ سیرت نگار کی طرح ہی بیان کیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے ان تمام واقعات کو ذکر کیا ہے جس میں صحابہ کرام پر ان کے اسلام لانے کی وجہ سے بے پناہ ظلم کئے گئے۔ حضرت بلال حبشی، حضرت خباب، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سمیہ اور حضرت ابو ذر جیسے جلیل القدر صحابہ کو مشق ستم بنایا گیا۔ کئی ایک کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا لیکن ان جانثاران اسلام کے دلوں سے اسلام کو نکالنے میں کافر کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہجرت حبشہ اور پھر حکم الٰہی پر ہجرت مدینہ کا ذکر کیا ہے۔

ہجرت مدینہ چونکہ اسلام کے فروغ کے لئے بڑی اہم ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہاں رسول کریم کے پناہ چاہنے والے موجود تھے۔ جنہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کے مدینہ آنے پر استقبال کیا بلکہ آپ کے ایک اشارہ پر اپنی گردنیں کٹانے سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔ مصنف نے آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> ''لوگوں کے دل خوشی اور جوش سے بلیوں اچھلنے لگے، دیوانگان عشق و مشتاقان دید اس شاہد جمال کے استقبال کے لئے بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔ معصوم بچے رسول اللہ کے نعرے مارتے ہوئے آپ کی طرف

دوڑنے لگے، حضرت ابوبکر صدیق نے جب اہل عقیدت کو استقبال کے لئے آتے دیکھا تو آقا اور غلام کی تمیز کی غرض سے اپنی چادر رسول اللہ ﷺ کے سر مقدس پر تان دی تا کہ لوگوں کو سرور کائنات کو پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو۔ عقیدت مندوں کے نعرہ تکبیر سے تمام میدان نوازار عشق بن گیا''۔(7)

اس کے بعد مصنف نے حامیین اسلام کی قربانیوں اور مختلف غزوات کا ذکر کیا ہے۔ جو اسلام کی سربلندی کا سبب بنے اور بالآخر آپ ﷺ کا وہ وطن جہاں سے کفار مکہ نے آپ کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اللہ نے اس پر آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی اور اس طرح اسلام چند سالوں میں پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا۔

الغرض اس کتاب میں مصنف نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش سے لے کر آپ کے وصال تک کے واقعات کو نہایت عمدہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کے ہر لفظ میں بوئے محبت رسول کا عنصر موجود ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی شان رحمت اور آپ کے مبارک اخلاق و کردار کا گواہ ہے۔

حوالہ جات:

1۔ سورہ الاحزاب:21

2۔ سورہ الانبیاء:107

3۔ سوامی لکشمن پرساد، ''عرب کا چاند''، ص:4

4۔ ایضاً، ص:8-5

5۔ ایضاً، ص:12-22

6۔ ایضاً، ص:65

7۔ ایضاً، ص:205

☆☆☆

اسلامی علوم کے فروغ میں پنڈت سندر لال کی خدمات

محمد عزیر عالم
(ریسرچ اسکالر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مانو)

ہندوستان مختلف مذاہب، تہذیب و ثقافت کا سنگم ہے۔ یہ ملک نوع بہ نوع مذاہب و تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ مختلف افکار ونظریات کے حامل لوگوں کا مسکن ہے۔ ہندوستان تہذیبی وثقافتی تنوع، رنگارنگی، دل کشی ودل ربا منظر کی عکاسی، کثرت میں وحدت اور وسیع النظری کا نمونہ پیش کرتی رہی ہے۔ لہذا باہر سے دوسرے مذاہب کے لوگ آ کر اس ملک میں خیمہ زن ہوئے اور اپنے دھرم کی تبلیغ واشاعت کی جس کے نتیجے میں آپسی میل وملاپ ہوا اور ان میں تہذیبی وثقافتی لین دین کے ساتھ ساتھ علمی تبادلہ بھی ہوا۔ جس بنا پر ہندوستان جیسے کثیر المذاہب اور مختلف تہذیب وثقافت والے خطے میں برادران وطن نے ہمیشہ سے اسلام اور اسلامی علوم کا مطالعہ کیا۔ دیش میں امن وامان کی قیام کے لئے مذہبی ہمدردانہ تعلقات کی بنیاد پر اسلام، اسلامی علوم اور اسلامی تعلیمات کو ہندی سماج میں فروغ دینے کی کوشش کی۔ بہت سے برادران وطن نے ہندوستان کے ہندو سماج میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے جن میں پنڈت سندر لال شرما کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ وہ ایسی شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے علم وتحقیق کے ذریعے ہندوستانی سماج سے مسلمانوں سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔

ان کی پیدائش رائے پور کے ایک گاؤں (چم شور) میں 21/دسمبر 1881ء میں ہوئی اور ان کا انتقال 28/دسمبر 1940ء میں ہوا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ حصول

تعلیم کے دوران انہوں نے اپنے گھر پر سنسکرت، بنگلہ اور اڑیہ زبانیں سیکھیں۔ان کو بچپن ہی سے لکھنے کا بڑا شوق تھا جس کی وجہ سے آپ نے شروع ہی سے نظمیں، مضامین اور ڈرامے لکھنے شروع کر دیئے۔ان کو زبان و ادب سے کافی دلچسپی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے ہندی زبان کے ساتھ ساتھ چھتیس گڑھی زبان کے ادب کو سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی۔چھتیش گڑھی زبان میں 'چھتیس گڑھی داں لیلا' ان کی ایک شاہکار ہے۔

19 صدی کے آخری دور میں ہندوستان کے افق پر سیاسی وثقافتی شعور کی نئی لہر اٹھ رہی تھی۔ سماجی مصلحین اور محبّ وطن کے ساتھ سندر لال نے تبدیلی کے اس دور میں معاشرے کو ایک نئی سوچ و سمت عطا کی۔انہوں نے چھتیس گڑھ میں سماجی آواز کو گھر گھر تک پہنچانے کے لئے نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔انہوں نے تحریک آزادی کے دور میں ملک کی کئی فعال تحریکوں میں دل و جان سے حصہ لیا۔عدم تعاون اور تحریک آزادی میں وہ پیش پیش رہے جس کی وجہ سے قید و زنداں کے سپرد کئے گئے۔انہوں نے چھتیس گڑھ کے دیہی علاقوں سے دقیانوسی تصورات، توہم پرستی چھوت چھات اور سماج کے دیگر برائیوں کو دور کرنے کی مکمل جدوجہد کی۔

پنڈت سندر لال کو لکھنے پڑھنے اور مختلف مذاہب کے مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ان کے ساتھ ان کو شاعری سے بھی غیر معمولی شغف تھا۔اس سے دلچسپی کی بنا پر آپ نے 13 سال کی عمر میں شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔علم کی بدولت رجیم اور اس کے گرد و نواح کے علماء میں ان کو ایک بلند مقام حاصل ہو گیا۔وہ اپنے زمانہ کی سیاسی و سماجی لوگوں کی زندگی سے بہت زیادہ متاثر تھے جس کی وجہ سے انہوں سیاست کے میدان میں اپنا قدم جمانا شروع کیا۔اور تحریک آزادی کے ایک نا قابل فراموش رہنما بن گئے۔اور مجاہدین آزادی کے صفت میں شامل ہو گئے۔گاندھی جی، مدن موہن مالویہ اور لالہ لاجپت رائے کے شانہ بشانہ چل پڑے اور تحریک آزادی میں سب سے آگے رہے۔اور سماجی انصاف، مساوات اور عدم تشدد کے لئے آواز بلند کرتے رہے۔

پنڈت سندر لال مہاتما گاندھی سے بہت ہی زیادہ متاثر تھے۔انہیں گاندھی جی کے ساتھ کام

کرنے کا موقع ملا۔ وہ ایک سیاسی رہنما کے ساتھ ساتھ ایک سماجی مصلح بھی تھے۔ انہوں ے سماج سے ذات پات کے نظام کو ختم کرنے کی کوششیں کیں۔ آپ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک انقلابی شخصیت کے مالک بن گئے۔ انہوں نے گاندھی جی کے ساتھ مل کر سیوا گرام آشرم وردھا میں کام کیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو کام کئے ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔ آپ نے مختلف جہات میں اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ اگر ہم ان کے کاموں کا جائزہ لیں تو ہمیں ان کی زندگی میں کچھ ایسے کام ملتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی شخصیت نکھر کے سامنے آتی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مختلف مذاہب کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی پوری جدو جہد کی۔ اسکے لئے مذاہب پر کتابیں لکھنے کا سلسلہ جاری کیا۔ انہوں نے ہندو مسلم کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے کی پوری تگودو کی اور اپنی عملی زندگی میں ہندوستان کے کمپوزت لکچر کو فروغ دینے کی جدو جہد کی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں ان چیزوں کو فروغ دینے کے لئے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور اس کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحریری مواد فرام کی۔ اسلامی علوم کے بارے میں ان کو گہرا علم تھا۔ انہوں نے قرآن وحدیث اور سیرت کو سمجھ کر پڑھا اور اسلامی علوم اور اسلام کی تعلیمات کو قلم کے سہارے ہندوؤں تک پہنچانے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے اسلامی علوم قرآن کے معانی ومفاہیم کو اس طرح بیان کیا کہ جس سے لگتا ہے کہ انہوں نے قرآن کا گہرائی و گیرائی اور یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ انہوں نے قرآن کے سماجی ، سیاسی ، اخلاقی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے گیتا اور قرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی جو کافی مشہور ہوئی۔ اس کتاب نے ہندوؤں کے بیچ میں مسلمانوں کے تعلق سے مثبت سوچ کو فروغ دیا۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں کے درمیان سے بہت سی غلط فہمیاں جو سماج ومعاشرہ میں پھیلی ہوئی تھی اس کا خاتمہ ہوا۔ آل احمد سرور پنڈت سندر لال شرما کے بارے میں لکھتے ہیں:

> '' پنڈت سندر لال ، ملک کے ان قومی رہنماؤں میں سے ہیں جنہیں خلوص، نظر، دردمندی اور شعور کی انمول دولت ملی ہے۔ گاندھی جی کی رفاقت نے ان میں حق پرستی اور حق گوئی پیدا کی مختلف مذاہب کے ہمدردانہ مطالعے نے ان میں

رواداری، اخلاق اور انسانیت کی قدریں راسخ کیں۔۔۔۔۔ پنڈت سندر لال ہر اس کوشش میں دل و جان سے شریک رہے ہیں جو انسان کو انسان بناتی ہے اور جس کی وجہ سے اس دنیا کو ذہنی آزادی، مادی خوشحالی اور سماجی انصاف کی جنت بنانے کا عزم زندہ و تابندہ رہتا ہے۔''(1)

پنڈت سندر لال کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے سیاسی، سماجی خدمات کے علاوہ ان کی علمی خدمات بھی کافی ہیں۔انہوں نے جہاں ہندی زبان و ادب اور ہندوستانی تاریخ پر کام کیا ہے وہی آپ نے اسلامی علوم، اسلامی تعلیمات کے صحیح تصور کو ہندو سماج میں پیش کیا ہے اور اسلام کی حقانیت وصداقت کو زبان کے بجائے قلم کے سہارے پیش کیا ہے۔آپ نے اپنی تحریر کے ذریعے ہندوستان میں رواداری، بھائی چارگی اور انسان دوستی کے پیغام کو عام کرنے ک کے لئے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا۔اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے نتیجے میں آپ نے سیرت اور قرآن سے متعلق کتابیں لکھیں۔اس سلسلے میں ان کی ایک تصنیف گیتا اور قرآن قابل ذکر ہے۔جس میں انہوں نے گیتا اور قرآن کے تعلیمات میں مماثلت دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔اس کتاب میں گیتا اور قرآن کے بارے میں پوری معلومات فراہم کی ہے۔کہاں، کب، کیسے اور کن حالتوں میں اس کا نزول ہوا اور سماج میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اس کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔اس سے پہلے جتنی بھی کتابوں کا نزول ہوا قرآن کا ان صحائف کے بارے میں کیا تصور ہے اس کو اجاگر کیا ہے۔ حدیث کے بارے میں کہا کہ نبی کے اقوال وادا کو حدیث کہا جاتا ہے۔انہوں نے اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی کہ قرآن کو پڑھنے کے طریقے ویداز کی طرح مختلف ہے قرآن اور وید میں مماثلت دکھاتے ہوئے وہ قرآن کی تلاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کی قرآت یعنی پاٹھ کرنے کے قریب اسی طرح بہت سے الگ الگ ڈھنگ مسلم ودوانوں میں جاری ہیں، جس طرح وید پاٹھ کے ہندو پنڈتوں میں''۔(2)

یہ کتاب صرف اسلئے اہمیت کے حامل نہیں ہے کہ اس میں گیتا اور قرآن کا موازنہ کیا گیا ہے بلکہ اس کتاب کے ذریعہ آپ نے ہندوؤں کے درمیان سے قرآن سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔آپ نے اس میں جہاد کے صحیح تصو کو پیش کیا ہے۔آپ نے قرآن کا تعارف،اس کی تعلیمات،آیتوں کے نزول کے پس منظر،اس وقت کے عرب کی حالت وغیرہ مسائل پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔قرآن واحادیث کی روشنی میں وحدت انسانی کے تصور کو پیش کیا ہے۔قرآن کو کیسے پڑھا جائے اور اس کو سمجھنے کے لئے کیا چیزیں ضروری ہے اس پر بات کرتے ہوئے پنڈت سندر لال کہتے ہیں کہ:

''قرآن کے اپدیشوں کو سمجھنے کے لئے عربوں کی ان دنوں کی حالت کو اپنے سامنے رکھنا ضروری ہے''۔(3)

ان کی کتاب گیتا اور قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن اور قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کیا اور کئی تفاسیر وتراجم کو سامنے رکھ کر اس کتاب کو لکھا۔قرآن کی تعریف کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''قرآن شبد 'قرا' سے بنا ہے ،جس کے معنی ہیں اعلان کرنا یا پڑھنا۔سنسکرت 'کرند' انگریزی 'کرائی' اور عربی 'قرا' تینوں اصل میں ایک ہی شبد ہیں۔قرآن کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو اعلان کی جاوے یا جو پڑھی جاوے۔رواجی معنی میں دھرم کی کتاب''۔(4)

حفاظتِ قرآن سے متعلق جو بھی غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔پنڈٹ سندر لال کی تحریر سے اس کا ازالہ ہوتا ہے۔اس زمانہ میں اس کے لئے جو صورتیں اختیار کی گئی تھی اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔23 سال کی مدت میں وقفہ وقفہ سے جن آیتوں کا نزول ہو رہا تھا آپ ﷺ کے حکم سے لکھا جا رہا تھا۔وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح 23 برس کے اندر قرآن کے جو حصے الگ الگ وقتوں میں اترے یا ظاہر ہوتے رہے۔انہیں لوگ اسی وقت،محمدؐ صاحب کے حکم سے الگ الگ

تاڑ کے پتوں، چمڑے کے ٹکڑوں یا لکڑی یا پتھر کی سلوں پر لکھتے تھے''۔(5)

پنڈت سندر لال نے اپنی زندگی میں مختلف مذاہب کے تعلیمات کا مطالعہ کیا۔ان کی تہذیب وثقافت کو پڑھا۔اس کے بعد انہوں نے دیگر مذاہب کے بارے میں ان کی تعلیمات کی روشنی میں بنیادی معلومات فراہم کی۔ ہندوستان میں ہندکا مسلمانوں سے سابقہ زیادہ ہے اس لئے انہوں نے پہلے گیتا اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں بقائے باہم کی جو مشترکہ بنیادیں ہیں ان کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے گیتا اور قرآن کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اس میں وحدت ادیان کو بیان کیا ہے کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں سب ایک ہے۔ان کی بنیادیں ایک ہے۔سب اللہ کی طرف جاتے ہیں لیکن خدا تک پہنچنے کے طریقے جدا جدا ہے۔

اس کتاب میں قرآن اور اس کی تعلیم کے نام سے ایک حصہ ہے، اس میں آپ نے قرآنی آیات کی روشنی میں اسلام کے بارے میں باتیں کیں ہیں۔آپ نے پہلے سورہ فاتحہ کے مفہوم کو بیان کیا اور اس کے مختلف ناموں کا تذکرہ کیا۔اس سورت میں کیا تعلیمات انسان کو دی گئی ہے اس کا تذکرہ کیا۔اس سورت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''اس سورۃ کو عام طور پر سارے قرآن کا نچوڑ یا لب لباب مانا جاتا ہے اور ہر مسلمان اپنی نمازوں میں اور دعاؤں میں اسے بار بار دہراتا ہیں''۔(6)

اسلام کے جو بنیادی عقائد واصول ہیں، اس کے تحت آپ نے خدا، آخرت وغیرہ کے تصور کو واضح کیا ہے۔اس میں توحید سے متعلق بہت سی آیتوں کو پیش کیا ہے۔بہت ہی محنت کے بعد توحید سے متعلق آیات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو پڑھنے والوں کے لئے آسانی کا باعث ہے۔قرآن کی مختلف آیتوں کی روشنی میں خدا کے صحیح تصور کو پیش کیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ رگوید سے بھی اس تصور کو نکھارا ہے خدا کے تعارف اور اس کی قدرت کے سلسلے میں جتنی آیتیں ہیں ان آیتوں کو آپ نے ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔غرض آپ نے قرآن اور گیتا کی روشنی میں خدا کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کی ہیں۔اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے گیتا اور قرآن کی روشنی

میں خدا کے جو تصور پیش کئے ہیں اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ 'سب انسان ایک قوم ہے' اس کے تحت پنڈت سندر لال نے قرآن کی ان آیتوں کو پیش کیا ہے جن میں تمام انسانوں کو امت واحدہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی روشنی میں اس بات پر زور دیا کہ تمام انسان ایک ہیں اور سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ امت کے معنیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''امت کے معنی قوم اور مذہب دونوں ہوتے ہیں اور یہاں دونوں معنی مراد لئے جاتے ہیں''۔(7)

انہوں نے گیتا اور قرآن میں یہ تصور دیا ہے کہ دنیا میں سب مذہب ایک ہے۔ البتہ عبادت کے طریقے سب میں الگ الگ ہے۔ آپ نے ان آیات کا سہارا لیا ہے جس میں انسانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کہ سب ایک ہو تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔ قرآن کی روشنی میں یہ بات ثابت کر نے کی پوری کوشش کی ہے کہ سچ مچ میں تمہارے یہ سب مذہب اور قو میں ایک ہی مذہب اور ایک ہی قوم ہیں اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے اسلئے اس ایک ایشور کا خیال رکھو۔(8) لیکن لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے الگ الگ ٹکرے کر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر مذہب میں نبی اور رسول بھیجے۔ انہوں نے قرآنی آیات کی روشنی میں اس بات کو دکھانے کی پوری کوشش کی کہ تمام مذاہب ایک ہے اور اس کے لئے بہت سی آیتوں کا سہارا لیا ہے جس بنا پر آپ نے بہت سی آیتوں کا خلاصہ پیش کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے ہی لوگ ایک مذہب پر قائم تھے جب لوگ راہ سے ہٹ گئے تو اللہ نے ان کی رہنمائی کے لئے نبی اور رسول بھیجے۔ ان لوگوں نے اسی ایک مذہب کی تعلیم دی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ایک مذہب پر پیدا کیا تھا لیکن بعد میں لوگوں نے الگ الگ گروہ بنا لئے جس کی وجہ سے اللہ نے ہر قوم اور ہر زبان میں نبی بھیجے جنہوں نے ان کی اصلاح کی اور قرآن نے پہلے انبیاء اور اپنے ماقبل نازل شدہ کتاب کی تصدیق کی۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تمام مذہب کے لوگ ایک تھے۔(9)

پنڈت سندر لال کا خیال ہے کہ مذہب کے معاملے میں کو ئی زبردستی نہیں ہو نی

چاہئے۔انہوں نے اس کے لئے قرآن کی ان آیتوں کولیا ہے جن میں انسان کو مذہبی آزادی دی گئی ہے اور جن میں مذہبی رواداری کا درس ملتا ہے۔آپ نے سورہ کافرون وغیرہ کا خلاصہ پیش کیا جس سے مذہبی رواداری کا سبق ملتا ہے۔(10)

جنگ کا صحیح تصور:

پنڈت سندرلال نے جب قرآن کا مطالعہ کیا تو جنگ کے بارے میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ آپ ﷺ نے مکہ کی زندگی میں برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا۔اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اسلام دھرم کا اپدیش دینا شروع کرنے کے بعد محمدؐ صاحب کے پہلے ۱۳ سال مکے کے اندر بڑی مصیبتوں میں کٹے جس میں مکے والوں نے انہیں اوران کے ساتھیوں کو بے حد تکلیفیں پہنچائیں ان تیرہ برس کے اندر اس بارے میں جتنی آیتیں قرآن میں اتریں ان سب میں برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے اور صبر اور سچائی کے ساتھ دوسروں کے سب ظلموں کو سہ لینے کی ہدایت دی گئی ہے''۔(11)

جب مسلمان مکہ سے مدینہ گئے تو اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پنڈت سندرلال لکھتے ہیں:

''اس کے بعد محمدؐ صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کو لیکر مدینے پہنچے۔مکے والوں نے وہاں بھی چڑھائی کر کے ان پر حملے شروع کئے اس پر قرآن میں پہلی بار ۔۔۔۔محمد صاحب اوران کے ساتھیوں کو اپنے بچاؤ کے لئے حملہ کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی''۔(12)

جنگ کی اجازت مل جانے کے بعد مسلمانوں کی کیا صورت حال تھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اس اجازت کے مل جانے پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا دل لڑنے کے لئے پوری طرح تیار نہ ہوتا تھا''۔(13)

مسلمانوں کا کسی غیر مسلم سے کوئی عہد اور معاہدہ ہو جائے تو مسلمانوں کو اس پر پوری طرح

عمل کرنا چاہئے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''قرآن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی ایسا سمجھوتہ ہو جائے جو کسی دوسرے مسلمان کے خلاف جاتا ہو تب بھی صلح کرنے سے مسلمانوں فرض ہے کہ سچائی سے اس سمجھوتہ پر عمل کریں''۔(14)

اسلام کی آمد سے قبل سرزمین عرب اور دنیا کے دیگر ملکوں میں جنگ کے بعد کیا رواج تھا۔ فاتح مفتوح قوم کے ساتھی کیا سلوک کرتے تھے۔اور اسلام کی آمد کے بعد مفتوح قوم کے ساتھ کیا برتاو کیا گیا قرآن کی روشنی میں وہ لکھتے ہیں:

''اسلام سے پہلے عرب اور آس پاس کے ملکوں میں یہ رواج تھا کہ دشمن کے جو آدمی جنگ میں قید کر لئے جاتے تھے انہیں عام طور پر یا تو مار ڈالا جاتا تھا یا غلام بنالیا جاتا تھا۔قرآنے اس رواج کو بدل کر آگے کے لئے یہ حکم دیا: جنگ میں جو لوگ پکڑے جاویں انہیں یا تو دشمن پر احسان کے طور پر آزاد کر دیا جائے اور یا ہر آدمی کے بدلے میں اس وقت تک کے لئے جب تک کہ لڑائی جاری ہے کچھ ضمانت یا ہرجانی لے کر چھوڑ دیا جائے''۔(15)

ان اقتباسات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے قرآن کی روشنی میں جنگ کے صحیح تصور اور اس کے پس منظر اور منظر پر عالمانہ اور محققانہ گفتگو کی ہے۔ جنگ کے سلسلے میں قرآنی آیات کا تذکرہ کرتے ہوئے گیتا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''گیتا کی طرح قرآن بھی خاص حالتوں میں اگر دوسرے حملہ کریں تو اپنے دھرم سے بچاو کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے لیکن اگر دشمن ہٹ جاوے اور تم سے نہ لڑے یا صلح کرنا چاہے تو پھر اللہ تمہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا ہے''۔(16)

لوگ اپنے دھرم کا دوسرے لوگوں میں پرچار کیسے کرے قرآن میں ان کی کیا ہدایات ہیں ان کی روشنی میں اس کے ضمن میں بات کی ہے۔ان سے متعلق آیاتِ قرآنی کا تذکرہ کیا ہے۔جن میں

دعوت کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔داعی کے لئے کیا کیا اوصاف ہونی چاہئے۔کس طرح سے داعی کو دعوت کا آغاز کرنا چاہئے۔

پنڈت سندر لال نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حقوق العباد سے متعلق معلوماتی بحث کی ہیں۔ایک انسان کا دوسرے پر جو حقوق ہیں ان کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اجاگر کیا ہے۔تجارت کے میدان میں انسان کو ناپ تول میں کمی زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے۔اخلاقی ہدایات سے متعلق آیتوں کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔کن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے اور کن چیزوں کا اللہ انسان کو حکم دیا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے۔اس میں ان تمام نیکیوں کو بیان کیا ہے جو انسان عملی زندگی میں کرتے ہیں۔سماج میں انسان مل جل کر کیسے زندگی بسر کرے قرآن نے اس کے لئے کیا حل پیش کئے ہیں اس کو اجاگر کیا ہے۔(17)

برائی کا بدلہ بھلائی ہے:

آپ نے قرآن کی ان آیات کا سہارا لیا ہے جن میں انسان کو برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کا حکم دیا گیا ہے۔اس میں انہوں نے قرآن کے حوالے سے حضرت آدمؑ کے دونوں بیٹے ہابیل اور کابیل کے قربانی کا تذکرہ کیا ہے۔ان کے وقعہ کے بیان کے بعد، گیتا اور قرآن میں قربانی کے بارے میں کیا تصور ہے مماثلت دکھانے کی کوشش کی ہے۔(18)

عورت کے بارے میں:

اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں پنڈت سندر لال نے واضح انداز میں اس کو پیش کیا۔اور ان سے متعلق قرآنی آیات کا خلاصہ لکھا۔عورتوں اور مردوں کو قرآن نے جگہ جگہ جو مختلف ہدایتیں دی ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''ان ہدایتوں سے اس زمانے کے عربوں کے رواجوں اور عادتوں میں بہت بڑا سدھار ہوا اور وہ اپنے کو برائیوں سے بچا کر پاک زندگی بسر کرنے کی طرف

چلنے لگے۔ نارد اسمرتی کے حوالے سے لکھا کہ ' استریا کشیترم وبجنوترا ' یعنی عورتیں کھیت ہیں اور مردان میں بیج ڈالنے والے ہیں' اسی طرح قرآن میں عورتوں کی مثال کھیتی کی زمین کے ساتھ دی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عورت کا کام آدمی کی خواہش کو پورا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی نسل کو چلانا اور بچوں کا پالنا ہے''۔(19)

اسلام سے قبل عورت کی کیا حیثیت تھی، انہیں ماں باپ کی جائداد میں حصہ نہیں ملتا، سماج میں ان کا درجہ جانوروں یا مال واسباب سا مانا جاتا تھا، اسلام نے انہیں کیا کیا حقوق دیے ہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ لکھتے ہیں:

'' قرآن میں بار بار عورتوں کے ساتھ اچھا برتاو کرنے کا، انصاف کرنے کا اور ان کے مال ودھن کی حفاظت کرنے کا حکم ہے مرد کو کوئی حق نہیں کہ عورت کا جو الگ دھن ہو اسے اس سے لے یا جو اسے دے چکا ہو اسے پھر اس سے واپس لے لے''۔(20)

اسلامی علوم میں ایک اہم علم علم میراث ہے، پنڈت سندر لال نے اس سے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے کہ پہلے عورت کو باپ، بھائی اور خاوند وغیرہ کے مرنے پر اس کی جائداد سے اس کو حصہ نہیں ملتا، اسی طرح چھوٹے بیٹے کو ماں باپ وغیرہ کے مرنے پر اس کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا، قرآن نے مرد عورت بچے سب کے لئے حصے مقرر کئے۔ اسلام نے عورت کو جائز طریقوں سے مال کمانے کی پوری آزادی دے رکھی ہے بلکہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ مال کمائے اور خود اس کا مالک بھی ہو اور اس میں خود سے تصرف بھی کرے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

'' ہر عورت کو جائز طریقوں سے دھن کمانے اور اپنے دھن کی خود مالک ہونے کا پورا حق دیا گیا ہے''۔(21)

تعدد ازواج کا صحیح تصور:

اسلام میں شادی کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک سے زیادہ جو شادی کرنے کا تصور ہے اس کے

صحیح تصور کو پنڈت سندر لال نے سماج میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔شادی سے متعلق آیات کا انہوں نے جائزہ لیا اور اسلام میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں اور کب ہے اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بات کی۔اسی طرح انہوں نے طلاق کے صحیح تصور کو پیش کرنے کی ایک کوشش کی ہے۔اسلام میں ایک سے زیادی شادیوں کی کیوں ضرورت ہے اس پر وہ لکھتے ہیں:

''بیواؤں اور یتیموں کی تعداد بڑھی ہوئی تھی بیواؤں کے لئے اپنے یتیم بچوں کو پال سکنا بہت مشکل ہو رہا تھا،اس کے گزر بسر کا کوئی ٹھیک بندو بست کرنا ضروری تھا۔دیش میں عورتیں زیادہ تھیں اور مرد کم''۔(22)

عرب میں اور دیگر مذاہب میں تعدد ازواج کی اجازت ہے لیکن قرآن نے ایک عورت سے شادی کو ہی ٹھیک کہا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح عرب کی ایک خاص حالت میں زیادہ شادیوں کی اجازت دیتے ہوئے بھی قرآن ایک مرد کے لئے ایک عورت کے رواج کو ہی ٹھیک کہتا ہے''۔(23)

پنڈت سندر لال عورتوں سے متعلق قرآنی آیتوں کو جمع کیا اور ان کے حقوق کو ان کی روشنی میں بیان کیا۔اچھے کام کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے اللہ کے یہاں جنت کا وعدہ ہے۔قرآن کی روشنی میں عورت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح قرآن میں نگاہ نیچی رکھنے اور شرم سے کام لینے کا مرد اور عورت دونوں کو ایک سا حکم ہے۔عورت کو یہ بھی حکم ہے کہ اپنی سجاوٹ کی چیزوں کا دکھاوا نہ کریں،لیکن قرآن کے مطابق عورتوں کا گھروں کی چار دیواری میں بند رہنا ضروری ہے اور نہ منھ اور ہاتھ یعنی ان حصوں کو ڈھکنا ضروری ہے جو معمولی کام کاج چلنے پھرنے میں اوپر دکھائی دیتے ہیں''۔(24)

جہاد کا صحیح تصور:

قرآن میں جو جہاد کا شبد آیا ہے پنڈت سندر لال نے اس کی ایسی تشریح کی ہے کہ جس

سے جہاد سے متعلق بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔قرآن میں کن کن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جہادشبد قرآن میں الگ الگ شکلوں میں جگہ جگہ آیا ہے جہاد کے عام طور پر معنیٰ یہ ہیں کسی ایسی چیز کے ساتھ جو ٹھیک نہ ہو اپنی حد درجے کی طاقت لگا کر اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرنا یعنی کسی بھی کام میں جدو جہد کرنا یعنی سخت کوشش کرنا''۔(25)

قرآن میں کئی مقامات پر جہادفی سبیل اللہ آیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''جس کے معنیٰ ہیں اللہ کی راہ میں کوشش کرنا۔اسلام کے شروع کے دنوں میں قریش کے ظلموں سے اپنی جان اور اپنے دھرم کو بچانے کے لئے جو مسلمان اپنے وطن مکے سے بھاگ کر حبشہ یعنی اتھوپیا چلے گئے ان کے اس کام کو قرآن میں اللہ کی راہ اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرنا کہا گیا ہے''۔(26)

جن آیات کی طرف سے جہاد سے متعلق اعتراضات کا جال بچھایا جاتا ہے ان میں ایک سورۂ فرقان کی آیت نمبر 52 ہے اس آیت کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں محمد صاحب سے کہا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ قرآن کے ذریعے جہاد کبیرہ یعنی زبردست جہاد کرو۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان میں قرآن کی تعلیم پھیلاؤ اور انہیں سمجھاؤ''۔(27)

اس آیت کے مطابق سچائی کا پرچار کرنے کی جو بھی کوشش کی جائے وہ صرف جہاد ہی نہیں بلکہ کبیر یعنی بڑا جہاد ہے۔قرآن کے سب ٹیکا کرنے والے جیسے امام بیضاوی، امام اسیر الدین، ابو حیان وغیرہ نے اس آیت میں جہادشبد کے یہی معنیٰ کرتے ہیں(28) جہاد کے مختلف معانی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو لوگ اپنے دشمنوں کے ظلم سے بچنے کے لئے بھاگ کر کسی جگہ چلے جاویں پر سچائی کو نہ چھوڑیں اور صبر کے ساتھ اپنے دھرم پر جمے رہیں ان کے اس کام

کو بھی قرآن میں بار بار جہاد کہا گیا ہے''۔(29)

ان کے نذدیک جہاد کا تصور بہت ہی عام ہے۔ان کے یہاں دان دینا،غریبوں یتیموں کو پالنا،دوسروں کی مدد کرنا،مصیبتیں سہنا ان سب کو اللہ کی راہ میں جہاد بتایا گیا ہے۔جہاد کی تشریح حدیث سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے بڑا جہاد اپنے نفس پر قابو پانا یعنی اپنے غصے اوراور اپنی خواہش کو جیتنا ہے۔اسی کو یعنی اپنے نفس پر قابو رکھنے کو ہی عربی زبان میں اور عام طور پر مسلم کتابوں میں جہاد اکبر یعنی سب سے بڑا جہاد مانا گیا ہے''۔(30)

قرآن میں جہاں جہاں جہاد شبد کا استعمال ہوا ہے۔پنڈت سندر لال نے تین باتیں پورے یقین کے ساتھ کہی ہیں:(1)''قرآن میں جہاد شبد جگہ جگہ ایسے موقعوں پر آیا ہے جہاں ہتھیار اٹھانے یا لڑنے سے کسی طرح کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور دھرم کے معاملے میں ہر جائز کوشش کو جہاد کہا گیا ہے۔(2)سارے قرآن میں کسی ایک ایسی جگہ بھی جہاں صاف صاف مطلب صرف لڑنے یا ہتھیار اٹھانے سے ہو جہاد شبد کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔(3)خاص حالتوں میں قرآن کے اندر اپنے دھرم کے حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھانے یا لڑنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔لیکن جہاں کہیں اس کا ذکر ہے وہاں جہاد شبد استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف قتال شبد اسعمال کیا گیا''۔(31)

پنڈت سندر لال نے اسلامی علوم پر مختلف جہات سے خدمت کی ہیں۔آپ نے سیرت پر لکھنے کے لئے کئی سیرت کی زنگریزی کتاب کا مطالعہ کیا۔آپ نے آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں مطالعہ کیا اور آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے کی مکی زندگی کے بارے میں پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

''25 سال کی عمر تک اس زمانہ کے تمام بیانوں سے محمدؐ صاحب کی ایمانداری اور نیک چلن کا کافی ثبوت ملتا ہے۔۔۔۔ملنے جلنے میں وہ سب کے ساتھ بہت ہی نرم یہاں تک کہ شرمیلے تھے۔ان کا رہن سہن بڑا سادہ تھا۔ان کا من اس کے بس میں۔تندرستی اچھی۔دل ملائم اور چہرا چمکتا ہوا تھا لوگ انہیں دیکھ کر ان کی

طرف کھینچتے تھے''۔(32)

آپ ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ میں شہر کا امن سکھ شانتی کو خطرہ لاحق تھا۔آپ ﷺ کی آمد کے بعد وہاں کیا اثرات مرتب ہوئے اور مدینہ میں کس طرح کا ماحول پیدا ہوا اس تذکرہ کرتے ہوئے پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

''جہاں پر سوائے تلوار کے آپس کے جھگڑوں کے فیصلے کا کوئی طریقہ نہ تھا وہاں محمدؐ صاحب کے ذریعہ ایک ٹھیک ٹھیک سرکار قائم ہونے لگی۔انصاف کے ساتھ لوگوں کے جھگڑے چکائے جانے لگے۔اس سبب سے اسلام کے پھیلنے میں بڑی مدد ملی''۔(33)

مدینہ میں آپ ﷺ تمام مذاہب کے ساتھ کس طرح مل جل کر رہے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سندر لال لکھتے ہیں:

''مدینہ یا آس پاس کے بڑھتے ہوئے دیش کے حاکم کی حیثیت سے محمدؐ صاحب نے الگ الگ مذہبوں کے لوگوں کے ساتھ کبھی کسی طرح کا بھید بھاؤ نہیں کیا۔سب کو اپنے اپنے مذہبوں پر چلنے کی پوری آزادی دی اور مذہبی فرق کے رہتے ہوئے سب کو ایک قوم یا ایک راسٹری یا ایک نیشن کہہ کر بیان کیا''۔(34)

آپ ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں کس طرح دین کی تبلیغ واشاعت کی اس کے بارے میں سندر لال لکھتے ہیں:

''محمدؐ صاحب کا اپنے دھرم کو پھیلانے کا طریقہ زندگی بھر ایسا رہا جیسا قرآن کی ۔۔۔آیتوں میں بتایا گیا ہے۔ان کی ساری زندگی میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی جن میں انہوں نے کبھی کسی کو بھی تلوار کے زور سے یا کسی طرح کا دباؤ ڈال کر اپنے دھرم میں شامل کیا ہو۔اور نہ انہوں نے کسی قبیلے یا گروہ کو اپنے دھرم میں لانے کے لئے کبھی کسی پر بھی چڑھائی کی یا ایک بھی لڑائی اس کام کے لئے لڑی۔وہ دھرم میں دوسروں کو اتنی ہی آزادی دیتے تھے جتنی وہ دوسروں سے اپنے

لئے چاہتے تھے''۔(35)

آپ ﷺ نے 55 سال تک حرب فجار کے علاوہ کسی لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔(36)

آپ ﷺ کا لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا خصوصاً غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا اس کے بارے میں سندر لال لکھتے ہیں:

''الگ الگ قبیلوں کے جو لوگ محمدؐ صاحب سے ملنے آتے تھے۔ان کے ساتھ محمدؐ صاحب کا سلوک اتنا اچھا اور پریم کا ہوتا تھا۔ان کی شکایتوں کی طرف وہ اتنی اچھی طرح دھیان دیتے تھے اور ان کی آپسی جھگڑوں کو اتنی خوبصورتی سے طے کر دیتے تھے کہ اس سے محمد صاحب کا نام ہوتا تھا اور اسلام سے لوگوں کا پریم بڑھتا تھا''۔(37)

مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ کی قضاء کرنے آئے تو مسلمانوں نے کس امن کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

''یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ جب محمدؐ صاحب اور ان کے ساتھی کعبہ کے چکر لگا رہے تھے اور سب رسمیں ادا کر رہے تھے اور جب کہ ان کے دلوں میں ایک نرا کار اللہ کے سوا دوسرے کا خیال تک نہ تھا کعبہ کے 360 بتوں میں سب کے سب کعبہ کے اندر موجود تھے اور محمد صاحب یا ان کے کسی ساتھی نے کوئی بات بھی ایسی نہیں کی جس سے کسی بت کی بے عزتی سمجھی جاوے یا جس سے کسی پرانے خیال کے مکہ والے کا دل دکھ سکے''۔(38)

آپ ﷺ نے حاکم کی حیثیت سے کیسے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اس کے بارے میں سندر لال لکھتے ہیں:

''بہت سی مثالیں اس بات کی ملتی ہیں کہ راجہ یا حاکم کی حیثیت سے محمدؐ صاحب نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کبھی کسی طرح کا فرق نہ کرتے تھے''۔(39)

آپ ﷺ نے جو متعدد شادیاں کی ہیں ان کی وجوہات لکھنے کے بعد وہ اخیر میں کہتے ہیں:

''اپنی ان سب بیویوں کے ساتھ محمدؐ صاحب کا برتاؤ ایک سا رہا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس وقت تک دنیا کے شاید کسی دیش میں بھی ایک آدمی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہونا کسی طرح برا نہ سمجھا جاتا تھا اور محمدؐ صاحب کی ان شادیوں کی غرض صاف تھی''۔(40)

پنڈت سندر لال شرما نے اسلامی علوم کی جو خدمات کی ہیں وہ ناقابل فراموش ہے۔ ایمانیات سے لیکر عبادات، معاملات، اخلاقیات، قرآنی علوم، سیرت اور تاریخ وغیرہ کو محیط ہے۔ وہ ایک معتدل ذہن کے مالک ہند مفکر اور ایک غیر متعصب ہندو دانشور تھے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو ہندو تک پہنچانے کے لئے اس کا مطالعہ کیا۔ انہوں ے اسلامی علوم کے مطالعہ سے ہندو سماج سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ انہوں نے گیتا اور قرآن کی تعلیمات میں مماثلت دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ پنڈر سندر لال، بھارت میں انگریزی راج (سن ستاون، پیش لفظ) علی گڈھ، سرفراز قومی پریس لکھنو، 1957، ص5

2۔ پنڈت سندر لال، گیتا اور قرآن، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، 1999، ص147

3۔ ایضاً ص150

4۔ ایضاً ص143

5۔ ایضاً ص144

6۔ ایضاً ص152

7۔ ایضاً ص157

8۔ ایضاً ص161

9۔ ایضاً ص161

10۔ ایضاً ص166

11۔ ایضاً ص175

12۔ ایضاً ص175

13۔ ایضاً ص176

14۔ ایضاً ص178

15۔ ایضاً ص181

16۔ ایضاً ص105

17۔ ایضاً ص185

18۔ ایضاً ص195

19۔ ایضاً ص207

20۔ ایضاً ص207

21۔ ایضاً ص208

22۔ ایضاً ص210

23۔ ایضاً ص210

24۔ ایضاً ص212

25۔ ایضاً ص214

26۔ ایضاً ص214

27۔ ایضاً ص215

28۔ ایضاً ص215

29۔ ایضاً ص215

30۔ ایضاً ص216

31۔ ایضاً ص216

32۔ پنڈت سندر لال، حضرت محمدؐ اور اسلام، الہ آباد، بشمبر ناتھ، وسوانی پریس ساؤتھ ملاکہ، 1942، ص41

33۔ ایضاً ص84

34۔ ایضاً ص90

35۔ ایضاً ص96

36۔ ایضاً ص99

37۔ ایضاً ص107

38۔ ایضاً ص130

39۔ ایضاً ص162

40۔ ایضاً ص172

41۔ پنڈت سندرلال، ہندو مسلم ایکتا، الہ آباد، اسٹار پریس، 1944۔

42۔ پنڈت سندرلال، پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے، الہ آباد، اسٹار پریس،

☆☆☆

سیرت نبوی پر پنڈت سندر لال کی خدمات

ڈاکٹر محمد ہاشم، محمد مکرم
(دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرالا)

پنڈت سندر لال:

پنڈت سندلال 21/دسمبر 1881ء کو ضلع رائے پور کے قریب چھوٹے گاؤں ''چمشور'' میں پیدا ہوئے۔ وہ آزادی پسندوں کے اولین جنگجو اور مصلح میں سے تھے جو سماجی انصاف، مساوات اور عدم تشدد کے لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہندوستانی سامان کے فروخت کے لئے اپنی جائے پیدائش پر ''سمتر امنڈل'' کی بنیاد رکھی۔ 1918ء میں ''دھمتری میں سیاسی کونسل'' کی بنیاد رکھنے میں ان کا اہم کردار تھا اور وہ 1919ء میں ضلعی سطح کی کانفرنس کے انعقاد کے ذمہ دار تھے۔ 1921ء میں مہاتما گاندھی رائے پور آئے انہیں چھتیس گڑھ لانے کا سہرا شری سندر لال کو جاتا ہے(1)۔

ہندوستان کی آزادی میں سندر لال کا کردار:

وہ اصل میں ایک انقلابی شخص تھے اسی لئے ان کا تعلق اس وقت کی مشہور پارٹی ''غدر'' سے تھا۔ 1920ء میں جب گاندھی جی سے ملاقات ہوئی تو انہیں کے ساتھ ہو لئے اور دیش کی آزادی کے خاطر کام کرنے لگے۔ انہوں نے تشدد پر یقین رکھنے والے انقلابی کے مجموعی ارتقاء کی نمائندگی کی اور وردھا کے سیوا گرام نامی آشرم میں مہاتما گاندھی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اسی وجہ سے انہیں ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینے پر انہیں سات بار قید کیا گیا۔

1941ء میں انہوں نے ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔کہا جاتا ہے کہ وہ 1948ء میں سابقہ ریاست حیدرآباد میں خیر سگالی مشن کا حصہ تھے۔اسی طرح ہندوستان کی آزادی میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے(2)۔

تصانیف:

پنڈت سندرلال سیاسی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مصنف اور قلم کار بھی تھے۔انہوں نے 40 سے زائد کتابین اور رسائل لکھے ہیں۔اکثر و بیشتر کتابیں مذہبی اعتبار سی لکھی گئی ہیں،ان میں سے چندز یر خدمت ہیں:

(1) بھارت میں انگریز راج: یہ کتاب انہوں نے 1929ء میں انگریزوں کے خلاف میں لکھی گئی۔

(2) گیتا اور قرآن: یہ کتاب ہندی اور اردو زبان دنوں میں شائع کی گئی۔

(3) حضرت محمد اور اسلام۔ (4) دستور العمل۔

(5) پنجاب میں کیا سکھاتا ہے۔ (6) نیا ہند۔

(7) سقوط حیدرآباد کی خون ریز کہانی، پنڈت سندرلال کی زبانی۔اور اس جیسی دیگر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' کا تحقیقی جائزہ:

یہ کتاب ہندی زبان مین لکھی گئی ایک قابل ذکر کتاب ہے۔پنڈت سندرلال نے اس کتاب کو مذہبی نظریہ سے دیکھا ہے اس لئے اکثر و بیشتر اسلام کی حقیقت اور رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور اس سے حاصل سبق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ آج تک ہندوستان میں کسی غیر مسلم شخص نے سیرت رسول ﷺ پر ہندی زبان میں اس جیسی کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی، جو آپ کی زندگی کو قبل اشاعت اسلام اور وفات تک تمام کرداروں کو جمع کیا ہو، ساتھ ہی عرب دیش کے بارے میں ایسے نقطات جمع کئے ہوں جو ہر ایک کے علم میں ہونا لازمی ہے۔

اس کتاب میں مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند اہم پہلو جو درج ذیل ہیں، جن کا جاننا اس کتاب کے پڑھنے والے پر ضروری ہے:

(1) عرب دیش:

اس ہیڈنگ میں عرب کی جغرافیہ اور وہ کہاں واقع ہے تمام معلومات درج ہیں۔ مصنف صاحب جناب پنڈت سندر لال نے عرب کی پوری زمین سے متعارف کروایا ہے۔ انہوں بتایا ہے کہ عرب کہاں واقع ہے اور اس کے آس پاس کون کونسا ملک ہے، کونسی ندی و کونسا سمندر ہے وغیرہ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''عرب دیش ہندوستان سے پچھّم میں ایشیا کے دکھن میں ہے۔ اس کے تین طرف پانی ہے۔ پورب میں فرات ندی، دکھن میں مہاساگر، پچھّم میں لال سمندر ہے اور اتر میں کچھ دور تک روم سمندر ہے۔ عرب کی لمبائی ۱۵۰۰ میل اور چوڑائی پورب سے پچھّم تک اس کے لگ بھگ ہے''۔ اسی طرح بہت ساری معلومات کو شامل کیا ہے جو عرب دیش سے منسلک ہے۔

(2) عرب کی اسلام سے قبل حالت:

اس میں عرب کے ان حالات کے بارے میں بتایا گیا ہے جن کو یاد کر کے خود تاریخ روتی ہے، جو صرف اسلام کی آمد ہی سے دور اور ختم ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں لوگ فتنہ وفساد میں گھرے ہوئے تھے، ہر جگہ لڑائی جھگڑے اور خونریزی کا ماحول تھا۔ لوگ چھوٹی سے چھوٹی چیز کیلئے سالوں سال جنگ لڑا کرتے تھے۔ بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ لوگ اس وقت اپنی لخت جگر دل کی نورنظر بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ شراب تو اتنی عام ہو چکی تھی کہ پانی کے بدلے لوگ شراب پیا کرتے اور گھڑوں میں بھر کے رکھا کرتے تھے(3)۔

(3) آنحضرت ﷺ کی پیدائش اور مکہ کی زندگی:

آپ ﷺ کی پیدائش عام الفیل کے پچاس سال بعد ہوئی۔ تاریخ میں درج ہے کہ جب

آپ کی پیدائش ہوئی تو ہزاروں سال سے جل رہی آگ بجھ گئی، کسریٰ وقیصر کے بتھ گر گئے ایک پورا عرب نور سے بھر گیا تھا۔ اس میں سندر لال نے آپ ﷺ کی نبوت سے قبول کی زندگی یعنی غار حرا اور جبریل علیہ السلام کا تمام قصہ بیان کیا ہے۔ آپ کی دیانت داری اور ''الامین'' کے لقب کی حقیقت بھی بیان کی ہے۔ ساتھ ہی وحی اور آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ اس میں ملے مصائب وغیرہ خاص طور پر آپ کی نبوت کے بعد کی 13 سالہ زندگی کو مجملا بیان کیا ہے(4)۔

(4) نبی کریم ﷺ کی مدینہ کی زندگی:

یہ ہیڈنگ آپ کی ہجرت سے لیکر وفات تک تمام مراحل کو شامل کرتی ہے۔ اس میں خاص طور سے کچھ اہم نقطات پر نظر ڈالی گئی ہے جیسے مدینہ آپ کی آمد ورفت، آپ کا بھائی چارہ کروانا، جنگ وحروبات مع فتوحات وغیرہ۔ فتح مکہ پر بھی ایک جھلک ڈالی گئی ہے اور اس میں واقع ہونے والے تمام مدینہ سے سوار ہونے سے لیکر مکہ کو بغیر جنگ کے فتح کرنا، کعبہ میں رکھے تمام بتوں کو نکال باہر پھینکنا، کعبہ کی چابھی عثمان بن مظعون کو دینا اور خطبۂ حجۃ الوداع تک تمام مراحل مذکور ہیں۔ آپ کی شادیوں پھر بھی ایک نظر ڈالی گئی ہے لیکن کہیں پنڈت سندر لال نے آپ کے خلاف ایک شبد یعنی لفظ استعمال نہیں کیا۔ آخر میں آپ کی وفات کے دن اور مرض حالت کو بیان کیا ہے کہ کیسے آپ اس دنیا سے کوچ کر گئے(5)۔

(5) اسلام دھرم کا نچوڑ:

پنڈت سندر لال صاحب نے اس میں اسلام کے تمام اصول وضوابط اور احکام بیان کئے ہیں، سات ہی قرآن کریم کی عظمت کا ذکر بھی کیا ہے اس کے سوروں کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''محمد صاحب کے دھرم کے اصولوں میں دو سب سے بڑی چیزیں یہ ہیں: (1) توحید یعنی ایشور کے ایک ہونے میں بشواس کرنا اور (2) نیک کاموں پر زور دینا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے رسول ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے، بتایا گیا ہے کہ آپ تمام بنی انسانیت کے رسول اور رحمت ہیں۔

زیادہ تر مذہب اسلام پر روشنی ڈالی گئی ہے اس کی تعریف تفصیلا بیان کی گئی ہے۔آخر میں پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ محمد صاحب کے اپدیشوں کا نچوڑ یا قرآن کے خاص اصول یہ ہیں:

1۔ صرف ایک ایشور کو ماننا اور اس کی پوجا کرنا۔

2۔ نیک کام کرنا اور برے کاموں سے بچنا۔

3۔ سب دھرموں کو جڑ میں ایک ماننا اور سب دھرموں کے چلانے والوں اور مہا پرشوں کا ایک سا آدر (عزت کرنا) (6)۔

(6) اپدیش اور پرارتھنائیں (دعائیں):

اس سرخی میں قلم کار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اور اہم نصیحتوں اور وعظوں کو جمع کیا ہے ساتھ ہی بہت ساری حدیثیں بھی پیش کی ہیں جو اسلام کی بنیاد ہیں اور جن میں متعدد نصیحتیں متضمن ہیں۔جیسے شروع ہی میں محرر رسول اکرم ﷺ کے پھٹکرا اپدیش نمونے کے طور پر پیش کرتا ہے کہ ''عمر لکھتا میں پیغمبر سے پوچھا'' اسلام کیا ہے؟''، انہوں نے جواب دیا: زبان کو پاک رکھنا اور مہمان کی خاطر کرنا۔ میں نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ انہوں نے کہا'' صبر کرنا اور دوسروں کی بھلائی کرنا''۔اس جیسی بہت ساری احادیث مع الدلائل پیش کی ہیں جن کا جاننا ہر پرش کیلئے ضروری ہے (7)۔

(7) یوروپ والوں کی کچھ رائیں:

یہ کتاب کی آخری ہیڈنگ ہے اس میں پنڈت سندر لال نے یوروپ کے ان اقوال کو پیش کیا ہے جو انہوں نے اللہ نبی ﷺ کی تعظیم میں کہے تھے۔ بالخصوص مصنف صاحب نے کچھ اہم عالم اور مفکروں کے اقوال کو بیان کیا ہے۔اس کی ایک مثال پیش نظر ہے، وہ لکھتے ہیں کہ: مشہور انگریز فلاسفر کارلائل محمد ﷺ صاحب کے بارے میں لکھتا ہے:'' وہ پرکرتی (قدرت) کی بڑی گود سے نکلا ہوا زندگی کا ایک زبردست دہکتا ہوا انگارا تھا جو دنیا کے بنانے والے کے حکم سے دنیا کو روشن کرنے اور جگانے کیلئے آیا تھا'' وغیرہ بے شمار اقوال اور رائیں پیش کی گئی ہیں۔اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش

کی گئی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی عظمت کو دیگر مذاہب کے لوگ بھی مانتے ہیں(8)۔

خاتمہ:

پنڈت سندر لال صاحب نے جو کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' نامی لکھی ہے یہ لوگوں کیلئے ایک نایاب تحفہ ہے، خاص طور سے اسلام کے مخالفین کیلئے جو اسلام کے ساتھ آپ ﷺ پر تہمت لگاتے ہیں۔انہوں اس میں آپ کی زندگی کے اساتھ اسلام کے بنیادی اصول وضوابط اور غیر مسلموں کے اقوال کو بھی پیش کیا ہے۔جس سے یہ ثابت ہوجائے کہ اسلام ایک حق دین ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اب تک ایسی کتاب نہ لکھی گئی اور نا ہی شائع کی گئی۔

حوالہ جات:

1۔ byju's exam prep۔

2۔ pss.central institute of vocational education, bhopal۔

3۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص1،27)۔

4۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص30،57)۔

5۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص83،190)۔

6۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص191،200)۔

7۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص200،219)۔

8۔ کتاب:''حضرت محمد اور اسلام'':(ص219،224)۔

☆☆☆

باب سوم

نعتیہ شاعری

نعت گوئی اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء

جناب محمد آصف
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور اخلاق حسنہ سے متاثر ہوکر بلاتفریق مذہب وملت مسلم اور غیر مسلم سبھی اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور خاص کر برصغیر ہندو پاک میں نعتیہ شاعری غیر مسلم شعراء کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ عہد رسالت ﷺ سے لے کر اب تک بلاتفریق مذہب وملت کے مختلف شعراء نے مختلف زبانوں میں نعتیہ شاعری کو اپنا موضوع سخن بنائے رکھا۔ جس کا ذکر مضمون میں کیا جارہا ہے۔

غیر مسلم شعراء اور نعت گوئی:

ہندستانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ یہاں آنے والے صوفیا کی تعلیمات کا مرکز ومحور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اس لیے جب ان صوفیا نے ہندوستانی سماج یا معاشرے کو اپنے کردار واخلاق اور تعلیمات سے متاثر کرنا شروع کیا تو خود بہ خود رسول کریم کی ذات وشخصیت بھی مثالی بنتی گئی۔ کرشن بہاری نور لکھنوی نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے؛

ایمان اس کو کہتے ہیں اے اہل بندگی
اک اجنبی کی بات پہ سب کو یقین ہے

غیر مسلم شعراء کے بارے میں ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعت گوئی''میں تحریر کیا ہے ''غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت ومحبت کے اظہار کے لئے حضور اکرم ﷺ کی سیرت ونعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے''۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''ہندو شاعروں کی نعت گوئی کا حقیقی دور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہوا''۔ لچھمن نرائن شفیق کا معراج نامہ اور راجہ مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے نمونے ہیں۔(1)

برصغیر میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شعراء ملتے ہیں جنہوں نے مقدار اور معیار ہر اعتبار سے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔اس کے مختلف اسباب رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکشش ذات مبارک اور آپ کا دنیا پر بلاتفریق قوم وملت کے احسانات سے متاثر ہوکر ان شعراء نے آپ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا۔دوسری بڑی وجہ رواداری کی وہ فضا ہے جو جنگ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ نمایاں ہوگئی تھی۔انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی خواہش نے بھی اس میں اہم کردار نبھایا۔مخلوط معاشرے میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کے تہذیب وتمدن میں واضح اختلاف رہا،اس کے باوجود اہلِ فکر وقلم کے حلقوں میں رواداری کی ایک انوکھی فضا ملتی ہے۔

عصرِ حاضر میں ہمیں متعدد غیر مسلم شعراء ملتے ہیں جنہوں نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ذیل میں چند اہم غیر مسلم نعت گو شعراء کا ذکر پیش کیا جارہا ہے۔

منشی شنکر لال ساقی: دور جدید کے پہلے غیر مسلم اہم نعت گو شاعر منشی شنکر لال ساقی ہے۔ آپ سکندر آباد میں پیدا ہوئے۔ غالب اور مومن کے ہم عصر تھے۔منشی شنکر لال ساقی نے جنگ آزادی سے قبل شاعری کا آغاز کر دیا تھا،مگر انہیں شہرت بعد میں نصیب ہوئی،انہوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نعتیہ اشعار کہے۔(2)

جیتے جی روضہ اقدس کو نہ آنکھوں نے دیکھا
روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہو گی

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا میری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے میں منشی شنکر لال ساقی کی نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے'' ساقی کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہار عقیدت ہے۔شاعر جا بجا شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین کو بلا تکلف باندھتے ہیں۔اس جگہ نہ تو ابہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش''۔

مہاراجہ سری کشن پرشاد: آپ 1864ء میں پیدا ہوئے۔آپ نے عربی و فارسی اور انگریزی میں مہارت حاصل کی۔آپ تحصیل علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جاگیرات، پیش کاری کے عہدے سے مشرف ہوئے۔شعر و شاعری آپ کا خاص مشغلہ تھا۔فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔کثیر تعداد میں نعت رسول کہیں۔ایک دیوان ''حکمدہ رحمت'' میں صرف نعتیہ اشعار ہیں اور ان کا مجموعہ نعت تقریباً 200 صفحات پر مشتمل ہے۔آپ کے اشعار جذب و شوق اور حب رسول سے بھرے ہوئے ہیں۔ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری جمال کے بارے میں متعدد اشعار لکھے ہیں جن میں آپ کے زلف و عارض، خدوخال اور ابرو قامت کے حسن کو تشبیہ اور استعارہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔(3)

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطان مدینہ

شاد کی نعتوں میں عربی الفاظ و تراکیب بھی ملتی ہیں؛

شمس الضحی، بدرالدجی، خیر الوری نور الہدی
شان خدا فضل الہ شاہنشاہ کرسی نشیں
ختم الرسل ہادی کل ہیں باعث ہر جز و کل
سلطان دین، شمس الیقیں ہیں رحمۃ للعالمین

منشی بچھی نرائن سخا: آپ ضلع ایٹہ کے رہنے والے تھے، سن شعور ہی سے شعر وسخن سے خاص لگاؤ تھا۔ سخا نے مشق مسلسل کے ذریعہ شعرائے جے پور میں اپنا خاص مقام حاصل کیا۔ ان کے کلام کا ضخیم مجموعہ ان کے پوتے ڈاکٹر اقبال نرائن سریواستو صدر شعبہ سیاسیات راجستھان یونیورسٹی کے پاس محفوظ ہے۔ سخا کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف تذکرہ شعرائے جے پور نے تحریر کیا ہے کہ ''ان کے کلام میں پختگی، بلند پیروازی اور وسیع النظری ہے، زبان کی صفائی کا پورا خیال رکھتے ہیں بہترین تذکرہ مطبوعہ 1936ء میں لکھا ،نعت بھی خوب کہتے ہیں اور نہایت عقیدت کے ساتھ لکھتے ہیں:

نہیں ممکن سوا اسکے بیاں کچھ شوق بیحد کا
سخا کس کا محمد ﷺ کا، خدا کس کا محمد ﷺ کا
یقیناً جنتی ہیں ہم کہ ان کے امتی ہیں ہم
نہ خطرہ اس میں باید کا نہ اندیشہ ہے شاید کا
کافر ہے مومنوں میں، مومن ہے کافروں میں
عشق نبی میں یارب کیا حال ہے سخا کا۔(4)

دلورام کوثری: مشہور نعت گو شاعر دلورام کوثری، ضلع حصار (بھارت) میں 1929ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ دلورام نے بڑی تعداد میں کتابیں لکھیں ڈاکٹر صفدر حسین نے ان کی دس مطبوعات کے نام لکھے ہیں۔ آپ کا ایک نعتیہ مجموعہ ''گلبن نعت کوثری'' ہے۔ یہ ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے جس میں دلورام کوثری کی خودنوشت حالات بھی ہیں۔ ان کے حب رسول اور شغف نعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے انھیں ''حسان الہند'' کا خطاب دیا۔ دلورام کوثری کی نعتیہ شاعری کو تقریباً تمام ناقدین فن نے سراہا ہے ان کے جذبات کی صداقت کا ہر صاحبِ ایمان معترف ہے۔(5)

تھا مجھے عشقِ محمد ﷺ جبکہ یہ عالم نہ تھا
بس خلا ہی تھا خلا خوّا نہ تھی آدم نہ تھا

کوثری اس وقت بھی تھا مجھ کو عشق مصطفیٰ
آج کل جیسا ہے عشق ایسا ہی تھا کچھ کم نہ تھا

ڈاکٹر فرمان فتح پوری فرماتے ہیں''انہوں نے نعت گوئی میں زبان و بیان کی بڑی ہنر مندیاں دکھائی ہیں۔ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری مرکز گاہ تھی اسی لئے ہر جگہ ان کی سادگی ایک طرح کی پرکاری لئے رہتی ہے۔

کنور مہندر سنگھ بیدی: کنور مہندر سنگھ بیدی سحر پاکستان کے منٹگمری میں 1909ء کو پیدا ہوئے۔کنور مہندر سنگھ بیدی دور جدید کے اہم شاعر ہی نہیں،شخصیت بھی ہیں۔ اپنی اعلیٰ انسانی صفات کے حوالے سے تمام طبقوں میں ہر دل عزیز ہیں۔60 برس تک شاعری کی۔ان تمام مشغلوں میں شاعری میں وہ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔انہوں نے اپنی شاعری میں حضرت رسول اکرم ﷺ کی شان میں بہت عمدہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔(6)

عشق ہو جائے کسی سے، کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

شباب للت، بھگوان داس : بھگوان داس شباب للت 3/ اگست 1933ء کو ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔محترم شباب للت نے 1941ء میں شاعری کا آغاز کیا اور پہلی غزل 1946ء میں لاہور کے جریدہ ماہنامہ''اوم'' میں شائع ہوئی۔آپ اشاعتی معاملہ میں بھی خوش نصیب ہیں آپ کی اب تک پندرہ تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔انھوں نے غزلوں کے ساتھ نعتیں بھی کہی ہیں۔ایک جگہ وہ کہتے ہیں۔(7)

حاصل نہ ہوا گو مجھے دیدار محمد ﷺ
دیتا ہے مجھے روشنی کردار محمد

اے خاک مدینہ تجھے آنکھوں سے لگا لوں
دامن ہے ترا مطلع انوار محمد

کرشن بہاری نور: عصر حاضر کے شعرائے نعت میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ رسول ﷺ سے گہری وابستگی اور آپ کی محبت کا ہر قسم کی محبتوں پر حاوی ہونا جزو ایمان ہے۔ کرشن بہاری کا ذاتی عقیدہ ہے کہ دیدار نبی کے شرف سے وہی مشرف ہوتا ہے جس کا دل ہر عیب سے پاک ہو، وہ بڑے عزم و اتفاق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یاد نبی ﷺ میں بیمار کو شفا دینے کی خاصیت ہے۔ اس کو خواہ دعا کے نام سے یا دوا کے نام سے موسوم کیا جائے۔ لیکن اس میں شفا کا اثر ان کے ذاتی تجربہ کی بنا پر حتمی طور پر ہے۔ جو ان کے اشعار میں دیکھنے کو ملتے ہیں؛

ایک تجربہ ذاتی ہے میرا اب اس کو دعا کہئے کہ دوا
جو یاد نبی کو کرتا ہے بیمار وہ اچھا ہوتا ہے۔(8)

گلشن بریلوی، رمیش نرائن سکسینہ: گلشن بریلوی کا اسم گرامی رمیش نرائن سکسینہ ہے۔ 1937ء کو بریلی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا ذوق بچپن سے ہی رکھتے تھے مگر با قاعدہ شاعری کا آغاز 1972ء سے کیا۔ آپ محترم کرشن بہاری نور لکھنوی سے تلمذ کا اعزاز رکھتے ہیں۔ اور نعت گوئی سے ان کو خاص لگاؤں تھا۔ آپ کا یہ نعتیہ قطعہ بہت مشہور ہے۔

آنے کو تو سنسار میں آئے ہیں نبی اور
آیا ہے نہ آئے گا محمد ﷺ سا کوئی اور
خالی کوئی پلٹا ہی نہیں در سے نبی کے
ہندو ہو مسلمان ہو سکھ ہو کہ کوئی اور

(بہر زماں بہر زماں، ص815)

بابورام، مطفر لکھیم پوری: آپ 18/اگست 1907ء کو پیدا ہوئے۔ بابورام کا تخلص مظفر تھا جناب مخمور جہاں آبادی کے تربیت یافتہ ہیں۔ مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔ اور

آپ ﷺ سے اپنی دلی جذبات و احساسات، نذرانہ عقیدت اور اپنے عاشق رسول ہونے کے بارے میں بتاتے ہیں۔(9)

الٰہی اب یہی اک آرزو ہے
میرا سر ہو نبی کا سنگ در ہو
گر نہ انوار محمد ﷺ کی عنایت ہوتی
قلب انساں سے کبھی دور نہ ظلمت ہوتی

راجہ مکھن لال: دکن کے شعرائے اردو میں راجہ مکھن لال مکھن کا نام بھی کوئی محتاج تعارف نہیں۔موصوف کی شعری صلاحیتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے 1269ھ میں عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ رباعیات میں ہی کیا۔جناب مکھن لال کا قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔جس میں حمد، اور منقبت بھی ہے مگر نعتیہ کلام زیادہ ہے۔آپ کا نذر عقیدت اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے راجہ مکھن لال کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے تحقیقی مقالے میں تحریر کیا ہے۔''جہاں مکھن لال نے حضور ﷺ کی محبت میں اپنے داخلی جزبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ ﷺ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ان محاسن میں داخلی و خارجی دونوں ہیں۔حضور اکرم کے شمائل قرآن رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، ہادی، راہ ہدا وغیرہ حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔مکھن بارگاہ نبوی ﷺ میں معروضہ بھی پیش کرتے ہیں تو ان اوصاف کا واسطہ دیتے ہوئے احسان کا ذکر کرتے ہوئے اور آپ ﷺ کے رحمت عالم ہونے کو سہارا بناتے ہوئے''۔(10)

رحمۃ اللعالمین ہو یا نبی خیر الوریٰ
شاہد صادق تمہارے وصف کا قول خدا

ہو شفیع المذنبین اور ہادی راہ ہدا
کر کرم راہ سعادت پر مجھے ہو رہنما
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

جگن ناتھ آزاد: جگن ناتھ آزاد 5 ردسمبر 1918ء کو میانوالی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے نامور والد پروفیسر تلوک چند کی زیر نگرانی حاصل کی اور باکی آگے کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (1938-1873ء) صوفی غلام تبسم (1978-1899ء) اور سید عابد علی سے اکتساب فیض حاصل کیا۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں رہایش اختیار کی اور یہاں مختلف سرکاری عہدوں پر مامور رہے۔ جگن ناتھ آزاد کا خاص موضوع اقبال ہے اقبال اور اقبالیات کے موضوع پر اردو اور انگریزی میں دس کتابیں لکھنے کے علاوہ اندرون و بیرون ملک کی متعدد یونیورسٹی میں لیکچر دے چکے ہیں۔ آپ نثر و نظم کی پینتالس کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ آپ ممتاز اقبال پرستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ رسول خدا سے عقیدت ومحبت کا ایسا والہانہ اظہار ان کی نعتوں میں ملتا ہے کہ رشک آتا ہے۔(11)

خلیق آئے، کریم آئے، رؤف آئے رحیم آئے
کہا قرآن نے جس کو صاحب خلق عظیم آئے
مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلین آئے
سحاب رحم بن کر آئے رحمت اللعالمین آئے

پنڈت امرناتھ: پنڈت امرناتھ کشمیر الاصل تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم وتربیت پائی حضرت خدا بخش تنویر کے شاگرد تھے شاعری کا بے حد شوق تھا۔ اعلیٰ درجہ کے فارسی داں تھے۔ تذکرہ گلشن کشمیر میں انہیں ''امیر الشعراء'' کہہ کر پکارہ گیا ہے۔

زیب کونین بہار چمن میں مطلبی
نہ ہوا نہ ہوگا کوئی تم سا نبی

شافع روز جزا سرور عالی نصبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی

بحر موجی دیا شنکر: دیا شنکر 9/دسمبر 1911ء کو علی گنج ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی بابو بھگوتی پرشاد ہے۔ اپنے استاد موج صدیقی کی نسبت سے اپنے کو بحر موجی لکھتے ہیں۔ 1913ء سے شاعری کا شوق جاری ہے۔ ان کا شمار اتر پردیش کے جانے پہچانے شاعروں میں ہوتا ہے۔ دیا شنکر نے آپ ﷺ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار یوں کیا ہے:

رسول خدا کی محبت ملی ہے
مجھے دونوں عالم کی دولت ملی ہے
مدینے کی بستی کا عالم نہ پوچھو
برستی ہوئی مجھ کو رحمت ملی ہے
نبی کی محبت میں دیوانہ ہوں میں
بہ مشکل مجھے یہ سعادت ملی ہے

منشی کالکا پرشاد: منشی کالکا پرشاد رام نگر ضلع بریلی میں 1860ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی شعروشاعری کا شوق تھا۔ 19 سال کی عمر میں سید بیر علی اختر سے فارسی کی تکمیل کی۔ اردو اور فارسی دونوں زبان میں شاعری کرتے تھا، آپ ﷺ کی سیرت سے متاثر ہوکر کالکا پرشاد نے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار یوں کیا؛

چاند سورج کو کوئی ہاتھوں پہ میرے لا دے
کونین کی دولت میرے دامن میں چھپا دے
پھر کالکا پرشاد سے پوچھے کہ تو کیا لے
نعلین محمد ﷺ کو وہ آنکھوں سے لگا لے(12)

خنجر، ڈاکٹر دیانند سکسینہ: آپ ﷺ کی سیرت سے کافی متاثر تھے سرکار دو عالم کی تعریف

وتوصیف میں ان کے دلی جذبات واحساسات اس طرح شامل ہوتے ہیں کہ شعر روانی اور برجستگی کی ایک مثال بن جاتا ہے۔

جہاں میں کتنے رسول آئے نہ آیا کوئی عظیم تم سا
فہیم تم سا، علیم تم سا، نعیم تم سا، حکیم تم سا
ہزار ڈھونڈا، تمام دیکھا، کسی نے لیکن کہیں نہ پایا
حسین تم سا، امین تم سا، خطیب تم سا، وسیم تم سا
تلاش کر کے تھک چکی ہیں، نگاہ خنجر نہ پاسکی ہے
خبیر تم سا، بشیر تم سا، قدیر تم سا، سلیم تم سا

(بہر زباں بہر زماں، ص552)

ادا، ڈاکٹر تجیندر رکور: ادا صاحبہ سکھ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اردو کی ممتاز شاعرہ ہیں۔ اپنے بے مثال ترنم کے ساتھ جب کلام پیش کرتی ہیں تو سامعین پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ نے موسیقی کی مہارت حاصل کی ہے اور گرونانک یونیورسٹی امرتسر میں پروفیسر ہیں۔ آپ کے چند اشعار درجہ ذیل ہیں؛

یہ کسی کو میری کیا خبر ہے
کہ تصوّر میں خیر البشر ہے
میں بہت دور ہوں، میں نے مانا
میرے آقا کو میری خبر ہے
نعت لکھتی ہے سرکار کی اب
کیا تجیندر ادا بے ہنر ہے

منظر بدایونی، چھوٹے لال گپتا: چھوٹے لال گپتا ابن گنگا رام گپتا بدایوں میں 1936ء کو پیدا ہوئے۔ بی، اے تک تعلیم پائی لالہ لاجپت رائے ہائی اسکول بدایوں میں ہیڈ ماسٹر رہیں۔

1944ء سے شعر کہتے ہیں پہلے شاہین بدایونی کے شاگرد ہوئے ان کے انتقال کے بعد جناب صہبائی سے مشورہ سخن کیا۔(13)

میں سارے جہاں کا الم چاہتا ہوں
محمد ﷺ کا لیکن کرم چاہتا ہوں

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر مسلم شعراء نے نہ صرف سیرت طیبہ کا صدق دل سے مطالعہ کیا بلکہ اظہار عقیدت اور اسلامی تعلیم ومزاج کو اس حد تک پی گئے تھے کہ نفس اشعار سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کا قائل ایک پیروکار مسلمان ہے یا غیر مسلم۔

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ شعراء کی ایک بڑی تعداد نے رحمت اللعالمینؐ سے اپنی قلبی اور فکری وابستگی کا اظہار منظوم ومنثور دونوں شکلوں میں کیا۔عصرِ حاضر میں جہاں مذہبی رواں داری اور تجدید اخوت کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے تو ان شعراء کی نہ صرف فکری بلکہ معنوی اہمیت بھی دوگونہ بڑھ جاتی ہے۔ان کا منہج کسی مصنوعی مفاہمت کی دعوت نہیں بلکہ قلوب واذہان کے اس رویہ کی طرف دعوت ہے کہ جس میں انسان اپنی انا کو ختم کر کے حق کو پہچاننے اور سراہنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کراچی کے ایک نعتیہ مشاعرے میں اپنی شرکت اور وہاں کے صدر مشاعرہ کی تقریر کے حوالے سے لکھا ہے۔''ایک ہندو شاعر یا کوئی غیر مسلم شاعر حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعت کہتا ہے تو اپنا کوئی مذہبی فریضہ ادا نہیں کرتا، ہاں اس بات کا اظہار اس سے ضرور ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے مذہب کا پابند ہوتے ہوئے بھی پیغمبر اسلام کی شان میں نعت کہہ رہا ہے تو گویا وہ اس نکتے کی وضاحت کر رہا ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے مذاہب اور بانیانِ مذاہب کا احترام بھی ضروری ہے اور آج دنیا کو اسی ضابطہ خلاق کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کے کثیر ثقافتی اور تہذیبی ماحول کو یقیناً نعتیہ شاعری کے سبب بڑی تقویت ملی ہے۔اس لئے لازم ہے کہ نعت گوئی میں غیر مسلم شعراء کی خدمات کو منظر عام پر لایا جائے تا کہ ایک خوش حال معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

حوالہ جات:

1۔ پروفیسر شیث محمد اسمٰعیل اعظمی، درسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات، (دہلی: کاک آفسیٹ پرنٹرس) س2002ء، ص173

2۔ محمد الدین فوق مدیر اخبار کشمیر جدید شری نگر، اذان بتکدہ، س1934ء، ص35-33

3۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد، اردو شاعری میں نعت، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو) س1992، جلد دوم، ص245

4۔ نور احمد میرٹھی، بہر زماں بہر زباں ﷺ (کراچی: سہیل پریس) س1994ء، ص350

5۔ اذان بتکدہ، ص22

6۔ اردو شاعری میں نعت، جلد دوم، ص274

7۔ بہر زماں بہر زماں ﷺ، ص385

8۔ اردو شاعری میں نعت، جلد دوم، ص277

9۔ ایضاً، ص552

10۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری (کراچی: اردو اکیڈمی) س1976ء، ص 243-246

11۔ بہر زماں بہر زباں ﷺ، ص145

12۔ ایضاً، ص369

13۔ شہید حسین بدیونی، تذکرہ شعرائے بدایوں (بدایوں: نظامی پریس) س1987ء، ص جلد دوم، ص250

☆☆☆

نعتیہ شاعری اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی
(جامعہ ام سلمہ، دھنباد)

آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں، ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی رسول، اس کا لازمی نتیجہ نبی کریم ﷺ کا عالمی ہونا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ عالمی ہیں تو ان کے چاہنے والے بھی عالم کی اقوام ہوں گی، صرف مسلمان ہی نہیں ہوں گے ان کے چاہنے والوں میں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اظہار عقیدت کرنے والوں میں نصرانی بھی ہیں اور جین بھی، سکھ بھی ہیں اور ہندو بھی، مارگولیتھ کی (محمد اور اسلام کا عروج-Mohammed and the Rise of Islam)، سندر لال کی ''حضرت محمد اور اسلام''، سوامی لکشمن کی ''عرب کا چاند (آفتاب حقانیت)''، سردار گوردت سنگھ کی ''محمد کی سرکار''، کنج لال ایم اے بابو کی ''حضرت محمد صلعم اور اسلام''، شردھے پرکاش دیو جی کی ''سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام''، گووند دایا جنڈ ہوک (بیکانیری) کی ''حیات محمد''، پروفیسر لاجپت رائے نیر کی ''حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری'' اور پنڈت وید پرکاش اپادھیائے کی ''نراشنس اور آخری رسول'' اسی عقیدت و محبت کا نتیجہ ہیں (1)، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ نے اپنے ایک شعر میں اسی کو یوں بیان کیا ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

اور رویندر جین نے کہا ہے:

آپ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں
صرف شامل ہوں مسلمان رسول اکرم

جن غیر مسلموں نے نبی کریم ﷺ سے اظہار عقیدت کیا ہے، وہ دو طرح کے ہیں: (1) نثر نگار (2) نظم نگار، نثر میں اظہار عقیدت کرنے والی تحریروں کو اصطلاح میں ''سیرت'' کہا جاتا ہے؛ لیکن نظم میں اظہار عقیدت کو اصطلاح میں ''نعت'' کہتے ہیں۔

غیر مسلم نعت گو شعراء کے تعلق سے کئی کام وجود میں آئے؛ لیکن اب تک جو سب سے تفصیلی کام نظر آیا، وہ نور احمد میرٹھی اور دھرمیندر ناتھ کا ہے، نور احمد میرٹھی نے اپنی کتاب ''بہر زباں بہر زماں'' میں تین سو چھتس (336) غیر مسلم شعراء کے مختصر حالات مع نمونہ کلام پیش کیا ہے، جب کہ دھرمیندر ناتھ نے ''ہمارے رسول'' میں تین سو چھہتر (376) شعراء کا تذکرہ مع کلام پیش کیا ہے، اس کے علاوہ ایک انوکھا کام پروفیسر طرزی نے کیا ہے، انھوں نے تین سو بہتر (372) غیر مسلم شعراء کا منظوم تذکرہ اپنی کتاب ''نعت گویان غیر مسلم'' میں کیا ہے اور ان کے کچھ نمونے بھی پیش کئے ہیں، ظاہر ہے کہ لفظوں کے قید میں جکڑے اس مقالہ میں ان تمام شعراء کا ذکر بہت مشکل ہے؛ اس لئے بطور نمونہ یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نمائندہ غیر مسلم نعت گو شعراء:

غیر مسلم نعت گو شعراء کو چار اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے: (1) ہندو شعراء (2) سکھ شعراء (3) جین شعراء (4) اور مسیحی شعراء۔

ہندو شعراء:

منشی شنکر لال ساقیؔ: 10/دسمبر 1820ء کو سکندر آباد میں پیدا ہوئے، یہ خوب چند بھٹناگر کے

لڑکے اور ہرگوپال تفتہؔ شاگرد مرزا غالبؔ کے چچازاد بھائی بھی تھے، سہارنپور کی ایک عدالت میں پیش کاری کی خدمت پر مامور تھے، منشی بال مکند بے صبرؔ کو اپنا کلام دکھاتے تھے؛ لیکن زیادہ فیض غالبؔ اور تفتہؔ سے حاصل کیا، آپ نے اپنے دور کے ممتاز شعراء غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ وغیرہ کے ساتھ مشاعرے پڑھے، ان کی دو کتابیں: ایک کریما شیخ سعدی کا ترجمہ بھاشا نظم میں اور دوسری ''انتخاب کلیات'' شائع ہوچکی ہیں، اردو اور فارسی کے دو دیوان اور ایک رمائن برطرز بھجن غیر مطبوعہ ہیں، آپ نے فارسی اور اردو دوزبانوں میں نعت کہی ہے، ان کا انتقال 10/دسمبر 1890ء کو ہوا، نعتیہ نمونہ(2):

جب مئے عشق نبی سے مجھے مستی ہوگی
بیخودی ہوگی، بلندی، نہ یہ پستی ہوگی
کچھ غرض جنت ودوزخ سے نہیں ہے ساقیؔ
ان کے مستوں کے لئے اورہی بستی ہوگی

مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ: 28/جنوری 1864ء کو پیدا ہوئے، والد کا نام راجہ ہری کشن پرشاد تھا، شادؔ کے نانا نے ان کی تعلیم وتربیت اپنا فرزند سمجھ کر کیا؛ چنانچہ انھوں نے انگریزی، اردو، عربی، فارسی، تلنگی اور مرہٹی میں اچھی استعداد حاصل کرلی، انھوں نے مدرسہ عالیہ حیدرآباد میں تعلیم پائی، شادؔ اپنے دادا کے جانشین ہوئے اور جاگیرات پیش کاری سے سرفراز کئے گئے، 1310ھ میں معین المہام فوج مقرر ہوئے اور 1319ھ میں مدارالمہامی کا عہدہ عطا کیا گیا، جس پر 1330ھ تک بحال رہے، 1345ھ میں صدارت عظمیٰ کی خدمت سپرد کی گئی، حکومت ہند نے 1903ء میں سی، آئی، ای اور 1910ء جی، سی آئی، ای کے خطابات دئے، شادؔ کو ابتدا ہی سے شاعری کا شوق رہا، ان کا انتقال 1349ھ مطابق 1940ء میں ہوا، شادؔ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''ہدیۂ شاد'' کے نام پہلی مرتبہ 1326ھ میں طبع ہوا، انھوں نے نبی کریم ﷺ کی نعتیں

جذبہ خلوص کے ساتھ لکھی ہیں، نمونہ کلام (3):

گلشن طیبہ سے میری روح یوں نامانوس ہے
جیسے ہوبلبل کواپنے آشیاں سے ارتباط
یاد احمد کیوں نہ آئے میرے دل میں بار بار
جومکیں ہے، اس کولازم ہے مکاں سے ارتباط
رحمۃ للعالمین کے کیوں نہ سب مداح ہوں
رحمت حق کو ہے ان کے مدح خواں سے ارتباط

دلورام کوثریؔ: مشہور نعت گوشاعر دلورام ولد بھورارام بشنوئی قصبہ نانڈڑی ضلع حصار، ہریانہ میں 1883ء میں پیدا ہوئے، انٹرنس تک تعلیم حاصل کی، ان کا پیشہ زراعت تھا، لاہور کے ایک عالم سے دوبرس تک علم عروض پڑھا، مولانا سید عنایت علی مجتہد العصر سے دس بارہ سال فارسی، علم عروض اورفن شعر کی تعلیم حاصل کی، 29/سال کے عمر میں وطن واپس آئے اورغزلیں کہنا شروع کیں، اسلامی موضوعات اورروایات پرنظمیں لکھیں اورحیدآباد دکن، بھوپال، بہاولپور، رامپوراور پٹیالہ کے درباروں میں کلام پڑھااورانعامات وخلعت اوراعزازات سے نوازے گئے، پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے انھیں ''حسان الہند'' کا خطاب دیا، کوثریؔ خود کہتے ہیں:

ہے حسانؔ پہلا تو میں دوسرا ہوں
نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی
مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا

''گلبنِ نعتِ کوثری'' آپ کاایک نعتیہ مجموعہ ہے، جو1358ھ میں مدینہ پریس مدراس سے شائع ہواتھا، ایک دیوان غیرمنقوط ردیف اورآں حضرت ﷺ اورآل نبی کی مدح میں لکھا، ان کاانتقال

28/دسمبر 1931ء کو سرائے محمد شفیع انارکلی، لاہور میں ہوا اور میانی میں سپرد خاک ہوئے، پروفیسر سید یونس شاہ، پروفیسر ممتاز حسن، پروفیسر خالد بزمی، ظہیرالدین احمد قریشی، ممتاز محقق راجا رشید محمود اور ڈاکٹر سید صفدر حسین نے لکھا ہے کہ آخری عمر 1929ء میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اس کا اعلان بھی سید حبیب مدیر سیاست لاہور کو حیدرآباد دکن سے ایک خط لکھ کر کر دیا تھا، نمونۂ کلام (4):

مدینے میں مجھ کو بلا یا محمد
ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد
تمہاری بدولت خدا مجھ کو بخشے
ہو مقبول میری دعا یا محمد
ترا کوثرؔ رہتا ہے ہندوؤں میں
ہے ظلمت میں آب بقا یا محمد

مکھن لال مکھنؔ: دکن کے اردو شعراء میں راجہ مکھن لال مکھنؔ کا نام محتاج تعارف نہیں، ان کے جد اعلی نظام الملک آصف جاہ اول کے ساتھ دکن آئے، وطن شاہ جہاں پور تھا، اس خاندان کے دکن میں سکونت اختیار کرنے کے سو برس بعد تیرہویں صدی کے ابتدائی ربع یعنی 1200ھ اور 1225ھ کے درمیان پیدا ہوئے، وہیں علوم وفنون حاصل کئے، ان کا سال وفات 1261ھ اور 1265ھ کے درمیان ہے، ان کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ایک تو ان کی فارسی تصنیف ''تاریخ یادگار مکھن لال'' ہے، جو حیدرآباد اور سلاطین آصفیہ کی تاریخ اور اس وقت کے امراء وعمائدین سلطنت کا تذکرہ ہے، ان کا دوسرا کارنامہ ''ترجمہ رباعیات عمر خیام'' ہے، جس کو انھوں نے 1260ھ میں منظوم رباعیات کی شکل میں کیا، ان کا یہ کارنامہ ان کی علمی قابلیت اور شعری صلاحیت کا ثبوت ہے، ان کے شعری کارناموں میں ان کا نعتیہ کلام بھی ہے، ان کا قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، جس میں حمد، نعت اور منقبت پائی جاتی ہے، اس مجموعے میں نعت زیادہ ہیں، انھوں نے فارسی اور اردو

دونوں زبانوں میں نعتیہ اشعار کہے ہیں، راجہ مکھن لال ان غیر مسلم نعت گوشعراء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں نبی کریم ﷺ سے انتہائی خلوص اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور حضور ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کی امید باندھی ہے، مکھن کا کلام اس قسم کے مضامین سے پر ہے، نمونہ کلام حسب ذیل ہے(5):

نہیں مجھ کو فراغت تا کہ میں پہنچوں مدینے کو
رکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو
یہی ہے آرزو دل میں کہ دیکھوں یثرب وبطحا
کرم سے یا نبی اللہ مجھے اوس جا پہنچا
نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ
بکن لطف وکرم بر اشک وآہم یا رسول اللہ

عرشؔ ملسیانی: نام بال مکند، تخلص عرشؔ، ادبی دنیا میں عرشؔ ملسیانی کے نام سے مشہور ہیں، 20 ستمبر 1908ء کو پیدا ہوئے، آپ کے والد جوشؔ ملسیانی مشہور شاعر اور ادیب ہیں، عرشؔ کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق رہا، پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا، اوورسیر کی ٹریننگ حاصل کی اور نہر کے محکمے میں ملازم ہوگئے؛ لیکن ایک سال کی مدت میں تین بار ملازمت ترک کی، بالآخر اس سے قطع تعلق کرلیا، اس کے بعد ایک صنعتی مدرسے میں بارہ سال تک مدرس رہے، پھر حکومت ہند کے دفتروں میں ملازمت اختیار کی، 1948ء ماہنامہ ''آج کل'' سے بحیثیت نائب مدیر منسلک ہوگئے، عرشؔ کو شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں رہا، والد کے فیضان سے شاعری کے اس مقام پر پہنچے، انھوں نے نعتیہ شاعری میں بھی اپنا الگ مقام اور پہچان بنائی ہے، ان کے نعتیہ کلام مجموعہ ''آہنگ حجاز'' 1953ء میں شائع ہوا، عرشؔ اپنی شاعری کی داد جوشؔ ملیح آبادی، مولانا نیاز فتحپوری اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے سخن فہموں سے حاصل کر چکے ہیں، ان کے کلام کے

دومجموعے: ''ہفت رنگ'' اور'' چنگ وآہنگ'' ان کی کارآگہی پرشاہد ہیں،مزاحیہ مضامین کاایک مجموعہ'' پوسٹ مارٹم'' کے نام سے بھی شائع ہواہے،عرشؔ کی نعت گوئی پرخلوص، پراثراور پرمغزشعری دل آویزیوں سے مالامال ہے،جس کی گواہی مولانا عبدالماجددریابادی کے اس تبصرہ سے ملتی ہے کہ: ''نعت گوہندوقوم میں بھی اچھے اچھے پیداہوچکے ہیں،عرشؔ صاحب انھیں میں ایک اچھے نہیں؛بل کہ مسلموں اورغیرمسلموں کوملاکربھی جومختصرفہرست منتخب نعت گوشعراء کی تیارکی جائے گی،یقین ہے کہ ذوق سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لئے مخصوص رکھے گا''،کلام کانمونہ(6):

رخ مصطفیٰ کا جمال اللہ اللہ
زبان کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
یہ نور ہدایت، یہ تفسیر وحدت
عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ
اتر آئے عرش وکرسی سے جلوے
نبوت کا اوج کمال اللہ اللہ

جگن ناتھ آزادؔ:5/دسمبر1918ءکوعیسیٰ خیل،ضلع میانوالی(پاکستان) میں پیداہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے نامورِوالد پروفیسرتلوک چندمحرومؔ کے زیرنگرانی حاصل کی، پنجاب یونیوسٹی لاہور سے فارسی میں ایم اے کیا،اپنے وقت کے ممتاز صاحبان علم مولانا تاجورؔنجیب آبادی،ڈاکٹرشیخ محمد اقبالؔ،ڈاکٹرسیدعبداللہ، پروفیسرعلیم الدین سالکؔ،صوفی غلام مصطفیٰ تبسمؔ اورسید عابدعلی سے اکتساب فیض کیا،تقسیم ملک کے بعددہلی میں رہائش اختیارکی اورمختلف سرکاری عہدوں پر مامورِرہے، مارچ 1967ءمیں پریس انفارمیشن بیورو میں ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن آفیسرمقررہوئے،1968ءمیں اسی عہدہ پرخدمت انجام دیتے ہوئے سری نگرآئے، جہاں1977ء میں ڈائریکٹرپبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف انڈیا کی حیثیت سے ریٹائرہوئے،ان کاخاص موضوع اقبالیات ہے،جس

میں انھوں نے تقریباً دس کتابیں لکھی ہیں، ان کی کتابوں کی تعداد ستر (70) سے بھی زیادہ ہیں، ان کے بہت سارے نعتیہ کلام ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ان کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع بھی کیا ہے، سلام کا نمونہ (7):

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر
پیام دوست لے کر، صادق الوعد وامیں بن کر

سکھ شعراء:

سردار پورن سنگھ ہنرؔ: 18/دسمبر 1904ء کو لاہور پاکستان میں پیدا ہوئے، دسویں جماعت تک اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی، 1935ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا، والد گرامی رام جی سنگھ حکیم پڑھے لکھے اور علم دوست وادب شناس شخص تھے، جب 1947ء میں ملک کی تقسیم ہوئی تو ہنرؔ صاحب ہجرت کر کے امرتسر پنجاب میں آباد ہو گئے، کافی مدت تک امرتسر سے ایک ادبی رسالہ ''چمن'' اپنی ادارت میں نکالتے رہے، اس کے علاوہ آپ نے ''نیرنگ خیال''، ''کندن'' اور ''سنسار'' وغیرہ میں بھی ادبی کارکن کی حیثیت سے کام کیا، 5/سال تک ماہنامہ ''جاں نثار'' کے مدیر رہے، پھر آپ نے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا، شاعری میں تاجورؔ نجیب آبادی کے شاگرد تھے، آپ کے چار شعری مجموعے ہیں: ''آہنگ غزل''، ''متاع درد''، ''جام وسندان'' اور ''شاخ''، افسانوں کا ایک مجموعہ ''موتیوں کا ہار'' بھی شائع ہو چکا ہے، 2016ء میں ڈاکٹر محمد اشرف نے ان کی کلیات ''کلیات ہنر'' کے نام سے شائع کرایا ہے، جو 326/صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، ابوالفصاحت جوشؔ ملسیانی صاحب ہنرؔ

صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ان کی مشقِ سخن کافی اچھی کہی جاسکتی ہے، پنجاب کے اردو مشاعروں میں، جن میں سرکاری مشاعرے بھی شامل ہیں، عموماً بلایا جاتا ہے، ان مشاعروں میں بھی وہ کامیاب رہتے ہیں، تحت لفظ پڑھتے ہیں اور اچھا پڑھتے ہیں، عادات وخصائل کے لحاظ سے وہ بڑے خلیق، بڑے دوست نواز اور شاید ضرورت سے زیادہ حلیم الطبع ہیں، مذمت کی بات سن کر بھی خاموش رہتے ہیں، اگرچہ بعض احباب اس خاموشی کو ان کی کمزوری سمجھتے ہیں؛ مگر درحقیقت یہ اپنا اپنا اخلاقی اصول ہے، اس اصول پر ثابت قدم رہنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں'' (8)، 4/ جولائی 1995ء کو اردو کی خدمت کرتے کرتے اپنے مسکن کٹڑہ باگھ سنگھ امرتسر میں انتقال کر گئے (9)، ہنرؔ صاحب کے شعری مجموعہ ''شاخ'' (ص:7) کی ابتدا انھوں نے نعت سے کی ہے، نعتیہ نمونۂ کلام درج ذیل ہے (10):

ہر پھول میں ہے نکہتِ سرشارِ محمد
اللہ رے جاں بخشیٔ گل زارِ محمد
دیکھوں تو کہاں میں ہوں کہاں طائرِ سدرہ
مسکن ہے مرا سایۂ دیوارِ محمد
سو عیب سہی مجھ میں؛ مگر یہ تو ہنرؔ ہے
سو جاں سے ہنرؔ میں ہوں خریدارِ محمد

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ: ایک معتبر شاعر ہیں، اسلام اور اہم اسلامی شخصیات کا تذکرہ اسی عزت واحترام سے کرتے ہیں، جس احترام کے ساتھ بابا نانک صاحب کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ خود بھی گرونانک دیوجی کی سولہویں پشت سے ہیں، آپ کی ولادت 9/ مارچ 1909ء منٹگمری (ساہیوال) پاکستان میں ہوئی، ان کا گھرانہ علم وادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں پائی، اسکول کے ہیڈ ماسٹر سید جلال الدین اور مولوی کرامت اللہ نے آپ کے ذوق شاعری کو جلا بخشی، بیخودؔ دہلوی، سائلؔ دہلوی، پنڈت ہری چند اخترؔ، جوشؔ ملیح آبادی

اور جگرؔ مرادآبادی کی شاعرانہ صحبتیں بھی حاصل رہیں، چھ سال چیفس کالج لاہور میں زیر تعلیم رہے، 1929ء میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی، مختلف اونچے عہدوں پر فائز رہے، 1937ء میں چھاؤنی مجسٹریٹ اور 1952ء میں ایس ڈی ایم سونی پت کے طور پر فرائض انجام دئے، 1955ء گوڈگاؤں کے ڈی سی بن گئے، 1957ء میں محکمہ تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر متعین ہوئے، 5/سال بحیثیت ڈی سی سنگرور اور ڈی سی کرنال کام کیا، 1964ء میں ڈائریکٹر پنچائت بنے اور اسی عہدہ سے ریٹائر بھی ہوئے، 1962ء میں پہلا مجموعۂ کلام ''طلوع سحر'' شائع ہوا، 1986ء میں ''یادوں کا جشن'' (خودنوشت) شائع ہوئی، 1992ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''کلیات سحر'' کے نام سے شائع ہوا، علم وادب کا یہ ستارہ 17/جولائی 1992ء کو غروب ہوگیا (11)، نمونۂ کلام:

بلندی پہ اپنا نصیب آگیا ہے
در پاکِ مولیٰ قریب آگیا ہے
نکلنے کو ہیں دل کے ارماں سحرؔ اب
وہ دیکھو مدینہ قریب آگیا ہے

سردار گوربخش سنگھ مخمورؔ جالندھری: 1915ء جالندھر پنجاب میں پیدا ہوئے، ان کی ابتدائی زندگی مشکلوں سے گھری ہوئی تھی، کالج کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر انجینئرنگ کرنے کے لئے بمبئی گئے؛ مگر دوسال بعد اسے بھی ادھورا چھوڑ کر واپس آگئے، اس کے بعد روزگار حاصل کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے کام کئے؛ لیکن کسی میں بھی کامیابی نہیں ملی، بالآخر انھوں نے صحافت اور ترجمے کا پیشہ اختیار کیا اور اسی سے ان کی شناخت قائم ہوئی، انھوں نے مغربی اور ہندوستانی زبانوں سے اردو میں کئی اہم ترین تراجم کئے ہیں، مخمورؔ نے شاعری بھی کی اور دلؔ شاہجہاں پوری اور سیمابؔ اکبرآبادی سے مشورۂ سخن کیا۔ ان کی شاعری حلقۂ ارباب ذوق اور ترقی پسند فکر کے امتزاجی تخلیقی مزاج کی شاعری ہے، ''جلوہ گاہ''، ''تلاطم''، ''مختصر نظمیں'' اور ''پھلجھڑیاں'' ان کے شعری مجموعے ہیں، اس کے علاوہ کئی مجموعے افسانوں

کے ہیں، جیسے: بوڑھی چڑیل، چمگادڑ، خوفناک پرچھائیاں، خواب گاہ میں، لاش کے ٹکڑے، پہلی محبت (مترجم) اور زوربا (مترجم) وغیرہ، یکم جون 1979ء کو دہلی میں انتقال کیا، نمونہ کلام (12):

پھیلا افق پہ نور رسالت مآب کا
ہیبت سے منھ اترنے لگا آفتاب کا
مخمورؔ کیفِ نورِ رسالت سے مست ہوں
سب جانتے ہیں میں نہیں خوگر شراب کا

درشن سنگھ دُگلؔ: 14/ستمبر 1921ء کو سید کسراں ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے، آپ سنت کرپال سنگھ مہاراج صدر ورلڈ فیلوشپ آف ریلیجنس کے صاحبزادے ہیں، بی اے آنرز گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا، بعد میں مرکزی حکومت ہند میں ڈپٹی سکریٹری کے اعلیٰ عہدہ پر فائز رہے، 1938ء سے شاعری کے میدان میں قدم رکھا؛ لیکن 1947ء کے بعد جب دلی میں مستقل سکونت اختیار کی تو شعر وسخن کی طرف زیادہ توجہ دینے کا موقع ملا، 1938ء کے ابتدائی دور میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسمؔ سے کسب فیض کیا اور شعر وشاعری سے وابستگی ہوئی، دہلی میں حضرت شمیم کرہانی سے مشورۂ سخن کیا، درشنؔ کے کلام کا بیشتر حصہ ان کے صوفیانہ خیالات کی ترجمانی کرتا ہے، ان کے نظموں کا ایک مجموعہ ''تلاش نور'' کے نام سے 1965ء میں شائع ہوا ہے، جس میں غزلیں بھی ہیں اور قطعات بھی؛ لیکن زیادہ تر حصہ نظموں پر مشتمل ہے، انھوں نے ہر مذہب کے رہنماؤں، بزرگوں اور عظیم شخصیتوں کی مدح میں نظمیں کہی ہیں، باقی اور بھی مجموعے ہیں، جو ''جادۂ نو'' (1992ء)، ''منزل نور'' (1970ء) اور ''متاع نور'' (1988ء) کے نام سے مطبوع ہیں، آپ کا انتقال 30/مئی 1989ء کو ہوا، نعتیہ کلام کا نمونہ ان کی کتاب ''جادۂ نور'' ص: 163/سے (13):

نہ تو عرب کے لئے تھا نہ عجم کے لئے
اک آستیں تھا زمانے کی چشم نم کے لئے

دیا ہے وحدت انسانیت کا تونے پیغام
جودرشنؔ اب بھی ہے اکسیر درد وغم کے لئے

سردار کرنیل سنگھ پنچھیؔ: ان کی پیدائش 14/اکتوبر 1934ء کو پاکستان کے ضلع شیخوپورہ کے گاؤں ٹھٹھا بہادرشاہ میں ہوئی، انھیں شاعری کا ملکہ وراثت میں ملا ہے؛ کیوں کہ ان کے والد سردار فوجا سنگھ بجلہؔ بھی شاعر تھے، پنچھیؔ صاحب اردو، ہندی، پنجابی اور سنسکرت میں بھی مہارت رکھتے ہیں؛ لیکن شاعری اردو، ہندی اور پنجابی میں ہی کی ہے، ان کے قلمی کارناموں کا کینواس بہت وسیع ہے، جس میں ''سانولے سورج، سورج کی شاخیں، درد کا ترجمہ، شورنجنی، ٹکڑے ٹکڑے آئینہ، قدم قدم تنہائی، ادھورے بت، میری نظر میں آپ، گلستانِ عقیدت، بوستانِ عقیدت، پنچھیؔ دی پرواز اور وانجھلی'' دنیائے ادب میں پہنچ چکے ہیں، انھوں نے بشریٰ رحمٰن اور عطیہ پروین کی کئی کتابوں کا ہندی اور پنجابی میں ترجمہ بھی کیا ہے، انھوں نے فلموں کے لئے گانے اور ٹیلی فلموں اور سیریلوں کے لئے گیت اور مکالمے بھی لکھے ہیں۔

سردار پنچھیؔ ایک نعت گو شاعر ہی نہیں؛ بل کہ نبی کریم ﷺ کی عقیدت واحترام کے جذبات سے سرشار شاعر ہیں اور یہ عقیدت روایتی اور رسمی نہیں؛ بل کہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ، سیرت مبارکہ اور تعلیمات کے مطالعہ کا پرتو ہیں، اس عقیدت واحترام کا جیتا جاگتا ثبوت ''گلستانِ عقیدت'' کا نعتیہ مجموعہ ہے، سردار پنچھیؔ کے نعتیہ مجموعہ ''گلستانِ عقیدت'' ص:21 سے چھوٹی بحر کی ایک نعت پیش خدمت ہے(14):

جسے بھی خوف ہو روزِ جزا کا
وہ دامن تھام لے خیر الوریٰ کا
ہزاروں پاپ دھوتا ہے پل میں
اِشارہ اِک محمد مصطفیٰ کا

ڈاکٹر ستنام سنگھ خمارؔ: 1935ء میں چک سرجن سنگھ ضلع ساہیوال میں پیدا ہوئے، آپ کے

والد سردار سُرجن سنگھ بہت بڑے زمیندار تھے، 1947ء کے ہنگامی دور میں آپ نے بھی اپنے وطن کو خیر باد کہا، کچھ عرصے فیروز پور میں رہے، پھر دہلی آ کر مستقل قیام کیا، خالصہ کالج سے بی اے کیا، پنجاب یونیورسٹی سے نفسیات میں ایم اے کیا، دلی سے ریسرچ میتھو ڈالوجی اور جدید فارسی کے کورس کئے، گورونانک یونیورسٹی سے سائیکوفرموکالوجی کی فیلڈ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی، پھر این سی ای آر ٹی میں افسر مقرر ہوئے، اس کے بعد ویش کالج، بھوانی، ہریانہ میں صدر شعبۂ نفسیات کی حیثیت سے کام انجام دیئے اور وہیں سے ریٹا بھی ہوئے، 23/ مارچ 1997ء کو اپنی بیمار ماں کے لئے موپیڈ پر دوائی لانے جا رہے تھے کہ ایک گاڑی نے چوراہے پر ٹکر ماردی، جس کی وجہ سے وہیں جاں بحق ہو گئے، شام کو بدنصیب ماں بھی چل بسی۔

آپ اردو شعر و شاعری کے رمز شناس تھے، ساری عمر اردو کی خدمت میں گزاری، گاہ گاہ نثر بھی لکھتے رہتے تھے، شاعری میں فاضل شاعر حضرت شمیم کرہانی سے تلمذ اور اکتساب فن کا شرف حاصل ہوا، غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ''لمحات کا بہتا دریا'' کے نام سے بحروف ہندی اور اردو شائع ہو کر مقبول عام ہوا، جس پر ہریانہ سرکار نے گرانقدر اسٹیٹ ایوارڈ بھی پیش کیا، غزلوں کا دوسرا مجموعہ ''محسوس کرو مجھ کو'' بھی 1985ء میں شائع ہوا، ''اپنا کتا اپنا چور'' کے نام سے افسانوں کا ایک مجموعہ بھی ہے، نعتیہ نمونۂ کلام (15):

حجاب دل میں نہیں، چہرے پر نقاب نہیں
شعورِ عشق محمد، ترا جواب نہیں
خمارؔ دور سے ان کا کروں گا نظارہ
انہیں قریب سے دیکھوں نظر میں تاب نہیں

جین شعراء:

شگن چند جین روشنؔ: بیسویں صدی کے آغاز میں پانی پت کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں، جناب شگُن چند جین روشنؔ، ان کا شمار اپنے وقت کے مقبول شعراء میں ہوتا تھا، انھوں نے غزل،

نظم،قصیدہ اور رباعی سبھی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے،''موج گنگ''میں ان کا تذکرہ کچھ اس طرح ہے:''لالہ شگن چند،خلف لالہ نیادرمل،قوم اگروال، باشندہ پانی پت، ولادت: 1894ء، شاگرد جناب مہاراج بہادر برقؔ دہلوی، پیشہ وکالت، آپ نے بی،اے کی ڈگری کے ساتھ فضیلت کی ڈگری بھی حاصل کی تھی، ڈرامہ نویسی اور اسٹیج پر ایکٹنگ کا بے حد شوق تھا، اپنے استاد سے بے حد عقیدت رکھتے تھے''(16)،''جنگ آزادی اور شعرائے ہریانہ'' میں ان کی بائیوگرافی یوں دی گئی ہے: نام:شگن چندروشنؔ پانی پتی، مقام پیدائش: پانی پت، سنہ پیدائش: 1905ء،تعلیم: بی، اے، ایل ،ایل،بی (پانی پت اور لاہور میں)،سنہ وفات: 1958ء، پیشے سے وکیل تھے اور ساتھ ہی ایک پختہ کلام شاعر بھی، زیادہ تر قومی مسئلوں پر لکھتے تھے،آپ کے کئی مجموعہ چھپے، جیسے: کلام روشن،غزلیات روشن،اور جواہرات روشن''،نعتیہ نمونہ کلام یہ ہے(17):

جس کے قدموں کے اشارے پر رہا تاج کلاہ
جو فقیری میں رہا جن وبشر کا بادشاہ
اس نے اخلاص ووفا کا بول بالا کردیا
جس نے عالم کے اندھیروں میں اجالا کردیا

دگمبر پرشاد گوہرؔ دہلوی: اردو تہذیب کے پروردہ دگمبر پرشاد گوہرؔ دہلوی پیشے کے لحاظ سے جوہری تھے، جناب آغا قزلباشؔ کے شاگرد تھے، اردو زبان سے عشق تھا اور شعر وادب کی عملی خدمت کرنے کے لئے''شعلہ وشبنم'' کے نام سے ایک ادبی ماہنامہ بھی نکالتے تھے؛لیکن تقسیم وطن کے کچھ عرصہ بعد نامساعد حالات کی وجہ سے یہ رسالہ بند کردیا تھا؛ بل کہ شاعری بھی چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہوگئے تھے، گوہرؔ دہلوی اچھا شعر کہتے تھے؛لیکن شعری مجموعہ کی اشاعت کی طرف کبھی توجہ نہیں دی، 9/اپریل1988ءکو ان کا انتقال ہوا،نعتیہ نمونۂ کلام(18):

کھل گئے چرخ پہ اسرارِ خدا آج کی رات
پڑگئی عرش پہ بنیادِ وفا آج کی رات

نورِعرفاں سے مرادل بھی ہے روشن گوہرؔ
ظلمتِ کفر میں پھیلی ہے ضیاء آج کی رات

جگدیشؔ چندجین دہلوی: جگدیش جین 18/نومبر 1922ء کودہلی میں پیداہوئے، بچپن سے ہی شعروشاعری کا شوق تھااوراسکول وکالج کے زمانہ میں بھی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کرحصہ لیتے تھے؛لیکن کالج کی تعلیم کے بعدفوج کی فوری ملازمت اوردوسری جنگ عظیم کے دوران فوجی ذمہ داریوں نے ان کے باطن کے شاعرکوسلادیا،فوجی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعدحکومتِ ہند کے محکمہ ٹیلی گراف کی ملازمت کے دوران بھی جگدیش جین کا خوابیدہ شاعرخوابیدہ ہی رہا، ایک طویل عرصہ تک اردوزبان اورشعروادب کی دنیاسے دوررہنے کے بعدممکن تھا کہ جگدیش جین اس کوچے کارخ ہی نہیں کرتے؛لیکن ایک شاعردوست کی رفاقت اورمسلسل صحبتوں نے ان کے ادبی ذوق اورشوق کودوبارہ جگادیا۔

جگدیش جین نے 1971ء سے باقاعدہ شعرکہنا شروع کیا،ابتدامیں جناب شمیم کرہانی سے استفادہ کیا،ساحرؔہوشیارپوری،ساغرؔنظامی، جاویدؔوششٹ اوررشیؔ پٹیالوی جیسےشعراء سے وقتاً فوقتاً شعری مشورے لئے؛لیکن پنڈت لبھورام جوشؔملسیانی کی شاعری کااثرسب سےزیادہ قبول کیا،اسی کا نتیجہ ہے کہ جگدیش جین غائبانہ طورپرجناب جوشؔملسیانی کواپناشعری رہبراوراستادمانتے ہیں، پختہ عمری کی وجہ سےان کی شاعری میں روحانیت اوراخلاقیات کارنگ غالب ہےاوراسی وجہ سے وہ مخصوص شعری نشستوں کے شاعرہیں،نمونہ کلام(19):

وہ میدانِ قیامت ہو کہ گلیاں ہوں مدینے کی
وہیں ساری خدائی ہے،مرے آقا جہاں تم ہو
زمیں کی پستیوں کو جا ملایا عرش سے تم نے
عروجِ آدمیت کے یقیناً آسماں تم ہو

رویندر جین (فلمی موسیقار اور گلوکار): ہندی فلموں کے مانے جانے موسیقار اور نغمہ نگار تھے، 28/فروری 1944ء کو اتر پردیش کے علی گڑھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد اِیندر منی جین سنسکرت کے بڑے پنڈت اور آیُر ویدآچاریہ تھے، ان کی والدہ کا نام کرن جین تھا، رویندر ان کی سات اولاد میں سے تیسری اولاد تھے، یہ بچپن سے نابینا تھے، اس کے باوجود انھوں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے 1972ء میں فلمی کیریئر کی شروعات کی اور نغمہ وموسیقی کی دنیا پر چھا گئے، 1985ء میں فلم ''رام تیری گنگا میلی'' کے لئے فلم فیئر انعام برائے بہترین موسیقار بھی ملا تھا، 2015ء میں ان کو پدم شری انعام سے بھی نوازا گیا، بھارتی ٹیلی ویژن کے دیومالائی سیریل ''رامائن'' میں بھی انھوں نے ہی سنگیت دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ بھارت کے گھر گھر میں پہچانے جانے لگے، 9/اکتوبر 2015ء جمعہ کے دن ممبئی میں ان کا انتقال ہوا(20)، ان کی کتاب ''اجالوں کا سلسلہ'' 1994ء میں اندر کرن پبلیکیشنز، باندرہ، ممبئی میں شائع ہوا، جس کا آغاز انھوں اللہ تعالیٰ کی ''حمد''، پھر قرآن سے متعلق ایک ''قطعہ'' سے کیا ہے، اس کے بعد انھوں نے نعت کی پیش کش کی ہے، پھر دیگر چیزیں ہیں، نعت درج ذیل ہے(21):

آپ کی شان، عجب شان رسول اکرم
آپ اللہ کے مہمان رسول اکرم
آپ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں
صرف شامل ہوں مسلمان رسول اکرم

مسیحی شعراء:

جارج فان توم جرجیسؔ: جارج فانتوم نام اور صاحبؔ و جرجیسؔ تخلص ہے، کیپٹن برناڈ فانتوم کے بیٹے تھے، ان کی ماں دہلی کے شہزادہ فیروز شاہ کی بیٹی تھیں، ان کی پیدائش 1822ء (1809ء نور احمد میرٹھی، تذکرۂ ماہ وسال، ص:236) رامپور میں ہوئی، وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، حافظ شیرانی

طالبؔ، مولوی نورالاسلام اور مولوی حفظ اللہ سے فارسی اور عربی کتب پڑھیں، وہیں کے ماحول میں شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور میر نجف علی شفقتؔ سے اصلاح سخن کے لئے رجوع کیا، انھوں نے اپنی یادگار میں ایک دیوان ''ہلال عیدین'' کے نام سے چھوڑا ہے، اس کے علاوہ ایک قصیدہ حمدیہ بھی ہے، جس میں 345 اشعار ہیں، جس سے اور متعدد غزلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا ذکر اہل اسلام کی طرح اسی عقیدت واحترام اور جذبۂ توحید سے کرتے ہیں، کہیں بھی حضرت عیسیٰؑ کی تعریف نصرانیوں کی طرح کی ہے اور نہ ان کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے، انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں میں بھی شاعری کی ہے؛ بل کہ عربی صرف ونحو پر فارسی میں ایک کتاب بھی لکھی ہے، ان کا انتقال 10 رمحرم 1296ھ (2 رجنوری 1879ء مرادآباد، نوراحمد میرٹھی) کو ہوا، ان کی نعت کا نمونہ یہ ہے (22):

اگر بہ چشم ارادت نظر کنی صاحب
برائے صادق عقیدت ہمیں بس ست دلیل
یکے مسیح مطہر دگر محمد پاک
ضیائے دیدۂ اسحاق ونورِ اسماعیل

الّن جون مخلصؔ بدایونی: نام الن جون اور تخلص مخلصؔ تھا، 1879ء میں منشی ملّن کے گھر پنواڑی، بدایوں میں پیدا ہوئے، ان کے ایک چچا منشی مداری لال گوہرؔ اردو کے شاعر تھے، غالباً وہیں سے مخلصؔ کو بھی شاعری کا چسکا لگا، اوائل عمر ہی سے شاعری کی طرف رجحان تھا، 1901ء میں استاد محمودؔ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے، یہ 1912ء تا 1924ء تک لکھنؤ میں گورنر جنرل ٹی سیلن کے ملازم رہے، دورانِ قیام وہاں کے اکثر مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے، آپ کے کئی کتابچے شائع ہوئے، 1935ء میں ''راہ نجات'' کے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کچھ غزلوں کا گلدستہ چھپا تھا، 1938ء میں ''فریادِ حزیں'' کے نام سے غزلوں کا مجموعہ جناب محبّ اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایوں نے شائع کر یا تھا، نعت ومنقبت کا مجموعہ ''گلدستۂ نعت'' کے نام سے 1939ء میں

امیرالاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوا،مخلصؔ بدایونی کا کلام ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے، ان کے یہاں عقیدت واحترام کے ساتھ نعت رسول کے اچھے نمونے ملتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ الفاظ ومحاورات کا برمحل استعمال، زبان وبیان کی دلکشی کی خوبیاں بھی نظر آتی ہیں، ان کے بیٹوں میں سلّن جون عبرتؔ، رابنس جون حیرتؔ بدایونی اور پریم جون عاجزؔ بدایونی بھی شاعر ہوئے،مخلصؔ بدایونی کا انتقال تقریباً77/سال کی عمر میں 1955ء میں ہوا،نعتیہ نمونہ کلام ذیل ہے(23):

کیوں نہیں چلتا دلِ ناداں مدینے کی طرف
ہند میں رہ کرگرفتارِ بلا ہوجائے گا

.....

دل ہمارا ہند کے گلزار میں لگتا نہیں
جب سے آئے ہیں مدینہ کا گلستاں دیکھ کر

.....

اگر تم دیکھنا چاہو خدا کو
کرو راضی محمد مصطفیٰ کو

ڈی، اے، ہیریسن قربانؔ: ڈی، اے ہیریسن نام اورتخلص قربانؔ ہے، 12/مارچ 1919ء آباواجداد کے وطن مرادآباد میں پیدا ہوئے، انگریزی ادب واردو ادب میں ایم اے کی تعلیم مکمل کی، الٰہ باد سے منشی کامل (فارسی) اوراعلیٰ قابلیت (اردو) کے امتحانات پاس کئے، بعد میں بی، ٹی کیا، ملازمت کا آغاز اردو، فارسی معلم کی حیثیت سے کیا، بعد میں ریلوے تعلیمی محکمہ میں انگریزی ادب کے لکچرار مقرر ہوے،تعلیم کے دوران ہی شاعری کا شوق پیدا ہوااور 1938ء سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا، ابتدائی دور میں نفیس الکلام حکیم محبوب علی خاں اخترؔ فیروزآبادی سے صحبت فیض حاصل کیا، ان کی وفات کے بعد سلسلۂ شاعری منقطع ہوگیا اورنثر کی طرف توجہ مبذول کی،

بہت سے افسانے، مقالے اور ڈرامے لکھے، جو متعدد رسالوں کی زینت بنے، ایک عرصہ بعد منشی بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کی وفات کے بعد ان ہی کی ایماء پر پادری ایس ایس ریحانیؔ لکھنوی سے مشورۂ سخن کیا، ان کے انتقال کے بعد جناب طرفہؔ قریشی بھنڈالوی سے کسب فیض کیا، پھر علامہ رتنؔ پنڈاروی سے اکتساب کیا، آپ کی مطبوعہ کتب میں شیکسپیئر کی کہانیاں، مثنوی داستان عجب (حیات مسیح)، مسیح جہاں (ڈرامہ)، فکر حسین (مقالات) اردو کے مسیحی شعراء، حرف آرزو، صلیب کا درد (مجموعۂ کلام) تصویر غالب (ڈرامہ)، سمن زار اور سلگتے خواب (افسانے) ہیں، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد مستقل سکونت سہارنپور (یوپی) میں اختیار کی، 1979ء میں کل ہند مسیحی اردو مصنفین کانفرنس ومشاعرہ دہلی میں ''وقار سخن'' کے اعزازی خطاب سے نوازا گیا، نمونۂ کلام (24):

سنی جس کسی نے صدائے محمد
ہوا قلب وجاں سے فدائے محمد
پسند آئے اُن کو بھی قربانؔ جب سے
جو میں کر رہا ہوں ثنائے محمد

جولیئس نحیفؔ دہلوی: نام جولیئس جمشید اللہ بخش اور تخلص نحیفؔ تھا، 7 ستمبر 1927ء ضلع میرٹھ کی تحصیل باغپت، ڈاک خانہ پڑوت کے موضع جھگولی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گاؤں اوسیکہ میں پادری کے فرائض انجام دیتے تھے، انھوں نے آپ کو یونائیٹڈ کرشچین اسکول کے ہوسٹل میں داخل کرادیا، والدین کا دیا ہوا نام جمشید اللہ بخش تھا، انھوں نے خود ہی اپنا نام جولیئس رکھ لیا، 1946ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور حضرت موجؔ زیبائی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوگئے، موسیقی سے بھی شوق رکھتے تھے، اسی لئے کلام میں روانی پائی جاتی ہے، کلام صاف ستھرا ہے، زبان سلیس ہے، رعایت لفظی سے بھی کام لیتے ہیں، کہیں کہیں تخیل کی بلند پروازیاں بھی نظر آتی ہیں، آپ

کا مجموعۂ کلام'' آوازِ دل'' کے نام سے مکتبہ ماہنامہ شان ہند، دلی سے شائع ہوا، ان کا نعتیہ کلام درج ذیل ہے(25):

ہوئی انسانیت کی شمع روشن شان وشوکت سے
ہراک دل جگمگا اٹھا چراغ شانِ وحدت سے
نحیفؔ زار کیسے ہیں زمین و آسماں روشن
مہ وانجم میں دیکھو روشنی صل علیٰ کی ہے

ان کا ایک اور نعتیہ کلام، جو ان کی کتاب'' آوازِ وطن'' میں ہے، حاضر خدمت ہے(26):

محمد مصطفیٰ اپنی نرالی شان رکھتے ہیں
مبارک ہیں، جو ان کے نام پر ایمان رکھتے ہیں
نحیفِ زار دیوانہ ہوں میں عشق محمد کا
وہ اپنے چاہنے والوں کی بھی پہچان رکھتے ہیں

نذیر قیصرؔ:5/جنوری 1945ء کو پیدا ہوئے، مذہباً آپ عیسائی ہیں، انتہائی سادہ اور میٹھی زبان، خوبصورت لہجے اور جدید طرزِ احساس کی دولت سے مالا مال شاعر ہیں، دورِ حاضر میں جدید غزل کے نمائندہ شاعر، دانشور، ادیب اور صحافی ہیں، آج کل لاہور میں مقیم ہیں، درجن بھر سے زائد اردو، پنجابی اور انگریزی زبان میں تصانیف کے خالق ہیں، ان کی چند تصانیف یہ ہیں: (1) آنکھیں، چہرہ، ہاتھ (1968ء)(2) تیسری دنیا(1979ء) (4) گنبد خوف سے بشارت (1984ء)(5) اے ہوا! مؤذن ہو(نعتیہ مجموعہ-1992ء) (6) تمہارے شہر کا موسم (1993ء)(7) اے شام! ہم سخن ہو(1997ء)(8) محبت ہو بھی سکتی ہے(2010ء) (9) محبت میرا موسم ہے(2013ء)(10) دوپہر کا چاند(2022ء)، نعتیہ شاعری کے حوالے سے نذیر قیصرؔ اپنے منفرد اسلوب، جذب ومستی کی سرشاری اور لفظ ومعنی کے علامتی روابط کی نئی جہتوں کے

سبب نعتیہ ادب میں ایک نئی روایت کا درواکرتے ہیں، یہ ندرت خیال کا مرقع ہیں، نعتیہ کلام کا نمونہ(27):

خامشی، غارِ حرا، دل میرا
تیرے قدموں کی صدا دل میرا
جن زمانوں میں تری خوشبو تھی
اُن زمانوں کی ہوادل میرا

دیگر ہندوستانی زبانوں کے شعراء:

اردو زبان کے علاوہ ہندوستان کی اور کئی زبانیں ایسی ہیں، جن میں غیر مسلم شعراء کی نعتیں ملتی ہیں، ان میں فارسی، ہندی، پنجابی، گوجری، مراٹھی، سنسکرت، بنگالی اور سندھی وغیرہ ہیں۔ فارسی میں گوپی ناتھ امنؔ، راجا گردھاری پرشاد باقیؔ، بی ڈی بیگم بوڑسنگھ بی ڈیؔ، بھگوان داس بھگوانؔ، پنڈت ہرکشن لال، منشی ہرگوپال تفتہؔ، جان فام توم جرجیسؔ وصاحبؔ، رام پرکاش ساحرؔ ہوشیار پوری، شنکر لال ساقیؔ، منشی مہادیو پرشاد سامیؔ جبل پوری، مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، بابو رگھنند ن کشور شوقؔ رامپوری، سردار ارام صابرؔ ابوہری، رائے منولال صفاؔ لکھنوی، منشی ہیرالعل عجبیؔ رامپوری، پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی، دیوان نند کشور عشقؔ، لالہ رام چند فرحتؔ، منشی کیولا پرساد فقیرؔ، مصرارام داس قابلؔ لاہوری، امر چند قیسؔ جالندھری، بابا افضل کاشیؔ، کرپادیال کنور سین مضطرؔ لکھنوی، منشی رائے موہن داس ملکانی اور رائے بہادر کنھیالال ہندیؔ وغیرہ ہیں۔ ہندی زبان میں نعت گوئی کرنے والوں میں (بابا) بھاگوداس بھاگوؔ، سنت کوی تُلسی داس تُلسیؔ، باباچھیٹو داسؔ، دھرمامُراوَدھرماؔ، سنت کبیر داس کبیرؔ، بابا گرودت داس اور ودیانند پرشاد وغیرہ ہیں۔ پنجابی نعت لکھنے والوں میں گرونانک دیو جی نانکؔ، ملکھی رام ملکھیؔ، میلا رام میلاؔ اور سردار کرنیل سنگھ پنچھیؔ وغیرہ ہیں۔ گوجری میں درش سنگھ اکالیؔ، سندھی میں آسورام آسوؔ اور پرس رام ضیاؔ، جب کہ مراٹھی میں ایک ناتھ مہاراج اور سریش بھٹ ہیں،

طوالت کے خوف سے نمونے نہیں دیئے گئے ہیں، شائقین حضرات ''ہمارے رسول'' از: دھرمیندر ناتھ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ دیکھیں: قاموس الکتب اردو: 1/727-691، نیز مضمون: غیر مسلم مصنفین اور سیرت، از: ڈاکٹر شمس بدایونی https://quranwahadith.com

2۔ بہر زباں بہر زباں، ص:338، ہمارے رسول، ص:406

3۔ اردو میں نعتیہ شاعری، از: سید رفیع الدین اشفاق، ص:490

4۔ ہمارے رسول، ں:507، بہر زماں بہر زاں، ص:505

5۔ اردو میں نعتیہ شاعری، از: سید رفیع الدین اشفاق، ص:243، مقدمہ نذر خیام، ص:19

6۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:630، آہنگ حجاز، ص:8

7۔ بہر زباں بہر زماں، ص:146، ہمارے رسول، ص:256

8۔ آہنگ غزل، ابتدائیہ، ص:5

9۔ رأس المال، ص:33، نغمۂ ناقوس، ص:289، ہمارے رسول ﷺ، ص:566، اردو ادب میں سکھوں کا حصہ، از: امام مرتضیٰ نقوی، ص:184

10۔ شاخ، ص:7

11۔ رأس المال، ص:355، ہمارے رسول ﷺ، ص:413

12۔ ریختہ ویب سائٹ، اردو ادب میں سکھوں کا حصہ، ص:157، ہمارے رسول، ص:526، بہر زباں بہر زماں، ص:542

13۔ اردو ادب میں سکھوں کا حصہ، ص:55، ہمارے رسول ﷺ، ص:346، جادۂ نور، ص:163

14۔ رأس المال، از: عرفان ترابی، ص:221، ہمارے رسول ﷺ، ص:305 گلستان عقیدت، ص:21

15۔ اردو ادب میں سکھوں کا حصہ، ص:48، رأس المال، ص:83، محسوس کرو مجھ کرو، ص:6، ہمارے رسول ﷺ، ص:337

16۔ موج گنگ (تذکرہ شعرائے اہل ہنود)، از: بدھ پرکاش گپتا جوہرؔ دیوبندی، ص:174

17۔ جنگ آزادی اور شعرائے ہریانہ، از: پروفیسر کے سی، یادو، ص:43، بہر زباں بہر زماں، ص:309،

ہمارے رسول ﷺ،ص:390

18۔ بیسویں صدی کے شعرائے دہلی، جلد دوم،ص:1095، ہمارے رسول،ص:518-517، بہرزباں بہرزماں،ص:521

19۔ بیسویں صدی کے شعرائے دہلی،جلداول،ص:438-434،ہمارے رسول ﷺ،ص:317

20۔ رویندر_جین/thhps://www.wikiwand.com/ur

21۔ اجالوں کا سلسلہ،ص:11

22۔ اردو کے یورپین شعراء،ص:141-138،ہمارے رسول ﷺ،ص:575

23۔ تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں، از: شاداب ذکی بدایونی،ص:145-143، بہرزماں بہرزباں، ص:541،ہمارے رسول ﷺ،ص:526-525

24۔ اردو کے مسیحی شعراء،ص:242،بہرزماں بہرزباں،ص:477،ہمارے رسول ﷺ،ص:494-493

25۔ اردو کے مسیحی شعراء، از: ڈی، اے، ہریسن قربانؔ،ص:390، بہرزباں بہرزماں،ص:591،ہمارے رسول ﷺ، از: دھرمیندر ناتھ،ص:549

26۔ آوازوطن،ص:85

27۔ بہرزباں بہرزماں،ص:592،ہمارے رسول ﷺ،ص:550-549

☆☆☆

نعتیہ شاعری اور ہندوستانی غیر مسلم شعراء

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکات، ستودہ صفات کل عالم کے لیے سراپا رحم و کرم کا مجسمہ بن کر آئی تھی۔ آپ نے جن وانس، چرند و پرند غرض ہر ایک مخلوق کے لیے رحمت کا مظاہرہ کیا اور سب کے لیے رحم وکرم کا درس دیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہِ رسالت مآب میں دنیا کے تمام ادیان ومذاہب اور اقوام کے اہل علم ودانش حضرات اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بالخصوص وطنِ عزیز ہندوستان میں جہاں مختلف مذاہب ومسالک اور اقوام کے افراد ہزاروں سال سے گنگا جمنی تہذیب کی صورت میں ایک ساتھ شیر وشکر کی مانند رہتے چلے آئے ہیں۔ شیر وشکر کی مانند باہم بود و باش اختیار کرنے اور ایک دوسرے کی تاریخ وتہذیب کا مطالعہ کرنے کے باعث ہندوستانی غیر مسلم اقوام میں کچھ نہ کچھ رحمت عالم ﷺ کے شیدائی ضرور پائے جاتے ہیں۔ اسی ہندو مسلم دیرینہ تعلق کی وجہ سے غیر مسلم شعرا، اسلام اور اس کے شعائر وتعلیمات کو کافی قریب سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں نہ صرف محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں سے متعلق اظہارِ عقیدت ومحبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ آپ سے متعلق اشیا وافراد اور آپ کے محبوب شہر مدینہ منورہ کی بھی عکاسی نظر آتی ہے۔ بابو شنبھو دیال دانش کی مشہور نظم ''اخلاقِ محمدی''، جس میں آپ ﷺ کی ہمت وبہادری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، ایک یہودی کے جنازے سے متعلق تلوک چند محروم کا شاہکار کلام، پربھو دیال مشر کا منظوم کلام ''نعتِ عاشق''، منشی شنکر لال ساقی کا

''معراج نامہ''، لالہ لال چند فلک کا ''پیغمبرِ اسلام کے ذریعے اونچ نیچ کا خاتمہ''، لکشمی نارائن شفیق اورنگ آبادی کا منظوم ''معراج نامہ''، پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا مشہور کلام ''سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر''، رانا بھگوان داس بھگوان کا سلام ''السلام اے خسروِ نورانیاں''، ہمت رائے شرما کی نظم ''عید میلاد بانیٔ اسلام''، گوپی ناتھ امن لکھنوی کا ''برتو ہزاراں سلام''، رام داس مشرا کا نعتیہ قصیدہ جس میں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور ودیانند پرشاد کا بزبان ہندی جنم گیت وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو کی ابتدائی اور ارتقائی تاریخ سے لے کر عصر حاضر تک مسلم دانشوروں کے علاوہ غیر مسلم اہلِ علم و دانش کی ایک طویل فہرست ہے کہ جن کو شعر و سخن سے کافی دلچسپی تھی اور یہ ذوق فطری اور قدرتی طور پر ان میں ودیعت تھا۔ چنانچہ انھوں نے اردو زبان میں نعتیں، منقبتیں، غزلیں، رباعیات، قطعات، نظمیں، کہانیاں، افسانے اور ناول وغیرہ لکھے۔ اور اردو ادب کو خوب خوب فروغ بخشا۔ اور ادب کی اہمیت کو بحسن وخوبی جانا پہچانا اور اپنی ادبی تخلیقات کے زیورات و جواہرات سے اس کے حسن کو مزید دوبالا کیا۔ بلکہ اردو نعتوں اور منقبتوں میں ہندی الفاظ و اصطلاحات، تلازمات و مناسبات اور استعارات وتشبیہات کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کیا۔ اگرچہ اردو اور ہندی کی بحروں میں کئی حیثیت سے نمایاں فرق ہے لیکن اس کے باوجود ہندی، ہندوستانی اور علاقائی زبانوں کے اثرات اور عکوس واضح طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان حضرات نے ہندی، ہندوستانی اور علاقائی زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات کو اتنے بہترین سلیقے سے استعمال کیا ہے اور ہندوستانی تہذیب اور ماحول کی اتنی حسین عکاسی کی ہے کہ کلام کا حسن مزید دو بالا اور انتہائی جاذب و دلکش ہو گیا ہے۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں:

بابا چھیٹو داس بارگاہِ رسول میں اپنی عقیدت کا خراج پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نام محمد آس بڑی ہے اب تیرے نام کی ٹیک پڑی ہے
جہاں جھرنا و ندی گہری اوگاہ اتھاہ میں آن پھنسی ہے

کھیون ہار بنا پتوار کہاں سے کہوں گہنوں کی سری ہے
نام محمد آس بڑی ہے اب تیرے نام کی ٹیک پڑی ہے
چار ہو تو پار اتارو تمرے نگیچ نہ یہ بات بڑی ہے
چھیٹو داس کی عرضی یہی اب پار کرو مری ناواڑی ہے (1)

دھرما، مراؤ اپنے دلی جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

نین پسارے دیکھا سب جگ
تمہیں ہو دوسر نہیں اور
پیا اِک بار دیکھو نینن کی اور
کب دیہو درشن پیا محمد موہے(2)

سنت کبیر داس بنارسی محمد ﷺ کی عظمت وانفرادیت کو شعری قالب میں ڈھالتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایسی مہان ہستی ہے کہ کائنات کی ہر شئے میں اس کے جلوے نظر آتے ہیں۔

عدد نکالو ہر چیز سے کرلو چو گن وائے
دو ملا کے پچگن کرلو بیس کا بھاگ جائے
باقی بچے کے نو گن کرلو دو اس میں اور ملائے
کہت کبیر سنو بھئی سادھو نامِ محمد آئے (3)

ودیانند پرشاد بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے حد درجہ گرویدہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ اور ہندی تلازمات ومناسبات سے بھرپور لطف اٹھاتے ہوئے اس دھرتی پر ان کے آگمن اور وراجمان ہونے کے منظر کی بڑی حسین تصویر کھینچی ہے۔ میلا دالنبی ﷺ سے متعلق ہندی میں یہ ایک طویل نعتیہ نظم ہے۔ بطورِ خاص چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

سینت، آمنہ کے من میں جا، کھوج رہی ہے ممتا پیار
ماں بنتے ہی پھوٹ پڑیگی، جس کی سرن سدھامیہ دھار

شوہر عبداللہ کے مرنے کے نہ رہے کوئی سنتاپ
ہردِے کوش بھرگیا ہرش سے آ نندوں سے اپنے آپ
ہر سکھ شانتی پرمود ہرش کا کیندر وندو کیول وہ بالک
اس نے جان لیا ہے من میں، پربھو ہیں اس کے رکھشک پالک(4)

خیال رہے کہ غیر مسلم شعرا نے صرف رحمت عالم ﷺ کی ذات بابرکات، ستودہ صفات کی مدح سرائی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ آپ سے منسوب ومنسلک اشیا وامور اور تعلیمات وواقعات کو بھی اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے اور انتہائی حسین اسلوب میں اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔

مختصر یہ کہ جن غیر مسلم شعرا واد با نے نبیٔ رحمت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں صنف نعت کی صورت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ان کی ایک بڑی تعداد ہے۔ جن کی خدمات کا اجمالی جائزہ لینے کے لیے بھی ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہے لہذا موقع کی مناسبت اور مقالے کی طوالت کے خوف کے پیش نظر مشتے نمونہ از خروارے آئندہ سطور میں ہم چند غیر مسلم شعرا واد با کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی سعیٔ جمیل کر رہے ہیں۔

منشی سالک رام سالکؔ:

منشی سالک رام سالکؔ (1861-1934ء) شاگردِ رشید شمشاد لکھنوی ساکن قصبہ گروار ضلع بلیا شعر وادب کے تلازمات، مناسبات اور اصطلاحات سے بخوبی واقف اور غزل گو شاعر تھے لیکن ان کے کلام میں رحمتِ عالم ﷺ اور آپ کے محبوب شہر مدینہ منورہ سے محبت کا اظہار بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً موصوف کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

لے لے گی مری جاں تمنائے مدینہ
مدت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ

سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالک میں لگالوں
ہاتھ آئے جو خاکِ درِ مولائے مدینہ (5)

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شادؔ حیدرآبادی:

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شادؔ حیدرآبادی کو عربی، فارسی، اردو، تلنگی اور مراٹھی زبانوں میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ بقول حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی تقریباً 37/کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کلام لکھا ہے۔ حالانکہ تصوف آپ کی شاعری کا خاص موضوع تھا لیکن غزل، قصیدہ اور نعت ہر ایک صنف میں بہترین طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''خمکدۂ رحمت'' ہدیہ شاد کے نام سے موسوم ہے۔ علاوہ ازیں جلیل القدر صحابۂ کرام، شہداء عظام اور بزرگ اولیاء اسلام کی شان میں بھی مدحیہ قصائد اور عقیدت مندانہ اشعار لکھے ہیں۔ بالخصوص نبیٔ رحمت ﷺ اور آپ سے وابستہ مبارک و پاکیزہ اشیا کے ذکرِ جمیل سے تو آپ کا پورا نعتیہ دیوان سرشار نظر آتا ہے۔ بارگاہ رسول میں اپنے قلبی جذبات کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

بلوائیں مجھے شاد جو سلطانِ مدینہ
جاتے ہی میں ہوجاؤں گا قربانِ مدینہ
لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشق محمد
تحفہ ہے مرے پاس یہ شایانِ مدینہ (6)

پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ:

اسمِ گرامی جگن ناتھ اور تخلص آزادؔ ہے۔ والد محترم کا نام تلوک چند محروم ہے۔ جو پاکستانی پنجاب میں دریائے سندھ کے پار عیسیٰ خیل میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ 5/دسمبر 1918ء کو عیسیٰ خیل میں ہی آپ کی ولادت ہوئی۔ آزاد نے بی اے کا امتحان راولپنڈی اور ایم اے کا امتحان لاہور سے پاس کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد خلافت تحریک کے سرگرم رکن ہوگئے۔ بعدازاں جے ہند اخبار سے وابستہ ہوگئے۔ 1947ء کے بعد ترک وطن کر کے دہلی میں سرکاری رسالہ ''آج کل'' میں نائب مدیر بن گئے پھر انفارمیشن آفیسر ہوگئے۔ جگن ناتھ آزاد کو شاعری سے فطری وابستگی تھی۔ آپ کے والد اچھے شاعر تھے اور محروم تخلص کرتے تھے۔ اوائل عمر ہی سے شعر وسخن سے شغف ہونے کے باعث آہستہ آہستہ آپ کی شاعری نے ترقی کی اور اچھے نامور شعرا میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ آپ نے جملہ مروجہ اصناف سخن مثلاً: غزل، رباعی، نظم، نعت اور منقبت وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل اور رباعی کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ کل ہند انجمن ترقی اردو کا آپ کو صدر بنایا گیا۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جو اردو نثر و نظم میں گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا نعتیہ مجموعہ ''نسیم حجاز'' بھی کافی مشہور و مقبول ہوا اور جس پر آپ کو بہت سے ایوارڈس و انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ آزاد کی نعتیہ کاوشات میں ان کا سلام جس کا عنوان ''فخرِ دوراں'' ہے کافی مشہور ہے۔ جس کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

سلام اس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر
پیام دوست لے کر، صادق الوعد وامیں بن کر

جگن ناتھ آزاد شاعری میں جوش اور اقبال سے بہت متاثر تھے بلکہ اقبال پر اتنا عمیق اور وسیع مطالعہ تھا کہ ماہر اقبالیات تسلیم کیئے جاتے تھے۔ غزلوں کے علاوہ آپ نے نظموں میں بھی اپنی جولانیٔ طبع کے کافی جوہر دکھائے ہیں۔(7)

پنڈت تربھون ناتھ زتشی، زارؔ دہلوی:

زار دہلوی کشمیری پنڈت جناب پرتھی ناتھ زتشی کے فرزند ارجمند تھے۔ 1871ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی جیسے قدر آور اور عظیم دانشور سے اردو، فارسی اور عربی پڑھی۔ اندر پرستھ کالج دہلی یونیورسٹی میں 32 رسال اردو اور فارسی شعبہ کے صدر و استاد رہے، داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اردو کے علاوہ انگریزی اور فارسی پر بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے صاحبزادگان میں پنڈت رتن موہن ناتھ، خار دہلوی، پنڈت آنند موہن، گلزار دہلوی نے بھی اردو ادب کے حوالہ سے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں بالخصوص گلزار دہلوی نے میدانِ شاعری میں بہت عزت و شہرت پائی ہے۔

زار صاحب نے حمد، نعت، منقبت، سلام، مرثیہ، غزل، رباعی، مسدس بلکہ تمام اردو اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ تین گیتاؤں کے منظوم ترجمے کئے۔ آپ کے کلام میں تصوف، ویدانت اور عرفانیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ کی خالص غزلوں میں بھی ایک شعر حمدیہ اور ایک شعر قرآنِ پاک کی آیات سے متعلق ہوتا تھا۔ عربی اور فارسی کلاسیکی ادبی حوالے اور تلمیحات آپ کا خاص مذاق تھا۔ مثلاً ان کے یہ اشعار دیکھیں:

انا الحق جزوِ لاینفک بنا ہے میرے ایقاں کا
یہی ہے قل ھواللہ احد مستوں کے قرآں کا
وہی مصطفیٰ وہی مجتبیٰ وہی مبتدا وہی منتہا
وہی سوز میں وہی ساز میں وہی ترک میں وہی تاز میں (8)

دِگمبر پرشاد گوہرؔ دہلوی:

اردو نعت کے فروغ و ارتقا سے متعلق گوہر دہلوی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ پیشے کے

لحاظ سے جوہری تھے اور دریبہ، دہلی میں بڑی دوکان تھی لیکن شعروادب سے بھی حد درجہ شغف رکھتے تھے۔ آپ حضرت آغا شاعر قزلباش کے شاگرد رشید تھے۔ اور مشاعرے یا شعری نشستوں میں اپنا کلام پڑھنے سے قبل استاذ کے 2/ یا 3/ اشعار ضرور پیش کرتے تھے اور اس روش کو انھوں نے تاحیات جاری رکھا۔ شعلہ و شبنم کے نام سے ایک ادبی ماہنامہ بھی جاری کیا لیکن تقسیم ہند کے کچھ عرصہ بعد ناگفتہ بہ حالات سے متاثر و دل برداشتہ ہوکر اس کو بند کر دیا۔ اور شاعری ترک کر کے مکمل گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ گوہر صاحب کی نعتیہ شاعری کس معیار کی ہے اس کا اندازہ ان کے ان اشعار سے بحسن و خوبی لگایا جاسکتا ہے:

کھل گئے چرخ پہ اسرارِ خدا آج کی رات
پڑ گئی عرش پہ بنیادِ وفا آج کی رات
نورِ عرفاں سے مرا دل بھی ہے روشن گوہر
ظلمتِ کفر میں پھیلی ہے ضیا آج کی رات(9)

آنند موہن زتشی، گلزارؔ دہلوی:

اردو ادب کے فعال رکن اور قومی ہم آہنگی کے ممتاز ترجمان گلزار دہلوی 7/ جولائی 1926ء کو گلی کشمیریان، بازار سیتارام، دہلی کے ایک معزز اور ذی علم خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب پروفیسر تربھون ناتھ زتشی زارؔ، دہلی کے مشہور شاعر اور والدہ محترمہ برج رانی بیزارؔ دہلوی مشہور شاعرہ تھیں۔ گلزار صاحب کیفی دہلوی اور سائل دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ علاوہ ازیں مولوی عبدالحق اور مولانا کفایت اللہ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ 1947ء سے انجمن تعمیر اردو کے بانی سکریٹری اور تقریباً 25/ سال تک حکومت ہند کے ماہنامہ ''سائنس کی دنیا'' کے مدیر اعلیٰ رہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''گلزار غزل'' 2000ء میں شائع ہوا۔ دہلی اردو اکیڈمی نے دو مرتبہ آپ کو انعام سے سرفراز کیا۔ آپ نے حمد، نعت، غزل، رباعی، نظم، قطعہ اور منقبت سبھی اصنافِ سخن میں کلام کہا ہے۔

گلزار صاحب نے بارگاہِ رسول ﷺ میں نعتیہ کلام نہایت صاف، سادہ، رواں اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ کی نعتوں میں نبی اکرم ﷺ کا وصفی بیان زیادہ ہے۔ جیسے:

آنکھوں میں بس رہا ہے سراپا رسول کا
دل پر ہوا ہے نقش وہ نقشہ رسول کا
مست مئے الست ہے گلزار دہلوی
بخشش کے واسطے ہے سہارا رسول کا(10)

بابو روشن لال نعیمؔ:

بابو روشن لال نعیمؔ ایک خوش فکر، بلند خیال اور قادر الکلام غزل گو اور نعت گو شاعر تھے۔ ڈیرہ غازی خاں آپ کا آبائی وطن تھا۔ موصوف نے اپنے نعتیہ اشعار میں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی ذات بابرکات اور اوصافِ حمیدہ کو شعری جامہ پہنایا ہے وہاں مدینہ منورہ کے معطر بیان سے بھی اپنے کلام کو عطر بیز کیا ہے۔ ان کے یہ اشعار دیکھیں:

للہ بلا لیجیے سرکارِ مدینہ
مرجائے نہ یہ ہند میں بیمارِ مدینہ
چھا جائے مری قبر پہ رحمت کی بدریا
دربار شب و روز ہوں انوارِ مدینہ (11)

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشنؔ بریلوی:

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشن بریلوی بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعرا میں انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ کرشن بہاری نور سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو کر شائقینِ شعر و ادب سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف نے یوں تو آسان اور مشکل

ردیف وقافیہ میں بہت سی نعتیں کہی ہیں۔ رحمت عالم ﷺ سے متعلق اپنے خیالات اور ارادوں کی ترجمانی اس طرح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

مجھے کاش توفیق اتنی خدا دے
کروں سر کے بل طے مدینہ کے جادے
نکلے جو دم تو نکلے مدینے کی خاک پر
اتنا بہت ہے مجھ سے گنہ گار کے لیے (12)

وشنو کمار، شوق لکھنوی:

لکھنؤ کے ممتاز غزل گو شعرا میں وشنو کمار، شوق لکھنوی بہت سی شعری وادبی خصوصیات کے مالک تھے۔ شعری تلازمات ومناسبات سے مرصع ومرقع اشعار کہتے تھے۔ موصوف نے جہاں دیگر صنف سخن میں خامہ فرسائی کی ہے، وہاں رحمتِ عالم ﷺ سے منسوب ومنسلک امور واشیا کو بھی اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے۔ مدینہ منورہ سے متعلق اپنے قلبی احساسات کو نظم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ رحمت کے دم قدم سے مدینہ کے ذرے ذرے کی چمک دمک کا یہ عالم ہے کہ وہ سورج سے آنکھ لڑاتا ہے۔ اور اگر میں بات کروں اس کی عظمت وتقدس کی تو اتنا سمجھ لیجیے کہ اگر رہِ مدینہ میں دم بھی نکل جائے تو یہ بہت بہتر سودا ہے۔ اور جہاں تک اس کی محبت کا معاملہ ہے تو یہ کیفیت ہے کہ ہر وقت دل ودماغ پر اس کے جلوے سایہ فگن رہتے ہیں اور زیست کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی ارمان محسوس ہوتا ہے کہ کاش کسی طرح اس شہر مقدس کی زیارت ہو جائے۔ آپ خود ہی دیکھیں کہ ان کے اشعار میں کیسا سوز دروں اور خوبرو اسلوب ہے:

لڑاتا ہے نظر سورج سے ہر ذرہ مدینے کا
رسول اللہ سے اتنا بڑا رتبہ مدینے کا
بس اب تو شوق دل میں اک یہی ارمان باقی ہے
کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا (13)

کرشن بہاری، نورؔ لکھنوی:

کرشن بہاری، نورؔ لکھنوی کا ہندو پاک کے مشہور شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سے عالمی مشاعروں کو رونق بخشی ہے اور شعر و ادب کا ذوق رکھنے والے اہلِ علم و دانش سے خوب خوب داد و تحسین حاصل کی ہے۔ ''دکھ سکھ'' کے نام سے آپ کا شعری مجموعہ بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ شعر و ادب کی دیگر اصناف کی طرح آپ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعتیہ گلہائے عقیدت بھی پیش فرمائے ہیں۔ ذکرِ رسول ﷺ سے اپنے کلام کو مزین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گلزارِ محمد کیا کہنا بازارِ مدینہ کیا کہنا
ایمان کے سکے چلتے ہیں فردوس کا سودا ہوتا ہے
وہ نور کی نظریں ہوتی ہیں گنبد سے جو ٹکرا جاتی ہیں
مل جاتا ہے جو چوکھٹ سے تری وہ نور کا سجدہ ہوتا ہے(14)

وشنو کمار ماتھر، وشنوؔ اکبر آبادی:

وشنو اکبر آبادی (1962-1886ء) ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ اردو شاعری کی اکثر اصناف میں آپ نے شعر گوئی کے جلوے دکھائے ہیں۔ نعتیہ کلام بھی حسین اسلوب میں پیش کیا ہے۔ جس میں نہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ آپ کے دیارِ محبت سے بھی والہانہ عقیدت کے ثبوت ملتے ہیں۔ موصوف کا ماننا ہے کہ روزِ جزا غلامانِ مدینہ ہی بلند و بالا مقام کے حامل ہوں گے اور جن کی نظروں میں گلشن مدینہ کے جلوے سمائے ہوں وہ کبھی باغِ جنت کے نظاروں کا احساس نہیں کرتے۔ مثلاً ان کے یہ اشعار دیکھیں:

پائیں گے وہی روزِ جزا رتبۂ عالی
کہتی ہے جنہیں خلق غلامانِ مدینہ

وہ گلشنِ فردوس کی حسرت نہیں کرتے
مرغوب ہے دل سے جنھیں بستانِ مدینہ (15)

سادھورام، آرزوؔ سہارنپوری:

آرزو سہانپوری (1906-1983ء) کی پیدائش سہارنپور میں ہوئی لیکن زندگی کا زیادہ تر حصہ کلکتہ میں گزرا۔ آپ کو عصری جامعات میں شعر و ادب اور علم عروض کے ماہرین کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کا کلام شاملِ نصاب رہا ہے۔ شعری و ادبی اصول وضوابط اور اسلوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے نعت، غزل، قطعہ، رباعی، سلام اور مرثیہ جیسی صنف میں بہت معیاری کلام کہا ہے۔ اردو ادب کے مشہور شاعر فانی بدایونی سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود مذہبِ اسلام پر آپ کا بہت گہرا مطالعہ تھا۔ اسلامی تعلیمات سے گہری واقفیت اور وابستگی کا اثر آپ کی نعتوں میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ غالباً یہی وہ اثر تھا کہ جس کے پیش نظر آپ نے محبتِ رسول میں سرشار ہو کر نعتیں کہی ہیں اور جس کی وجہ سے آپ ہندو پاک میں کافی مشہور رہے ہیں۔ آپ کے کئی مجموعے جیسے ''الہام سحر، حدیث آرزو، ظہورِ قدسی اور بہارستان اولیا'' وغیرہ شائع ہو چکے ہیں جن میں رنگِ تصوف جھلکتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت و منقبت گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حسب ذیل اشعار سے جس کا آپ بحسن وخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

جب شاہِ دو عالم ہوئے سلطانِ مدینہ
خود بڑھ کے مشیت ہوئی قربانِ مدینہ
اے اہلِ حقیقت مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ
آیا ہوں میں طے کر کے بیابانِ مدینہ (16)

لکشمی نارائن، سخاؔ جے پوری:

سخا صاحب جے پور کے ضلع مجسٹریٹ تھے لیکن شعر و ادب کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے۔

عربی زبان سے واقفیت کے علاوہ اردو اور فارسی میں مہارت حاصل تھی۔ موصوف نے تمام اصنافِ سخن میں شاعری کے جوہر دکھائے ہیں اور عطا اللہ عطا سے شعری اصلاح کا فیض اخذ کیا ہے۔ آپ کا ایک مجموعہ معراج محبت کے عنوان سے میں شائع ہو چکا ہے جس میں فارسی کلام کے علاوہ پچاس نعتیں و منقبتیں اور سلام و قصائد وغیرہ بھی شامل ہیں۔ نعتیہ کلام میں دیارِ محبوب خدا مدینہ منورہ سے متعلق بھی حد درجہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ جیسے:

ہشیار رہیں بادیہ پیمائے مدینہ
جنت کے عوض دے نہ دیں صحرائے مدینہ
قدسی سے سنو روضۂ اطہر کی بزرگی
عرشی سے سنو رتبہ والائے مدینہ
دو چار سخا سے بھی ہیں وہ واں پہ ملیں گے
ہونے کو تو لاکھوں ہی ہیں شیدائے مدینہ (17)

بہاری لال شانتؔ:

مشاق اور بلند تخیل شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ غزل کے علاوہ بہترین نعتیں بھی کہی ہیں۔ آپ کی نعتوں میں دیارِ محمد مصطفیٰ یعنی مدینہ منورہ، گنبدِ خضری اور رسولِ خدا ﷺ کا تذکرہ نہایت حسین اور دلکش پیرائے میں ملتا ہے، جن کے جلووں کا اظہار آپ نے کچھ اس طرح کیا ہے:

طوطا رام، احقرؔ:

احقر صاحب درس و تدریس کے مشغلے سے وابستہ تھے اور سردار پور چھاونی کے ایک اسکول میں بحیثیت معلم فرائض انجام دیا کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ شعر و سخن سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں منظوم کلام کہنے کی جسارت کی ہے جو رسالہ ''گلزارِ خلد'' مطبوعہ ستمبر 1885ء میں شائع ہو چکا ہے۔ موصوف نے نعتیہ کلام میں فضائل و خصائص اور خصائل مصطفیٰ

ﷺ کا بہت خوب نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کے دیارِ محبت مدینہ منورہ کی تعریف وتوصیف ہی بیان نہیں کی ہے بلکہ اپنے وہاں جانے کی تمنا کا اس طرح اظہار کیا ہے:

اے بادِ صبا چشمِ کرم کچھ تو ادھر بھی
لا بہرِ خدا بو گلِ رعنائے مدینہ (19)

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزادؔ:

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ لکھنؤ کے ایک انتہائی معزز اور تعلیم یافتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد عالی جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی معتبر صحافی، نامور شاعر، مشہور نثر نگار اور کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ چچا محترم جناب گرسرن لال ادیب لکھنوی اور دادا جناب مہادیو پرساد عاصی لکھنوی بھی اردو ادب اور دیگر علوم کے ممتاز و معروف دانشور کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اپنے خاندان کی علمی و تہذیبی وراثت کے امین و وارث ڈاکٹر آزاد بھی کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اردو، ہندی اور انگلش میں تقریباً 16/ کتابوں کے مصنف تھے جن میں صحیفۂ نور اور انوارِ عقیدت آپ کے دینی کلام کے مجموعے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ملکی اور غیر ملکی، قومی اور عالمی کانفرنسوں، ادبی محفلوں، سیمیناروں، اخباروں اور رسالوں کا اپنے مقالات اور تقاریر سے حسن دوبالا کر چکے ہیں۔ انھیں علمی خدمات کی بدولت بارہا مختلف تنظیموں اور انجمنوں کی طرف سے اعزازات سے نوازے گئے ہیں۔

ہندوستان میں نعت گوئی کی روایت کی توسیع، تنوع اور ارتقا میں یوں تو سیکڑوں غیر مسلم شعرا نے حصہ لیا ہے لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر آزاد نے جو تحقیقی، تاریخی اور نعتیہ ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ امتیازی اہمیت کی حامل ہیں۔ موصوف نے نعتِ رسول یا نعتیہ ادب سے متعلق جو مقالات یا کتب تحریر فرمائی ہیں بالخصوص ہمارے رسول کے عنوان سے غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کی جو تاریخ رقم کی ہے پوری دنیا کے کسی ملک یا کسی زبان کے غیر مسلم کو یہ انفرادی مقام حاصل نہیں۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کے خاندان میں کئی پشتوں سے محمد اور آلِ محمد ﷺ کی محبت اور عقیدت میں منظوم کلام لکھنے کی ایک قدیم تاریخ رہی ہے۔ اِسی خاندانی روایت کو ڈاکٹر آزاد نے بھی بحسن وخوبی قائم رکھا اور حمد، نعت، مناقب، قصائد، سلام اور مراثی کے ذریعے اللہ، رسول اور اہلِ بیت اطہار کی بارگاہ میں نذرانے پیش کیے۔ ڈاکٹر موصوف نے نبیِ رحمت ﷺ سے اپنی والہانہ وابستگی اور پرخلوص محبت کو اس طرح نثر اور نظم میں منسلک کیا ہے کہ اس کو دیکھ کر امتِ اجابت سے وابستہ لوگ بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی اور دیارِ نبی سے متعلق اپنے دلی جذبات کو شعری جامہ پہناتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

ہے چشم تصور میں بسا کوئے مدینہ
رہ رہ کے کھنچا جاتا ہے دل سوئے مدینہ
مدینہ پر بہار ہے نبی کا یہ دیار ہے
چلی کسی بھی سمت سے یہیں ڈگر ڈگر گئی (20)

ہری داس اختؔر:

اختؔر ہری داس سکھ قوم میں اردو ادب کے ایک ممتاز عالم وادیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ گوجرانوالہ پاکستان آبائی وطن تھا۔ شعر گوئی سے قدرتی طور پر ذوق وشوق رکھتے تھے اور قیس جالندھری سے اپنے منظوم کلام کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ اختر صاحب نے غزل، قطعہ اور نظم جیسی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن نعت گوئی کو باعثِ فخر وانبساط سمجھتے تھے اور اس کو اپنی شناخت بنائے ہوئے تھے۔ حسب ذیل اشعار کے آئینے میں جس کو بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

جس وقت نظر آئے کچھ آثارِ مدینہ
حاجی نظر آئے سبھی سرشارِ مدینہ
حاصل ہوئی کونین کی دولت اسے اختر
حاصل ہوا جس شخص کو دیدارِ مدینہ (21)

شیام سندر، باصرؔ کشمیری:

اکثر شعرا نے اس پاکیزہ سوچ کے ساتھ نعت گوئی کا سہارا لیا ہے کہ اس بابرکت صنف نعت کی بدولت ہمارے لفظوں کو بھی شعر و ادب میں ایک معتبر مقام اور ادبی عروج حاصل ہو جائے۔ بقول ڈاکٹر واحد نظیر:

یہ صنفِ نعت نہ ہوتی تو سوچتے ہیں ہم
کہ اپنے لفظوں کو کس طرح معتبر کرتے

غالباً اسی تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے باصر کشمیری صاحب نے نعت گوئی کو اپنا خاص محور بنایا ہے۔ اور اپنی نعت بہارِ مدینہ میں مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے بہتر ثابت کیا ہے۔ ایک مخمس نما نظم میں نبی رحمت کے قدمہائے مبارکہ کی بدولت مدینہ کو باغِ ارم اور رشکِ صد طور بیان کیا ہے اور نعت بعنوان ''چراغِ انجمن'' میں رسولِ رحمت ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل اور ارضِ وفا تسلیم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

محمد نے فرمائی مکہ سے ہجرت
نمایاں ہے یہ افتخارِ مدینہ
چلو چل کے بیٹھیں وہیں شیام سندر
کہ ارضِ وفا ہے دیارِ مدینہ(22)

راجیند رنرائن سکسینہ، بسملؔ شمس آبادی:

بسملؔ شمس آبادی (فرخ آباد، یوپی) ایک دولت منداور علم دوست کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وکالت کے پیشے سے وابستہ تھے لیکن شعر و سخن سے بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ حمد، نعت، منقبت، غزل، قصیدہ، سلام اور مرثیہ پر مشتمل آپ کے چار مجموعے، ''گلِ صحرا، زخمِ نہاں، رِستے

چھالے، اورخشتِ حرم'' زیورِطبع سے آراستہ ہوکر کافی شہرت اوراتر پردیش اردو اکیڈمی سے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ بالخصوص شعری مجموعہ ''خشتِ حرم'' آپ کی نعتوں، منقبتوں، مرثیوں اور مسلم تیوہاروں پر مشتمل نظموں کا بہترین شعری شاہکار ہے۔جس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے قرآن وحدیث اور سیرت کی کتابوں میں نبیٔ رحمت ﷺ کے مناقب اور آپ سے منسلک اشیاوامورکوبحسن وخوبی پڑھااور سمجھا ہے۔بطورثبوت ان کے ان اشعار میں غورفرمائیں:

ایسی ہے کشش والی اک ذات مدینے میں
جی میں ہے گزاریں ہم دن رات مدینے میں
بخشش کی تمنا ہے بسمل تو مدینے چل
ملتی ہے یہ بے مانگے خیرات مدینے میں(23)

بھونیش کمارشرما، بھونؔ امروہوی:

رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات والا صفات اتنی بلند وہمہ گیر ہے کہ اس کو کسی ایک مذہب، ایک قوم یا کسی ایک زبان تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بنا امتیاز مذہب وملت ہر قوم کے اہلِ علم ودانش نے نبی رحمت ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔اس سلسلے کی ایک اہم کڑی بھونیش کمارشرما، بھون امروہوی ہیں، جنھوں نے محبوبِ خدا اور دیارِ مصطفیٰ دونوں کا بہت ہی شائستہ، شستہ اور شگفتہ انداز میں ذکرِ جمیل کیا ہے۔جیسے:

سوچتا ہوں ایک ہندو کا پسر ہوتے ہوئے
دل مرا آقا ادھر ہے کیوں اِدھر ہوتے ہوئے
آس درشن کی لگائے کب سے بیٹھا ہے بھون
اِک نظر اس پر بھی ہو آقا گذر ہوتے ہوئے (24)

رادھارمن، جوشؔ بدایونی:

جوشؔ بدایونی نے غزل، قطعہ، نظم اور رباعی جیسی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جوہر بدایونی اور جویا آنولوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں سیماب اکبرآبادی، تولا بدایونی، فانی بدایونی، فوق سبزواری، انجم فوقی بدایونی اور آفتاب احمد جوہر جیسے شعروادب کے ماہرین سے بھی اکتسابِ فیض کیا ہے۔ ''آتشِ خاموش'' کے نام سے ان کی غزلوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اگر ہم بات کریں ان کے نعتیہ کلام کی تو اردو ادب کے غیر مسلم شعرا میں ہر دور میں کچھ نہ کچھ نعت گو شعرا کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ جن میں سے کچھ نے تو رسمِ شاعری کے طور پر اور کچھ نے والہانہ عقیدت ومحبت کے ساتھ نعتیہ کلام کہا ہے۔ بیسویں صدی کے جوش بدایونی کے مجموعہ نعت ومنقبت ''کیفِ سرمدی'' کے مطالعے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے رسماً نہیں بلکہ عقیدتاً اپنے جذبات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ نبیٔ رحمت ﷺ اور آپ کے مقدس دیار مدینہ منورہ سے وابستہ قلبی واردات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ جامِ بادۂ وحدت پیا مدینے میں
اتر گیا نشہ ماسوا مدینے میں
کبھی طوافِ حرم خواب میں کیا اے جوش
کبھی خیال نے پہنچا دیا مدینے میں (25)

چند پرکاش پاریکھ، چندرؔ جے پوری:

سیرت نبوی ﷺ جملہ انسانی کائنات کے لیے باعثِ رحمت اور شمعِ ہدایت ہے۔ جس سے غیر مسلم اہلِ علم ودانش بھی بہت متاثر ہوئے ہیں بالخصوص غیر مسلم شعرا نے سیرتِ رسول کے مختلف پہلوؤں کو موضوع سخن بنا کر بہت عمدہ اشعار کہے ہیں۔ چندرؔ جے پوری بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے

ہیں۔حکومتِ راجستھان میں ملازمت کے ساتھ تقریباً25/سال اردو، ہندی اور برج بھاشا میں نہ صرف معیاری اشعار کہتے رہے ہیں بلکہ ہندوستانی سطح کی ادبی وشعری محافل، ریڈیو اور دوردرشن میں بھی اپنی شرکت درج کراتے رہے ہیں۔لیکن شعرگوئی کی تمام اصناف میں نعت آپ کا محبوب موضوع تھا جس کو نہ صرف احترام سے پڑھتے تھے بلکہ انتہائی محبت سے لکھتے بھی تھی۔آپ خود ہی دیکھئے:

نہیں ہے لعل و گہر کی مجھے کوئی خواہش
نصیب ہو مجھے مٹی خدا مدینے کی
دماغ کیوں نہ مہکنے لگے مرا چندر
مرے قریب سے گزری ہوا مدینے کی (26)

نرائن داس ٹنڈن، دیآ بریلوی:

دیآ بریلوی اردو اور فارسی کے ایک اچھے دانشور تھے۔مذاقِ سخن فطری طور پر طبیعت میں موجود تھا۔شعروسخن کی مختلف اصناف میں شعر کہنے کی جدوجہد کی۔بطورِ اصلاح بریلی کے ممتاز شاعر بلدیو پرشاد سوزن کا شرف تلمذ حاصل کیا۔آپ کے کلام کا ایک مجموعہ ''شامِ بہاراں'' کے نام سے 1967ء میں شائع ہو چکا ہے۔آپ نے غزل اور نظم وغیرہ اصناف سخن میں کلام کہنے کی کوشش کی ہے لیکن رسول اور مدینۂ رسول کے بارے میں جو مدح سرائی کی ہے وہ انتہائی قابلِ تحسین ہے۔جیسے:

کوئی مجھ سے پوچھے وقارِ مدینہ
ہے اکسیر ہر غم غبارِ مدینہ
دیا راہِ حق میں ہوں ہم گامزن سب
یہی ہے یہی افتخا رِ مدینہ (27)

رام ناتھ شرما، رمنؔ امروہوی:

رام ناتھ امروہوی، رام کسان انٹر کالج بادشاہ پور میں بطور آرٹ لکچرار اپنی خدمات انجام

دیا کرتے تھے۔ کتب بینی اور ادبی و سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ان کا بہترین شوق تھا۔ عنفوانِ شباب ہی سے شعر گوئی کی مشق کرنا اور امروہہ میں نعت و منقبت کی محافل میں شرکت کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے غزل، نظم، نعت، منقبت، سلام اور رباعی وغیرہ کی صورت میں اپنے تخیل و تصور کو شعری جامہ پہنانے کی سعیِ جمیل کی ہے لیکن صنف نعت میں جو جولانیٔ فکر کے جوہر دکھائے ہیں ان کو ہم ان اشعار میں محسوس کر سکتے ہیں:

پرمیش نے کی مدحتِ سلطانِ مدینہ
دیکھو تو مقامِ شہ ذیشان مدینہ
حیراں ہے رمن کیوں ابھی محرومِ عطا ہے
ہے دل میں بسا اس کے بھی ارمانِ مدینہ(28)

تیجونت رائے، ساحرؔ سنامی:

اکثر غیر مسلم شعرا کی نعتوں میں جذبات و احساسات کی حدت، اظہارِ بیان کی شگفتگی اور ندرتِ خیال کی شیرینی پائی جاتی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مصلحتاً نعتیہ کلام نہیں کہا ہے بلکہ محبتِ رسول میں اس نعمت سے خود کو شرف یاب کیا ہے۔ ایسا ہی ایک نام ساحرؔ سنامی کا ہے۔ شاعری کا ذوق و شوق جن کی طبیعت سے نمایاں ہوتا تھا۔ اچھے اشعار کہتے تھے اور جوش ملسیانی سے اصلاح لیتے تھے۔ اچھے شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک بہترین نثر نگار، انشا پرداز اور نثر و نظم میں تیر و نشتر، پیامِ وطن، بہارستان، گلِ صد رنگ اور کلیات برہمن جیسی ادبی کتب کے تخلیق کار تھے۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں شعری تخلیقات کے نمونے پیش کیئے ہیں لیکن صنفِ نعت میں آپ کا اندازِ بیان نہایت سادہ، عام فہم اور حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ نبی اور دیارِ نبی سے متعلق اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے باعثِ صد فخر جہاں، شانِ مدینہ
اے نغمہ سرا بلبلِ بستانِ مدینہ

کہتے ہیں تجھے اہلِ نظر جانِ مدینہ
ہو روح مری بلبل بستانِ مدینہ (29)

گوبند سرن نگم ،نفیس لکھنوی:

غیر مسلم شعرا نے سیرتِ رسول کے علاوہ اسلامی افکار وتصورات اور اسلامی تہذیب وتاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور پھر اس کو نعتیہ اشعار میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس میں زبان وبیان اور لہجے کی نزاکت و پاکیزگی کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ بیسویں صدی کے ممتاز شاعر نفیس لکھنوی بھی اسی فہرست میں شامل ہیں کہ جنھوں نے سید ظفر عباس فضل نقوی کے زیر تربیت واصلاح غزل، نظم، قطعہ اور رباعی کے علاوہ بہترین نعتیہ کلام بھی کہا ہے۔ موصوف کے حسب ذیل اشعار جس کی بخوبی غمازی کرتے ہیں:

ممتاز ہے کونین میں ایمانِ مدینہ
بھولے گا زمانہ نہ کبھی شانِ مدینہ
میں دل میں نفیس اپنے گناہوں پہ ہوں نادم
اب میری طرف دیکھیں گے سلطانِ مدینہ (30)

خلاصہ یہ کہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں جن غیر مسلم شعرا نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے ان کی ایک طویل فہرست ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے اور انشا اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حوالہ جات:

1۔ دھرمیندر ناتھ آزاد، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارت جمہوری ایران، 2011ء، ص592
2۔ ماہنامہ خاتون، رسول نمبر، کراچی، پاکستان، 1383ھ، مدیر شفیق بریلوی

3۔ ہمارے رسول،ص593
4۔ ہمارے رسول،ص594
5۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، سوغات صنم خانہ، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، 2013ء،ص138
6۔ مولانا محمد احمد، غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام، دہلی الاشرف اکیڈمی، 2008ء،ص51/، مہاراجہ سرکشن پرشاد، ہدیہ شاد، حیدرآباد، 1336ھ
7۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد، ہندو پاک کی اردو نعتیہ شاعری، نئی دہلی، براؤن بک پبلی کیشنز، 2019ء،ص51-50
8۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، سوغات صنم خانہ قلمی ص82
9۔ نور احمد میرٹھی، بہرِ زماں بہرِ زباں ﷺ، ادارہ فکرِ نو، کراچی، 1996ء ص521
10۔ عظیم اختر، بیسویں صدی کے شعرا دہلی، اردو اکیڈمی، جلد دوم، 2005ء،ص1084
11۔ ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی، مدینہ سخن، نئی دہلی، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران،ص401
12۔ مولانا محمد احمد، گلہائے عقیدت، نئی دہلی، الاشرف اکیڈمی، 2008ء،ص83، 98، 101
13۔ دھرمیندر ناتھ آزاد، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارت جمہوری ایران، 2011ء،ص453
14۔ ہفت روزہ اردو مورچہ، دہلی، رحم للعالمین نمبر، 14 تا 18 اکتوبر، 1989ء
15۔ ہمارے رسول،ص186
16۔ جوہر دیوبندی، نغمہ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرا سہارن پور، محبوب پریس، 1985ء،ص46
17۔ عرفان عباسی، تذکرہ شعرا اتر پردیش، لکھنو، نظامی پریس، 1982ء، جلد 11،ص141
18۔ فانی مرادآبادی، ہندو شعرا کا نعتیہ کلام، لائلپور، عارف پبلشنگ ہاوس، 1963ء،ص41
19۔ محمد محفوظ الرحمٰن، ہندو شعرا در بارِ رسول میں، لکھنو، ابراہیمی پریس،ص20
20۔ ہمارے رسول،ص40، 41، 238، 255 21۔ بہرِ زماں بہرِ زباں ﷺ،ص106
22۔ بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا: تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، آنسہ نگار سلطانہ، 1992ء،ص270
23۔ ہمارے رسول،ص289-287
24۔ ہمارے رسول،ص295-294

25۔ ہمارے رسول، ص321-320

26۔ ہمارے رسول، ص330-329

27۔ تذکرہ شعراءِ اتر پردیش، جلد1، ص117

28۔ رمن امروہوی، صدائے دل (مجموعہ کلام) علی گڑھ، ندھی کمپیوٹرس، 2007ء، ص6

29۔ نغمۂ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرا، ص154

30۔ عرفان عباسی، آپ ہیں، لکھنو، سرفراز پریس، 1986ء، حصہ سوم، ص199

☆☆☆

باب چھارم

تہذیب وتاریخ پر تصنیفات

ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن اور غیر مسلم دانشوران

ڈاکٹر محمد سلمان خاں ندوی
(ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ عرب کلچر، ممتاز پی جی کالج لکھنؤ)

ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ اور نشر واشاعت میں غیر مسلموں کی بڑی حصہ داری رہی ہے اور یہ حصہ داری مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خوشگوار تعلقات کو فروغ دینے کا ایک اچھا ذریعہ بھی ثابت ہوئی ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے میدان میں ان کی یہ دلچسپی ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد سے ہی نمایاں رہی ہے۔ ہندوستان میں 16 ویں اور 17 ویں صدی کو، جاگیرداری اور سامراجی جبر کے طور پر یاد کیا جاتا ہے اور اس دوران ہندوستان میں مختلف مفکرین ومصلحین نے جنم لیا چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، انہوں نے مجموعی طور پر آزادی وطن کے لیے جدوجہد کی۔ اس وقت کا معاشرہ تکثیری تھا۔ وہاں سبھی طبقات وفکر کے لوگ آباد تھے، وہ ایک دوسرے کے مذاہب وافکار کا مطالعہ بھی کر رہے تھے اس طرح اسلام کی نشر واشاعت اور تہذیب وتمدن کے میدان میں تحقیق کو بھی فروغ ملا۔

اسلامی تہذیب وتمدن اور سیرت کے لٹریچر میں ایسی بہت سی تحریریں کتابوں، کتابچوں اور مضامین کی شکل میں موجود ہیں، جن میں ہندوستان کے غیر مسلم دانش وروں کے احساسات وتاثرات جمع کیے گئے ہیں، چند نامور مفکرین جنہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کو پیش نظر رکھا اور اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کو اپنا میدان عمل بنایا اور بیش قیمت تجزیات اور قرآن مجید وسنت نبوی کو اپنی تحقیقات کا محور بناتے ہوئے ایسی ناقابل فراموش کاوشیں پیش کیں جنہیں تاریخ نے ہمیشہ ہمیش کے

لئے محفوظ کرلیا زیر نظر تحریر انہیں کاوشوں اور علمی وفنی میراث کے جائزہ پر مبنی ہے اور ان کی شرکت و حصہ داری کے ذکر کے لئے ہیں ذیل کی سطور میں انہیں کا ذکر کیا جارہا ہے، کئی محققین کا تذکرہ یہاں کیا جائے گا جنہوں نے اسلامی علوم اور تہذیب وثقافت کا منصفانہ تعارف پیش کیا ہے۔

مالک رام (1906-1993ء):

مالک رام اردو دنیا کے عظیم محقق کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ وہ تاریخ کے بھی ایک اہم اسکالر ہیں۔ اسی طرح انہیں اسلامی ثقافت اور ادب پر بھی خاصا عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اسلامی ادب، روایات اور رسومات پر کئی مضامین لکھے۔ ان کی دو کتابیں ہر قاری کے لیے مفید ہیں جن میں ایک ''عورت اور اسلامی تعلیم'' ہے یہ کتاب اردو زبان میں سب سے پہلے 1951 میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جس کا انگریزی اور عربی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا جب کہ اسلامیات کے حوالے سے ان کی دوسری اہم کتاب کا نام 'اسلامیات' تھا۔ اس میں مالک رام نے اسلام اور اسلامی روایات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے خواتین کے حقوق اور اسلام و دیگر مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے تہذیبی وتمدنی صورتحال کا ذکر کیا ہے۔(1)

مالک رام نے عورت کی سماجی حیثیت کا خیال رکھتے ہوئے کہ وہ ایک بیٹی ہوتی ہے، بیوی ہوتی ہے، ماں ہوتی ہے اور جب وہ ان تینوں میں سے کسی حیثیت سے سماج میں نہیں رہ پاتی تو اس کی حیثیت مطلقہ یا بیوہ کی ہوتی ہے۔ اسلام نے ان تمام حالتوں میں عورت کو باوقار زندگی گزارنے کے اختیارات عطا کیے ہیں جن کے حصول کے بعد وہ سماج میں اپنی عزت وعفت کی حفاظت کے ساتھ سماج میں اپنے مقام کو قائم رکھتی ہے۔

تعدد ازدواج، طلاق وخلع، نکاح بیوگان اور وراثت کے ضمن میں مالک رام نے ہندو دھرم، یہودیت، عیسائیت اور اسلامی قوانین کے باہمی موازنے سے تشفی بخش طریقے پر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی احکام سب سے زیادہ مبنی بر انصاف ہیں۔ انھوں نے دور اسلام سے قبل ایام جاہلیت

میں بیٹیوں پر ہونے والے مظالم کا بھی ذکر کیا ہے اور مختلف تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح بچّیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ نہ ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست تھا، نہ کھانے پینے کا اور نہ ہی جسمانی اور ذہنی تربیت کا کوئی انتظام تھا۔ اس کے بعض اسباب کی جانب بھی انھوں نے اشارے کیے ہیں جو بے حد مناسب اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

مالک رام نے ''ماں'' کے عنوان سے عورت کی بے حد اہم سماجی حیثیت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ یعنی عورت ماں ہوتے ہوئے دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہوتی ہے۔ ماں کو اسلام نے بے حد بلندی کا درجہ عطا کیا ہے حتیٰ کہ اسے باپ سے بھی زیادہ احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انھوں نے سورہ بقرہ کی آیت 215، سورہ لقمان کی آیت 14، 15 اور مختلف احادیث کی روشنی میں والدین اور بالخصوص ماں کی اہمیت اور اس کے مرتبہ پر روشنی ڈالی ہے جس کے نتیجے میں وہ کہتے ہیں:

> ''قرآن نے حسب معمول اس مسئلے پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ بھی تم اپنے والدین، قرابت داروں، تیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو گے اللہ اس سے خوب واقف ہے (2)، اور حکم دیا کہ والدین سے نیکی اور احسان سے پیش آؤ اور ان پر اپنے اموال خرچ کرو، گویا صرف ماں باپ کی ضروریات کی کفالت ہی کا نہیں، بلکہ ہر حال میں ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔''

مالک رام نے اسلام میں حق وراثت کے تعلق سے 'وارثہ' کا ایک باب قائم کیا ہے۔ جس کا تعلق خالصتاً معاشی اور سماجی حیثیت کا تعین کرنا ہے۔ دنیا میں مال و اسباب انسان کی اہم ضرورت، جینے کا ذریعہ اور سماجی مقام اور وقار کے حصول میں اہم سبب خیال کیا جاتا ہے۔ اسلام نے اسی وجہ سے دولت کی تقسیم میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کے لیے بنیادی اصول اور قوانین وضع کیے ہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام میں زکوٰۃ اور صدقہ کا باقاعدہ ایک نظام موجود ہے۔ جس کے لیے بیت المال کا تصوّر بھی ہے۔ سود کی حرمت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کے بہت سے نقصانات ہیں۔ اسی

طرح وصیت اور میّت کے ترکے کی تقسیم کے بھی خاص اصول وقوانین ہیں۔سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء میں باقاعدگی سے ان اصولوں کو ربّ کائنات نے بیان کر دیا ہے۔ مالک رام نے الگ الگ عناوین کے تحت قرآن اور احادیث کی روشنی میں وصیت کے اصول، وصیت کی مستقل اہمیت، وصیت کو معتبر اور مضبوط بنانے کے لیے شہادت کے طریقوں اور قرائن سے شہادت مرتب کرنے کا جواز، وراثت کی تقسیم اور اس کے اصول پر ٹھہر کر گفتگو کی ہے جس سے ان کی باریک بینی کا پتہ چلتا ہے۔

خلاصے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مالک رام کا محبوب میدان اسلامیات ہے۔ وہ قرآن اور حدیث کی بہترین فہم رکھتے ہیں۔ان کا انداز بے حد دوٹوک، بے لاگ اور منصفانہ ہے۔ وہ دلیلوں کی روشنی میں گفتگو کرتے اور بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ انھوں نے اسلامی قوانین کی روشنی میں عورت کا مقام طے کیا ہے اور اس کے حقوق کی وضاحت کی ہے۔ان کے نزدیک متن بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔تاریخی شواہد کو بھی وہ پیش نظر رکھتے ہیں۔انھوں نے تنگ نظری سے کہیں بھی کام نہیں لیا ہے اور نہ ہی غیر معتبر حوالوں کو شامل کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ماخذ کے حصول میں حد درجہ احتیاط برتی ہے۔ایک محقق کی زبان اور طرز جس طرح کا ہونا چاہیے مالک رام اس کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔

منشی پریم چند(1936-1885ء):

ہندوستان کے ادباء میں منشی پریم چند (1936-1885ء) ایک مشہور نام ہے۔ انہیں اردو، ہندی دونوں زبانوں پر عبور تھا۔ انہیں افسانہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔گؤدان، بازارِ حسن، کرم بھومی ان کی نمایاں ادبی تخلیقات ہیں۔ہفت روزہ پرتاپ، دسمبر 1925ء میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔اس کی تلخیص 'اسلامی تہذیب' کے نام سے مدھر سندیش سنگم سے شائع ہوئی ہے۔اس میں انہوں نے تہذیب کے تین نمونوں (عدل وانصاف۔مساوات۔ اخوت) سے بحث کی ہے اور ان میں اسلام کی امتیازی شان کو نمایاں کیا ہے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے ذریعہ اپنی بات کو مدلّل کیا ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی وہ ہمیشہ اسلامی زندگی کے لیے آب حیات کا کام کرتی رہے گی۔ اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل و انصاف، اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل و انصاف گونج رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے مومنو! ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہاری ایک ہی برادری ہے۔ ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ خوشی کے ساتھ نہ دے۔ ناانصافی مت کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو۔'' اس پیغامِ جاوداں میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے۔ اسلام کی بنیاد عدل پر مبنی ہے۔ وہاں بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب کے لیے فقط ایک انصاف ہے۔ کسی کے ساتھ رعایت نہیں، کسی کی طرف داری نہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے''۔ ان کا یہ قول سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے: ''خدا کی تمام مخلوق اس کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کا برگزیدہ ہے جو بندگان خدا کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔'' (3) ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام الناس کے لیے جتنی قوتِ کشش ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔ جب نماز پڑھتے وقت ایک مہتر خود کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں احساسِ فخر کی ترنگیں نہ اٹھنے لگتی ہوں گی؟ اس کے برعکس ہندو سماج نے جن لوگوں کو پست بنا دیا ہے ان کو کنویں کی منڈیر پر بھی نہیں چڑھنے دیتے۔ انہیں مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ اپنے سے ملانے کی نہیں، اپنے سے الگ کرنے کی علامتیں ہیں۔

راجیند رنارائن لال (ولادت: 1916ء):

راجیند رنارائن لال (ولادت: 1916ء) کا تعلق بھرت پور (راجستھان) سے ہے، البتہ ان کی تعلیم و تربیت وارانسی (یو۔پی) میں ہوئی۔ کیونس کالج سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد کاشی ہندو یونیورسٹی بنارس سے 1940ء میں قدیم ہندوستانی تاریخ اور سنسکرت میں ایم اے کی ڈگری حاصل

کی۔انہیں شروع ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا۔امن وشانتی کی تلاش میں انہوں نے ہندو مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا۔انہوں نے ہندی میں 'اسلام۔ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا' (اسلام۔ایک خدائی نظام حیات) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔اس میں انہوں نے ابتدا میں بدھ ازم،عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔پھر اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا نہایت مدلل انداز میں ازالہ کیا ہے۔اسلام کا تعارف کراتے ہوئے ابتدا میں پیغمبرِ اسلام کی سیرتِ طیبہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔فتح مکہ کے موقع پر آں حضرت ﷺ کی جانب سے عفوِ عام کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب راجندر لال نے لکھا ہے:

''اسلام لانے کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی وہ گویا اس کی تاریخی حیاتِ نو ہے۔سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد ﷺ کی قیادت میں فتحِ مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں گئی (سوائے دو تین نہایت سرکش لوگوں کے) اور پیغمبر اور ان کے پیروؤں نے اپنے اپنے دشمنوں کے مظالم کا بدلہ وانتقام لیے بغیر انہیں چھوڑ دیا۔تاریخ میں جنگ کے بعد فاتحین کے ذریعہ مفتوحین کو اس طرح اجتماعی طور پر معافی دینے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔اس کے برعکس دیگر دھارمک پرانوں کے قصوں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کے ذریعہ سے مخالفین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے۔'' (4)

سوامی لکشمی شنکراچاریہ (ولادت:1953ء):

سوامی لکشمی شنکراچاریہ کی ولادت (1953ء) کانپور کے ایک برہمن خاندان میں ہوئی۔ سوامی جی نے کان پور اور الہ آباد سے تعلیم حاصل کی،مگر کچھ عرصہ کے بعد مادیت کو چھوڑ کر روحانیت کی طرف مائل ہو گئے۔اسلام کے خلاف ہونے والے پروپگنڈے سے متأثر ہو کر انہوں نے 'اسلامک آتنک واد کا اتہاس' نامی کتاب لکھی،جس کا انگریزی ترجمہ The History of Islamic Tolerance کے نام سے شائع ہوا۔بعد میں سوامی جی کچھ مسلمانوں کے رابطے میں آئے،جنہوں نے انہیں بتایا کہ اسلام کی حقیقت جاننے کے لیے قرآن کا مطالعہ بہ راہ راست یا کسی ترجمہ کی مدد سے

کرنا چاہیے۔

اس سے پہلے اس ذاتِ گرامی کا مطالعہ بھی ضروری ہے جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔ سوامی جی نے اس بات کو سنجیدگی سے لیا۔ ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور ایک کتابِ سیرت حاصل کی۔ ان کا مطالعہ کرتے ہی سوامی جی کی کایا پلٹ گئی اور اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے تمام اعتراضات کافور ہو گئے۔ انہوں نے ضروری سمجھا کہ اپنے سابقہ خیالات کے لیے ایک نئی کتاب تیار کریں۔ ان کی یہ نئی کتاب ہندی میں 'اسلام۔ آتنک واد یا آدرش' اور اردو میں 'اسلام۔ دہشت گردی یا ایک مثالی دین' کے نام سے شائع ہوئی۔ سوامی جی نے اپنی مؤخر الذکر کتاب کے پیش لفظ میں اپنی فکری روداد سفر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''میں اللہ سے، پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے اور سبھی مسلمان بھائیوں سے علی الاعلان معافی مانگتا ہوں اور لاعلمی میں لکھے ہوئے یا بولے ہوئے الفاظ کو واپس لیتا ہوں۔ عوام سے میری اپیل ہے کہ 'اسلامی دہشت گردی کی تاریخ' نامی میری کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اسے صفر سمجھیں''۔ (۵)

سو (100) صفحات کی اس کتاب میں شنکر آچاریہ نے بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے اسلام پر لگائے جانے والے دہشت گردی کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے، عدل و انصاف، مساوات اور قرآن کی دیگر اخلاقی و روحانی تعلیمات کو سراہا ہے، سناتن ویدک دھرم اور اسلام میں بہت سی مماثلتیں بیان کی ہیں۔ کتاب کی دو بحثیں قابل قدر ہیں: ایک تو یہ کہ اسلام کے بارے میں نفرت پھیلانے والوں نے قرآن کی چوبیس (24) آیتوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ان کے بارے میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ یہ آیتیں مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے، ان میں دہشت و غارت گری پھیلانے کا حکم دیتی ہے۔ اس پمفلٹ کو پڑھ کر سوامی جی بھی پہلے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن غلط فہمی دور ہو جانے کے بعد انھوں نے اس کتاب میں ان تمام آیتوں کو نقل کر کے بتایا ہے کہ ان کا ایک پس منظر ہے جو ان کے زمانۂ نزول کے ساتھ خاص تھا۔ ان

آیتوں میں بعد کے زمانوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا عمومی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ دوسری قابلِ قدر بحث اللہ کے رسول ﷺ کی مختصر سوانح حیات ہے، جو تیرہ (13) صفحات پر مشتمل ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سوامی جی کے کئی اقتباسات یہاں نقل کیے جائیں، لیکن وقت کی تنگ دامنی کی وجہ سے صرف ایک دو اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فتحِ مکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سوامی جی لکھتے ہیں:

> ''حق کو قائم کرنے کے لیے اور باطل، ظلم و تشدد کے خاتمہ کے لیے جہاد (یعنی حفاظتِ دین اور اپنی مدافعت کے لیے جنگ) میں اللہ کے رسول ﷺ فتح یاب ہوتے رہے۔ مکہ اور گرد و نواح کے کافر و مشرک منہ کی کھاتے رہے۔ اس کے بعد پیغمبر محمد ﷺ دس ہزار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مکہ میں باطل و دہشت گردی کی جڑ کو نیست و نابود کرنے کے لیے چلے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی کامرانیوں اور مسلمانوں کی عظیم قوت کو دیکھ کر مکہ کے کافروں نے ہتھیار ڈال دیے۔ بغیر کسی خون خرابے کے مکہ فتح کر لیا گیا۔''(6)

مہاتما گاندھی (1869-1948ء):

مہاتما گاندھی صحیح معنوں میں عدم تشدد کے بانی ہیں اور انھوں نے ملک کی تحریک آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ انہوں نے بھی اسلامی تہذیب اور ثقافت کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اسلامی تاریخ کا زریں دور عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑی بیباکی کے ساتھ بیان بھی کیا، وہ لکھتے ہیں:

اسلام اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں تعصب اور ہٹ دھرمی سے پاک تھا، دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔ جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہو گئے، اسلام دینِ باطل نہیں ہے۔ ہندوؤں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ

جائیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا۔ بلکہ اس کی اشاعت کا ذمہ دار رسولِ عربی کا ایمان، ایقان، ایثار اور اوصافِ حمیدہ تھے۔

ان صفات نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ یورپی اقوام جنوبی افریقہ میں اسلام کو سرعت کے ساتھ پھیلتا دیکھ کر خوف زدہ ہیں۔ اسلام جس نے اندلس کو مہذب بنایا۔ اسلام جو مشعلِ ہدایت کو مراکو تک لے گیا۔ اسلام جس نے اخوت کا درس دیا۔ جنوبی افریقہ میں یوروپی اقوام محض اس لیے ہراساں ہیں کہ وہ جانتی ہیں کہ اگر اصلی باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تب وہ ہمسرانہ حقوق کا مطالبہ کریں گے اور لڑیں گے۔

اگر اخوت گناہ ہے تو ان کا خوف راستی پر مبنی ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ زولو عیسائیت قبول کرنے پر بھی عیسائی حقوق حاصل نہیں کر سکتا، لیکن جونہی وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس کا رابطہ اتحاد پیدا ہو گیا۔ یورپ اس اتحادِ اسلام سے خائف ہے۔

پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی (1836-1886ء):

پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبہ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں۔ انہوں نے The Prophet of Islam : Mohammad کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے، جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مصنف نے اپنے کتابچہ میں جہاں ایک طرف غیر متعصب مغربی مصنفین اور مستشرقین کے حوالے دیے ہیں، مثلاً ایڈورڈ گبن، پروفیسر ہرگرونج، جرمن شاعر گوئٹے، جارج برناڈ شا، سر چارلس اڈورڈ، آرکیبالڈ ہملٹن، پروفیسر مسیگن، چارلس بوسورتھ، رابرٹ بریفالٹ، اور تھامس کارلائل وغیرہ، دوسری طرف معتدل ہندو دانش وروں سے بھی استشہاد کیا ہے، مثلاً سروجنی نائڈو، مہاتما گاندھی، بسنت کمار بوس اور دیوان چند شرما وغیرہ۔

راما راؤ نے اسلام سے متعلق متعدد الزامات کی تردید کی ہے، مثلاً یہ الزام کہ اسلام شمشیر

کے ذریعہ پھیلا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے الزامات کی حیثیت ادبی اعجوبہ کاری سے زیادہ کچھ نہیں۔ انہوں نے اسلام کی تعلیمات میں جمہوریت اور مساوات کو خوب سراہا ہے۔ ان کے مطابق ان تعلیمات کے نتیجے میں بین الاقوامی اتحاد اور بھائی چارہ کے اصولوں کو آفاقی بنیادیں فراہم ہوئیں، عورت کو میراث میں حق دار قرار دیا گیا۔ بارہ صدیوں کے بعد انگلینڈ نے، جو جمہوریت کا مرکز کہلاتا ہے، عورت کے حقِ میراث کو 1881ء میں قانونی شکل دی، جب کہ سینکڑوں سال قبل پیغمبرِ اسلام نے عورتوں کو مردوں سے نصف حقِ میراث دلوایا تھا۔ (7)

وہ حضور ﷺ کی سیرت اور ان کے اعلیٰ اخلاق کے تعلق سے کہتے ہیں:

''محمد ﷺ اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ چناں چہ یہودی بھی آپؐ کی صداقت کے قائل تھے۔ آپ کے کردار میں آپ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاوی مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔''(8)

حوالہ جات:

1. Islam in India Studies and Commentaries, 1985, Vikas publishing house, page 113-145.

2۔ سورہ البقرہ آیت 215

3۔ مشکوۃ المصابیح صفحہ نمبر 425

4۔ اسلام ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا، راجندر نرائن لال صفحہ نمبر 31-32

5۔ اسلامک آتنک واد کا اتہاس، سوامی لکشمی شنکر آچاریہ صفحہ نمبر 11 6۔ ایضا، صفحہ نمبر 24-25

7. Mohammad The Prophet of Islam, Page No 11.

8. Page No 18-19.

☆☆☆

اسلامی تاریخ وتہذیب اور پنڈت جواہر لال نہرو

جناب محمد سیف انور
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

جواہر لال نہرو ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کی صف اول میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔وہ گاندھی جی کے بعد عوام و خواص ، دونوں میں سب سے زیادہ مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔خیالات کے لحاظ سے ترقی پسند، وسیع النظر،قدامت پرستی کے سخت مخالف ،فرقہ پرستی کے شدید دشمن، ، مذہبی،علاقائی ولسانی تعصب سے پاک وصاف تھے۔آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم بنے اور سیکولر نظام کے نفاذ میں اہم رول ادا کیا۔ان کی بے لوث کوششوں وخدمات سے ملک کو ترقی ملی اور ملک کا وقار بلند ہوا۔نہرو جی ایک اچھے مدبر،منتظم اور سیاسی راہنما ہونے کے ساتھ بڑے دانشور اور ایک عظیم مصنف بھی تھے۔ان کی کتابیں گرچہ تعداد کے اعتبار سے کثیر نہیں ہیں البتہ معنوی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ ہندوستان کی نوجوان نسل نے ان کی کتابوں اور تحریروں کے اثرات ہر زمانہ میں قبول کئے ہیں۔

خاندانی پس منظر و پیدائش:

نہرو جی کا اصل وطن کشمیر تھا۔فرخ سیر کے زمانہ میں ان کے خاندان کے بزرگ راج کول، جو سنسکرت اور فارسی کے ماہر کی حیثیت سے کشمیر میں امتیاز رکھتے تھے، 1716ء کے آس پاس (شاہ کے ایما پر) ترکِ وطن کر کے دہلی آ گئے تھے۔بادشاہ کی طرف سے جو جاگیر انہیں عطا کی گئی

تھی وہ نہر کے کنارہ واقع تھی جس کی وجہ سے وہ راج کول نہرو کہلانے لگے۔اور پھر یہ خاندان نہرو ہی کے نام سے معروف ہو گیا۔1857ء کے ہنگامہ میں خاندانِ نہرو نے دہلی کو خیرآباد کہہ کر آگرہ کو اپنا مسکن بنایا اور پھر چند سال یہ خاندان آگرہ ہی میں رہا۔یہیں 6 مئی 1861ء کو ان کے والد موتی لال نہرو کی پیدائش ہوئی۔چھوٹے چچا نند لال نہرو ہائی کورٹ (آگرہ) میں وکالت کرتے تھے، جب ہائی کورٹ آگرہ سے الٰہ آباد منتقل ہوا تو اس خاندان کے سارے لوگ وہیں منتقل ہو گئے۔(1) الٰہ آباد ہی میں 14 نومبر 1889ء کو جواہر لال نہرو کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

نہرو جی کی پرورش ایک مہذب، تعلیم یافتہ وغیر متعصب گھرانے میں ہوئی تھی۔بچپن میں ان کے والد کے ایک محرر منشی مبارک علی تھے، جن سے نہرو جی کو بھی بہت لگاؤ تھا۔ان کے متعلق خود نہرو جی نے لکھا ہے:

> ''میرے لئے ان کا دامن جانا بوجھا امن کا ٹھکانا تھا۔جب کبھی اداس یا پریشان ہوتا انہیں کے پاس پہنچتا۔ان کی شاندار سفید داڑھی کو دیکھ کر میں بچپن کی سادگی میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ پراچین وقتوں کے آدمی ہیں جنہیں کئی جگ کی باتیں یاد ہیں۔(2)

ان کے بیان کے مطابق وہ ہندو مسلم تہواروں میں تفریق نہیں کرتے تھے۔جہاں وہ ہولی و دیوالی مناتے وہیں محرم کا جلوس دیکھنے بھی جاتے اور عید کے موقع پر منشی جی (مبارک علی) کے یہاں سویاں بھی کھاتے تھے۔(3)

نہرو جی کو ابتدائی تعلیم گھر پر استانیوں اور اتالیق کے ذریعہ دلائی گئی۔پھر 1905ء کو پندرہ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ انگلستان گئے اور وہاں ہیر واسکول (Harrow School) میں داخل ہوئے۔قریباً دو برس ہیرو (Harrow) ہی میں تعلیم حاصل کی۔اکتوبر 1907ء

کوسترہ اٹھارہ برس کی عمر میں ٹرینٹی (Trinity) کالج کیمبرج میں داخلہ لیا اور تین برس تکمیل کے بعد ۱۹۱۰ء میں سند حاصل کی۔ پھر 1912ء کو (Inner Temple) سے بیرسٹر کی ڈگری حاصل کی ۔پنڈت جواہر لال نہرو کی تعلیم گرچہ انگریزی ماحول میں ہوئی لیکن ان کے خاندانی پس منظر میں مشرقیت رچی بسی تھی۔ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے پروردہ اوراس کے نگہدار تھے۔جواہر لال نہرو کی شادی کا دعوت نامہ انہوں نے اردو میں چھپوایا تھا۔(4)

تصنیفات:

نہرو جی کی تین کتابوں 1۔ جگ بیتی (Glimses of World History) 2۔تلاشِ ہند (Discovery of India) اور 3 ۔ Letters from a father to his daughter کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ان کے افکار وخیالات، ان کی داستانِ حیات اور زندگی کے واقعات کتب مذکورہ میں مرقوم ہیں۔ یہ کتب ہندوستان اور ہندوستانی تہذیب، اہل وطن اور اقلیتوں کے متعلق نہرو جی کے نظریات وخیالات کی عکاس ہیں۔نہرو جی کی مختلف اقوام، مذاہب اور تہذیوں کی تاریخ پر گہری نظر تھی۔انہوں نے اپنی مشہور کتاب 'تلاش ہند' میں ہندوستان کے نسلی، لسانی، مذہبی، تہذیبی و ثقافتی اختلافات کا اعتراف کیا ہے۔کثرت میں وحدت کس طرح پائی جاتی ہے یہ بھی بیان کیا۔اسی طرح پنڈت جی نے مسلمانوں کی تاریخ وتہذیب کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔مسلم تہذیب کی انفرادیت وامتیازات کا تذکرہ اپنی نگارشات میں کیا ہے۔

پنڈت آنند نارائن ملاّ (اردو کے شاعر بھی تھے)،جن کے پنڈت جوہر لال نہرو سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔انہوں نے نہرو جی کے انگریزی مضامین کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، ان کے طرزِ نگارش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ان کی زبان رسمی نہیں، تخلیقی ہے۔ وہ ایک صاف دل اوور صاف گو انسان تھے۔سیاسی لوگ عام طورر پر نقاب پوش ہوتے ہیں لیکن پنڈت جی کی دلچسپی

پردہ دری یا نقاب کشائی میں تھی۔ وہ اپنے گردوپیش سے مطمئن نہیں تھے اور ان کی پوری زندگی ایک طرح کی نبرد آزمائی میں بسر ہوئی۔ ان کی تحریریں اسی نبرد آزمائی کی کہانی ہمیں سناتی ہیں۔(5)

نہرو جی کا مطالعۂ تاریخ وتہذیب:

پنڈت جی کا تاریخ وتہذیب کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ تاریخ وتہذیب پر ان کی تحریروں و تقریروں میں عالمانہ گفتگو اس بات کا بین ثبوت ہے۔ انہوں نے نہ صرف ہندوستان کی تاریخ و تہذیب پر خامہ فرسائی کی ہے بلکہ اقوام عالم کی تاریخ کے اہم وقابل ذکر واقعات وحالات، افراد اور جنگوں کی داستانیں قلم بند کی ہیں۔ ایشیا و یورپ کا موازنہ سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی، تمدنی بنیادوں پر کیا ہے۔ وہ جہاں ایشیا کی خوبیوں کو بیان کرتے ہیں وہیں یورپ کی اچھائیوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ یورپ کے اس رویہ پر جو انہوں نے ایشیائی ملکوں ونسلوں کے ساتھ روا رکھا تھا، سخت تنقید بھی کرتے ہیں۔ ایشیا کے تین قدیم تہذیبی مرکزوں میسوپوٹامیا، ہندوستان اور چین کا ذکر بھی ان کی نگارشات میں ملتا ہے۔ وہ تاریخ کی مشہور شخصیات (مذہبی وسیاسی) پیغمبر اسلام محمد ﷺ، حضرت عیسیٰؑ، گوتم بدھ، زرتشت، کرشن جی، چین کے فلسفی کانفیوشس اور لاوتی وغیرہ سے بھی واقف ہیں۔(6) ایران، اور یونان وغیرہ کی قدیم تاریخ وتہذیبوں اور ان کی خدمات کا ذکر بھی پنڈت جی کی تحریروں میں ملتا ہے۔ وہ ماضی کے واقعات کا حال میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے موازنہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مطالعۂ تاریخ کا مقصد ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرنا ہے۔(7)

کیمبرج سے انہوں نے گرچہ سائنس کی سند حاصل کی تھی جس میں ان کے مضامین کیمیا، ارضیات اور نباتات وغیرہ تھے۔ لیکن قیام لندن کے دوران وہ تعطیل کے زمانہ میں ماہرین ادب، تاریخ، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ سے ملتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو بھی کرتے تھے۔ ان حضرات سے تعلقات کی وجہ سے تاریخ، فلسفہ، سیاسیات وغیرہ کی کتابیں بھی نہرو جی نے اسی زمانہ

میں پڑھیں۔(8)

اسلام کی آمد:

21 مئی 1932ء کا جو خط نہرو جی نے اسلام کی آمد (The Coming of Islam) کے عنوان سے لکھا اس میں انہوں نے اختصار کے ساتھ اسلام سے قبل عرب کی مذہبی، سماجی، تجارتی و سیاسی حالات کو بیان کیا ہے۔ جزیرۂ عرب کن کن حکومتوں اور تہذیبوں سے گھرا ہوا تھا اس پر بحث کرتے ہوئے، آپ ﷺ کی مکی و مدنی زندگی (مختصر سوانح) پر روشنی ڈالی ہے اور خلافت صدیقی و فاروقی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ نہرو جی تاریخ کے بیان کے ساتھ ساتھ گاہے بہ گاہے اسلام کے پیغامِ اخوت و مساوات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ایمان نے اولین و سابقین مسلمانوں میں جو اعتماد و حوصلہ پیدا کیا تھا جس کی وجہ سے وہ نصف جہاں کے فاتح بن گئے تھے، اس کا بھی انہوں نے کھل کر اعتراف کیا ہے۔ مستشرقین نے اپنی تصانیف میں مسلم حکمرانوں پر جو بے بنیاد الزامات لگانے کی کوشش کی ہے مثلاً حضرت عمرؓ پر کتب خانۂ اسکندریہ کو نذر آتش کرنا وغیرہ، نہرو جی نے اس طرح کے الزامات کا تذکرہ کر کے ان کا ابطال مدلل طور پر کیا ہے۔(9)

خلافت اموی و عباسی:

خلافت اموی کے قیام پر بحث کرتے ہوئے وہ خلافت و ملوکیت اور خلافت راشدہ اور خلافت اموی کے فرق و امتیاز کو واضح کرتے ہیں۔ عہد اموی میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے میدان میں جو ترقیاں ہوئیں اور ایک اعلیٰ تہذیب کو فروغ ہوا وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں عہد عباسی میں بغداد جس تمدنی، علمی، سماجی اور تجارتی ترقی کی معراج پر تھا اس کا نقشہ بھی اپنے ایک خط میں کھینچا ہے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں جو سائنسی و طبی خدمات انجام دی گئیں، قدیم کتب کے ترجمے ہوئے اور نئی تصانیف رقم کی گئیں، علمی و تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا، اس کو بھی بیان کیا ہے۔ بغداد

کی بابت رقمطراز ہیں:

It was vast city of palaces and public offices and schools and colleges, and great shops, and parks and gardens. The merchants carried on a vast trade with East and West. (10)

قرطبہ:

یورپ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے نہرو جی نے مسلم اسپین کی تاریخ پر بھی مختصراً نظر ڈالی ہے۔اور خصوصاً دو شہروں قرطبہ اور غرناطہ کا تذکرہ کیا ہے۔اسپین میں مسلمانوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا انہوں نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔اسپین کی مسلم تاریخ کا تجزیہ انہوں نے معروضی انداز میں کیا ہے۔اسپین میں عربوں نے جو سیاسی و تنظیمی کوتاہیاں کی تھیں وہ ان کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں۔

''شاید تمہیں خیال ہو اسپین کے بارے میں میں تمہیں بتا چکا ہوں۔مثلاً ۷۱۱ء میں ایک عربی سپہ سالار افریقہ ہو کر اسپین پہنچا۔اس کا نام طارق تھا۔جہاں وہ اترا اس مقام کا نام بھی اسی کے نام پر جبل الطارق ہو گیا۔دو سال کے اندر عربوں نے پورا اسپین فتح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد پرتگال بھی ان کے قبضہ میں آ گیا۔''(11)

''اسپین کے عربوں کی یہ کوتاہ اندیشی تھی کہ انہوں نے اپنے وطن سے یوں قطع کر لیا۔وہ ایک دور دراز ملک میں غیروں کے درمیان رہتے تھے اور چاروں طرف سے دشمن ان پر نرغہ کر رہے تھے۔ان کی تعداد بہت کم تھی۔۔۔۔لیکن اس زمانہ میں انہیں اپنی ذات پر بڑا اعتماد تھا اور خطروں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے۔''(12)

نہرو جی نے اسپین میں عربوں کے سات سو برس حکومت کرنے کو ایک معجزہ قرار دیا ہے۔عربوں نے اسپین میں جو اعلیٰ تہذیب و تمدن کو پروان چڑھایا تھا، وہ اس کے بھی معترف

ہیں۔ وہ کسی مغربی مصنف کی یہ عبارت بھی نقل کرتے ہیں:

''موروں نے قرطبہ کی حیرت انگیز سلطنت قائم کی جسے دورِ وسطیٰ کا معجزہ کہنا چاہئے اور جس نے مغربی دنیا کے سامنے علم و تہذیب کی شمع اس وقت روشن رکھی جب سارا یورپ جہالت اور خانہ جنگی کی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔''(13)

مسلمانوں نے اسپین میں جو رواداری کا رویہ اختیار کیا تھا اور اہل اسپین کو مذہبی آزادی فراہم کی تھی پنڈت جی اس کے بھی ثنا خواں ہیں۔ 1492ء میں سلطنت غرناطہ کے خاتمہ کے بعد عربوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا گیا تھا، نہرو جی نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''۔۔۔تاہم بہت سے عرب اسپین میں باقی رہ گئے۔ ان عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ اسپین کی تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔ ہر طرف ظلم و تشدد کا بازار گرم تھا۔ عربوں کا قتل عام ہو رہا تھا اور رواداری کے متعلق جتنے وعدے کئے گئے تھے سب کو پس پشت ڈال دیا گیا''۔(14)

فتح قسطنطنیہ:

1253ء میں عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تھا۔ نہرو جی نے اس کا بھی ذکر اپنے خط میں کیا ہے۔ فتح قسطنطنیہ سے یورپ پر جو اثرات مرتب ہوئے، انہوں نے اس پر قدرے تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔ کہتے ہیں:

''گرچہ قسطنطنیہ کی فتح غیر متوقع نہیں تھی پھر بھی یہ ایسا اہم واقعہ تھا جس نے سارے یورپ کو ہلا ڈالا۔''(15)

ہندوستان اور مسلمان:

نہرو جی نے مسلم تاریخ کا مطالعہ معروضی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ خط جو انہوں نے بعنوان 'From Harsha to Mahmud in North India' یکم جون 1932ء کو تحر

یر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں کو نہایت ہی غیر جانبدارانہ طور پر بیان کیا ہے۔(16)

مغل بادشاہوں میں بانی حکومت بابر، اکبر اور اورنگزیب عالمگیر کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے کیا کیا تہذیبی وتمدنی تبدیلیاں ہوئیں انہوں نے اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً پردہ کی روایت ہندوستان میں مسلم تہذیب کا اثر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مغل گرچہ باہر سے انویڈر کی حیثیت سے یہاں آئے تھے لیکن انہوں نے جلد ہی ہندوستانیوں سے قریبی تعلقات قائم کئے اور اپنے آپ کو ہندوستانی بنانے کی کوشش کی۔ مغلوں نے راجپوتوں سے جو ازدواجی تعلقات قائم کئے تھے وہ اس کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔(17)

صلیبی جنگیں:

نہرو جی کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو نہایت سادہ اور دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ تاریخ سے ناواقف شخص بھی نئے اور نامعلوم موضوع کو بآسانی سمجھ لیتا ہے۔ صلیبی جنگوں کے متعلق ان کا خط یقیناً سہل اور آسان تفہیم کی عمدہ مثال ہے۔ اس میں وہ صلیبی جنگوں کے معروف و قابلِ ذکر واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ یہ خط صلیبی جنگوں کے مقاصد، فتح کے بعد صلیبی مظالم اور پھر صلاح الدین ایوبی کے ذریعہ بیت المقدس کو واپس لینے کی مختصر داستان ہے۔ اس کے آخر میں زمانہ کی مطابقت کی وجہ سے ابن سینا کا ذکر ایک معروف ومشہور طبیب کی حیثیت سے بالخصوص کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ابن سینا یورپ میں Avicenna کے نام سے معروف ہیں۔(18)

پردہ:

پردہ کے متعلق نہرو جی کا خیال ہے کہ یہ اولین مسلمان عورتوں میں نہیں تھا۔ ان کا کہنا ہے

کہ وہ پبلک میں نکلتی تھیں، مسجدوں میں جاتی اور لیکچرس میں شامل ہوتی تھیں۔ وہ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ عربوں میں مروجہ پردہ ایران اور رومیوں کے اثر کی وجہ سے رائج ہوا۔

"It is sad that it was due especially to the infuence of Constantinople and Persia that the seclusion of women began ... the Arabs. Gradually the herem system begins, and men and women meet each other less and less socially. Unhapilly this seclusion of women became a feature of Islamic Society, and India also learn it from them when the Muslims came here". (19)

وہ پردہ کی روایت سے خفا تھے اور اس بات سے کسی قدر مسرت محسوس کرتے تھے کہ مختلف ملکوں کے مسلم سماج اس روایت کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔

"Fortunately, India is rapidly tearing the Purdah away. Even Muslim society has largely rid itslef of this terrible burden. In Turkey,Kamal Pasha has put on end to it completely, and in Egypt it is going fast. (20)

مذہب:

نہرو جی بچپن میں مذہب کو عورتوں کا معاملہ سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی مذہبی امور و رسموں کو زیادہ تر ان کے گھرانہ کی عورتیں ادا کرتی تھیں۔ اپنی والدہ کے ساتھ کبھی کبھی وہ گنگا اسنان کو جاتے اور مختلف مندروں میں بھی حاضری دیتے تھے۔ لیکن بعد میں ان کا نظریہ مذہب کے تئیں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس پر مغربی مفکرین کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ وہ مذہب کو ذاتی اور شخصی معاملہ اور ایک اعتقاد کی چیز کہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ سیاسی اور اور معاشی مسائل سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ۔ معاشی و سیاسی مسائل میں مذہب پر زور دینا اندھیرے میں جانا ہے۔ البتہ وہ مذاہب کی عزت و تکریم کے قائل ہیں۔ دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کی عزت و احترام کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان کا

ماننا تھا کہ جولوگ دوسروں کے مذہب کی عزت نہیں کرتے وہ خود اپنے مذہب کونقصان پہنچاتے ہیں۔

''وہ شخص جو اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے اور اپنے مذہب سے محبت رکھنے کی وجہ سے دوسرے مذہبوں پر اس کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے دوسرے مذہبوں کی مذمت کرتا ہے، وہ بے شک اپنے مذہب کونقصان پہنچاتا ہے۔''(21)

نہرو جی اور اردو:

آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو جو درپیش مسائل تھے ان میں ایک بڑا مسئلہ زبان کا بھی تھا۔ چونکہ تقسیم سے پہلے سے ہی اردو کے خلاف تحریک چل رہی تھی، اس لئے تقسیم کے بعد بھی اردو کے ساتھ صوبوں میں تعصب کا رویہ اختیار کیا جارہا تھا۔ پنڈت جی اردو کے ساتھ اس متعصّبانہ رویہ کے خلاف تھے، اور بحیثیت وزیر اعظم عوام وخواص (وزیر اعلیٰ) کو کسی بھی زبان کے خلاف امتیاز نہ برتنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ زبان کا مسئلہ جذبات سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یورپ کی تاریخ کے مطالعہ نے ان پر یہ بات آشکار کردی تھی کہ وہاں زبان کے اختلاف نے دوسرے تمام مسائل سے زیادہ مشکلات پیدا کی ہیں۔ اس لئے وہ زبان کے معاملہ میں محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور ہندستان کے مختلف حصوں میں اردو سے عہدہ برآ ہونے کی جو کوشش ہورہی تھی وہ اس سے بھی رنجیدہ تھے۔ نہرو جی وزرائے اعلیٰ کے نام ایک خط میں کہتے ہیں:

''تہذیبی طور پر اردو ان رجحانات کی حامل رہی ہے، جن سے ماضی میں ہندی کو تقویت ملی ہے اور یہ بات مستقبل میں بھی ہوسکتی ہے۔ یہ یقیناً ہندی کی حریف نہیں ہے۔۔۔۔ ہندی اور اردو اپنی ساخت اور اسلوب کے لحاظ سے بدریج ایک دوسرے کے نزدیک آسکتی ہیں اور ایسا ہونا چاہئے۔ ناگری رسم خط کا پھیلاؤ لازمی ہے، لیکن ایسا کرتے وقت اردو اور اس کے رسم خط کو دبانے کا تاثر پیدا کرنا ایک غلط پالیسی ہے اور ہمارے تہذیبی نظریہ کو محدود کرنا ہے اور ہمارے آئینی منصوبے کے خلاف ہے۔''(22)

ملاّ صاحب کہتے ہیں:

''نہرو جی کو اردو سے بڑا لگاؤ تھا۔ کبھی کبھی وہ اردو شعراء کی خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تو مجھ سے ہی ایک شاعر کو دو سو روپے دلوائے تھے جو اس زمانہ میں قابل لحاظ رقم تھی۔''(23)

حوالہ جات:

1۔ اعظمی، عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو اکادمی، 1989ء، ص 21 تا 27۔

2۔ ایضاً، ص 30۔

3۔ ایضاً، ص 31۔

4۔ ملاّ، آنند نرائن، مضامینِ نہرو، اردو اکادمی دہلی، 1992ء، ص 9۔

5۔ ایضاً، ص 14۔

6۔ اعظمی، عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو اکادمی، 1989ء، ص 33 تا 37۔

7. Nehru, Jawahar Lal, Glimses of World History, Jawahar Lal Nehru Memorial Fund Teen Murti, New Delhi, 2003, P. 6.

8۔ اعظمی، عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو اکادمی، 1989ء، ص 37، 38۔

9. Nehru, Jawahar Lal, Glimses of World History, Jawahar Lal Nehru Memorial Fund Teen Murti, New Delhi, 2003, P. 146.

10۔ ایضاً، ص 151۔

11۔ ایضاً، ص 146۔

12۔ اعظمی، عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو

اکادمی،1989ء،ص165۔

13۔ ایضاً،ص165۔

14۔ ایضاً،ص168۔

15۔ اعظمی،عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو اکادمی،1989ء،ص175۔

16. Nehru, Jawahar Lal, Glimses of World History, Jawahar Lal Nehru Memorial Fund Teen Murti, New Delhi, 2003, P. 153-157.

17. Nehru, Jawahar Lal, Discovery of India,Oxford University Press,New Delhi, 1994, P. 257-272.

18. Nehru, Jawahar Lal, Glimses of World History, Jawahar Lal Nehru Memorial Fund Teen Murti, New Delhi, 2003, P. 193-197.

19. Nehru, Jawahar Lal, Glimses of World History, Jawahar Lal Nehru Memorial Fund Teen Murti, New Delhi, 2003, P. 150.

20۔ ایضاً،ص150۔

21۔ اعظمی،عبداللطیف، ذاکر کشمیری لال (مرتبین) جواہر لال نہرو اپنی تحریروں کی روشنی میں، ہریانہ اردو اکادمی،1989ء،ص190۔

22۔ ایضاً،ص183۔

23۔ ملّا،آنند نرائن،مضامینِ نہرو،اردو اکادمی دہلی،1992ء،ص11۔

☆☆☆

مسلم تاریخ وتہذیب میں آنند رام مخلص کی تصنیفی خدمات

جناب عامر فہد
(ریسرچ اسکالر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

اسلامی مطالعات کے میدان میں ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں میں ایک اہم نام آنند رام مخلص کا ہے۔ مخلص 18 ویں صدی کا ایک مشہور مورخ، لغت نگار اور فارسی زبان کا بڑا شاعر تھا۔ اس کی پیدائش 1999ء میں سودھرا، سیالکوٹ پنجاب کے ایک کھتری خاندان میں ہوئی۔ مخلص اس کا تخلص ہے اور مغل حکومت سے اس کو رائے رایان کا خطاب بھی ملا۔ اس کو خاندانی عظمت، دربار کے کاروبار کی اہلیت اور ذوق شعر وسخن اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی۔ اس کے والد راجہ ہردے رام مغل حکومت کے بادشاہ محمد شاہ کے وزیر اعتماد الدولہ محمد امین خان بہادر نصرت جنگ کے وکیل تھے۔ اور اس کے دادا گجپت رائے وزیر اسد خان اور یحییٰ ذوالفقار خان کے وکیل تھے۔(1) مخلص کی ابتدائی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں مل سکیں، البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی جہاں اس نے فارسی زبان سیکھی تھی۔ اس کے اساتذہ میں مرزا بیدل اور سراج الدین علی خان آرزو کا نام آتا ہے۔ مخلص نے بھی اپنے آباء واجداد کی طرح وکالت کے پیشے کو اپنایا اور 21 سال کی عمر میں 1719ء میں وزیر اعظم اعتماد الدولہ محمد امین خان کا وکیل بنا۔ محمد امین خان کے فوت ہونے کے بعد وزارت ان کے بیٹے محمد فاضل قمر الدین اعتماد الدولہ کو 1724ء میں ملی۔ مخلص اس کے بعد آخر دم تک ان کا بھی وکیل رہا۔ نادر شاہ کا ہندوستان پر جب حملہ ہوا اس وقت وہ لاہور اور ملتان کے گورنر سیف الدولہ عبد الصمد خان کا بھی وکیل تھا۔(2)

مخلص کی تالیفات اس کے خصائل اور کرکٹر پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ایک تو اس کے اجداد کا مسلمان امراء کی ملازمت اور دوسرا اس وقت کے بڑے عالم حضرت بیدل رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور ان کی درویشی کا رنگ اس پر اس طرح چھایا کہ اس کی جھلک ہمیں اس کی تحریروں میں نظر آجاتی ہے۔دوسروں کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھتا تو بے چین ہوجاتا۔ڈاکٹر سید اظہر علی لکھتے ہیں کہ:

''اس کے محلّہ وکیل پورے کی ایک عورت نے ستی ہونے کی ٹھان لی۔ لوگ جوق در جوق دیکھنے کو گئے۔ امراء تک بھیس بدل کر بازاروں میں نکل پڑے۔مگر مخلص ہیں کہ ہوش وحواس غائب اور صبر واستقلال رخصت،شہر چھوڑ کر مہرولی کا رخ کیا اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر دم لیا۔اس واقعے کا کبھی اسے خیال آجاتا تھا تو اس کی نیند حرام ہوجاتی تھی۔'' (3)

اس کی شخصیت بہت دل پذیر تھی۔اسکا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔اپنے احباب کا تذکرہ اپنی کتاب میں بہت احترام سے کرتا۔اس کے احباب میں اس کے استاد خان آرزو،شرف الدین پیام،مرزا محمد قلی خان اور جان دیوانہ کا نام آتا ہے۔مخلص صوفیہ کا بہت احترام کرتا تھا۔خاص طور سے اس کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت شاہ مدار سے بہت عقیدت تھی۔وہ اکثر ان کے مزار اور عرس میں اپنے احباب کے ساتھ جایا کرتا تھا۔(4)

تصنیفی خدمات:

مخلص کی زندگی کا دوسرا پہلو اس کی تصنیفی خدمات ہیں۔ وہ اپنی مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف،الفاظ ومحاورات کی تحقیق اور شعروشاعری کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ادبی ذوق کا یہ حال تھا کہ اگر کسی نادر کتاب کا علم ہوجاتا تو اس کی نقل کرا کر اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔اس کے کتب خانے کو دیکھ کر اس کے ادبی ذوق کا پتہ چل جاتا ہے۔اس کتب خانے میں بعض کتابیں ایسی تھی جو خود مصنف کے قلم سے لکھے ہوئے نسخے تھے۔ان میں سے چند کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں جن کا ذکر

اس نے مرآۃ الاصطلاح میں کیا ہے۔

مآثر رحیمی، دیوان سالک قزوینی، ضرب الامثال قزوینی۔(5)

مخلص کی تحقیق اور تفتیش کا ہی نتیجہ تھا کہ اس نے بہت ساری کتابیں لکھیں۔ ان سب کے علاوہ مخلص کے سامنے جب بھی فارسی کے نئے الفاظ ومحاورات وارد ہوتے وہ ان کو جمع کر لیتا اور پھر ان کے معنی اور تشریح دریافت کرتا۔ اس سلسلے میں وہ ایرانیوں سے بھی مدد لیتا۔ ساتھ ہی وہ کتابوں کی ورق گردانی میں بھی مصروف رہتا تھا۔ اس کی ان تصنیفی خدمات کی وجہ سے ہمیں اٹھارہویں صدی کے قیمتی معلومات فراہم ہوتے ہیں۔ اس کی حسب ذیل تصانیف ہیں جن کا مختصر جائزہ بھی آگے لیا جائے گا۔

بدائع وقائع: فارسی زبان میں یہ کتاب ہندوستانی تاریخ پر مشتمل ایک مجموعہ ہے جس کو آنند رام مخلص نے تحریر کیا۔ اس کتاب میں 1141ھ سے 1161ھ کے حالات وواقعات کو تحریر کیا گیا ہے۔ تاریخ کے حوالے سے یہ کتاب اس لیے بہت اہم ہے کہ مخلص نے اس کتاب میں جن واقعات اور حالات کا تذکرہ کیا اس کو اس نے خود اپنے آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے جس کو خان بہادر محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج نے لاہور کے ایک کھتری خاندان سے خریدا تھا۔ ایک دوسرا نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے۔ علاوہ ازیں مخلص کا ایک دستخطی نسخہ کتب خانہ ہمایونی رامپور میں بھی موجود ہے۔(6)

بدائع وقائع کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے پہلے حصے میں نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے اور اس کے دہلی میں قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مخلص نے ترتیب وار ان شہروں کا ذکر کیا ہے جس کو نادر شاہ فتح کرتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے لاہور پر حملے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد وزیر آباد، ایمن آباد، گجرات اور دوسرے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ دلی میں نادر شاہ کے داخل ہونے اور محمد شاہ کے شکست کا حال بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دلی میں قتل وغارت گری اور مال غنیمت کو لوٹنے کا آنکھوں دیکھی حال بھی مخلص نے اس پہلے حصے میں بیان کیا ہے۔

اس کے دوسرے حصے میں محمد شاہ کا بنگڑھ کی طرف کوچ کرنے اور علی محمد خان روہیلہ کے خلاف مہم کا ذکر کیا گیا ہے۔ مخلص اس مہم میں محمد شاہ کے ہمراہ تھا۔ اس سفر کے دوران وہ مختلف حالات وواقعات اور مقامات کو دیکھ کر ان کو قلمبند کر لیتا تھا۔ اسی حصے کو سفر نامہ مخلص کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس سفر نامے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دو تصویریں تھیں۔ ایک محمد شاہ بادشاہ کے سواری کی اور دوسری خیمہ کی جو بیناتوری مصوری کی اعلیٰ نمونہ تھیں۔ محمد شاہ نے علی محمد خان روہیلہ کے خلاف بنگڑھ کا جو محاصرہ کیا تھا وہ اس سفر نامے کی جان ہے۔ اس سفر نامے کو تزک بابری اور تزک جہانگیری کے برابر درجہ دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سید اظہر علی لکھتے ہیں کہ:

> ''جب ہم سفر نامہ مخلص یا احوال سفر بن گڑھ کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ سوانح سفر تحریر کرنے میں مخلص نے بابر اور جہانگیر کی تقلید کی ہے۔ اس قسم کی مسلسل اور تاریخ وار تحریریں جو حقیقت میں روزنامچہ ہیں، فارسی اور اردو میں کم ملتے ہیں نیز ان میں جس تفصیل سے مخلص نے پھلوں اور پھولوں درختوں اور جانوروں کا حال ضبط کیا ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس اعتبار سے بھی وہ بابر اور جہانگیر کے برابر نہیں، پر قریب ضرور آ جاتا ہے۔''(7)

بدائع وقائع کے تیسرے حصے میں احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان پر حملے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تیسرے حصے میں جہاں ایک طرف احمد شاہ ابدالی کے متعلق قیمتی دستاویز مہیا کرائے ہیں وہیں دوسری طرف اس حصے میں اس نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں کا اور وہاں کی جغرافیائی حالت کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان مذکورہ تاریخی واقعات کے علاوہ مؤلف نے سوانح دربار اور اخبارات دربار معلیٰ کے عنوان سے بھی اعطائے منصب اور اسباب حرب وآلات جنگ اور دوسرے احوال وکوائف بیان کئے ہیں۔ بیانات کے ضمن میں مؤلف نے بعض مراسلات اور سرکاری مکتوبات کو بھی نقل کیا ہے جو تاریخ کے ایک طالب علم کے لئے دستاویزی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعہ سے جہاں

ایک طرف جغرافیائی معلومات حاصل ہوتی ہے وہیں دوسری طرف معاشی، معاشرتی اور جنگی نوعیت کی اطلاعات بھی فراہم ہوتے ہیں۔ان سے کسی بھی ملک اور اہل ملک کی تاریخ کو مرتب کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔(8)

مـرآۃ الاصطلاح: فارسی زبان میں مخلص کی یہ دوسری مشہور کتاب ہے۔بنیادی طور پر یہ کتاب الفاظ ومحاورات، سیاسی فقروں اور اصطلاحات پر مشتمل ایک لغت ہے جو اٹھارویں صدی کے ہندوستان کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، ادبی، معاشی، اقتصادی اور صنعتی معلومات سے بھری پڑی ہے۔

مرآۃ الاصطلاح وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ مخلص کی نظر سے جو بھی فارسی کے نئے اصطلاحات گزرتے ان کے معنی، تشریح اور امثال کے ساتھ ان کو تحریر کر کے رکھا جاتا تھا۔اس طرح اسکے پاس اصطلاحات کا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا تو اس نے فیصلہ کیا کہ علماء پرانے لغات کی تدوین اور ترتیب میں مصروف رہتے ہیں۔جدید اصطلاحات کی طرف ان کی توجہ نہیں لہذا ایک رسالہ جدید مصطلحات پر مشتمل کیوں نہ تحریر کیا جائے۔چنانچہ اس نے تقریبا تین سال سخت محنت کی اور اس کتاب کو مرتب کر لیا۔اس نے اس کتاب کے ہر باب کو حروف تہجی کے ترتیب پر لکھا ہے اور ہر باب کے آخر میں فارسی کے ضرب الامثال بھی تحریر کئے ہیں۔

مخلص نے اس کتاب میں اپنے معاصر شعراء وشخصیات کا ذکر کیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب نہ ہوتی تو مخلص کے بعض معاصر شعراء کے متعلق ایک حرف بھی لکھنا دشوار تھا۔اس نے جن شعرا ءوشخصیات کا ذکر کیا ہے ان میں مشہور سراج الدین علی خان آرزو، مرزا زکی، محمد یوسف نکہت، قزلباش خان اسد، زاہد علی خان، خان ہدایت اللہ خوشنویس، راجہ ہری سنگھ، ہاشم خان محزون، محمد علی حزین، میر شرف الدین پیام، عرفی، ظفر خان اور ارادت خان ہیں۔

اس کتاب میں مخلص نے مختلف شہروں، بازاروں اور وہاں کی صنعت کاری کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ہمیں اس دور کے شہروں اور وہاں کی صنعت وحرفت کے متعلق معلومات ملتی ہے۔مثال

کے طور پر شیشے کے آلات پٹنہ میں نہایت عمدہ بنتے تھے۔ پارچہ بافی احمد آباد میں بہت عمدہ تیار ہوتا تھا۔عطر گلاب پشاور میں بکثرت ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ شاہجہان آباد کے جمعہ بازار کی کیفیت، ہندوستان میں نمک کی کانیں، پھولوں کے مختلف اقسام جو اس وقت ہندوستان میں موجود تھے، کا ذکر بھی تفصیل سے ملتا ہے۔تخت طاؤس کا حال بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری اور دہ سالہ قزوینی کے علاوہ مرآۃ لاصطلاح اس تخت کے بارے میں تیسرا ماخذ ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ مغلیہ سلطنت اور اس کے دربار سے متعلق معلومات بھی ملتی ہیں۔مخلص نے اس کتاب میں مغلیہ سلطنت کے امراء کے احوال بھی درج کیے ہیں۔ اس کے علاوہ منصب کی تفصیل، القاب وخطابات کی تفصیل، عدالت ودستور کی تفصیل، سلطنت کے وکیلوں کی تفصیل، شاہی لباس وشاہی دربار کے احوال، مجلس شوریٰ کی تفصیل، مردوں وعورتوں کے کپڑوں کی تفصیل اور مختلف مذاہب کے رسم ورواج کی بھی تفصیل اس کتاب میں مخلص نے درج کی ہے۔

مرآۃ الاصطلاح کے ماخذ جن سے مخلص نے استفادہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

آئین اکبری، اکبرنامہ، مآثر رحیمی، امثال مرزا محمد قزوینی، تذکرہ نصر آبادی، فرہنگ جہانگیری، عالم آرای عباسی، بادشاہ نامہ طالب کلیم، خطوط وفرامین اور لاتعداد شعراء کے دواوین اور منظومات۔

مرآۃ الاصطلاح کے قلمی نسخے انڈیا آفس لائبریری، برٹش میوزیم، کتب خانہ خدابخش بانکی پور اور پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہے۔(9)

تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہے، اس کی خصوصیت کے حوالے سے سید عبداللہ لکھتے ہیں: ''یہ کتاب اس کمی کو کسی حد تک پورا کرتی ہے جو ہماری سیاسی تاریخوں میں موجود ہے۔ معاشرتی حالات کا ملنا اس قدر دشوار ہے کہ ان کے متعلق معمولی واقعات کا معلوم کر لینا بھی غنیمت ہے۔ انتظامات سلطنت، ہندوستانیوں کے رسوم اور دیگر مشاغل کا حال ہمیں دوسری تاریخوں سے بہت کم ملتا ہے، اور اسی کمی کو مرآۃ الاصطلاح کسی حد تک پورا کرتی ہے۔''(10)

گلدستہ اسرار: مخلص کی ایک اور قیمتی تالیف گلدستہ اسرار ہے۔ دراصل یہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس میں مخلص نے ان خطوط کو اکٹھا کیا جو نادر شاہ کی طرف سے کابل کے صوبہ دار کو بھیجا جاتا تھا۔ نادر شاہ ہندوستان میں موجودگی کے وقت کابل میں ہدایات اور احکامات کے لئے وہاں کے صوبیدار کو خطوط بھیجتا رہتا تھا۔ ان خطوط میں جن کا تعلق ہندوستانی معاملات سے ہوتا صوبیدار اس کو مخلص کے پاس بھیج دیتا تھا۔ مخلص ان خطوط کو وزیر اعظم کے پاس پیش کرتا پھر وزیر اعظم بادشاہ کے حضور پیش کر کے شاہی احکام اور ہدایات لے کر تعمیل کے لیے دوبارہ مخلص کے سپرد کر دیتا تھا۔ مخلص ان خطوط کی نقل کرتا۔ اصل نسخہ حفاظت کے لیے متعلقہ محکموں میں بھیج دیے جاتے اور نقل کردہ نسخوں کو وہ اپنے پاس رکھتا لیتا تھا۔ مخلص ان نقل کردہ نسخوں میں مختصر دیباچہ تحریر کرتا اور اس کو جمع کر لیتا تھا۔ اس طرح اسکے پاس ایک اچھا خاصا مجموعہ اکٹھا ہو گیا، اسی مجموعے کا نام اس نے گلدستہ اسرار رکھا۔ ان کے اصل نسخوں کے ساتھ ساتھ مخلص کے نقل کیے ہوئے نسخے بھی اب غائب ہو گئے ورنہ ہمیں ان کے ذریعہ نایاب معلومات فراہم ہو سکتے تھے۔(11)

رقعات مخلص: رقعات مخلص کو 1852ء میں دلی میں انشاء آنند رام مخلص کے نام سے طبع کیا گیا۔ دراصل یہ کتاب مخلص کے خطوط کا مجموعہ ہے جن کی تعداد 35 ہے۔ ان خطوط کے سلسلے میں ڈاکٹر سید اظہر علی لکھتے ہیں کہ:

> ''افادی اعتبار سے رکعات زیادہ تر ذاتی اور شخصی حیثیت کے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ رکعے، آٹھ، خان آرزو کے نام ہیں۔ اس کے بعد تعداد کے حساب سے وزیر اعظم قمر الدین اعتماد الدولہ کا نمبر ہے جن کے نام تین خط ہیں۔ پھر شرف الدین علی پیام اور سید لطف اللہ اور راجہ بخت مل کے نام دو دو خط ہیں۔ بعض نا معلوم الاسم امرای دولت کے نام بھی تین خط ہیں۔ ایک خط کسی فرضی حسین کے نام ہے۔ فقیر اللہ آفریں لاہوری، محمد یار، قزلباش خان امید، خان احمد حسین خان، خدا یار خان، صفدر محمد خان دیوان لاہور، عبدالعزیز خان، راجہ خوشحال چند، شیر افگن

خان، مرزا محمد جواد، اور ایک غیر معلوم شخص کے نام ایک خط ہے۔''(12)

ان رقعات کو جب مخلص نے ترتیب دیا اس وقت اس نے اس پر ایک دیباچہ بھی تحریر کیا۔ ان رقعات کے ذریعہ سے ہمیں اس دور کے شخصیات اور ان کے احوال کا پتہ چلتا ہے خاص طور سے اس نے جو خطوط خان آرزو کو لکھے تھے وہ تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں ان خطوط کے ذریعہ مراٹھوں کے دلّی پر بار بار حملے کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔

چمنستان: مخلص کی یہ تالیف حکایات اور اقوال کا مجموعہ ہے۔اس کا بیشتر حصہ مرآۃ الاصطلاح اور بدائع وقائع سے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بعض اقوال خود مخلص کے ہیں اور بعض دوسرے بزرگوں کے ہیں۔اقوال کے علاوہ کچھ تاریخی حکایات بھی بیان کئے گئے ہیں۔اس کتاب کا تاریخی نام نسخہ دلنشیں ہے۔ یہ 1746ء میں ترتیب دی گئی۔ چمنستان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے چار باب ہیں جن کو چمن کہا گیا، اور ہر چمن میں دو فصل ہے جن کو گلدستہ کہا گیا، اور ہر گلدستہ میں حکایات واقعات بیان کئے گئے ہیں۔آخری گلدستوں میں مخلص نے اپنے جد امجد اور والد کے نصائح بزرگانہ کو درج کیا ہے۔ چمنستان میں ارباب حرفت کی اصطلاحوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کا ماخذ مرآۃ الاصطلاح ہے۔ان کے علاوہ اس میں نادر درختوں اور پھولوں کے نام اور بعض جگہ ان کی خصوصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کئی لحاظ سے اہم ہے۔پہلی اہمیت اس کی تاریخی اہمیت ہے۔اس میں سلاطین شاہ عباس صفوی، اورنگزیب، امراء میں سعداللہ خاں، جمدۃ الملک اور امیر الامرا کی زندگی کے واقعات کا ذکر ہے۔اس کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے بعض مشاہدات وچشم دید واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تیسری اہمیت یہ ہے کہ مؤلف بعض واقعات کا ذکر کرتا ہے جس سے اس زمانے کے شاہجہان آباد کی معاشرتی جھلکیاں سامنے آتی ہے۔مثلاً چاندنی چوک میں قہوہ خانے تھے جہاں شعراء اور بذلہ سنج اکٹھا ہوتے اور شعری محفلیں جماتے۔حویلیوں میں باغ تھے جن میں نہر گزرتی تھی۔اولیا کے مزارات پر میلے لگتے تھے۔ چوتھی اہمیت یہ ہے کہ مخلص نے اپنی زندگی کے بعض نجی

گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے باپ، دادا، چچا اور اپنے بیٹوں کے نام بتائے ہیں۔(13)

کارنامہ عشق: افسانوی کہانیوں پر مشتمل مخلص کی کتاب شاہزادہ گوہر اور مملوکہ کے شہزادی کی محبت کی داستان ہے۔اس کتاب کے شروع میں مخلص لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ 1144ھ میں وہ محمد حنیف خان، سراج الدین علی خان آرزو، شرف الدین علی خان بیام، اور لالہ فتح سنگھ کے ہمراہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر عقیدت پیش کرنے کیلئے گیا۔ راستے میں حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے قریب ایک رات ایک دوست نے اس کے لیے اس کہانی کو سنایا تھا۔ اسکے بعد مخلص نے اس کہانی کو بہت شیریں اور خوبصورت انداز میں لکھ کر اس کا موضوع کارنامہ عشق رکھا۔ اگرچہ یہ داستان پوری طرح سے فرضی اور خیالی ہے لیکن اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہمیں اس دور کے ہندو مسلم تہذیب اور لوگوں کے افکار و نظریات کا پتہ چلتا ہے۔(14)

ہنگامہ عشق: حقیقت میں یہ کنور سندر سین کرناٹکی اور رانی چندر بھا کے محبت کی داستان ہے جس کو ہندی زبان میں ملک محمد جائسی نے لکھا تھا۔ مخلص اس کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ جب میں 1152 ہجری میں شاہجہان آباد میں اپنی زندگی گزار رہا تھا ان دنوں میں نے ایک مرتبہ اپنے دوستوں محمد قلی خان، راؤ کرپارام اور فتح سنگھ کے ساتھ شاہ مدار کے میلے میں گیا۔ وہاں ایک رات میں پوری طرح سے سو نہ سکا۔ میں نے اپنے خادم سے کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ وہ دکن کا باشندہ تھا۔ چنانچہ اس نے میرے لئے اس کہانی کو سنایا تھا۔ اس کہانی کو بعد میں میں نے فارسی زبان میں منتقل کر دیا اور اس کا نام ہنگامہ عشق رکھا۔ اس نسخے کے آخر میں مخلص نے ایک اور نوٹ بھی لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ 1155ھ میں اس کتاب پر نظر ثانی کی تھی اور مناسب ترمیم و اضافہ بھی کیا۔(15)

پری خانہ: یہ ایک مرقع کا دیباچہ ہے جس میں ایک اس دور کے مشہور خوش نویسوں کی

خطاطی کے نمونے ہیں۔ اس کے علاوہ عمدہ اور دلفریب تصاویر بھی ہیں۔ ابتداء میں صحافیوں کی تعریف وتوصیف میں کچھ کلمات لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہندوستان کے امراء وعمائد کی مدح وثناء ہے۔ اس کتاب میں صرف مصنف کا تخلص ہے۔ یہ 1144ھ میں لکھا گیا۔(16)

مخلص کا طرز تحریر: مخلص کی ان تصانیف کو پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا طرز تحریر بہت نرالا تھا۔ کسی واقعہ یا منظر کا صحیح نقشہ کھینچنے میں وہ کمال کر دکھاتا تھا۔ کلام میں متانت اور روانی تھی۔ اپنی کتابوں میں بلاتکلف اہل زبان کے محاورات کو استعمال کرتا تھا۔ اس کی تحریروں میں اکثر شعروشاعری مل جاتی ہے۔ نثر کے کچھ فقروں کے بعد شعر ضرور لکھتا تھا۔ وہ اپنی تحریروں میں جابجا ہندی الفاظ کا استعمال بھی کرتا تھا۔ اس کی تصانیف کو پڑھ کر بلاتردید کہا جاسکتا ہے کہ مخلص اپنے دور کے بڑے ادیبوں میں سے تھا اور تاریخ ادبیات فارسی میں غیر مسلم دانشوروں میں اس کا نام سرفہرست ہوگا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مخلص کی ان تصنیفی خدمات سے پتہ چلتا ہے کہ مطالعات اسلامی میں اگر غیر مسلم دانشوروں کی بات کی جائے تو آنند رام مخلص کا شمار اپنے دور کے بڑے مورخین، لغت نگار اور شعراء میں ہوگا۔ اپنی سیاسی مصروفیات کے باوجود اس نے بیش قیمت کتابیں لکھیں جو موجودہ دور میں معلومات کا گنجینہ ہیں۔ اس کی ان تصانیف نے اسلامی تاریخ وتہذیب کی حفاظت میں اہم کردار نبھایا۔

حوالہ جات:

1. Hadi,Nabi, Dictionary of Indo Persian Literature, Indra Gandhi National Centre for the Arts, New Delhi 1975, P:433

2۔ خان، آقا حسین قلی، نشتر عشق، مرتبہ، سید شاہ عطاء الرحمٰن کاکوی، دی آرٹ پریس، سلطان گنج پٹنہ، 1968ء، ص:125

3۔ علی، ڈاکٹر سید اظہر، سفرنامہ مخلص، تصحیح وتحشیہ، ہندوستان پریس رامپور،، 1946ء ص:13

4۔ ایضاً، ص:13

5۔ علی، ڈاکٹر سید اظہر، سفر نامہ مخلص، تصحیح و تحشیہ، ہندوستان پریس رامپور، 1946ء ص:23

6۔ ایضاً، ص:40

7۔ ایضاً، ص:59

8۔ احمد، ڈاکٹر ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، جلد سوم، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، 1977ء، ص:188

9۔ اعوان، زکریا بانو، مرآۃ الاصطلاح با مقدمہ، ترتیب و تصحیح و تحشیہ، پایان نامہ دکتری، دانشگاہ پنجاب لاہور، 1979ء، ص:33

10۔ عبداللہ، سید، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، 1967ء، ص:134

11۔ علی، ڈاکٹر سید اظہر، سفر نامہ مخلص، تصحیح و تحشیہ، ہندوستان پریس رامپور، 1946ء ص:40

12۔ ایضاً، ص:50

13۔ احمد، ڈاکٹر ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، جلد سوم، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، 1977ء، ص:166

14۔ عبداللہ، سید، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، 1967ء، ص117

15۔ ایضاً، ص:117

16۔ احمد، ڈاکٹر ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، جلد سوم، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور، 1977ء، ص:193

☆☆☆

مسلم تہذیب پر ہندوستانی اثرات تاراچند کے افکار کا مطالعہ

جناب محمد ثاقب
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

ڈاکٹر تاراچند- حیات مستعار کے چند گوشے:

ڈاکٹر تاراچند (17/جون 1888ء-14/اکتوبر 1973ء) کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تلاش بسیار کے بعد جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر تاراچند ہندوستانی ماہر آثار قدیمہ اور تاریخ داں ہونے کے ساتھ ہندوستان کی قدیم تاریخ وثقافت پر گہری نظر، اور مسلم تہذیب وتمدن اور ہند اسلامی تہذیب وثقافت میں خصوصی مہارت رکھنے والے شخص تھے۔ ڈاکٹر تارا چند 17/جون 1888ء کو سیالکوٹ، متحدہ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام منشی کرپا نارائن تھا۔ انھوں نے اپنی تعلیم روایتی طرز پر شروع کی اس کے بعد اسکی اور کالج تک گئے۔ بعدازاں انھیں دنیا کی مایہ ناز جامعہ، آکسفورڈ میں اعلیٰ تعلیم کا موقع ملا۔ یہاں سے انہوں نے گریجویشن کے ساتھ ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔(1) برطانیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے اور الہ آباد یونیورسٹی میں تدریسی فرائض میں مشغول ہو گئے۔ آلہ آباد میں ان کا تقرر پاٹھ شالہ کالج میں بطور پروفیسر ہوا۔ آلہ آباد یونیورسٹی سے اس کالج کا الحاق تھا۔ وہ 1913ء سے 1918ء تک اسی عہدہ پر کام کرتے رہے، بعدہ ترقی کرتے ہوئے پرنسپل کے عہدے پر متعین ہوئے اور اسی عہدے پر 1940ء تک رہے۔ اسی کے ساتھ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات

کے سربراہ کی حیثیت سے بھی کام کیا، وہ اس عہدے پر 1945ء سے 1947ء تک متعین تھے بعدازاں انہیں الہ آباد یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی مقرر کیا گیا تھا۔ آپ کو 1948ء میں کمیٹی برائے ثانوی تعلیم کی ذمہ داری بھی دی گئی۔ ان کی سربراہی میں ہی کمیٹی نے ثانوی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ثانوی تعلیم کے مقاصد، مدت تعلیم، درجات، قومی زبان اور انگریزی کے بارے میں کچھ اہم فیصلے لینے کے ساتھ ساتھ بعض انتظامی امور سے متعلق تجاویز بھی منظور کیں جو بہت ہی دوررس ثابت ہوئیں۔

1955ء میں انھیں ایران کا سفیر بھی مقرر کیا گیا بطور سفارت کار انھوں نے ہند ایرانی تعلقات کی مضبوطی کے لئے اہم خدمات انجام دیں۔ انھیں راجیہ سبھا کا ممبر بھی منتخب کیا گیا(2)۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی مایہ ناز کتابیں بھی لکھیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

1. Influence of Islam on Indian Culture, Read Book ISBN 9781406730401(1922)
2. Material and Ideological Factors in Indian History, University of Allahabad (1960)
3. History of the Freedom Movement in India, Publication Division, Ministry of Information andBroadcasting (1967)
4. Society and State in Mughal period, Book Traders (1979)
5. Education Technology, Anmol ISBN 8170413990 (1990)
6. Modern Child Psychology, Anmol ISBN 8170416531 (1997)
7. Education Psychology, Anmol ISBN 8170416523 (2002)
8. Principal of Teaching, ISBN 8170413958 (2003)

درج بالا کتابیں اپنے موضوع پر وقیع اور جامع ہیں اور علمی دنیا میں اعتبار کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن زیر نظر موضوع پر ان کی صرف ایک کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر - ایک جائزہ:

اس کتاب کو انھوں نے 1922ء میں تصنیف کیا تھا۔ اس وقت سے لیکر آج تک اس کتاب کو ہندو مسلم مصنفین و محققین بطور سند استعمال کرتے آئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ رحم علی الہاشمی نے کیا ہے۔ ڈاکٹر تاراچند کی کتاب کل تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ، پیش لفظ، اور دیباچہ اس پر مستزاد ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں درج ذیل ابواب قائم کئے ہیں۔

1۔ اسلام سے پہلے کا ہندو کلچر	2۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد
3۔ اسلام میں تصوف	4۔ جنوبی ہند کے ہندو مصلحین 1
5۔ جنوبی ہند کے ہندو مصلحین 2	6۔ شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد
7۔ رام نند اور کبیر	8۔ گرونانک
9۔ سولہویں صدی کے بزرگ	10۔ بعد کے بزرگ
11۔ بنگال اور مہاراشٹر کے مصلحین	12۔ ہندوستانی فن تعمیر
13۔ ہندوستانی مصوری و نقاشی	

آخر میں حواشی، کتابیات کے ساتھ تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار عمارتوں کی تصاویر کتاب کی اہمیت کو دو چند کرتی ہیں۔ زیر نظر کتاب کے باب اول میں ہندو کلچر پر مفصل بیان قابل تعریف ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرا تیسرا اور چھٹا باب اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت پر واضح روشنی ڈالتا ہے۔ درج بالا ابواب (اول، سوم، ششم) میں عرب و ہند تجارتی تعلقات، تصوف اور عربوں کی مذہبی سیاسی اور سماجی حالات کا قدرے تفصیلی مگر جامع انداز میں بیان موضوع کو منفرد کرتا ہے۔ مصنف نے عربوں اور اسلام کی عمومی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فقہی اسکولوں پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ خاص طور پر فقہ جعفری کے ماننے والوں پر عمیق تنقیدی نظر دوڑائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلام کی وفات کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ زندگی کی پیچیدگیوں

اور تاریخی تقاضوں کے اثر سے ان کے سادہ مذہب میں نئے نئے فرقے بننے لگے۔ابتدائی تفرقوں کی بنیاد سیاست تھی۔ خارجیہ،شیعہ،مرجیہ،اور قدریہ فرقے سب سے پہلے نمودار ہوئے۔شیعہ جو بہت جلد ایران میں پھیل گئے۔ان میں انوکھے اور بہت ہی دلچسپ فرقوں کی سب سے زیادہ بہتات ہوئی۔انتہا پسند شیعوں کے عقائد جو غلاۃ کہلاتے تھے،حیرت انگیز طور ہندوؤں کے اصول سے ملتے جلتے تھے۔مثلاً ان کا اعتقاد غلو اور تقصیر پر تھا۔غلو سے ان کا یہ مطلب تھا کہ انسان خدا کے درجے تک پہنچ سکتا ہے اور تقصیر سے یہ کہ خدا انسان کے درجے تک نیچے اتر سکتا ہے۔ان اصول کی بنیاد پر انھوں نے پیشوا کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ خدا انسانی شکل میں آسکتا ہے۔نیز مسئلہ تناسخ پر اور ایک تشبیہی خدا پر خدا کے ارادے میں تبدیلی پر اور امام کی دوبارہ واپسی پر ان کا ایمان تھا۔ان انتہا پسند فرقوں کے مختلف نام تھے۔جزمیہ اصفہان میں ،قدریہ رے میں ،مزدقیہ اور سند بادیہ آزربائیجان میں اور محمرہ،شبیضہ ماوراء النہر میں۔لیکن ان میں غیر معمولی طور پر دلچسپ فرقہ علی الہیہ تھا۔جو غالباً اسلام کے ابتدائی دور ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔اس کے ماننے والے ایران اور ہندوستان میں آباد ہوئے۔اور دبستان مذاہب کے مصنف نے ان کا ذکر کیا ہے۔علی الہیہ انتہا پسند شیعہ فرقہ تھا۔جو حضرت علی کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا۔اس کے ماننے والے مسجدوں میں نہیں جاتے تھے۔اور رسمی ناپاکی کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے۔کثرت ازدواج یا طلاق کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور شادیوں میں مردوں اور عورتوں کو ساتھ ساتھ نچاتے تھے۔وہ خدا کے پانچ ظہور کو مانتے تھے جنھوں نے تخلیق کائنات میں حصہ لیا''۔(3)

ڈاکٹر تاراچند نے شیعوں کے مختلف فرقوں کا ذکر تو کیا ہی ہے اسی کے ساتھ بالخصوص زیر نظر موضوع اور ابواب میں تصوف پر بھی تحقیق موجود ہے۔اس بحث میں انھوں نے نبی رحمت ﷺ کو صوفیہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت محمد ﷺ ایک صوفی تھے اور قرآن کی آیات میں تصوف کی

آواز صاف سنائی دیتیہے ۔مکی سورتیں خصوصاً اور مدنی سورتیں کہیں کہیں مذہبی عقیدت اور درویشانہ جذبات میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ان کی تعلیم میں بالکل سپردگی اور نفس کشی ہے۔خدا کو آسمانوں اور زمینوں کا نور کہا گیا ہے''۔(4)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

''مسلمانوں میں شروع ہی سے ایسے عقیدت مند تھے جو مسلسل قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے (مثلاً بکاوو?ن) جو روزے رکھتے تھے اور دعائیں کرتے تھے۔ باوجود اس کے حضرت محمد ﷺ نے اعتدال کی تاکید کی ہے''۔(5)

مسلم امہ میں تصوف کے رجحانات ابتدائی صدیوں میں دکھنے شروع ہو گئے تھے۔ان کا رابطہ اور تعلق جب عیسائیوں اور یہودیوں نیز دیگر مذہبی اقلیت سے ہوا تو اس رجحان میں تیزی دیکھنے کو ملی۔اس تیزی میں مہمیز اس وقت لگی جب نویں صدی عیسوی میں ترجمے کی تحریک کے تحت یونانی دانشوروں کی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ ہندوستان ابتداء سے ہی عربوں کا پڑوسی رہا ہے۔بحر ہند کے مغرب میں عرب ملک اور عرب قبائل کی آبادیاں ہمیں دور تک دکھائی دیتی ہیں، ان سے ہندوستانیوں کے سیاسی، سماجی، معاشی تعلقات قدیم زمانے سے رہے ہیں۔اس تعلق نے عربوں پر ہمہ گیر اثرات مرتب کئے تھے، مثلاً ماقبل اسلام عربوں کے سماجی و مذہبی معاملات میں ہندوستانی ثقافتی اثرات اور یکسانیت کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔اسی یکسانیت میں ویدانتی فلسفہ اور ہندی تصوف بھی شامل ہے، لہٰذا اسلامی تصوف میں ہندی اثرات کا ملنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر تارا چند اس موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف واقعی گہرے زہد و عبادت اور استغراق کا مذہب ہے۔محبت اس کا ولولہ، شعر، موسیقی اور رقص اس کی عبادت اور عالم محسوسات سے گزر کر خدا سے مل جانا اس کی منزل مقصود ہے''۔(6)

وہ اسلامی تصوف کو دو حصوں میں تقسیم کر کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی یہ کاوش بڑی اہمیت کی حامل دکھائی پڑتی ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ اسلام میں ابتدائی تصوف کے دو ادوار ہیں۔

پہلا دور ابتداء سے نویں صدی تک جس میں کوفہ اور بصرہ کو اہم مقام حاصل ہے۔دوسرا دور نویں صدی میں اس وقت شروع ہوا جب وحدت الوجود کا نظریہ آیا اور موحدانہ توکل وفقر پر شیعہ اور دیگر نظریات حاوی ہونے لگے۔اس دور میں ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کرنے والے حسین بن منصور الحلاج بھی تھے جو ہندوستان آئے۔ پھر قشیری اور ابن عربی تصوف میں سند بن گئے، اور آخر میں تصوف میں رقص وغنا بھی شامل ہو گیا۔(7)

ڈاکٹر تارا چند کی زیر نظر کتاب کے چوتھے سیکیار ہویں باب میں شمالی وجنوبی ہند کے ہندو مصلحین نیز بہار و بنگال کے دانشوروں اور مصلحین اور ان پر اسلام کے ہمہ گیر اثرات کا ایک سو ساٹھ صفحات میں مدلل بیان غور فکر کے نئے دروازے کھولتا ہے۔اس ضمن میں انھوں نے یہ تفصیل درج کی ہے:

> ''ہندوستان میں جو مسلمان آئے انہوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنالیا وہ چاروں طرف ہندوؤں سے گھرے ہوئے تھے۔جن سے مسلسل عناد کی حالت ممکن نہ تھی۔باہمی میل جول سے باہمی سمجھوتہ کی راہ نکلی۔
>
> بہت سے لوگ جنہوں نے اپنا مذہب بدلا تھا وہ ان لوگوں سے بہت کم مختلف تھے جنھیں انھوں نے چھوڑا تھا۔اس طرح فتح سے جو پہلا دھکا لگ چکا تھا اس کا اثر کم ہونے پر ہندو اور مسلمان ایک بیچ کی راہ نکالنے پر آمادہ ہو گئے۔جس سے وہ آپس میں پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں۔ایک نئی زندگی کی تلاش کی کوشش نے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا جو نہ تو خالص ہندو تھی نہ خالص مسلم۔یقیناً یہ ایک ہندو مسلم تہذیب تھی''۔(8)

ایک دوسری جگہ اسی فکر کو وہ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

> ''بنگال میں مسلمانوں کی آمد کے وقت بدھ ازم کی قلب ماہیت ہو رہی

تھی اور اس پرانے مذہب کی جگہ پورانگ ہندوازم پا گیا۔ جو مذھبوں، بدازم، شیو ازم اور تانترا کا ایک عجیب مرکب رہا ہے۔ پال اور سین راجاؤں کے زمانے میں جو ہندو مذہب کا احیاء ہوا، اور جو تشدد سے خالی نہ تھا۔ اس نے برہمنوں کے تفوق، ذات پات کے امتیاز اور بت پرستی کو مسلط کر دیا''۔(9)

انھوں نے زیر نظر کتاب میں مسلمان حکمرانوں کیبہ کہہ کر تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکمرانی میں رامائن اور مہابھارت کو سنسکرت سے بنگالی زبان میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ بنگال کے حکمراں ناصر شاہ نے کرایا تھا۔ بھاگوت کا ترجمہ حسین شاہ کی سرپرستی میں ہوا۔ مسلمان درباروں میں بنگالی زبان کی قدر و منزلت کے نتیجہ میں ہندو راجہ بھی اپنے دربار میں بنگالی شاعروں کو ملازمت پر رکھنے لگے تھے(10)۔ اور آخر کے دو ابواب میں ہندوستانی فن تعمیر، مصوری اور نقاشی کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے کہ'' شمال میں سترہویں صدی میں کئی شاندار عمارتیں راجپوتانہ اور بندیل کھنڈ کے ہندو راجاؤں نے اجمیر، دیپور، بوندی، دیتا اور چھپا میں تعمیر کیں۔ نیا طرز اب بظاہر عام ہو گیا تھا اور فن تعمیر کے لحاظ سے اب مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعمیر کی ہوئی عمارتوں میں امتیاز کرنا ناممکن ہو گیا تھا''۔(11)

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں 30/دسمبر 2011ء کو منعقد ایک سمینار بہ عنوان'' اسلامک آرٹ اینڈ کلچر'' کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے سابق نائب صدر جمہوریہ محمد حامد انصاری نے اس کتاب کے دیباچے کا ایک اقتباس پیش کیا تھا کہ:

> ''ہندوستان کا تمدن فطرتاً مرکب انداز کا ہے۔ اس میں مختلف جماعتوں کے تصورات شامل ہیں۔ اسکے دائرہ میں وہ تمام عقائد، رسم و رواج، مذہبی رسوم، ادارے، فنون، مذاہب اور فلسفے شامل ہیں جو مختلف مدارج ارتقاء کے سماجی طبقات سے متعلق ہیں۔ اس کے مجموعہ میں جو مختلف عناصر ہیں انہیں متحد کرنے کی اس نے ہمیشہ کوشش کی ہے۔ یہ کوشش ناکام ہوئیں تو ایک بے جان پرزوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں اور کامیاب ہوئیں تو ایک زندہ نظام ترقی پا گیا''۔(12)

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں قرون وسطی کی تاریخ کے ایک ایسے پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اور روابط کے تہذیبی وثقافتی طور پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

مسلم تہذیب پر ہندوستانی اثرات:

تیرہویں صدی عیسوی کے اختتام تک ہندوستان کے بیش تر حصوں پر ترک مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا۔ اس سے قبل وہ سندھ میں بطور حکمراں داخل ہو چکے تھے۔ پنجاب وسندھ میں غزنویوں کا قبضہ پہلے سے تھا۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمان ہندوستان کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ ہندوستان کے ساحلی خطوں میں ان کی آبادیاں مسلم حکمرانی سے قبل سے قائم تھیں۔ مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان میں فکری انقلاب کا ایک نیا دور شروع ہوا جس سے تہذیبی ارتقاء میں کافی مدد ملی۔

برصغیر ہند میں عمومی اور شمالی ہند میں بالخصوص مسلم حکمرانی سے سیاسی استحکام پیدا ہوا۔ اس استحکام سے ملک میں نہ صرف معاشی اور معاشرتی ترقی ہوئی بلکہ ایک نئی مشترکہ ثقافت بھی وجود میں آئی جس کی سرپرستی مسلم حکمراں کرتے رہے ہیں خاص کر مغل حکمرانوں نے اس ثقافت کو سرکاری سطح پر فروغ دیا جس میں ہولی، دیوالی، دسہرہ، بسنت، جنم اسٹمی جیسے تہواروں میں شرکت اور دلچسپی نے عوام الناس کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا۔ علاوہ ازیں مذہبی قربت اور احساس ہمسائیگی نے مسلمانوں کے مابین ذات پات کے نظام، پیشہ وارانہ تقسیم، شادی بیاہ کے رسوم ورواج، لباس خوراک اور تفریحی مشاغل کے مقامی اثرات قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اس طرح جو نئی اور مشترکہ ثقافت وجود میں آئی وہ نہ تو خالص مقامی تھی اور نہ ہی اسلامی۔ مورخین نے اس کو" گنگا جمنی" اصطلاح میں یاد کیا ہے۔ اس کو ڈاکٹر تاراچند نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

''تجارت کے ساتھ ساتھ یقیناً خیالات کا بھی مبادلہ ہوتا تھا۔ یہ عقل میں

آنے والی بات ہے کہ اگر مادی استعمال کی چیزیں جیسے فولاد اور تلوار اور ہندوستانی سونا اور جواہرات ،اور اگر صناعی کی چیزیں جیسے نوکیلی محراب ، پیاز نما گنبد ایران اور عراق پہونچ گئے تو ہندوستانی فلسفیانہ خیالات بھی ادھر گئے ہوں گے۔اموی خلافت کے ابتدائی عہد میں بہت سے ہندوستانی بصرہ کے محکمہ مال میں ملازم تھے۔کہا جاتا ہے کہ خلیفہ معاویہ نے شام میں خصوصاً انطاکیہ میں ہندوستانیوں کی نوآبادی قائم کی''۔(13)

اس بات کو انھوں نے تصوف کے حوالے سے بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

''تصوف ایک پیچیدہ چیز ہے۔اس کی مثال اس دریا کی سی ہے۔جس میں مختلف ملکوں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں آکر ملتی ہیں اور اسے ایک بڑا دریا بنا دیتی ہیں۔ اس کا اصل سرچشمہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی زندگی ہے، مسیحیت اور نو افلاطونیت کے دھارے اس میں آکر ملے اور اس کا حجم بڑھا۔ ہندویت اور بدھ ازم نے اس کو کئی نئے خیالات دئے''۔(14)

ڈاکٹر تاراچند نے اسلامی تصوف میں ہندوستانی مقامی اثرات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی تصوف میں ویدانتی فلسفہ اور ہندوستان کے مقامی اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے لکھا ہے کہ''ہشت گانہ راہ کا نظم وضبط، یوگ کا عمل اور مافوق الفطرت قوتوں سے شناسائی، فنا، طریقتیا سلوک، مراقبہ اور کرامت یا معجزہ کے ناموں سے اسلام میں داخل ہوئے''۔(15)

تصوف کے حوالے سے ان کی یہ وضاحت کہ اسلامی تصوف میں انسان اور خدا کے درمیان تعلق کی جو تعلیمات ملتی ہیں وہ ہندوؤں کی اصطلاح میں'' پرش کا بدھی کو روشن کرنا ہے'' اس طرح وہ تصوف میں بھی مقامی اثرات کو دکھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر تاراچند نے مسلم سماج پر ہندوستانی اثرات تلاش کرتے ہوئے اسلامی فن تعمیر کے حوالے سے بھی بحث کی ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ''اکبر کی روشن خیالانہ حکومت میں ہندو اور مسلم کلچر

کے میل جول کو بہت بڑی تحریک ملی۔ فتح پور سیکری کی عمارتوں سے وہی اسپرٹ ظاہر ہوتی ہے جس کا محرک دین الٰہی ہے۔ پنچ محل میں اللہ اور اپنیشد کے تصور کو پتھر میں سمو دیا گیا ہے''۔(16)

انھوں نے اسلامی فن تعمیر کے حوالے سے مغل عمارتوں کو بطور مثال پیش کیا ہے۔لیکن تاریخی ماخذ ہمیں اس حوالے سے عہد سلطنت تک لے جاتے ہیں۔اس ضمن میں التمش کے مقبرے کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ان چند مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں معاشرتی ارتقاء کا عمل ابتداء سے ہی رہا ہے۔

ڈاکٹر تارا چند نے مسلمانوں کے فقہی گروہوں اور ان افکار میں بھی ہندوستانی مقامی اثرات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے اپنی کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' میں فقہ جعفری کے ماننے والوں کے افکار کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''انتہا پسند شیعوں کے عقائد جو غلاۃ کہلاتے تھے حیرت انگیز طور پر ہندوؤں کے اصول سے ملتے جلتے تھے''۔(17)

خلاصہ بحث:

ڈاکٹر تارا چند کی کتاب ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی فتوحات کے نتیجے میں مقامی ثقافت پر جتنے اثرات مرتب ہوئے ہیں اس سے کہیں زیادہ اسلامی ثقافت نے ہمہ گیر اثرات اخذ کئے ہیں جنھیں یہاں کے مسلمان اسلامی ورثہ سمجھ کر حفاظت کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے ذریعہ مشترکہ ثقافت پروان چڑھانے کی کوشش عالمی پہچان رکھتی ہے اور اسے دنیا ہند اسلامی تمدن کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حوالہ جات:

1. https://en.m.wikipedia.org

2۔ ترجمان الحق، اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کا مطالعہ، بیسویں صدی کے چند ہندو اہل علم کے حوالے

سے، غیر مطبوعہ، صفحہ 293-292

3۔ ڈاکٹر تاراچند، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، آزاد کتاب گھر، کلاں محل، 1996، ص76 تا77

4۔ ایضا، ص90

5۔ ایضاً90 تا91

6۔ ایضاً، ص111

7۔ ایضاً، ص77 تا93

8۔ ایضاً، ص173

9۔ ایضاً، ص255

10۔ ایضاً، ص256

11۔ ایضا، ص297

12۔ ایضاً، ص15

13۔ ایضاً، ص92

14۔ ایضاً، ص90

15۔ ایضاً، ص93

16۔ ایضاً، ص292 تا293

17۔ ایضاً، ص77

☆☆☆

ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات تاراچند کے حوالے سے

جناب محمد احتشام الحسن
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

ہندوستانی تہذیب وتمدن کا سلسلۂ تاریخ بہت قدیم ہے۔ ہندوستان کی تاریخ جو بہت سی مختلف تہذیبوں کی آویزش اور باہمی اختلاط سے ایک نئی شکل اختیار کرنے کی ایک بہت ہی عمدہ مثال ہے۔ان طلبا اور علمائے تاریخ ومعاشرہ کی توجہ کی مستحق ہے جو انسانی ذہن کی ایک دوسرے پر اندازی اور تمدنی میل جول کے ان اثرات کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں جو قومی رسم ورواج، مذہب اور ادب میں نمایاں ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق ابتدائے تاریخ ہی سے ہندوستان متضاد تمدنوں کا آماجگاہ رہا ہے۔اس کے اتر پچھمی دروازوں سے لگاتار غول کے غول شرنارتھی اور فاتح فوجیں آتی رہی ہیں۔ان کے ساتھ دریائے نیل کے سیلاب کی طرح بہت کچھ تباہ کاری آئی لیکن اسی کے ساتھ بہت سی زرخیز مٹی بھی آئی جس نے اس قدیم سرزمین کو مالامال کیا اور اس سے بیش از بیش تازہ دم تمدن کی کونپلیں پھوٹتی رہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ان بیرونی محرکات نے بہت نمایاں حصہ لیا۔دراصل یہاں کی تمدنی وتہذیبی نشو ونما تین دھاروں کے باہم ملنے سے ہوئی اور ان کے دور میں ایک خاص انداز کا تمدن پیدا ہوا۔ ہندوستان میں ہمیشہ سماج کے دو ممتاز درجے رہے ہیں ایک اونچا اور دوسرا نیچا۔ پہلا گو تعداد میں کم رہا لیکن اس کے مذہب، سماجی تصورات اور ادارے بہت ہی ترقی یافتہ تھے اور دوسرا جس میں عوام الناس کا کثیر التعداد طبقہ شامل تھا، تمدنی اعتبار سے ادنی درجہ میں تھا۔ پہلے درجے میں امراء اور تعلیم یافتہ افراد ہیں اور دوسرے میں عوام الناس۔ یہ دونوں ایک

دوسرے پر اثر انداز ہوکر اس نقشے کے دو خط مہیا کرتے ہیں اور تیسرا خط ان بیرونی اثرات کی دین ہے جو ملک میں پر امن طریقہ سے، یا بزور قوت داخل ہوئے اور جنہوں نے اس نقشہ کی تکمیل میں حصہ لیا۔ ان تینوں کی ترکیب اور نئے تمدن کی نشو ونما قوم کی مخصوص ذہنیت کے اعتبار سے فطری بنیادوں پر ہوئی اور یہ عمل نسل در نسل جاری رہا۔ ہندوستانی تاریخ کے یہ دور متعین ہیں اور شمار کئے جاسکتے ہیں۔(1)

ان دو طبقوں کے تعامل نے مقامی تہذیب کا ڈھانچہ تیار کرنے میں مدد دی، تیسرا عنصر ان غیر ملکی اثرات سے عبارت ہے جنہوں نے امن پسندانہ یا تشدد آمیز ذرائع اختیار کر کے ملک کے اندر نفوذ کیا۔ ہمارے جدید تہذیبی ورثے کا خمیر انہی عناصر سے اٹھایا گیا ہے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج کے نتیجے میں مختلف تہذیبوں کا نمود اور ارتقا بالکل فطری انداز سے اس قوم کی مخصوص ذہنیت کے عین مطابق ہوا۔

ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر انداز میں رقم طراز ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ مجموعی طور پر تین ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہے، یعنی قدیم، وسطی اور جدید۔ پہلا دور ابتدائی زمانہ سے شروع ہوکر آٹھویں صدی عیسوی پر ختم ہوتا ہے، دوسرا دور ایک ہزار سال کا آٹھویں صدی کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور تیسرا دور انیسویں صدی سے شروع ہوا ہے اور اب تک جاری ہے۔ قدیم دور کی تقسیم پھر چار زمانوں میں کی جاسکتی ہے یعنی ویدوں کا زمانہ جو ساتویں صدی قبل مسیح میں ختم ہوتا ہے، بودھ کا زمانہ جو دوسری صدی قبل مسیح میں ختم ہوتا ہے، ابتدائی ہندو زمانہ جو تیسری عیسوی کے وسط میں ختم ہوتا ہے اور آخری ہندو زمانہ جو آٹھویں صدی عیسوی میں ختم ہوتا ہے۔(2)

ہندوستان اور اسلام کے تعلقات آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئے، اسلام کے ہندوستانی تہذیب پر اثرات سے قبل یہاں کے مذہبی حالات کی کیا صورت حال تھی، اسے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ ایک ایسا اصول متعین کیا جائے جس سے خیالات اور عبادات کے رجحانات آسانی سے ظاہر ہوسکیں۔ لیکن اس زمانہ کے فرقوں اور عقیدوں کی کثرت اور ان کے باہمی تعلقات اور اختلافات کی تفصیل نہایت ہی پیچیدہ اور الجھنوں میں ڈالنے والی ہے۔

مسلم تہذیب جن چیزوں سے عبارت ہے اور جو اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان میں

توحید خداوندی، اللہ کے سامنے جوابدہی کا تصور کے بعد تکریم انسانیت، انسانی مساوات اور مذہبی رواداری جیسے اجتماعی اقدار کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور انہی خصوصیات نے دیگر تہذیبوں کو متاثر کیا جب اسلامی تہذیب کا ان سے ربط ضبط بڑھا۔

پچھمی ممالک عرب، فلسطین اور مصر سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات بہت ہی قدیم زمانے سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے بحیرہ احمر کے سواحل پر بندرگاہیں قائم کیں۔ مشرق اور مغرب کی باہمی تجارت میں عربوں نے نمایاں حصہ لیا۔ عرب علاقوں میں تجارت کے کئی مراکز تھے۔ ہندوستان کے سمندروں میں مسلمانوں کا پہلا بیڑہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں 626ء میں آیا اور ہندوستان کے خشکی کے راستوں کی تحقیق دریافت کی گئی اور بہت سی معلومات حاصل کی گئیں جن سے بالآخر آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ میں رہنمائی ہوئی۔ اس دوران میں سمندر کے ذریعہ تجارت جاری رہی اور مسلمانوں نے جنوبی ہند کے ساحل پر و دیگر تین شہروں میں آبادیاں قائم کیں۔

ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر میں راولینڈسن کے حوالے سے لکھا ہے: مسلمان عرب پہلے پہل ساتویں صدی کے آخر میں مالابار کے ساحل پر آباد ہوئے اور فرانسس ڈے روایتی تذکروں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بات بہت مشہور ہے کہ ساتویں صدی میں ایران اور عرب تاجر ہندوستان کی مغربی ساحل کے مختلف بندرگاہوں پر بڑی تعداد میں آباد ہوئے اور انہوں نے ہندوستان کی عورتوں سے شادیاں کیں خاص طور پر مالابار میں یہ آبادیاں بڑی اور اہم تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت پہلے سے ہندوستانی بندرگاہوں پر تاجروں کی ہر طرح ہمت افزائی کی جاتی رہی ہے۔ انہوں نے بلازری کے حوالے سے لکھا کہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے کے کچھ قوی اسباب تھے۔ ان سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان ملکوں میں اس وقت مسلمان آباد تھے۔ سیلون کے راجہ نے کچھ لڑکیاں حجاج کو تحفہ میں بھیجیں۔ یہ لڑکیاں سیلون ہی میں پیدا ہوئی تھیں اور ان مسلمان تاجروں کی یتیم بیٹیاں تھیں جو وہاں فوت ہوئے تھے۔ بحری قزاقوں کے قبیلوں نے جہازوں پر حملہ کر کے ان لڑکیوں کو چھین لیا۔ حجاج نے داہر سے

ان کی رہائی کا مطالبہ کیا، داہر نے مطالبہ نہیں پورا کیا۔اس پر حجاج نے محمد بن قاسم کے ماتحت فوج روانہ کی۔ اس مہم کو اس بحری بیڑے سے بہت مدد ملی جس نے داہر پر حملہ کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔

ڈاکٹر تاراچند نے آگے لکھا کہ آٹھویں صدی میں عرب کے بحری بیڑوں نے بھڑوچ اور ساحل کی بندرگاہوں پر حملہ کیا۔ان کی تجارت اور آبادیاں برابر فروغ پاتی رہی ہیں۔ ہندوستان میں ان کی بستیوں کے آباد ہونے کی پہلی شہادت اسی صدی میں ملتی ہے۔اس کے بعد مسلمانوں کا اثر تیزی سے بڑھنے لگا۔مسلمانوں کو ساحل مالابار میں آباد ہوئے سو سال سے اوپر ہو چکے تھے۔تاجروں کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور آبادکاری اور خریداراضی اور اپنے مذہب پر علانیہ عمل کرنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں ان لوگوں نے آباد ہونے کے جلد ہی تبلیغ مذہب کی کوشش شروع کر دی ہوں گی۔اس لئے کہ اسلام بنیادی طور پر تبلیغ مذہب ہے اور ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہے۔ان میں بہتوں کی کافی عزت ووقعت تھی۔ وہ ہندوستان میں شام کی عیسائی آبادی کی طرح نہیں آئے جو اپنے ملک سے ستا کر نکالے گئے ہوں بلکہ ان میں ایک نئے مذہب کا جوش اور فتحمندی اور عظمت کا وقار تھا۔ نویں صدی کے ابھی زیادہ برس نہیں گزرے تھے کہ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر پھیل چکے تھے ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مخصوص عقائد اور طریق عبادت کی وجہ سے نیز جس جوش کے ساتھ وہ اس کا ادعا کرتے تھے اور جس طرح اس کی وکالت کرتے اس سے ہندو آبادی میں ایک ہلچل پیدا ہوتی تھی۔(3)

ڈاکٹر تاراچند اس حوالے سے آگے رقم طراز ہیں کہ عرب کے مسلمان سب سے پہلے ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں جنوبی ہند میں مالابار کے ساحل پر آباد ہوئے تو انہوں نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر قطعات اراضی حاصل کئے اور جابجا مسجدیں بنائیں ۔ ہر مسلمان دین کی تبلیغ کو اپنا فریضہ جانتا تھا، نہایت سادگی سے ہندوؤں کے سامنے اسلام کو سیدھے مگر اثر پذیر عقائد پیش کرتا تھا اور اپنے کردار واخلاق سے عوام الناس کو متاثر کرتا تھا۔تقریبا ایک صدی تک تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ مالابار کے راجاؤں، تاجروں اور عوام نے بھی باہر سے آنے والے مسلمانوں کے ساتھ رواداری کو ملحوظ رکھا اور ان مسلمانوں سے ان کو بے شمار تجارتی فوائد بھی حاصل ہوئے ،اور

مالابار میں مسلمانوں اور مقامی عوام کے باہمی ربط کے نتیجہ میں قبولیت اسلام کو فروغ حاصل ہوا یہاں تک کہ وہاں کے راجہ بھی مسلمان ہوگئے اور حج کی نیت سے مکہ معظّمہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔

ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ اسلام ایمان کے ایک سادے سے اصل متعین ومرتب عقائد اور رسوم اور سماجی نظام کے جمہوری نظریات کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس سے مقامی فضا پورے طور پر متاثر ہوئی اور نویں صدی کا ربع اول بھی نہیں گزرا تھا کہ مالابار کا آخری چیراون پیرومل راجہ جو کریکنور میں حکومت کرتا تھا نئے مذہب میں داخل ہوگیا۔ روایتی تذکروں کے مطابق اس کی تبدیلی مذہب ایک خواب کی بنا پر ہوئی جس میں اس نے چاند کے ٹکڑے ہوتے دیکھا اس وقت اس کی ملاقات مسلمانوں کی ایک جماعت سے ہوئی جو سیلون سے واپس آرہی تھی۔ ان کے لیڈر شیخ سقی الدین نے خواب کی تعبیر بتائی۔ راجہ کو مسلمان کیا اور اسے عبدالرحمٰن سامری کا نام دیا۔ راجہ مالابار سے عرب چلے گئے اور وہاں سے مالک بن دینار، اشرف بن مکیح، مالک بن حبیب اور ان کے خاندان کو مالابار بھیجا اور ایک خط دیا جس میں مسلمانوں کی پذیرائی کے متعلق ہدایات تھیں۔ مسلمانوں کا استقبال بڑی خندہ پیشانی سے کیا گیا اور انہیں مسجدیں بنانے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ مالابار کے ساحل پر گیارہ مقامات پر مسجدیں تعمیر ہوئیں اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔(4) حالانکہ ڈاکٹر تاراچند نے آگے لکھا ہے کہ راجہ چیرامن پیرومل کی تبدیلی مذہب کا قصہ محض افسانوی بیانات پر مبنی ہے اور جیسا کہ ایسے قصوں میں ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی تفصیلات شبہ سے خالی نہیں ہیں۔ جو نام اس میں آئے ہیں ان کی تاریخی حیثیت مشکوک ہے۔ چیرامن پیرومل محض ایک خطاب ہے۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق جنوبی ہندوستان میں اس وقت مذاہب کی کشمکش سے بڑا ہیجان تھا۔ اس لئے کہ جدید ہندو مذہب اپنی بالادستی کے لئے بدھسٹوں اور جینیوں کے مقابلہ کی پوری جدوجہد کررہا تھا، سیاسی اعتبار سے بھی یہ دور تغیرات اور انتشار کا شکار تھا۔ چیراون کی قوت گھٹ رہی تھی اور نئے نئے حکمراں خاندان قوت حاصل کررہے تھے۔ لوگ پریشان تھے۔ اسی صدی میں ہندو مت، جین مت اور بدھ مت آپس کی کھینچا تانی میں برسرپیکار تھے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی آمد اور

حسن اخلاق ومعاملہ کے سبب اسلام نے اس طور اپنی جگہ بنانی شروع کردی کہ مبلغین نے توحید الٰہی کے تصور کو پیش کیا۔ جس نے سماج میں ذات پات اور چھوت چھات کے تصور کی سختی سے نفی کی۔ چنانچہ عوام الناس جو کہ ہزار سال سے اسی ذات پات کے چکر میں باہم تقسیم ہوکر لاکھوں خداؤں کے پجاری بنے ہوئے تھے، اس نئے مذہب کی طرف کھنچے چلے آئے چونکہ سرکاری طور پر کسی نئے مذہب کو اختیار کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ لہذا لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور جنوبی ہند کے یہی وہ علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک وہ عظیم مذہبی تحریکیں نمودار ہوئیں جو شنکر اچاریہ، رامانج، بساوَ اور رامانند کے ناموں سے منسوب ہیں۔

شنکر اچاریہ قرون وسطی کے ہندوستان کے اہم ہندو فلسفی، ماہر الٰہیات، مصلح اور اپنشدوں کے جید مفسر گزرے ہیں۔ 788 میں جنوبی ہندوستان کی ریاست کیرلا کے علاقہ کالڈی کے ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں ہی دھرم، یوگ اور درشن کے ہندو فلسفہ میں یدِ طولیٰ حاصل کرلیا۔ ان کا 820 میں انتقال ہوا، شنکر اچاریہ نے ذات پات کے خود ساختہ بندھنوں کی عملاً مذمت کی، لایعنی مذہبی رسومات کو تیاگ دینے کی تعلیم دی، اپنے نظریہ عددیت اور وحدانیت کا پرچار پورے ہندوستان میں کیا اور روحانی علوم کی ترویج کے لئے بہت کاوشیں کیں۔ شنکر اچاریہ کا کہنا تھا کہ دنیا میں ایک ایشور کو چھوڑ کر باقی سب کچھ جھوٹ اور فریب ہے، عارضی اور فانی، سب مایا ہے۔

رامانج جنوبی ہند کے دوسرے ہندو مصلح تھے۔ 1017 میں موجود تامل ناڈو کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ شنکر اچاریہ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا مگر ان سے اختلاف رائے کی بنا پر الگ ہوگئے۔ وہ مایا کے نظریہ کے مخالف تھے اور خدا کو اچھی صفات کا حامل بتاتے تھے۔ روح اور مادہ کو مخلوق ٹھہراتے تھے۔ بھکتی کی فکری بنیاد اس نے فراہم کی۔ انہوں نے برہما سوترا، وید اور بھگوت کی تشریحات لکھی۔ رامانج کی وفات 1137 میں ہوئی۔

رامانج نے شنکر اچاریہ کے تصور توحید کو اس طرح مکمل کیا کہ شنکر اچاریا صفات الٰہی کے قائل نہیں تھے جب کہ رامانج نے صفات باری تعالی کا نظریہ بھی پیش کیا انہوں نے کہا کہ برہما اور ایشور

ایک ہی خدا کے نام ہیں، وہی روح اعظم ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے وہی فعال لمایرید اور قادر مطلق ہے، اس سے روح اور مادہ نکلے ہیں اور اپنی ہستی کے لئے اسی کے محتاج ہیں جب کہ روح، خدا کو صرف بھگتی سے حاصل کرسکتی ہے۔ گویا شنکر اچاریہ سے رامانج تک پہنچتے پہنچتے ہندو دھرم کے بھکتی مسلک کی شکل وصورت واضح طور پر اسلام کی تعلیمات سے متاثر نظر آنے لگی بلکہ اس میں تصوف کا عنصر بھی صاف نظر آنے لگا۔ ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ رامانج کی تعلیمات کا مقصد شنکر کی کامل توحید اور مایا واد کی تردید اور ویدانت فلسفہ کی حدود میں رہ کر بھکتی کے نظریہ کو مستحکم کرنا تھا اور ضمنی طور پر غیر ویدک پنچ راتر کے لئے ویدک لٹریچر میں شمولیت کی سند حاصل کرنا تھا۔(5)

رامانج نے اگرچہ اب تک اونچی ذاتوں کے قدیم حقوق قائم رکھے لیکن شودروں اور ذات سے باہر لوگوں کے لئے ایک راستہ نکالا۔ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ سال کے ایک مقررہ دن بعض مندروں میں ذات باہر لوگ جاسکیں اور شودروں کی ایک جماعت کو تعلیم بھی دی جاتی تھی۔(6)

بساؤ، گنگا دھرم یعنی گنگایت کا گرو مانا جاتا ہے، بساوا یا بساؤ (1106-1167)، ہندو مذہب کے مصلح، استاد، ماہر مذہب اور کلاچوری خاندان کی شاہی حکومت (67-1156) کا منتظم، جس کو بعض حلقوں میں گنگایت کا بانی کہا جاتا ہے۔ لیکن ان کو مذہبی مصلح کہنا زیادہ قرین حقیقت ہوگا۔ بساؤ کے مطابق خدا ایک ہے۔ وہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ توبہ اور پشیمانی کے سوا اور کوئی نذر ونیاز یا قربانی کا کفارہ نہیں ہوسکتی۔ حتی کہ گھوڑے وغیرہ کی قربانی کا کوئی فائدہ نہیں ذات پات کے امتیازات بالکل بے معنی ہیں۔ عمل کرو اور جزا کی توقع نہ رکھو یعنی بے لوث عمل کرو۔ سب روحیں خدا کی ذات میں جذب ہونے والی ہیں۔ گرو بساؤ کے پیروکاروں، گنگایت اور بعض دوسرے فرقوں میں بھی اسلامی تعلیمات کے نفوذ واثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ان میں پیری، مریدی اور بیعت کے طور طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس فرقہ میں رسوم ورواج نہیں ہیں اور ذات پات کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

رامانج کے جانشینوں میں سے پانچویں نمبر پر رامانند کا ظہور ہوا۔ رامانند، شمالی اور جنوبی ہند کی بھکتی تحریک کے درمیان پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رامانند میل کوٹ میں پیدا ہوئے جہاں رامانج

نے وشنو کا بت نصب کیا تھا۔ یہ آزاد فکر انسان تھے، انہوں نے تمام تیرتھوں کا سفر کیا، ملک بھر میں گھومے پھرے اور مزید وسیع النظر ہوتے گئے اور یہ بات یقینی ہے کہ بنارس میں ان کی ملاقات علماء سے ہوئی اور ان سے دینی مسائل پر گفتگو کی۔

رامانند پہلے مصلح ہے جنہوں نے اپنے عقائد واصول کی تبلیغ کے لئے ہندی زبان اختیار کی اور سنسکرت کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ ان کے وعظ ونصیحت کو عوام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس نے پیر ومرشد کے بعض عقائد سے انحراف بھی کیا مثلاً انہوں نے ذات پات کے تمام امتیازات موقوف کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے تمام ذاتوں کو اپنے فرقے میں شامل کیا بلکہ مرد وعورت اور ہندو مسلمان کا امتیاز بھی اٹھا دیا۔ گویا ہندوستان میں مسلمان تاجروں اور مبلغوں کے زیر اثر دوسو سال کے اندر اندر انتہائی ذی اثر ہندو فرقے اپنے ایسے عقائد کا اظہار کرنے لگے جو اسلام کے نظریات کے زیر اثر نظر آتے تھے۔ بھکتی تحریک کے معلمین کے ذکر میں ہر جگہ برہما، وشنو، کرشن، شیو، رام وغیرہ کی پوجا کا ذکر آتا ہے لیکن حقیقت میں ان ناموں سے ان کی مراد ذات باری کی صفات ہوتی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برہمنیت کے اقتدار اور برہمنوں کی فوقیت کو ختم کرنے والے شنکر اچاریہ، رامانج، بساؤ اور رامانند سبھی برہمن خاندانوں کے چشم وچراغ تھے۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق ان تحریکوں کے عناصر واضح طور پر دین اسلام کے اثرات کا پتہ دیتے ہیں۔ اسلام نے توحید کے عقیدے کو اس قدر وضاحت اور قوت کے ساتھ پیش کیا کہ ہندو رشیوں اور فلسفیوں کے لئے اس کا مقابلہ کرنا ناممکن رہا۔ چنانچہ انہوں نے کروڑوں دیوتاؤں کے مذہب میں ترمیم ضروری سمجھی اور پھر عام ہندوؤں سے کہا کہ توحید کوئی مسلمانوں کا اجارہ نہیں ہے۔ ہندوؤں کے قدیم دھرم میں بھی یہ عقیدہ موجود ہے اور ہندوؤں نے ہی اس کو بھلا رکھا ہے۔

جب ہندوستان میں سندھ کے راستہ سے محمد بن قاسم کی فاتحانہ آمد ہوئی تو اس سے بھی مسلم اور مقامی تہذیبوں کے امتزاج کی داغ بیل پڑی چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی ہم مذہب شریک حیات نہیں تھیں، اس لئے مقامی ہندو عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ کا آغاز ہوا اور تاریخ کا یہ کوئی منفرد

واقعہ نہیں بلکہ یہاں عربوں ، ایرانیوں اور افغانوں کا ہندوستانی عورتوں سے شادی کرنا دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے رواج سے مطابقت رکھتا تھا یہ شادیاں سماج کے ہر طبقے میں رائج تھیں ۔ ایک طرف ان ہندو خواتین کے ذریعہ ہندوانہ رسم ورواج ، رفتہ رفتہ مسلمانوں میں نفوذ کر گئے تو دوسری طرف اسلامی تعلیمات خود ان عورتوں کے کنبوں میں داخل ہوگئیں ۔ اسی طرح شمال مغرب سے جب محمود غزنوی (971-1030) کا مسلم لشکر 1025 میں ہندوستان میں داخل ہوا تو اس کے نتیجے میں آنے والے مسلمان ، مبلغین ، شعرا ، علما اور اولیا سارے شمالی ہند میں پھیل گئے اور خدائے واحد کی عبادت کا چرچا ہوا۔ مذہبی اعتبار سے ذات پات ، چھوت چھات اور رسوم ورواج کے بندھن کمزور ہوگئے حالانکہ محمود غزنوی نے اپنے بت شکن کے تاریخی تاثر کے باوجود اپنے دارالسلطنت میں اپنی ہندو رعایا کو اپنے الگ محلوں میں بت پوجنے کی اجازت دے رکھی تھی لہذا یہ کہنا تاریخی ثبوت کے معیار پر پورا اترتا ہے کہ ہندوستان کے پورے مسلم دورِ حکومت میں مذہبی اور سماجی رواداری کی روایت غالب رہی ۔ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا کہ یہ صحیح ہے کہ محمود غزنوی کے حملوں سے ہندوستان کے دروازے مسلمانوں کے لئے پورے طور پر کھل گئے لیکن اس سے پہلے ہی مغربی ہند میں مسلمانوں نے بااثر حیثیت حاصل کر لی تھی اور اس اثر سے انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے میں کام کیا۔(7)

محمود کے حملہ کے بعد بکثرت مسلمان اہل علم ہندوستان آئے ، یہ ممکن نہیں ہے کہ ان سب کی کوئی فہرست مرتب کی جاسکے بعض شخصیتوں کا ذکر یہاں کیا جاسکتا ہے جیسے کہ کشف المحجوب کے مصنف علی بن عثمان الہجویری ، شیخ اسماعیل نجاری ، فریدالدین عطار ، خواجہ معین الدین چشتی ، شیخ جلال الدین تبریزی شاگرد شہاب الدین سہروردی ، سید جلال الدین نجاری ، بابا فرید ، سید شاہ میر بن عبد القادر جیلانی ، قطب الدین بختیار کاکی ، بہاوالدین ذکریا ، جلال الدین سرخ پوش ، ہمایو کے پیر محمد غوث و دیگر مشہور صوفیائے کرام ہندوستان آتے رہے۔

شمالی ہند میں پندرہویں صدی عیسوی میں رامانند کے چیلوں میں بھگت کبیر کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ۔ ڈاکٹر تاراچند کہتے ہیں کہ کبیر کی طبیعت میں آغاز ہی سے تحقیق واستفسار کا

رجحان تھا۔ اس لئے بہت جلد کبیر ہندو دھرم اور اسلام کے مبادی سے واقف ہوگئے اور جس زمانے میں انہوں نے روحانی فیض کے حصول کے لئے کسی پیر یا گرو کی تلاش شروع کی تو وہ بہت سے مسلمان مشائخ اور ہندو سادھوؤں سے ملے لیکن کسی جگہ اس کی تسلی نہ ہوئی ۔ بالآخر وہ کہن سال رامانند کے پاس پہنچے جو نہایت روشن دماغ ہندو عالم تھے ۔ چنانچہ کبیر رامانند کے چیلے بن گئے ۔لیکن وہ زیادہ مدت رامانند کے پاس نہیں رہے بلکہ سفر و سیاحت میں ہی رہے اس دوران وہ اکثر مسلمان صوفیا کی صحبت میں رہے ۔کبیر خود پڑھے لکھے نہیں تھے ۔ان کا تمام تر علم صوفی بزرگوں کے ملفوظات پر مبنی تھا۔ وہ مختلف مقامات پر گھومنے پھرنے کے بعد بنارس میں مقیم ہوگئے اور اپنے خیالات وعقائد کا پرچار کرنے لگے تو ہندو برہمنوں اور مسلم علماء نے ان کو بالترتیب ہندو دھرم اور اسلام کے خلاف قرار دے کر کبیر کو ہدف ملامت بنایا لیکن سکندر لودھی متوفی (1517) نے کبیر کے خلوص کو دیکھ کر ان کی امداد و حفاظت کی جس کے بعد علما و براہمہ نے ان کو دِق نہ کیا۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو صرف معرفت الٰہی کا سبق دیتے تھے۔ وہ شمالی ہند کے بڑے معلم اور مصلح تسلیم کر لئے گئے ۔

شمالی ہند میں گرونانک بھی کبیر کی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانا چاہتے تھے ۔جس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ ان دونوں کو خدا کی توحید اور معرفت پر جمع کیا جائے ۔نانک نے ذات باری تعالی کی عظمت اور اسکی تمام صفات سے متعلق جو کچھ کہا ہے کوئی مسلمان اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا ۔ وہ ذات پات کے سخت دشمن تھے ۔ ان کے نزدیک اللہ کے تمام بندے یکساں ہیں ۔اوہام پسندی ، ضعیف الاعتقادی اور رسوم پرستی اس کے نزدیک بالکل لایعنی چیزیں ہیں ۔ وہ واضح طور پر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو وشنو، شیو، کرشن رام وغیرہ کے پردے میں ملفوف نہیں کرتے ۔ وہ اوتار اور حلول کے عقیدے کے منکر ہیں ۔ یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ گرونانک حضرت محمد ﷺ سے بے حد متاثر تھے انہوں نے اپنے اس رنگ میں پورے طور پر رنگین کرلیا تھا۔ وہ تمام اچھے عادات واطوار جو اسلام میں تھیں سکھ مت میں بھی پائی جاتی ہیں ۔

بیسویں صدی میں ، راجا رام موہن رائے (برہمو سماج تحریک کے بانی) کیشب چندرر

اسن اور سوامی دیانند سرسوتی (آریہ سماج تحریک کے بانی) بھی وحدانیت کے قائل بت پرستی کے مخالف، ذات پات کے امتیازات کو مٹانے والے اور ہندوؤں کو ہزار ہا سال کی تاریک خیالی سے نجات دلانے والے لوگ ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند نے ذکر کیا ہے کہ ہندو دھرم کی تجدید اسلام ہی کے اثرات کا ممنون احسان ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شنکر اچاریا سے لے کر سوامی دیانند تک تمام اکابر ہنود کی جدید تحریکات اسلام سے متاثر ہوئیں۔

سترہویں صدی کے وسط میں مسلم دانشوروں نے بعض اوقات ویدانت کو مبہم طور پر تصوف کے ہم پلہ بنا دیا۔ داراشکوہ کی انتخابیت پسندی کے پس پشت باضابطہ قادریہ سلسلہ کی روادارانہ اجازت شامل تھی جیسا کہ شیخ محبّ اللہ آلہ آبادی نے اس امر پر خاص زور دیا ہے کہ محمد ﷺ کی ذات گرامی مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے یکساں طور پر رحمت تھی۔ مسلم صوفیاء میں صلح کل کا تصور ہندوستانی تصوف پر سترہویں صدی کے آواخر اور اٹھارویں صدی میں بہت حاوی رہا ہے۔ داس گپتا کی نظر میں صلح کل کا یہ تصور مہایانہ بدھ مت سے مستعار لیا گیا تھا جب کہ ڈاکٹر تاراچند کے بقول صوفیوں کی بعض ریاضتیں مثلاً حبس دم بدھ مت کے ذریعہ یوگی پرانیم سے لی گئی ہے۔

مسلم صوفی ہر شہر قصبہ اور گاؤں میں اپنے باطنی مریدوں کا ایک حلقہ قائم کر لیتے تھے اور ان کے بیرونی حلقہ ادارت میں غیر مسلم اور خاص طور پر اچھوت ذات کے ہندو شامل ہوتے تھے جنہیں وہ اپنی روحانیت اور انسانیت سے اپنا حلقہ بہ گوش بنا لیتے تھے۔ یہ خارجی حلقہ آہستہ آہستہ غیر اختیار غیر ارادی طور پر اسلام میں جذب ہو جاتا تھا۔

اس دور میں ہندو دینیات یا ویدانت کی ترقی میں مسلم یا مسیحی اثرات کے امکانات کو غیر معمولی اہمیت دینا خطرناک ہوگا۔ بارتھ نے اگرچہ اس کا واضح انکار کیا ہے کہ عیسائیت اور اسلام میں سے کسی ایک سے بھی کسی اہم اور قابل ذکر اثر نے ہندو دینیات کو واقعی متاثر کیا ہو۔ کیوں کہ اس کی نظر میں وہ خود اپنے ذرائع کے حوالہ سے اپنی توجیہہ پیش کر سکتی ہے تاہم اس نے امکان کا ذکر کیا ہے کہ ہند میں اپنی موجودگی کی بنا پر مسلم اثرات نے ہندومت میں عظیم مذہبی اصلاحوں کی کونپلیں پھوٹنے اور

کھلنے میں کسی حد تک معاونت کی ہو کیوں کہ بالکل نئے نظریوں کے فقدان کے باوجود انہوں نے ہندو مت میں ایک نیا نظم، ایک نئی روح اور وہ تمام خصوصیات شامل کیں جو ایک مسلم قائد کی رہ نمائی میں تیزی سے ترقی کر گئیں اور کسی رسول یا امام کی قیادت سے ملتی جلتی قیادت قائم ہوئیں۔ تاراچند اور بارتھ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان تاریخی حالات کے تحت جو دکن میں ان صدیوں کے دوران پائے جاتے تھے۔ عیسائیوں کی بجائے مسلم اثرات کا پڑنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

مسلمانوں کے اعلیٰ اور ذہین روشن خیال طبقہ میں صوفیا اس معاملہ میں سرفہرست ہیں کہ انہوں نے ہندو عوام سے رابطہ کیا اور اس طرح بالواسطہ یوگا جیسے ہندو ویدانت کے انفرادی خصائص سے واقفیت حاصل کی۔ یوگیوں کے لئے حضرت فریدالدین گنج شکر کا مہمان خانہ جاذب توجہ تھا یہاں حضرت نظام الدین اولیا کی ملاقات بھی ایک یوگی سے ہوئی تھی اور انہیں اس یوگی کی جسم انسانی کی تقسیم بہت پسند آئی۔ تاراچند آگے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں ہمیں بلند مرتبہ شخصیتیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ وہ بے شمار لوگ بھی جو زیادہ مشہور نہیں ہوئے۔ ان سب نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور یہیں رہ کر اور بس کر جدوجہد کرتے رہے ان کے ذاتی روابط اور اثر سے اسلامی فلسفہ اور تصوف کے خیالات ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے تک پھیل گئے اور اسلام کے تہذیبی اور تمدنی اثرات بھی یہاں مرتب ہوئے جو کہ نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔(8)

ہندوستانی تمدن مزاجی اعتبار سے ایک مخلوط تمدن ہے جیسے کہ دیہاتوں اور قصبوں میں مسلمان عورتیں ہندو تہواروں میں اور ہندو عورتیں مسلم تقریبات میں شریک ہوتی تھیں۔ نسبت کی تقریب یا منگنی اور شادی کی دوسری تقریبات عورتوں ہی کے ذریعہ مسلمانوں میں رائج ہوئیں۔ ان میں دلہا دلہن کا خوشبودار بٹن لگانا، اور خوشی کے گیت شامل ہیں۔ حاملہ عورتوں کے سلسلہ میں بہت سے ٹوٹکے ہندوؤں سے ہی مستعار لئے گئے۔ مثلاً چاند گرہن کے موقع پر روزہ رکھنا یا نئے کپڑے پہننے یا مہندی لگانے کو اس خیال سے ممنوع کر دیا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ سالگرہ کی تقریب بھی ہندوؤں کی رسم ختم گانٹھ سے لی گئی ہے۔ اسی قسم کی ایک اور رسم یعنی اظہار غم کے لئے بیوہ عورتوں کا کانچ کی

چوڑیاں توڑنا یعنی ہندوؤں سے مستعار لی گئی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ کچھ مسلمان حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی تقریب نکاح کا جشن مناتے ہیں۔ وہ اسے کرشن اور رادھا کے بیاہ کی ہندو تقریب کے مثل سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں محرم کے موقع پر جو مظاہرے کئے جاتے ہیں وہ بھی ہندوؤں کی تقریبوں سے اخذ کردہ ہیں۔ ہندی اسلام میں تمام توہمات کی اصل ہندوی نہیں تھی۔ مثلاً درویشوں کے مزارات کی زیارت جو ہندوؤں کی مندر پوجا سے مماثل تھی۔ صوفیوں کی ترغیب کی مرہون تھی اور سولہویں صدی میں سلطنت مغلیہ کے ہندوستان کی طرح ترکی کی سلطنت میں بھی عام تھی۔

مندرجہ ذیل بالا حقائق کی روشنی میں ڈاکٹر تاراچند کا یہ کہنا درست نظر آتا ہے کہ ہندوستانی تہذیب وتمدن مزاجی اعتبار سے ایک مخلوط تمدن ہے جس کا خمیر مختلف قسم کے افکار ونظریات سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کے دائرے میں تمام معتقدات، رسوم، ادارے، فنون، مذاہب اور فلسفے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں سوسائٹی کے مختلف طبقات نے اپنے ارتقائی مدارج میں اپنانے کی کوشش کی، یہ تمدن ہمیشہ اس امر کے لئے کوشاں رہا کہ اس کی اجتماعی ہیئت جن رنگارنگ عناصر سے عبارت ہے۔ ان میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے ہندوستانی تہذیب ابتدا ہی سے امتزاجی خصوصیت کی حامل رہی ہے، شروع سے ہی یہ ملک مختلف تہذیبوں کی اماجگاہ رہا ہے۔ درحقیقت ہندوستان کا تمدنی ارتقا تین مختلف عناصر کے امتزاج کا رہین منت ہے، جنہوں نے اپنے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے ایک تہذیبی وحدت کو جنم دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان میں مسلم تہذیب اور مقامی تہذیبوں کے باہمی تعامل نے ایک دوسرے پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ اور اس طرح ایک امتزاجی تہذیب وجود میں آئی کہ مالابار میں ساتویں صدی میں مسلمانوں کی آمد ہوئی اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مساجد کی تعمیر ہوئیں جس سے اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر گہرا اثر پڑا۔ رامانج نے نچلی ذات کے لوگوں کے حق عبادت کو بھی تسلیم کیا اور کچھ مندران کے لئے کھول دیئے گئے۔ رامانند نے ذات پات اور چھوت چھات کے تمام امتیازات موقوف کر دیئے۔ کبیر اور گرونانک معرفت الٰہی پر زور دیتے ہیں اور

بے معنی رسوم کو قابل ترک قرار دیتے ہیں ۔گنگا یتوں میں پیری مریدی اور بیعت کے طور طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ذات پات کا کوئی تصور نہیں ہے۔مقامی تہذیب میں مسلمانوں کے زیر اثر طلاق کی اجازت، بیواؤں کا حترام، ان کے نکاح ثانی کا حق، مردوں کو دفن کرنے کی روایت کو فروغ ملا۔بھوت پریت، بدروحوں اور پریوں کا تصور اور دیگر ٹوٹکے مقامی تہذیب کے اثرات سے تعلق رکھتے ہیں ۔شطاری سلسلہ تصوف پر بھی ہندو تصوف کے اثرات نمایا تھے اور اس سلسلہ کے پیروکار یوگیوں کی طرح جنگلوں میں رہتے تھے اور سخت جسمانی اور روحانی ریاضتیں کرتے تھے۔راجپوتوں کی جرات مندانہ اجتماعی خودکشی جوہر پر بعض مسلمان بھی عامل تھے عقد بیوگان کی مخالفت، مزارات کی پوجا بھی ہندوؤں سے ورثہ میں ملی۔بہت سے مسلمانوں میں مقامی تہذیب کے زیر اثر بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہ دینے اور شادی بیاہ کی رسومات میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ سکھ مت پر اسلام کے واضح اور نمایاں اثرات ہیں۔یہ حقیقت واضح ہے کہ گرونانک صاحب محمد ﷺ کی تعلیم اور اسلام سے بے حد متاثر تھے ۔انہوں نے اپنے آپ کو پورے طور پر رنگین کرلیا تھا، مثلاً طریقہ نجات کا دارومدار اعمال پر ہے اور سکھ مت میں بھی رہبانیت کی نفی کی گئی ہے حلال رزق کی ترغیب اور بھیک مانگنے سے منع کیا گیا ہے، شراب اور بھانگ کی بھی ممانعت ہے۔

حوالہ جات:

1۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، از ڈاکٹر تاراچند، مترجم، چودھری رحم علی الہاشمی، آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی، 1966، صفحہ 15-16

2۔ ایضاً، صفحہ 16-17

3۔ ایضاً صفحہ، 58-59

4۔ ایضاً، صفحہ 59

5۔ایضاً، صفحہ 130

6۔ ایضاً، صفحہ 132

7۔ ایضا، صفحہ 71

8۔ ایضا، صفحہ 73

☆☆☆

باب پنجم

اسلامیات وافکار

علومِ اسلامی کے فروغ میں سکھوں کی خدمات

(ایک اجمالی جائزہ)

ڈاکٹر محمد حبیب

پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد

تاریخی طور پر سکھ مذہب بھکتی تحریک اور صوفی تحریک کی آمیزش سے وجود پذیر ہوا ہے۔ اس کی روحانی اور مابعد الطّبیعاتی توجیہات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں مختلف ہوسکتی ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ خود بھکتی تحریک برصغیر میں اسلام کے پھیلاؤ کی وجہ سے مزید متحرک ہوئی ہے۔اس لیے سکھ مذہب میں اسلامی عناصر کا ملنا یا سکھوں کا اسلام اور صوفی تحریک سے دلچسپی رکھنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے عروج کے آخری پڑاؤ میں سکھ مذہب جو اپنی ابتدا میں بھکتی تحریک اور صوفی تحریک کی طرح 'گورمت تحریک' تھا، 'خالصا پنتھ' بن جاتا ہے۔علاوہ ازیں سکھ گروؤں اور مفکرین نے کچھ استثناء کے ساتھ ہمیشہ اسلام اور مسلم سیاست وحکومت کو علاحدہ علاحدہ کرکے دیکھا ہے۔اس لیے اسلام اور صوفی ازم میں ان کی علمی دلچسپی شروع سے ہی بنی رہی ہے۔ پہلے گرو، گرونانک نے ہی اس طرزِ عمل کی بنیاد رکھی تھی۔انہوں نے اپنے کلام میں اسلامی شعائر کو بہت سراہا ہے جواب گروگرنتھ صاحب کا اہم حصہ ہیں۔ ہاں البتہ انھوں نے مسلمانوں کی روایتی اور رسمی تقلید پسندی پر تنقید بھی کی ہے۔انہوں نے بابا فرید اور دیگر صوفی سنتوں کے کلام کو سمیٹا جو ان کے پاس پوتھی صاحب کے روپ میں ہمیشہ رہتا تھا۔اب یہ سارا کلام گروگرنتھ صاحب کا حصہ ہے۔اور

اکثر گرودواروں میں صبح کے وقت بابا فرید کا کلام پڑھا جاتا ہے۔'جس میں فریدہ بےنمازیاں کتیاں' کہا گیا ہے۔مطلب یہ کہ کتّا بھی اپنے مالک کا کتنا وفادار ہے اور تو اس سے بھی گیا گزرا ہو گیا جو نماز کے لیے نہیں اٹھتا۔گرو گرنتھ صاحب نے نماز نہ پڑھنے کو اللہ کی نافرمانی کے علاوہ اس کی بہت بڑی ناشکری قرار دیا ہے۔

تہذیب وثقافت کی بات کریں تو گرو گرنتھ صاحب عربی، فارسی اور اردو کے الفاظ کا خزانہ معلوم ہوتا ہے۔سکھوں کے مذہبی رسوم اور پہناوے عہدِ متوسط کی ہندوستانی مسلم تہذیب کا آئینہ دار ہیں۔تاریخ میں اس طرح کے شواہد ملتے ہیں جب بعض گروؤں نے اپنے مسلم عقیدت مندوں کے لیے مسجدیں تعمیر کروائی۔مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی گورمت تحریک میں مسلمانوں کو مسلمان کی حیثیت سے ہی تسلیم کیا ہے۔اپنی تاریخ کے ہر پڑاؤ پر گورمت تحریک اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی نہ کسی روپ میں ہم آہنگ رہی ہے۔طوالت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف خاص خاص علمی باتوں کا ہی ذکر کیا جائے۔

واضح رہے کہ تقریباً سارے ہی گرو صاحبان فارسی زبان وادب اور صوفیانہ اسلامی روایات کو بہت پسند کرتے رہے ہیں۔گرو گوبند سنگھ نے جب گورمت تحریک کو خالصا پنتھ بنا دیا اور علاقے میں ایک سیاسی طاقت بن کر ابھر گئے تو انھوں نے باقاعدہ دربار سجانا شروع کر دیا تھا۔قوم کی روایات اور سکھ تاریخ کے مطابق ان کے دربار میں تقریباً 52 شعراء تھے جن میں کچھ مسلمان شعراء بھی شامل تھے۔اسی زمانے میں بھائی نندلال گویا ہوئے ہیں۔جو پہلے اورنگزیب کے دربار سے وابستہ رہے۔ان کی تعلیم وتربیت افغانستان میں ہوئی تھی۔ان کا شمار عربی اور فارسی کے نامور دانشوروں میں ہوتا تھا۔ایسا مانا جاتا ہے کہ قرآن شریف سے متعلق ان کی سمجھ اور تفسیری خیالات سے اورنگزیب بھی متاثر تھے۔بعد میں جب مغل حکومت زوال پذیر ہونے لگی تو یہ گرو گوبند سنگھ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ان کی لگ بھگ 11 کتابیں ہیں، جن میں گورمت تحریک کے علاوہ اسلام اور تصوف سے متعلق

خیالات کا اظہار ہوا ہے۔ان کے اشعار میں اسلام اور صوفیانہ خیالات کا برملہ ذکر ملتا ہے۔صوفی ادب کی مقبول کتابوں کا تو آج تک بھی بعض سکھ فرقوں اور مختلف ڈیروں میں درس دیا جاتا ہے۔مثلاً'' سعادتِ کیمیا،مثنوی مولانا روم،گلستان، بوستاں اور منطق الطیر میں ان کو بہت دلچسپی رہی ہے۔

سکھوں کے نرمل سمپر دائے کے سنتوں نے کیمیائے سعادت کا 'پارس بھاگ' کے نام سے پنجابی میں ترجمہ کیا ہے۔اس کا اصل میں سب سے پہلے سکھوں کے سیوا پنتھی سمپر دائے نے 1853ء میں ترجمہ کیا تھا جو 1954ء میں نرملوں نے دوبارہ ایڈٹ کر کے چھپوایا ہے۔اس کتاب کا آج بھی ان کے ڈیروں میں درس دیا جاتا ہے۔اس فرقے کے لوگوں نے اسلام اور تصوف سے متعلق اور ان مسلم شخصیات سے متعلق جو کسی نہ کسی طرح گورمت تحریک سے منسلک رہی ہیں بہت کام کیا ہے۔اس ضمن میں آج کل اس فرقے کے ایک دانشور 'بلونت سنگھ کوٹھا گرو' بہت مشہور ہے۔اسی فرقے کے امرتسر کے رہنے والے ایک دانشور بھائی گُر دِت سنگھ نے 1911ء میں پہلی بار قرآن شریف کے اردو نسخے سے پنجابی ترجمہ کیا۔جس سے آگے چل کہ کچھ اور دوسرے لوگوں کو بھی قرآن سمجھنے کی ترغیب پیدا ہوئی جن میں سے سردار محمد یوسف نے مشرف با اسلام ہو کہ 1934ء میں قرآن شریف کا پنجابی ترجمہ کیا۔اور پھر تقریباً 1982ء میں بالکل اسی طرح گیانی عباد اللہ نے مشرف با اسلام ہو کہ قرآن شریک کے اردو ترجمے سے پنجابی ترجمہ کیا۔گیانی عباد اللہ نے بعد میں بھی اور کئی کتابیں لکھی ہیں ۔جن میں توحید کے تصور کو قرآن شریف اور سری گرو گرنتھ صاحب میں تقابلی طور پر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

نرمل سمپر دائے کے بارے میں تفصیلات جناب بلونت سنگھ کوٹھا گرو نے اپنی کتاب 'نرمل سمپر دائے دا اتہاس' یعنی تاریخ نرمل سمپر دائے میں دی ہیں۔جس میں اسلام اور تصوف سے متعلق کتابوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔جن میں سے بعض ان کے نصاب تعلیم کا حصہ بھی رہی ہیں۔

سکھ مذہب کے ظاہری طور طریقوں کی سختی سے پابندی کرنے والے 'اکالی' یا 'امرت

دھاری' سکھ رہے ہیں، لیکن اس فرقے کے لوگوں کی بھی اسلامی تعلیمات میں گہری دلچسپی رہی ہے، مثال کے طور پر اکالی کورسنگ نے 1911ء میں کشمیر کے علاقے بارہ مولا میں چکرنام کے مقام پر ایک تحقیقی مرکز قائم کیا جس میں اسلامی تعلیمات اور کتابوں پر بھی غور وخوض ہوتا رہا ہے۔ 1970ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد اور ساتھی سردار جسبیر سنگھ سرنا نے ایک کتاب طبع کرائی جس کا عنوان تھا 'اکالی کورسنگ دی قرآن دی آیتاں'۔ اس کتاب میں قرآن شریف کی مختلف آیات کو سری گروگرنتھ صاحب کی پوڑیوں مراد گُربانی کے جملوں کی باہمی مماثلت کو دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سارے کام ہوئے ہیں۔ سردار جناب جیت سنگھ سیتل نے 'فارسی، پنجابی کوس' یعنی فارسی، پنجابی کا قاموس تیار کیا، جس میں اسلام اور تصوف سے متعلق اصطلاحات کا تذکرہ ملتا ہے۔ پروفیسر سردار گل ونت سنگھ کی کتاب 'اسلام اتے صوفی واد' پنجابی علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ یہ فارسی کے عالم تھے، انہوں نے مولانا رومی پر بھی کام کیا ہے اور 'صوفی واد' کے نام سے ایک اور کتاب بھی لکھی تھی اب ان کی کتابوں پر مشتمل ایک 'گرتنھ تھاولی' یعنی مجموعۂ کتاب چھپ چکا ہے۔ جس میں ان کی اسلام اور تصوف سے متعلق کتابوں کو شامل کیا گیا ہے۔ جناب تیجا سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے 'شبدارتھ سری گروگرنتھ صاحب' تیار کیا تھا، جس کے 1944ء سے لے کر اب تک تقریباً چالیس ایڈیشن آ چکے ہیں۔ اس میں اسلام اور تصوف سے متعلق عقائد وخیالات کی جابجا تفسیر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ جن سکھ دانشوروں نے اسلام اور تصوف سے متعلق مختلف موضوعات پر اپنی مختلف تصانیف تحریر کی ہیں ان میں پروفیسر پریتم سنگھ، پروفیسر گربچن سنگھ طالب، سردار کالا سنگھ بیدی، پروفیسر ہربنس سنگھ، پروفیسر گردیو سنگھ، بھائی لکشبیر سنگھ نابھوی، جناب پریتم سنگھ سینی، جناب ہرندر سنگھ محبوب، پروفیسر ہرپال سنگھ پنو، سردار نانک سنگھ نشتر حیدرآبادی، جناب ہرجندر سنگھ ڈھلّوں وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر پریتم سنگھ کی کتاب 'اصلی بابا فرید کی بھال' کافی مشہور ہے۔ پروفیسر گردیو سنگھ کی تصنیف 'پنجابی صوفی سلسلے' یہ ان کی دیگر تصنیفات کے علاوہ کافی مشہور کتاب ہے۔ بھائی لکشبیر سنگھ نابھوی

نے ایران کے صوفی شعراء کی صوفیانہ شاعری کو اپنی شاعری کی بنیاد بنایا ہے جس کو پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ نے طبع کیا ہے۔ پروفیسر ہربنس سنگھ نے انسا ئیکلوپیڈیا آف سکھیزم میں اسلام اور تصوف سے متعلق اندراجات شامل کیے ہیں۔

اس طرح کے کاموں کے علاوہ اسلام اور تصوف ان تمام کورسز میں شامل ہے جو یونیورسٹیز، کالجوں اور مختلف سکھ ڈیروں مراد تعلیمی اور مذہبی مراکز میں چل رہے ہیں۔ جن میں پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، گرو گرنتھ صاحب یونیورسٹی، سرہند، گرونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر اور پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ وغیرہ کا ذکر خصوصیت سے کیا جاسکتا ہے۔ پنجابی یونیورسٹی کے شعبہ مذہبیات نے جہاں پنجابی میں اسلام اور تصوف کے مختلف موضوعات پر کتابیں طبع کرائی ہیں وہیں انگلش میں بھی کچھ کتابیں تیار کرائی ہیں، مثلاً مذاہب عالم کا جو سریز تیار ہوا ہے اس میں ایک کتاب اسلام پر بھی ہے، جس کے ایڈیٹر سابق وائس چانسلر، کشمیر یونیورسٹی، مرحوم پروفیسر مشیر الحق صاحب تھے۔

سکھوں کی معروف ترین سنستھا شرومنی گردوارا پربندھک کمیٹی کے زیر نگرانی کالجز اور یونیورسٹیوں میں کچھ نہ کچھ اسلام اور تصوف سے متعلق ضرور پڑھایا جاتا ہے۔ کچھ اور دوسرے ادارے مثلاً چیف خالصہ دیوان، گرونانک فاؤنڈیشن، دہلی، بڑوصاحب وغیرہ کے زیر نگرانی چلنے والے تقریباً تمام تعلیمی اداروں میں اسلام اور تصوف کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے، جن کی تعداد اچھی خاصی ہے اور ان میں عموماً طالب علم سکھ ہی ہوتے ہیں۔

مختلف سکھ فرقوں میں نرملے، نہنگ، سیوا پنتھی، اداسی اور مہیما شاہیوں کے ڈیروں اور دیگر اداروں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور تصوف کے بنیادی عناصر کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نہنگ فرقہ جن کو گرو گوبند سنگھ کا سپاہی مانا جاتا ہے کے بعض ڈیروں میں اسلام کے بنیادی عقائد وعبادات پر درس دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ سورۃ الفاتحہ ان کے نصاب تعلیم کا حصہ ہے۔ جس طرح گورمت اور سکھ تحریک تاریخی طور پر بھائی مردانہ، بابا فرید، سائی میاں میر، نبی خاں، غنی خاں اور پیر بدھوں شاہ

تک مسلم سماج اور معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ رہی ہے، اسی طرح علمی اور اسلامی علوم کے فروغ کے سلسلے میں بابا گرونانک اور گرو گوبند سنگھ سے لے کر آج تک پیہم جاری وساری ہے۔

اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے نوجوان دانشوروں میں ڈاکٹر پرم جیت کور، پرنسپل گرمت کالج، آنند پر صاحب، پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، پرنسپل گورمنٹ کالج، جالندھر، سردار جگدیپ سنگھ وغیرہ کی اسلامی علوم سے متعلق کوششیں قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر پرم جیت کور کی حال ہی میں اسلام میں انسانی حقوق سے متعلق پنجابی زبان میں کتاب شائع ہوئی ہے۔ تلواڑا صاحب نے مستقل طور پر اسلام اور تصوف کو اپنی علمی کاوشوں کا میدان بنایا ہوا ہے۔ انکی کئی کتابیں اس سے متعلق چھپ چکی ہیں۔ سردار جگدیپ سنگھ نے تصوف کی کتاب 'منطق الطیر' کا 'پنچھیوں کی مجلس' کے عنوان سے پنجابی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

اس مختصر جائزہ سے ظاہر ہے کہ سکھ تحریک اپنی ابتدا سے ہی اسلامی علوم وفنون کے ساتھ وابستہ رہی ہے، اس کی یہ وابستگی مغل حکومت کے ساتھ اس کے سیاسی ٹکراؤ کے باوجود جاری رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سکھ مذہب اپنی فطرت کے اعتبار سے اسلام کی وحدانیت اور متصوفانہ روحانیت پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ اسلامی فقہ اور ظاہری رسوم سے عام طور پر بے اعتنائی برتتا ہے۔ سکھ نوجوان دانشور بھی اسلامی علوم وفنون سے اپنی وابستگی کو بنائے رکھنے کے لیے اسلام اور تصوف سے متعلق موضوعات میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ عمل پہلے ہی کی طرح مستقل جاری ہے۔

حوالہ جات:

یہ مقالہ راقم الحروف نے اپنی ذاتی معلومات اور تجربات کی بنیاد پر لکھا ہے تاہم مزید معلومات کے لیے راقم الحروف ڈاکٹر گرمیل سنگھ، ڈاکٹر جسوندر سنگھ، شعبۂ مذہبیات پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، ڈاکٹر پرم ویر سنگھ، شعبۂ سکھ انسائیکلوپیڈیا، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، ڈاکٹر پرم جیت کور، پرنسپل گرمت کالج، آنند پر صاحب کا بے حد ممنون ومشکور ہے۔

ڈاکٹر محمد حبیب، سکھ مذہب سے متعلق معتبر مسلم شخصیات، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، 2020

گرونانک اتے اسلام: گربچن سنگھ طالب، نانک پرکاش پتریکا (گرونانک وشیش انک)، گرو گرنگھ صاحب وبھاگ، پنجاب یونیورسٹی، پٹیالہ، 1969

اسلامی علوم سے متعلق سکھ دانشوروں کی کتابوں کی مختصر تفصیل:

1۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، صوفی مت: وچار دھارا، وکاس اتے سلسلے، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2012ء

2۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، اسلام اتے صوفی مت، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2012ء

3۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، پرمکھ پنجابی صوفی کوی: جیون اتے چنتن، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2013ء

4۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، صوفی مت اتے روحانیت، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2023ء

5۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، اسلام: سدھانت اتے سکھیا، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2014ء

6۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، صوفی مت سنکلپ کوش، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2016ء

7۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، پرسدھ پیغمبر اتے صوفی درویش، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2017ء

8۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، حضرت پیر جوت علی شاہ چشتی صابری، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2017ء

9۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، پنجابی صوفی ساہت دا آلوچناتمک اتہاس، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2019ء

10۔ پروفیسر گرچرن سنگھ تلواڑا، ویدانت اتے صوفی مت، کے جی گرافکس، امرتسر، 2023ء

11۔ پروفیسر پریتم سنگھ، سری گرو گرنتھ صاحب والے شیخ فریددی بھال، سنگھ بردرس، امرتسر، 2008ء

12۔ پروفیسر گلونت سنگھ، اسلام اتے صوفی واد، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 1986ء

13۔ ڈاکٹر سورندر سنگھ کوہلی، بابا فرید، جیون، سماتے رچنا، پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڑھ، 1988ء

14۔ ڈاکٹر وکرم سنگھ گھمڑ، کافیہ شاہ حسین،، وارث شاہ فاؤنڈیشن، امرتسر، 2000ء

15۔ ڈاکٹر بلدیو سنگھ بدّل، بلّے شاہ دا کلام، شری پرکاشن، دہلی، 2006ء

16۔ علی بن عثمان ہجویری، (مترجم ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی)، کشف المحجوب، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 1989ء

17۔ پروفیسر ہرپال سنگھ پنو، ایران اتے ایرانی، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 2008ء

18۔ بھائی لکشمی سنگھ نابوی (مترجم پروفیسر ہرپال سنگھ پنو اتے ڈاکٹر محمد حبیب) ایران کے فارسی شعراء کے کلام کی بھائی لکشمی سنگھ نابوی کے ذریعہ عکاسی، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 2009ء

19۔ پروفیسر ہرپال سنگھ پنو اتے ڈاکٹر محمد حبیب، بھائی نندلال گویا کا فارسی کلام کا پنجابی ترجمہ،، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 2009ء

20۔ پرنسپل گربچن سنگھ تالب، گرونانک اتے اسلام: نانک پرکاش پتریکا، گرونانک وشیش انک، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، 1969ء

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ بہت سی کتابوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، لیکن غیر ضروری طوالت کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

☆☆☆

اسلامیات میں ہندوستانی غیر مسلموں کی انگریزی تصنیفات

ڈاکٹر مفتی محمد اعظم ندوی
(استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

انگریزی زبان میں اسلامی موضوعات پر غیر مسلم ہندوستانی مصنفین کی مثبت اور منفی دونوں قسم کی کتابیں موجود ہیں، افسوس کہ اب منفی سوچ کی حامل کتابیں روایتی اور برقی بازار کتب میں زیادہ دستیاب نظر آتی ہیں، میں نے اپنے اس مختصر مقالہ میں درج ذیل موضوعات سے متعلق اہم کتابوں کا ایک تعارف کرانے کی کوشش کی ہے:

1۔ قرآنیات۔
2۔ سیرت رسول ﷺ۔
3۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ وتہذیب۔

1۔قرآنیات:

بنارس ہندو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی، اور اسی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ رہے مشہور قلم کار یو جی سی ریسرچ سائنٹسٹ ڈاکٹر وزیر حسن کی کتاب The Study of the Quran by Non-Muslim Indian Scholars آدم پبلیشرز اینڈ ڈسٹریبوٹرس، دہلی سے 2006ء میں شائع ہوئی، ڈاکٹر وزیر نے اپنی اس کتاب میں انگریزی میں قرآنیات پر چھ کتابوں کا ذکر کیا ہے:

1. Khuda-Quranic Philosphy by R.B. Harishchandra. (1)
2. Gita and the Quran by Pandit Sunder Lal.

3. Congruencies of fundamentals in the Qur'an and Bhagvat Gita by Mister Mukundan.
4. The Essence of Qur'an by Vinoba Bhave.
5. Selections from the Qur'an compiled by O.P. Ghai.
6. Christ in the Qur'an and Bible by Bandi Sreenivas Rao. (2)

1۔ پہلی کتاب جس کا عنوان ہے: 'خدا-قرآنی فلسفہ'، جناب آر۔ بی ہریش چندر کے قلم سے ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب قرآنی فلسفہ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہے، مصنف نے روح کی تخلیق، اللہ کی شان، حکمت، علم، اللہ کی وحدانیت، اور اس کی صفات وغیرہ پر بحث کی ہے۔

2۔ دوسری کتاب جو اس باب میں جگہ پاتی ہے وہ پنڈت سندر لال کی لکھی ہوئی 'گیتا اور قرآن' ہے، اس تصنیف میں مصنف نے گیتا کے ساتھ ساتھ قرآن کی ضروری تعلیمات کو بھی بیان کیا ہے، اس کے ساتھ ہی، مؤلف نے اپنے نظریہ و ترجیح کے مطابق یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ دونوں اپنی بنیادی تعلیمات میں ایک دوسرے سے کتنی مشابہت رکھتی ہیں۔

3۔ تیسری کتاب جو براہ راست قرآن سے متعلق ہے وہ ہے 'قرآن اور بھگوت گیتا میں بنیادی باتوں کی مطابقت'، یہ کتاب مسٹر مکندن نے لکھی ہے، یہ کتاب ان دونوں کتابوں میں موجود مشترک معلومات و تعلیمات سے بحث کرتی ہے۔

4۔ چوتھی کتاب ونا یک نرہاری بھاوے جی (و: 1982ء) کی ہے، جو ونوبا بھاوے سے مشہور ہیں، کتاب کا نام The Essence of Qur'an ہے، یعنی 'جوہر قرآن یا روح قرآن' ہے، ونوبا بھاوے جدید ہندوستان کے عظیم روحانی رہنماؤں اور سماجی مصلحین میں سے ایک تھے، جو گاندھی جی کے روحانی جانشیں Spiritual Successor مانے جاتے ہیں، جن کے کارناموں نے وزرائے اعظم سے لے کر غریبوں تک تمام ہندوستانیوں کے دلوں کو متأثر کیا، یہ ونوبا کی پسندیدہ قرآنی آیات کا انتخاب ہے، لیکن انتہائی فلسفیانہ اور عملی نوعیت کی ہے، اسے پورے قرآن کے خلاصہ کی شکل کی ایک کتاب قرار دیا جا سکتا ہے، آچاریہ ونوبا بھاوے نے پچیس سال قرآن کا مطالعہ کیا،

اور پھر یہ کتاب پیش کی، جس کا تازہ ایڈیشن 2019ء میں Sarva Seva Sangh Prakashan سے شائع ہوا ہے، جیسا کہ خود مؤلف نے اپنے پیش لفظ میں کہا ہے: ''اس کی تالیف کا مقصد انسانوں کے دلوں کو جوڑنا ہے''، یہ کتاب انسانیت کے روحانی علوم میں ایک قیمتی اضافہ ہے، ونوبا جی نے قرآن کے حقیقی پیغام کو اجاگر کرنے کے لیے منتخب آیات کو مناسب عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے، یہ کتاب دراصل ان کی مادری زبان مراٹھی میں تھی، بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ ہوا (3) جبکہ دنیا کی اور بھی مشہور زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔

5۔ پانچویں نمبر پر او پی گھائی کی مرتب کردہ کتاب 'قرآن سے انتخاب' ہے، یہ بھی انتہائی عملی نوعیت کی قرآنی آیات کا مجموعہ ہے، یہ کتاب قرآن کے فلسفہ اور تعلیمات کو ایک نظر میں اجاگر کرنے کی کوشش ہے۔

6۔ چھٹی کتاب کا عنوان ہے 'قرآن اور بائبل میں مسیح'، یہ کتاب بندی سری نواس راؤ نے لکھی ہے، یہ کام قرآن کے ذریعہ مسیحی عقیدے کی سچائی کو ثابت کرنے کی کوشش ہے، اس کے علاوہ مؤلف نے اس کی وجہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب بائبل خدا کی سابقہ وحی کے طور پر پہلے سے موجود تھی تو قرآن کیوں نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا؟

ان کے علاوہ اور بھی اہم کتابیں ہیں جن میں ہم ڈاکٹر این کے سنگھ کی Encyclopaedia of the Holy Qur'an کو بجا طور پر شامل کر سکتے ہیں، جو 5 جلدوں میں ہے، قرآن پاک کا یہ جامع انسائیکلوپیڈیا بین الاقوامی مرکز برائے مذہبی مطالعات سے شائع ہوا ہے، جس میں عصر حاضر کے تقاضوں کو نظر میں رکھتے ہوئے تقریباً 300 اہم موضوعات کو تلاش کیا گیا ہے، مرتب کا تعارف ہم سیرت کے ذیل میں کریں گے۔ (4)

2۔ سیرت رسول ﷺ:

غیر مسلم بھارتی قلم کاروں کے ذریعہ انگریزی زبان میں سیرت رسول کی تصنیف کا آغاز:

1۔1892ء میں امریکی مؤرخ اور سوانح نگار واشنگٹن اِروِنگ Washington Irving (و:1859ء) کی کتاب Life of Mahomet (حیات رسول) کے ترجمے سے ہوا، یہ ترجمہ سناتن دھرم پرچارک (امرتسر) نامی اخبار کے بانی لالہ رلیارام گولاٹی نے ''سوانح عمری محمدؐ'' کے نام سے کیا تھا، جو مطبع اروڑبنس، لاہور سے شائع ہوا تھا، ڈاکٹر انور محمود خالد رقم طراز ہیں: ''ہندی غیر مسلموں کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی حمایت میں خود کتب سیرت لکھنے یا دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ابتدا بھی انیسویں صدی کے آخر میں ہوئی، جس کی ایک مثال لالہ رلیارام گولاٹی کی ''سوانح عمری محمدؐ'' (1892ء) ہے'' (5)، اس کے بعد سید افتخار حسین شاہ کی کتاب 'ارمغان حق' کے حوالہ سے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''یہ کتاب واشنگٹن اِروِنگ Washington Irving کی کتاب Life of Mahomet کا اردو ترجمہ ہے''، اس کتاب کو میں انگریزی کتابوں کی فہرست میں شامل کررہا ہوں، چونکہ ترجمہ بھی تصنیف کی ایک قسم ہے، اور مترجم بھی آدھا مصنف ہوتا ہے۔

2۔ پروفیسر کے۔ایس راما کرشنا راؤ مراٹھی آرٹس کالج برائے خواتین میسور کے شعبۂ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں، انہوں نے The Prophet of Islam: Mohammad کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے، کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، اردو میں اس کا ترجمہ ''اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ'' کے عنوان سے نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، دہلی سے شائع ہوا، میرے سامنے اس کا 36 صفحات پر مشتمل وہ نسخہ ہے جو World Assembly of Muslim Youth وامی، سعودی عرب سے شائع ہوا ہے، مقدمہ پر 5/اپریل 1989ء کی تاریخ درج ہے، اس کتاب کے منصفانہ مطالعہ کا اندازہ اس کے درج ذیل عناوین سے ہوسکتا ہے:

1. The Prophet-AHistoric Personality (پیغمبر-ایک تاریخی شخصیت)
2. War for self-Defence (شخصی دفاع کے لیے جنگ)
3. PeasantandkingequalbeforeGod (خدا کے نزدیک کسان اور بادشاہ برابر)

4. Pilgrimage–Haj–Aliving testimony (حج-ایک زندہ گواہی)

5. Islam–Abeacon to a drifting world (اسلام بدلتی دنیا کے لیے ایک مینارۂ نور)

6. Islam–Emancipited women (اسلام نے خواتین کو آزادی دی)

7. Women has to right to own property (خواتین کو جائیداد کی مالک بننے کا حق حاصل ہے)

راما کرشنا راؤ لکھتے ہیں:

> "An honest man, as the saying goes, is the noblest work of God. Muhammed was more than honest. He was human to the marrow of his bones. Human sympathy, human love was the music of his soul. To serve man, to elevate man, to purify man, to educate man, in a word, to humanise man –this was the object of his mission, the be–all and end–all of his life. In thought, in word, in action he had the good of humanity as his sole inspiration, his sole guiding principle". (25)
>
> (ایک ایماندار آدمی، جیسا کہ کہا جاتا ہے، خدا کا سب سے عظیم کام ہے، محمد صرف ایماندار سے آگے کے انسان تھے، وہ اپنی ہڈیوں کے گودے تک انسان تھے، انسانی ہمدردی اور انسانی محبت ان کی روح کی موسیقی تھی، انسان کی خدمت کرنا، انسان کو بلند کرنا، انسان کا تزکیہ کرنا، انسان کو تعلیم دینا، ایک لفظ میں انسان کو انسان بنانا، یہ پوری زندگی ان کے مشن کا مقصد تھا، فکر و نظر اور قول و عمل میں انسانیت نوازی ان کا واحد الہام، اور ان کا واحد رہنما اصول تھا)۔

اس کتاب کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، مصنف نے اپنے کتابچہ میں جہاں ایک طرف غیر متعصب مغربی مصنفین اور مستشرقین کے حوالے دیئے ہیں، دوسری طرف معتدل ہندو دانش وروں کے اقوال سے بھی استشہاد کیا ہے، مثلاً سروجنی نائڈو، مہاتما گاندھی، بسنت کمار بوس اور

دیوان چند شرما وغیرہ، راما راؤ نے اللہ کے رسول ﷺ سے متعلق متعدد الزامات کی تردید کی ہے، مثلاً یہ الزام کہ محمد ﷺ نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ پھیلایا، وہ کہتے ہیں کہ ایسے الزامات کی حیثیت ادبی اعجوبہ کاری سے زیادہ کچھ نہیں، انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات میں جمہوریت اور مساوات کو خوب سراہا ہے، ان کے مطابق ان تعلیمات کے نتیجے میں بین الاقوامی اتحاد اور بھائی چارہ کے اصولوں کو آفاقی بنیادیں فراہم ہوئیں، عورت کو میراث میں حق دار قرار دیا گیا، بارہ صدیوں کے بعد انگلینڈ نے، جو جمہوریت کا مرکز کہلاتا ہے، عورت کے حقِ میراث کو 1881ء میں قانونی شکل دی، جب کہ سینکڑوں سال قبل پیغمبر اسلام نے عورتوں کو مردوں سے نصف حق میراث دلوایا تھا (6)، وہ مزید کہتے ہیں: ''محمد ﷺ اپنے معاصرین کی نگاہ میں کھرے اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے، چنانچہ یہودی بھی آپ ﷺ کی صداقت کے قائل تھے، آپ کے کردار میں آپ کے معاصرین کو دھوکہ دہی، فریب کاری، یا دنیاوی مفاد پرستی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی''۔ (7)

3۔ ڈاکٹر این، کے، سنگھ، انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز International Centre for Religious Studies دہلی کے ڈائرکٹر ہیں، جہاں سے 'گلوبل وژن' نامی سہ ماہی جرنل نکلتا ہے، جس کے وہ چیف ایڈیٹر بھی ہیں، ڈاکٹر این۔ کے سنگھ نے اسلامیات میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کی تھی، انہوں نے اسلامیات کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے، Prophet Mohammad and His Companions کے نام سے انہوں نے سیرت نبوی اور سیرت صحابہؓ کی ایک جامع کتاب تصنیف کی ہے، اس کتاب کا واحد مقصد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پچاس صحابہ کی زندگی اور مشن پر توجہ مرکوز کرنا ہے، جنہوں نے اسلام کی حفاظت اور تبلیغ میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا حصہ سیرت نبوی اور مشن سے متعلق ہے، دوسرا حصہ ان کے عقیدت مند ساتھیوں کی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے، اس کتاب میں سیرت نبوی پر درج ذیل عناوین کے تحت گفتگو کی گئی ہے: عہدِ جاہلیت کی مذہبی اور سماجی صورت حال، پیغمبر کی ولادت اور بچپن، حلف الفضول میں شرکت، مذہبی بیداری کا آغاز، نزولِ وحی، مقصدِ بعثت، سماجی بائیکاٹ،

واقعۂ معراج، ہجرتِ مدینہ، امت کی تشکیل، تعصب، عدم رواداری اور لادینیت کے خلاف محاذ آرائی، مصالحت کی کوششیں، آخری حج، وفات، اور امت کے لیے رہ نما خطوط۔

فاضل مصنف نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بڑے متوازن انداز میں گفتگو کی ہے، کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ پیغمبر کا نام ایک جدید عہد کی تعمیر کے لیے جانا جاتا ہے۔ مذہبی حلقوں کے درمیان اس غیر معمولی شخص کا کردار بالکل صاف و شفاف ہے، محمد ﷺ بہ حیثیت انسان وفات پا چکے ہیں، لیکن بہ حیثیت پیغمبر انہوں نے اپنے پیچھے قرآن و سنت کی شکل میں اثاثہ چھوڑا ہے۔ جو تعلیمات انہوں نے ہمارے واسطے چھوڑی ہیں اگر ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس دنیا میں ایک خوش گوار زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسلام اس دنیا کا ایک عملی مذہب ہے جو انسانیت کے دنیاوی مسائل سے دل چسپی لیتا ہے اور حل پیش کرتا ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے تمام اہل ایمان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ کا مذہب عوامی اور اجتماعی تھا، یہ کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہ تھا۔ چنانچہ اپنی اسی آفاقیت کے نتیجے میں تمام ایمان لانے والے ایک دوسرے کے عالمی طور پر بھائی تصور کیے گئے اور ان کے درمیان زبان، نسل یا طبقہ کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا اور برائی و بزرگی کی بنیاد خوفِ خدا اور تقوی قرار پائی''۔(8)

عام طور پر یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ہونے والی جنگوں میں زبردست کشت وخون ہوا، اور بے شمار انسانی جانیں ضائع ہوئیں، جناب این۔ کے سنگھ پر زور الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دس سالہ زندگی کی ان تمام جنگوں میں صرف ڈھائی سو(250) غیر

مسلموں کا قتل ہوا، جب کہ مسلمان اس سے بھی کم کام آئے، ان چند اموات کے طفیل پورے خطۂ عرب سے، جو لاکھوں مربع میل پر محیط ہے، انارکی اور بدکرداریوں کا خاتمہ ہو گیا، دس سال کی ان کوششوں کے نتیجے میں پورا جزیرۂ عرب اور عراق و فلسطین کے جنوبی حصے نے بہ خوشی اسلام قبول کر لیا''۔(9)

تعداد کی قلت بیان کرنے میں گو کہ کچھ مبالغہ ہو گیا ہے، لیکن حقیقت بیانی قابل صد ستائش ہے، قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب وغیرہ جیسے محققین کی تحریریں اس سلسلہ میں راہ نما ہیں۔

3۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب:

1۔ ٹی این مدن Triloki Nath Madan (پ:1933ء) پروفیسر امیرٹس، سماجیات، انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک گروتھ، دہلی یونیورسٹی، ایک ہندوستانی ماہر بشریات anthropologist ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ان کی مرتب کردہ کتاب Muslim communities of South Asia: Culture, society and power زیادہ معروف ہوئی، کتاب کے تعارف میں بتایا گیا ہے:

''It then increasingly began to be felt that India's vast non-Hindu population, in particular its very sizeable Muslim community, needed to be studied of its own terms. This book is a reflection of this changing focus of research in the field.'' (10)

(یہ تیزی سے محسوس ہونے لگا کہ ہندوستان کی وسیع غیر ہندو آبادی، خاص طور پر اس کی بہت بڑی مسلم کمیونٹی، کا اس کی اپنی شرائط پر مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب میدان تحقیق کے اس بدلتے ہوئے رجحان کی عکاس ہے)۔

2۔ ''ٹرین ٹو پاکستان'' کے مصنف مشہور نقاد اور مزاح نگار خشونت سنگھ (و:2014ء) بھی

اسلامیات پر اچھی نظر رکھتے تھے، ان کی متعدد تحریریں اس کی گواہ ہیں، اقبال کی مشہور زمانہ نظم شکوہ جواب شکوہ کا انگریزی ترجمہ SHIKWA & JAWAB-I-SHIKWA: Iqbal's Dialogue With Allah لکھ کر ساری دنیا سے داد وتحسین حاصل کی، اور یہ ان کی اسلامی تاریخ وتہذیب سے واقفیت کی بڑی دلیل ہے، اس لیے کہ علامہ محمد اقبال کی شاعری اور خصوصاً یہ نظمیں اسلامی تاریخ وتہذیب کی کامیاب ترجمانی کے طور پر دیکھی اور سمجھی جاتی ہیں۔

3۔اڑیسہ کے گورنر، مشہور رکن کانگریس، ''ہندو مندر اور اورنگزیب عالمگیر کے فرامین'' نامی کتابچہ کے مصنف ڈاکٹر بی۔این پانڈے (و:1998ء) کی کتاب Islam & Indian Culture بھی اس حوالہ سے ایک اہم کتاب شمار کی جاسکتی ہے، جو خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے پہلی بار 1987ء میں شائع ہوئی، یہ دراصل خدا بخش کے سالانہ توسیعی خطبات تھے، جو کتابی شکل میں شائع ہوئے، اس میں درج ذیل 3/خطبات ہیں:

1. Confluence of Islam and Hinduism. اسلام اور ہندومت کا سنگم
2. Distortion of Medieval Indian History. قرون وسطی کی ہندوستانی تاریخ کی تحریف
3. The Legacy of Islam: A Panorama of Composite Culture. اسلام کی میراث: جامع ثقافت کا ایک منظر

4۔لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی مشہور مصنفہ رومیلا تھاپر (پ:1931ء) Romila Thapar سابق ریڈر دہلی یونیورسٹی، چیئر پرسن قدیم تاریخ ہند، وپروفیسر امیرٹس جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نے Somanatha The Many Voices of a History لکھی، اور سومناتھ پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کامیاب کوشش کی، جو Penguin Books سے 2004ء میں شائع ہوئی، اس پر کافی اعتراضات بھی ہوئے، ڈاکٹر ساجد علی لکھتے ہیں:

''رومیلا تھاپر نے محمود غزنوی سے منسوب کسی کارنامے سے انکار نہیں

کیا، ان کی کتاب کا موضوع کچھ اور ہے، کیا سومناتھ پر حملہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مستقل نفرت کا بیج بو دیا اور اس کے بعد دونوں قوموں میں ایک دائمی عداوت کی بنیاد پڑ گئی؟ ان کی ساری تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ محمود کے ہندوستان پر حملے، مندروں میں لوٹ مار، بالخصوص سومناتھ پر حملہ تاریخی تناظر میں اتنے اہم واقعات نہیں کیونکہ یہ اس زمانے کا معمول تھا، خود ہندو راجے مہاراجے بھی مندروں پر حملے کرتے رہتے تھے، البتہ محمود کے ان حملوں کے بیان کرنے میں مورخین نے بہت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، ان کے بیانات میں بہت سے تناقضات ہیں''۔(11)

5۔ اخیر میں اس سلسلہ کی ایک اہم کتاب کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اپنی اہمیت اور زمانۂ تصنیف میں یقیناً مقدم ہے، اور وہ کتاب ہے: Influence of Islam on Indian culture، یہ کتاب مشہور ہندوستانی مؤرخ اور ماہر آثار قدیمہ تاراچند (و:1973ء) کی ہے، جس میں انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اور روابط کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان پر اسلام کے احسانات اور اثرات سے بحث کی ہے، اس کتاب کا اردو ترجمہ ''اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر'' کے نام سے چودھری رحم علی الہاشمی کے قلم سے ہے، جو آزاد کتاب گھر، دہلی سے شائع ہوا ہے، اس کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس کے بعد مسلمانوں کا اثر تیزی سے بڑھنے لگا، مسلمانوں کو ساحل ملیبار میں آباد ہوئے سو سال سے اوپر ہو چکے تھے، تاجروں کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا جاتا تھا، اور آبادکاری اور خرید اراضی اور اپنے مذہب پر علانیہ عمل کرنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں، ان لوگوں نے آباد ہونے کے جلد ہی بعد تبلیغ مذہب کی کوششیں شروع کر دی ہوں گی؛ اس لیے کہ اسلام بنیادی طور پر تبلیغی مذہب ہے، اور ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہے، ان میں بہتوں کی کافی عزت ووقعت تھی، وہ ہندوستان میں شام کی عیسائی آبادی کی طرح نہیں آئے تھے، جو اپنے ملک سے ستا

کر نکالے گئے ہوں، بلکہ ان میں ایک نئے مذہب کا جوش اور فتحمندی اور عظمت کا وقار تھا، نویں صدی کے ابھی زیادہ برس نہیں گزرے تھے کہ وہ ہندوستان کے سارے مغربی ساحل پر پھیل چکے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے مخصوص عقائد، اور رطریق عبادت کی وجہ سے، نیز جس جوش کے ساتھ وہ اس کا ادعا کرتے تھے اور جس طرح اس کی وکالت کرتے تھے، اس سے ہندو آبادی میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی تھی''۔(12)

آگے اس دور کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قدرۃ لوگوں کے دماغ پریشان تھے، اور نئے خیالات قبول کرنے پر خواہ وہ کہیں سے بھی آئے ہوں، آمادہ تھے، اسلام ایمان کے ایک سادے سے اصول، معین ومرتب عقائد ورسوم، اور سماجی نظام کے جمہوری نظریات کے ساتھ نظر آیا، اس سے مقامی فضا پورے طور پر متاثر ہوئی، اور نویں صدی کا ربع اول بھی نہیں گزرا تھا کہ ملیبار کا چیرامن پیرومال راجہ جو کریگنور میں حکومت کرتا تھا، نئے مذہب میں داخل ہوگیا''۔(13)

اور بھی متعدد اہم کتابیں اور مصنفین ہیں جن کا تذکرہ اس سیاق میں جگہ پاسکتا تھا، لیکن اختصار کے پیش نظر ان کتابوں کے تعارف پر اس احساس کے ساتھ اکتفا کیا جاتا ہے کہ:

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

حوالہ جات:

1. Parichay Overseas, 1979.
2. The Study of the Quran by Non-Muslim Indian Scholars, P317-18
3. https://www.newageislam.com/books-documents/sant-vinoba-bhave/the-essence-quran-sant-vinoba-b-%E2%80%93-part-1/d/8238.
4. https://www.amazon.in/Encyclopaedia-Holy-Quran-Vols-set/dp/B01HMH68FE

5۔ اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ڈاکٹر انور محمود خالد، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول، ص۔

6۔ ص11۔

7۔ ص 19-18۔، دیکھئے مضمون: پیغمبرِ اسلام ﷺ ہندوستان کے غیر مسلم دانش وروں کی نظر میں، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، حیدرآباد، اپریل۔دسمبر 2016ء، ص73۔

8۔ ص10۔

9۔ ص17، دیکھئے مضمون: پیغمبرِ اسلام ﷺ ہندوستان کے غیر مسلم دانش وروں کی نظر میں، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، حیدرآباد، اپریل۔دسمبر 2016ء، ص74۔

10. T. N. Madan. 1995. Muslim Communities of South Asia: Culture, Society and Power. New Delhi: Manohar.

11۔ سومناتھ پر رومیلا تھاپر کی کتاب کا جائزہ، ڈاکٹر ساجد علی، www.humsub.com.pk/276130/sajid-ali-107

12۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ص59-58۔

13۔ ص59۔

☆☆☆

اسلامی مطالعات میں بنگال کے غیر مسلموں کی خدمات

ڈاکٹر سید عبدالرشید
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بنگال کا خطہ متعدد وجوہات کی بنا پر خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ پلاسی کی جنگ (1857) کے بعد مرشد آباد، پھر کلکتہ برطانوی ہند کا دارالحکومت رہا۔ جس کی وجہ سے یہ علاقہ ہندوستان میں استشراقی مطالعات کا اولین مرکز بنا۔ یہیں پر فورٹ ولیم کالج اور ایشیاٹک سوسائٹی جیسے اہم ادارے قائم ہوئے۔ ان دونوں اداروں نے اسلامی مطالعات میں اہم خدمات انجام دیں۔ فورٹ ولیم کالج کے علاوہ مدرسہ عالیہ میں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازمین تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔

میں نے اس مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے حصے میں بنگال کے غیر مسلم دانشوروں کی انفرادی خدمات پر گفتگو کی ہے، اور دوسرے حصے میں غیر مسلموں کے حوالہ سے مذکورہ بالا تین اداروں کی حصہ داری پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآنیات میں بنگالی غیر مسلم دانشوروں کی خدمات:

قرآنیات کے میدان میں بنگالی غیر مسلموں کی خدمات کا جائزہ لیتے وقت ایک حیران کن پہلو سامنے آتا ہے، اگر قرآن مجید کے چند ابتدائی جزوی ترجموں کو چھوڑ دیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بنگلہ زبان میں قرآن مجید کا پہلا مکمل ترجمہ ایک غیر مسلم گریش چندر سین نے کیا ہے۔ ان کے علاوہ

متعدد ہندو حضرات نے قرآن کے ترجمے کئے۔ان میں دو مکمل ترجمے ہیں، اور دیگر جزوی ترجمے۔

ہندو مذہب سے وابستہ غیر مسلموں کے علاوہ عیسائی دانشوروں نے بھی قرآنی خدمات میں حصہ داری نبھائی ہے۔اور بنگلہ زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کئے ہیں، ان میں ایک مکمل ترجمہ ہے، جو تفسیر کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ بنگلہ زبان میں غیر مسلم دانشوروں کی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ غیر مسلم دانشوروں کے عام طریقوں کے برعکس یہاں قرآن کے ترجمے کے ساتھ تفسیر پر بھی کام ہوا ہے۔

قرآنی خدمات پیش کرنے والے ان غیر مسلم دانش وروں کے مخاطب غیر مسلم نہیں تھے، بلکہ مسلمان تھے۔یہی وجہ تھی کہ کلکتہ کے رہنے والے سری کرن گوپال سنہا نے جب قرآن مجید کا ترجمہ کر کے اس کو طبع کرانا شروع کیا،(1) تو ان کے ترجمہ کی اشاعت کرنے والے ایک مسلمان محمد علی تھے۔(2)

عیسائیوں اور ہندوؤں کی خدمات کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کے درمیان یہ فرق سامنے آتا ہے کہ عیسائی دانشوروں نے عیسائی مذہب کی تبلیغ اور اپنے دعوتی مقاصد کے لئے ترجمہ وتفسیر کا کام انجام دیا، اور بنگالی ہندو دانشوروں نے مسلمانوں کو اسلام اور قرآن سے جوڑنے کے لئے قرآنی خدمت انجام دی۔

اس کی کیا وجوہات رہیں کہ بنگلہ زبان میں قرآن وحدیث کی خدمات پیش کرنے میں اولیت کا شرف غیر مسلموں کو حاصل ہوا۔اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بنگال کے پڑھے لکھے مسلمان عربی، فارسی اور اردو سمجھتے تھے، انہی زبانوں کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے تھے۔ اردو اور فارسی میں قرآن مجید کے ترجمے پائے جانے کی وجہ سے انہوں نے بنگلہ زبان میں اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جب کہ بنگلہ عوام کی یہ بنیادی ضرورت تھی۔اس کمی کو پورا کرنے کے لئے غیر مسلم دانشوروں نے اپنی خدمات پیش کیں۔

مولوی گریش چندر سین:

موجودہ بنگلہ دیش کے نورشندی ضلع میں 1835 میں پیدا ہوئے۔فارسی اور سنسکرت کی تعلیم

حاصل کی، 1876 میں لکھنو گئے اور عربی زبان سیکھی۔ پھر ڈھاکہ جا کر اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے دھرم گرو برہما نند کیشب چندر کے ایما پر قرآن کا ترجمہ کیا۔ اور ترجمہ کرنے کے لئے شاہ رفیع الدین کا 'ترجمہ قران'، شاہ عبدالقادر کا ترجمہ وتفسیر 'موضح قرآن' اور ملا کمال الدین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی کو سامنے رکھا، اور ان کی مدد سے تفسیر لکھی، کیوں کہ ان کا ماننا تھا کہ ان کو عربی میں کمال حاصل نہ تھا۔ 1881 سے 1885 تک قرآن کا مکمل ترجمہ شائع ہوا۔ ترجمہ قرآن کی پہلی جلد شیر پور، موجود بنگلہ دیش سے سری تارانی چرن بشاش کے چھاپے خانہ سے طبع ہوئی۔ دوسری جلد سے آخری جلد تک سری رام سربشو بھٹا چارجو کے چھاپے خانہ سے طبع ہوئی۔(3) مولانا علیم الدین کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر اور تفسیر حسینی کا دوسرا روپ ہے۔(4)

عربی زبان اور اسلامی علوم میں گریش چندر سین کی مہارت کی وجہ سے ان کو مولوی کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ انہوں نے حدیث کے میدان میں بھی اپنی خدمات پیش کیں ہیں، اور حدیث شریف کی متداول اور مشہور کتاب مشکاۃ المصابیح کا بنگلہ زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ مشکاۃ المصابیح کا یہ پہلا مکمل ترجمہ تھا۔ اس طرح یہ شرف بھی ایک غیر مسلم بنگالی دانشور کے نصیب میں آیا کہ ہندوستان کے دینی نظام درس میں رائج حدیث کی بنیادی کتاب کا مکمل ترجمہ کر کے بنگالی مسلم عوام کی خدمت میں پیش کرے۔ مولوی گریش چندسین نے فریدالدین عطار کی تذکرالاولیا اور مثنوی مولانا روم کا بھی بنگلہ ترجمہ کیا تھا۔

سری فلیپ بشاش:

برطانوی دور کے ہندوستانی نصرانی۔ انہوں نے بنگلہ زبان میں قرآن کی کچھ آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر کی تھی، اس تصنیف کا نام تھا ''قرآن''۔(5) یہ تصنیف 1891 میں کلکتہ سے کرسچن وارنا کولر سوسائٹی، چورنگی روڈ سے طبع ہوئی۔ اس میں دس ابواب ہیں۔ اور یہ قرآن کے موضوعاتی مطالعہ پر مشتمل ہیں۔ اس ترجمہ وتفسیر کا مقصد قرآن مجید کا منفی مطالعہ تھا۔ برٹش سرکار نے اس پر پابندی لگادی تھی۔(6)

ریورنٹ ولیم گولڈ سا یک:

آسٹریلیا میں 1861ء میں پیدائش ہوئی۔ پھر عیسائیت کی تبلیغی خدمات کے سلسلہ میں ہندوستان آ گئے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید پر اچھا خاصا لٹریچر تیار کر دیا تھا۔ ''اسلامی قرآن'' نامی کتاب 1906ء میں۔ ''تحریف قرآن'' کے نام سے ایک کتاب 1907ء میں۔ ''دی اوریجن آف دی قرآن'' کے نام سے ایک تصنیف 1907ء میں۔ ''دی قرآن ان اسلام'' کے نام سے ایک تصنیف 1912ء میں اور ''ٹریڈیشن ان اسلام'' کے نام سے ایک تصنیف 1919ء میں طبع کرائی۔(7)

ولیم گولڈ نے قرآن کا ترجمہ اور مفصل تفسیر لکھی۔ اور تیس پاروں کو تیس جلدوں میں تفسیر کے ساتھ شائع کیا۔ اس کی پہلی جلد ''الم سیپارہ'' کے نام سے اور دوسری جلد جو دوسرے پارے پر مشتمل تھی، 1908ء میں بپٹسٹ مشن سے طبع ہوئی۔ تیسرا اور چوتھا پارہ 1909ء میں طبع ہوا۔ اور تیسواں پارہ 1920ء میں ریوا پرسینائٹ لٹریریچر، کلکتہ سے طبع ہوا۔ اس ترجمہ میں ان کی مدد دوسرے مشنری پادریوں نے بھی کی تھی۔ مثلاً انیسویں پارہ کا ترجمہ وتفسیر RWW Pettigraw نے کیا تھا۔(8)

قرآن مجید کے اس ترجمہ وتفسیر کو عیسائیت کی تبلیغ میں مدد ومعاونت کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

سری کرن گو پال سنہا:

کلکتہ کے باشندہ تھے۔ 1885ء میں پیدا ہوئے، 1942ء میں وفات ہوئی۔ سنہا صاحب تاجر اور مصنف تھے، اور تاریخ پر سات جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ کلکتہ کے بینا پور کر علاقہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے پارہ عم کا ترجمہ اور تفسیر لکھی ہے۔ سورتوں کا شان نزول بھی دیا ہے، اور نوٹس دئے ہیں۔ یہ تفسیر 1908ء میں انٹالی علاقہ کی بونیک یونین پریس سے طبع ہوئی۔ ناشر کا نام سید محمد علی تھا۔ 1924 میں اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔ ان کا ارادہ مکمل قرآن کے ترجمہ کا تھا، لیکن قارئین کی عدم دلچسپی سے کام ادھورا چھوڑ دیا۔(9) شائد مطبوعہ نسخوں کی نکاسی نہ ہو سکی تھی۔

سوامی لکھی شنکر آچاریہ:

اتر پردیش میں کانپور میں 1953 ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے، پھر بنگلہ دیش گئے، اور اسلام کے بارے میں تصنیفی کام کیا۔ انہوں نے ابتدا میں اسلام کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی، جو مشہور ہوئی۔ مزید تحقیق کرنے کے لئے جب مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا خیال غلط تھا۔ اب بہت افسوس ہوا، اور اپنی کتاب کے مشہور ہونے پر ندامت ہوئی، اس کی تلافی کے لئے ایک کتاب لکھی، جس کا نام تھا: اسلام آنکونا آدرشو۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن سایہ بیتھی پریس، بنگلہ دیش سے 2019 میں طبع ہوا ہے۔ لکھی شنکر آچاریہ ہندی میں تصنیفی کام کرتے تھے۔ جن کا ترجمہ بنگلہ زبان میں ہوا۔

گرودتّو سین:

گرودتو سین اس حوالہ سے مشہور ہیں کہ انہوں نے سیرت النبی پر کام کیا ہے، ان کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ''تما کے بھالو باشی ہئے نبی''۔ جس کا مطلب ہے: اے نبی! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن، دار القلم، ڈھاکہ سے 2002ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کا والہانہ اظہار کیا گیا ہے۔

کرشن کمار مترو:

سری کشن کمار مترو صاحب نے سیرت النبی پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے ''محمد چریتو''، اس کتاب میں رسول خدا ﷺ کے اخلاق کریمانہ پر گفتگو کی ہے، یہ کتاب بہت مشہور ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن اتسو پراکشن، ڈھاکہ، بنگلہ دیش سے 2020ء میں شائع ہوا ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کی خدمات:

بنگال کے اداروں میں سب سے اہم نام 'دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال' کا ہے۔

جو 1784ء میں سر ولیم جونس نے استشراقی مطالعات کے لئے قائم کی تھی۔ رائل ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال استشراقی مطالعات کا ایک اہم مرکز رہا ہے، یہاں بنگال کے متعدد ہندو دانشوروں نے بھی اسلامیات کی خدمت انجام دی ہے۔ جن میں درج ذیل اہم ہیں، یہ فہرست ہم نے ایشیاٹک سوسایٹی کے کیٹلاگ سے منتخب کی ہے۔(10)

کے ایم مائترا: یعنی کشوری موہن مائترا، جنہوں نے ایشیاٹک سوسائٹی کے عربی مخطوطات کی فہرست تیار کی۔ اس فہرست پر بعد میں ایم، ایس، خان نے نظر ثانی کی ہے۔ کے ایم مائترا نے بعض دیگر فارسی مخطوطات کو مدون کر کے شائع بھی کیا ہے۔

ہیرندر ناتھ مکھرجی(Hirendra Nath Mukharji): انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے: From Amir Khusro to Abul Kalam Azad (امیر خسرو سے ابوالکلام آزاد تک)۔ یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی سے طبع ہوئی ہے۔

سوکومار رائے (Sukumar Ray): نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے: Humayun in Persia (ہمایوں ایران میں)، یہ کتاب بھی ایشیاٹک سوسائٹی سے طبع ہوئی ہے۔

سر ایچ بیوریج اور بنی پرساد: مآثر الامرا مغلیہ دور کے امراء اور وزراء کے حالات پر مشتمل ایک مشہور کتاب ہے، جو نواب شمس الدولہ شاہ نواز خان نے لکھی تھی۔ اس کا انگریزی ترجمہ ایک انگریز سر ایچ بیوریج(H. Beveridge) نے کیا ہے۔ اور اس ترجمہ کی تدوین وتحقیق بنی پرساد نے کی ہے۔ جو ایشیاٹک سوسائٹی سے طبع ہوئی ہے۔

بروجندرا ناتھ دے: شہنشاہ اکبر کے دور کے حالات پر مشتمل ایک کتاب 'طبقات اکبری' ہے، جس کے مصنف خواجہ نظام الدین احمد ہیں، اس کا انگریزی ترجمہ بروجندرا ناتھ دے (Brojendranath De) نے کیا ہے۔ یہ کتاب ایشیاٹک سوسایٹی سے طبع ہوئی ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی خدمات:

فورٹ ولیم کالج برطانوی دور میں کلکتہ کا مشہور تعلیمی ادارہ تھا، جس نے اردو زبان کے فروغ

میں اہم حصہ داری نبھائی تھی۔فورٹ ولیم کالج جولائی 1800 کو گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے قائم کیا۔ یہ کالج انہوں نے بنگال، مدراس اور ممبئی کی ریاستوں کے جونیر سول ملازمین کی تعلیم وتربیت کے لئے قائم کیا تھا،جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ دیسی زبانوں کی تعلیم حاصل کر کے ملکی معاملات اور دیگر فرائض عمدہ طور سے انجام دیں سکیں۔(11) یہ کالج 1854 تک قائم رہا۔(12)

فورٹ ولیم کالج میں جو نصاب مرتب کیا گیا، اس میں ہندوستان کی علاقائی زبانوں کے ساتھ عربی اور فارسی بھی شامل تھی۔اور سائنس، سماجیات وسیاسیات اور تجارتی موضوعات کے ساتھ اسلامی قانون بھی شامل تھا۔(13)

فارسی کے بعد عربی اس دور کی دوسری اہم زبان تھی۔جس کی حیثیت مذہبی بھی تھی اور قانونی بھی۔مغلوں کے دور میں قانون کی بیشتر کتابیں عربی میں تھیں۔اسلامی فقہ سے واقفیت کے لئے بھی عربی زبان ضروری تھی۔(14) فورٹ ولیم کالج میں شعبہ عربی میں عربی زبان اور فقہ اسلامی کی تعلیم دینے کے لئے لیفٹینیٹ جان بیلی (John Ballie) کا اپریل 1801ء میں تقرر ہوا تھا۔ وہ عربی ترجمہ کا سرکاری کام بھی کرتے تھے۔(15)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت عطا کر دی تھی۔بنگال کے ہندو بھی اردو کو اپنی زبان سمجھتے تھے،فورٹ ولیم کالج میں جن لوگوں کا تقرر ہوا، ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔عام طور سے ان حضرات کا تعلق بنگال کے باہر سے تھا۔لیکن اکثر افراد نے فورٹ ولیم کالج آنے کے بعد کلکتہ کو اپنا وطن بنالیا تھا۔

ذیل میں ان غیر مسلم دانشوروں کی تفصیل دی گئی ہے، جنہوں نے اسلامیات کے میدان میں خدمت انجام دیں۔

بنی نارائن: ایک ادیب اور شاعر تھے،'جہاں' تخلص تھا۔فورٹ ولیم کالج سے وابستہ تھے، انہوں نے 'تنبیہ الغافلین' کا اردو ترجمہ کیا تھا۔(16) وفا راشدی 'گل رعنا' سے نقل کرتے ہیں: بنی نارائن مسلمان ہوگئے تھے، اور حضرت سید احمد شہید سے بیعت کر لی تھی۔(17) بنی نارائن دہلی کے

تھے،لیکن کلکتہ آنے کے بعد دہلی واپس نہیں گئے تھے۔(18)

جھنولال طرب: ایک ادیب اور شاعر تھے، انہوں نے اہل بیت کے مراثی لکھے تھے، اور بڑے پر درد مرثیے کہے تھے۔(19)

کلکتہ مدرسہ یا مدرسہ عالیہ کی خدمات:

کلکتہ کا مشہور مدرسہ عالیہ یا کلکتہ مدرسہ بھی بنگال میں آنے والے انگریزوں نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ کلکتہ کے مسلمانوں کی درخواست پر وارن ہیسٹنگز نے 1780ء میں قائم کیا۔ جہاں فارسی کے علاوہ قرآن، مذہبیات، قانون، ریاضی، علم نجوم، فلسفہ اور قواعد کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ اپنے نظم وضبط اور بہترین تعلیم کی بنا پر کافی مشہور ہوا۔

ابتدا میں یہ مدرسہ ہیسٹنگز نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹرس کی اجازت کے بغیر خود ہی قائم کیا تھا۔ اور شروع میں سارا خرچ خود ہی برداشت کیا تھا۔ جب اس کی شہرت کمپنی کے ڈائریکٹرس تک پہونچی تو انہوں نے ہیسٹنگز کی بہت تعریف کی، اور کمپنی کو حکم دیا کہ وہ ہیسٹنگز کے روپئے لوٹا کر مدرسہ کا خرچ خود برداشت کرے۔(20)

کلکتہ مدرسہ کی خدمات اس میدان میں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ یہاں انگریز افسر بھی پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں متعدد غیر مسلموں نے یہاں اردو اور فارسی سیکھی، اور اسلامیات کی خدمت کی۔ ان میں شاما چرن سرکار کا نام اہم ہے، جو اسلامی قانون کے حوالہ سے مشہور ہوئے، اور اسلامی قانون پر کتاب بھی تحریر کی، انہوں نے کلکتہ مدرسہ میں ہی عربی، فارسی اور اردو سیکھی تھی۔(21)

اسلامیات کے میدان میں بنگال کے غیر مسلم دانشوروں کی اردو زبان میں کی خدمات:

اگر بنگال کے ہندو حضرات اردو بولیں تو ان کو محسوس ہوتا ہے کہ لوگ ان کو تعجب کی نظر سے

دیکھ رہے ہیں، اور اگر وہ اردو میں تحریری کام بھی کریں، تب تو شک ہونے لگتا ہے کہ وہ بنگالی ہیں بھی یا نہیں۔ جب کہ تاریخ میں متعدد نام ایسے محفوظ ہیں، جن کی مادری زبان بنگلہ تھی، اور ان کو اردو میں تقریر تحریر کی قدرت حاصل تھی۔ بنگال میں اردو کے مصنف وفا راشدی نے بنگال کے ہندو ادیبوں کی ایک طویل فہرست دی ہے، جنہوں نے اردو زبان وادب کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ (22) ان میں سے بعض نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان کا مذہبی سرمایہ بھی اردو میں موجود ہے، اور یہ شرف صرف اسلام کو ہی حاصل نہیں، اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے مذہبی سرمایہ کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ بہر حال سر دست یہ موضوع ہمارا نہیں ہے۔

ان میں سے بعض نے اردو زبان میں اسلامیات کی خدمت بھی کی ہے۔ ہم ذیل میں بنگال کے ان غیر مسلم دانشوروں کا ذکر کر رہے ہیں، جنہوں نے اردو زبان میں اسلامیات کی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ تذکرے ہم نے شانتی رنجن بھٹا چاریہ کی تصنیف سے لئے ہیں، جنہوں نے 'بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات' کے عنوان سے مفصل کتاب لکھی ہے۔

اپور بو کرشنا بہادر راجہ کنور: صاحب حیثیت دانشور تھے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ (23) انہوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے کارناموں کو شاہ نامہ کے طرز پر نظم کیا تھا۔ یہ ایک عظیم کارنامہ تھا، جس کا نام ''مسلمان بادشاہان ہند کا شاہ نامہ'' رکھا تھا۔ یہ شاہنامہ چار جلدوں میں تھا۔ (24) جو 1852 میں شائع ہوا تھا۔ (25)

راجہ رام موہن رائے: کلکتہ کے مشہور ریفارمر تھے، 1774ء میں مرشد آباد میں پیدا ہوئے، (26) دہلی کے بادشاہ شاہ اکبر دوم نے ان کو راجہ کا خطاب دیا تھا، اور اپنا ایلچی بنا کر ولایت روانہ کیا تھا۔ (27) راجہ رام موہن رائے عربی اور فارسی پر قدرت رکھتے تھے۔ (28) انہوں نے ایک کتاب ''تحفۃ الموحدین'' تحریر کی تھی، جس کی زبان فارسی تھی، اور مقدمہ عربی زبان میں لکھا تھا۔ (29) بظاہر اس کا موضوع عقائد اور بین مذہبی مکالمہ تھا۔ اس میں اسلام اور اسلامی تصوف پر گفتگو کی تھی۔

شاما چرن سرکار: 1814ء کو ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ (30) اس دور میں کلکتہ

مدرسہ کے ایک استاذ پروفیسر حافظ غلام نبی صاحب دہلوی تھے، ان سے اردو سیکھی۔(31) اس کے بعد کلکتہ مدرسہ میں بنگلہ کے استاذ ہوئے تو یہاں کے اساتذہ سے عربی اور فارسی سیکھی۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے نقل کیا ہے کہ: انہوں نے مسلم قانون پر ہدایہ کے نام سے دو جلدیں لکھی تھیں، جو کل ہند پیمانہ پر مقبول ہوئیں، عام طور پر دہلی، لکھنؤ اور شمال مغربی علاقے، جہاں کے مولوی اب بھی اسلامی قانون کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کی تصانیف کی قدر کرتے ہیں۔(32) وہ ٹیگور لا لکچر کے لئے منتخب ہوئے تھے، اور مسلم آئین کے سلسلہ میں تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں 74-1873 میں کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔(33)

شدھ موہن متر: ایک بنگالی وکیل تھے، ایک عرصہ تک حیدرآباد میں ہائی کورٹ میں وکالت کی۔ عربی، فارسی، بنگلہ، اردو اور انگریزی زبانوں میں مہارت تھی۔(34) قرآن، حدیث اور اسلامی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے کئی مذہبی جلسوں کی صدارت کی، اور مذہب اسلام پر تقریر کرتے تھے۔ ایک تصنیف ''مذہب اسلام اور گاؤکشی'' پر تھی، جس پر برٹش رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ان کو گولڈ مڈل سے نوازا تھا۔(35)

نند لال شیل: حیدرآباد کے بنگالیوں کے ایک نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان والے بہالہ کے باشندے تھے۔(36) بہالہ پہلے کلکتہ کے باہر ایک جگہ تھی، اب شہر کی وسعتوں نے اسے سمولیا ہے۔ نظام سرکار میں محکمہ فینانس میں افسر اعلی ہوکر 1912 ریٹائرڈ ہوئے۔(37) محکمہ فینانس اور شہر حیدرآباد میں اہم علمی اور سماجی کارنامے انجام دئے۔(38) اسلامیات کے میدان میں تصنیفی خدمات انجام دی تھیں، یا نہیں، اس کا پتہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کے علمی اور مذہبی جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ لکھتے ہیں: نند لال شیل اردو، فارسی اور عربی زبانوں کے ماہر تھے۔ اسلامی علوم کے نامور عالم تھے۔ قرآن پاک اور حدیث کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے مذہب اسلام کے عالم آپ کی عزت کرتے تھے۔ مذہب اسلام کے چند مسائل پر بحث کے لئے ہندوستان بھر کے مذہبی عالموں اور مولویوں کی ایک کانفرنس حیدرآباد میں

منعقد ہوئی تھی۔ عالموں نے اس کانفرنس کے لئے نند لال شیل کو صدر منتخب کیا، انکی صدارت اور اسلامی علوم میں ان کی لیاقت سے سبھی مرعوب ہوئے۔ افسوس کہ آپ کی ادبی خدمات کے تفصیلی حالات سے میں آگاہ نہ ہوسکا۔(39)

خاتمہ:

درج بالا سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے غیر مسلم دانشور خاص طور سے ہندو دانشوروں کو اسلامی علوم سے دلچسپی رہی ہے، انہوں نے اسلامی علوم میں دلچسپی لینے کو اپنے مذہب کے خلاف نہیں سمجھا۔ ان میں سے متعدد افراد عملی اور فکری طور پر اپنے مذہب سے وابستہ رہے۔ انہوں نے یہ خدمات علمی اور خیر سگالی کے جذبہ سے انجام دیں۔ اور ان کی خدمات کی اہمیت آج بھی باقی ہے۔ مندرجہ بالا مضمون میں ان کی خدمات کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ان کی خدمات کا مفصل جائزہ لینے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ تاکہ ان خدمات کا علمی مقام پہچانا جاسکے۔

حوالہ جات:

1. Abul Kalam Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha (PhD Thesis, Dept. of Islamic Studes, Dhaka University, 2013), 169.
2. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 169.
3. Azad, Bagla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 158-159.
4. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 160.
5. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 162.
6. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 162.
7. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 166.
8. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 166.
9. Azad, bangla Bhasha e Tafsir er Chorcha, 169.

10۔ دیکھئے: کیٹلاگ ایشیاٹک سوسایٹی۔کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی، جنوری 2021۔

11۔ عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، 1983)، 40۔

12۔ عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، 72۔

13۔ عبیدہ بیگم،فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات،42۔
14۔ عبیدہ بیگم،فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات،61۔
15۔ عبیدہ بیگم،فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات،62۔
16۔ وفاراشدی، بنگال میں اردو(دہلی:اردو پبلشنگ ہاؤس،1955)،242۔
17۔ راشدی، بنگال میں اردو،242۔
18۔ سالک لکھنوی، بنگال میں اردو نثر کی تاریخ(کلکتہ: بنگال میں اردو نثر کی تاریخ،1998ء)،108۔
19۔ راشدی، بنگال میں اردو،247۔
20۔ عبیدہ بیگم،فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات،25-24۔
21۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ، بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات(کلکتہ: ہندوستان آرٹ پریس، 1963)، 234۔
22۔ دیکھئے:راشدی، بنگال میں اردو،240۔
23۔ بھٹاچاریہ، بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات،115۔
24۔ ایضا
25۔ ایضا
26۔ ایضا،صفحہ،191۔
27۔ ایضا،صفحہ،193۔
28۔ ایضا،صفحہ،196۔
29۔ ایضا،صفحہ،197-196۔
30۔ ایضا،صفحہ،224۔
31۔ ایضا،صفحہ،228-227۔
32۔ ایضا،صفحہ،234۔
33۔ ایضا،صفحہ،232۔
34۔ ایضا،صفحہ،236۔
35۔ایضا،صفحہ،238۔ 36۔ایضا،صفحہ،271۔
37۔ ایضا،صفحہ،272-271۔
38۔ ایضا،صفحہ،272۔
39۔ ایضا،صفحہ،273۔

دکنی ہندو مصنفین کی اسلامک اسٹڈیز میں خدمات

مفتی امانت علی قاسمی
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد)

اسلامک اسٹڈیز کا بنیادی سرمایہ تو قرآن وحدیث ہے، لیکن اسلامک اسٹڈیز کا دائرہ بہت وسیع ہے، مثلاً تصوف، قرآن کے تراجم، حدیث کے تراجم، فقہ اسلامی، فقہ اسلامی کی تدوین وتعارف، تاریخ، تہذیب اسلامی، فکر اسلامی، یہ ساری چیزیں اسلامک اسٹڈیز کا حصہ کہلاتی ہیں، اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اسلامک اسٹڈیز کی خدمات جہاں مسلمانوں نے کی ہے اس لیے کہ یہ ان کی اپنی تہذیب و روایات کا حصہ ہیں، ان کی تعلیم وتربیت کا جز ہیں، ان کا مذہبی سرمایہ ہیں، ان کی عملی زندگی سے وابستہ چیزیں ہیں، اسلامک اسٹڈیز کے افکار ونظریات ان کی زندگی پر حاوی ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اسلامک اسٹڈیز پر مستشرقین اور مغربی مولفین نے بھی کافی کام کیا ہے، مستشرقین کے اسلامک اسٹڈیز میں خدمات کے مختلف زاوئے اور مختلف مقاصد رہے ہیں اس سے کسی انصاف پرور مورخین کو انکار کی گنجائش نہیں ہے، انہوں نے اسلامک اسٹڈیز کے بڑے حصے کا مطالعہ تنقید اور اعتراضات کے مقصد کو سامنے رکھ کر کیا پھر ان میں بعض انصاف پرور مصنفین نے برائے تحقیق بھی کام کا کیا جن اعتراف ہونا چاہیے۔

اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامک اسٹڈیز پر ہندوستان کے غیر مسلموں اور ہندو مصنفین نے بھی کافی کام کیا ہے، ان کے کاموں کا بھی ایک وسیع حصہ ہے، ہندو مصنفین نے قرآن کے ترجمہ، سیرت اور تہذیب اسلامی اور تاریخ اسلامی پر کافی تحقیق کی ہے، ان کی تحریریں اردو، ہندی اور انگریزی اور سنسکرت زبانوں میں دستیاب ہیں۔ ہندوستان کے ہندو مصنفین کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے،

ان کے کاموں کے مختلف معانی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ مصنفین اسلام کی تعلیمات سے متاثر تھے اسی لیے انہوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا اور ان کو اپنے تاثرات واحساسات کے ساتھ شائع کیا ہے، ان ہندو مصنفین کے اساتذہ مسلمان تھے اس لیے ان کی زندگی میں اسلامیات کا مطالعہ تھا اور انہوں نے اسلامک اسٹڈیز میں کتابیں لکھیں، ہمیں زیادہ تر کام آزادی سے پہلے یا آزادی کے قریب ترین زمانے میں ملتے ہیں اس لیے کہ اس زمانے میں ہندو مسلم اتحاد یکجہتی پائی جاتی تھی، آزادی سے پہلے انگریز حکومت میں یا اس سے پہلے تعلیم کی زبان فارسی اور اردو تھی اور اسلامیات کا زیادہ تر سرمایہ عربی، فارسی اور اردو زبان میں اس لیے بھی ہندو مصنفین کی کتابیں ہمیں ملتی ہیں اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ برائے تحقیق بھی لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے اور حاصل مطالعہ کو اپنے انداز میں پیش کیا ہے، بعض ہندو مصنفین کی کتابیں صحیح اسلام کو نہ سمجھنے کی بنا پر اس میں غیر تحقیقی باتیں بھی در آئی ہیں جب کہ بعض مصنفین نے اسلامیات کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور قرآن وحدیث کے مطالعہ کی روشنی میں صحیح معلومات پر اپنے تحقیق کی بنیاد رکھی ہیں اس لیے وہ کتابیں ہمارے ہیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

بہر حال جس طرح ہندوستان کے ہندو مصنفین نے اسلامیات پر کتابیں لکھی ہیں اسی طرح دکن کے بھی ہندو مصنفین نے بھی کتابیں لکھی ہیں ذیل میں دکن کے چند مشہور ہندو مصفین کی اسلامک اسٹڈیز کی خدمات کا جائزہ اور تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد دکن اور ہندو مسلم زندگی:

رائے بنکٹ پرشاد بی، اے

یہ کتاب حیدرآباد دکن اور ہندو مسلم زندگی کے نام سے ہے جس کے مصنف رائے بنکٹ پرشاد ہیں، شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن سے 1334ھ میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب میں اصل تو انہوں نے حیدرآباد میں ہندو مسلم زندگی اور ان کے درمیان اتحاد یکجہتی کے واقعات اور آپسی و پیار و محبت کی مثالوں پر مشتمل باتوں کو بیان کی ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ اس کتاب میں انہوں

نے مذہب سے بھی گفتگو کی ہے اور مذہبی اعتبار سے بھی انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو پیش کرنے کی کوشش کی چنانچہ ان کا خیال ہے یہ ہے کہ مذہب انسان کا فطری حق ہے تاریخ انسانیت سے اس کا ثبوت ملتا ہے دنیا کی تمام تر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مشرق ومغرب ہر جگہ زندگی کی ہر کیفیت مذہبی رنگ کی صورت میں نمودار نظر آئے گی اس کے بعد ان کا خیال ہے کہ ہندد ھرم اور اسلام میں خدا کا تصور یکساں ہے، دونوں جگہ خدا وحدہ لاشریک لہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اصطلاحات سے معرا ہندو مذہب کا ساسی اصول یہ ہے کہ خدا کو ایک جانے کسی کو اس کا شریک نہ مانے اس کے مقابل کسی دوسری ہستی کو نہ سمجھے اور صداقت کا طالب اور مطیع رہے یہ ایک ایسا حاوی اور وسیع اصول ہے کہ جس میں ہندو مذہب کی تمام فروعات شامل ہوجاتی ہیں، مقدس ویدوں پرانوں اور اوتاروں کو ماننا سب اس میں داخل ہیں بخلاف اس کے اگر کوئی شخص اس بات کا دعوی کرے کہ وہ تمام ویدوں اور پرانوں اور اوتاروں کو مانتا ہے تمام مذہبی قواعد کی پابندی کرتا ہے لیکن صداقت کو نہیں مانتا ہے اور پرماتما کو وحدہ لاشریک لہ نہیں جانتا تو یہ ناممکن ہے سچا ہندو ہونے کے لیے لازمی ہے کہ پرماتما کو وحدہ لاشریک جانے اور صداقت کا طالب رہے''۔(1)

اس کے بعد وہ اسلام کے معنی ومفہوم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلم کے معنی صداقت کے سامنے سر جھکانے والا ہے اور ہر ہندو صداقت کی راہ پر چلنے والا ہے اس طرح ہر ہندو مسلمان ہے اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ قوم جو سب سے پہلے مسلمان تھی اب اگر اس کو مسلمان پکارا جائے کو کس قدر برا فروختہ ہوجاتی ہے اس کی وجہ سوائے جہالت کے اور کیا ہوسکتی ہے۔

بنکٹ پرشاد نے نبوت کے سلسلے میں بھی گفتگو کی جس کا حاصل یہ ہے کہ ہندو مذہب میں صداقت کی تلاش اصل ہے، ہندو مذہب ہمیشہ سے صداقت کا متلاشی رہا ہے، ہندوستان میں بھی بہت سے اوتار گزرے ہیں ان اوتاروں کو صداقت کے معیار پر پرکھ کر ان کو ہادی ورہنما تسلیم کیا ہے، متعدد اوتار گزرے ان تمام کو ماننے سے ہندو ہندو ہی رہے، غیر ہندو نہیں ہوگئے اس لیے کہ متعدد اوتار و پیغمبر کو

تسلیم کرنے میں انہوں نے صداقت کی راہ نہیں چھوڑی، ہندوستان میں متعدد پیغمبر و اوتار اپنے ساتھ خاص معجزے لائے تھے، جن کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کر کے انہوں نے جھوٹ، تکلیف بے ایمانی اور شر کو دفع کیا ان کا آنا صرف انہیں مقاصد کے لیے تھا اس کے بعد انہوں نے اسلام کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے گفتگو کی ہے اور آپ کے مختصر اوصاف بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہندو مذہب جس صداقت کا متلاشی رہا ہے اور جس طرح انہوں نے جانچ پرکھ کر متعدد اوتار کو تسلیم کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ محمد ﷺ کو بھی اپنا اوتار ماننا چاہیے محمد ﷺ کے نبوت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ہے۔

> ''یہ وہ واقعات ہیں جن کے متعلق ہم کو روایات پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ایسے واقعات ہیں جو دوست دشمن دونوں کے ہاں ضبط تحریر میں آ چکے ہیں جن پر دوست و دشمن دونوں نے اپنی اپنی مہر صداقت چسپاں کر دی ہے۔ کسی چیز سے ناواقف رہ کر اس کی مخالفت کرنا قرین انصاف نہیں بلکہ واقفیت کے بعد مخالفت کا صحیح جائزہ اور فطری حق حاصل ہوتا ہے لیکن کیا علم کے بعد ان واقعات کی مخالفت کوئی شخص کر سکتا ہے علم کے بعد خود اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ ایسی عظیم الشان اور برگزیدہ ذات اوتار کی حیثیت رکھتی ہے یا نہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوگا کہ کہ دنیا میں اگر صداقت کا وجود ہے تو ایسی ذات کے اوتار ہونے سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے''۔(2)

ترجمہ کافن- جانکی پرشاد:

جانکی پرشاد ہندو مسلم تہذیب کے نمائندہ شخصیت تھے، قیام عثمانیہ کے بعد اردو کو علمی درجہ تک پہونچانے کے لیے دارلترجمہ قائم کیا گیا تھا جس کے پورے ملک کے نمائندہ لوگوں کو خدمات پر مامور کیا گیا تھا، جانکی پرشاد بھی اسی دارالترجمہ سے وابستہ ہو گئے تھے، انہوں نے دارالترجمہ سے منسلک ہو کر بہت سی کتابیں تالیف کی ان میں عصر جدید، ترجمہ کافن مشہور کتابیں ہیں۔ انہوں نے مولوی عبدالحق کے ساتھ مل کر اصطلاحات کا بڑا کام انجام دیا، ان کی تالیفات میں اردو انگلش ڈکشنری بھی مشہور ہے۔ جانکی

پرشادیوں تو اردو کے دلداہ تھے لیکن انہیں فارسی اور عربی زبان میں بھی عبور تھا اس کے ساتھ انہوں نے ملک کی مشترکہ تہذیب کے پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔(3)

اسلام- پنڈت بنوری لال:

بنواری لال کی پیدائش اتر پردیش کے شہر اٹاوہ میں ہوئی لیکن ملازمت کی وجہ سے حیدرآباد ان کا دوسرا وطن بن گیا ہے اور نظام حکومت میں یہ سرکاری عہدوں پر فائز تھے، بنورای لال کو اردو، فارسی اور عربی زبان پر بھی عبور تھا۔ اور نواب سرسالار جنگ بہادر کے عہد میں ریاست حیدرآباد میں ملازمت سے جڑ گئے، یہ ایک چتر ویدی برہمن گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے وید مقدس، اپنشد اور بھگوت گیتا کا مطالعہ خاص طور پر کیا کرتے تھے، قرآن، احادیث اور فقہ سیر و تاریخ کا بھی اچھا خاصہ مطالعہ تھا اسی مطالعہ حاصل مطالعہ انہوں نے اردو زبان میں اسلام نامی کتاب سے مرتب کیا تھا یہ کتاب اسلام اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات میں ایک بہترین کتاب ہے اس معنی کر بھی بہت اہم ہے کہ جن کی طرف سے اعتراضات ہوتے ہیں انہی کی طرف سے یہ جواب دیا جارہا ہے، کتاب اردو زبان میں ہے اور اٹھاسی صفحات پر مشتمل ہے جس کے کل چھ حصے ہیں پہلا حصہ دیباچہ ہے، جس میں اسلام کے متفرق معلوماتی چیز کو جمع کر دیا ہے جس میں رحمت الٰہی، عجز انسانی، آزادی نفس، خرابی دماغ، معترضین کے جوابات وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ حالات ماقبل اسلام سے متعلق ہے اس میں اسلام سے قبل عربوں کے حالات، عورتوں کی حالت، ایران، مصر و شام وغیرہ کے حالات وہاں عورتوں کی حالت، سود، قمار بازی زنا اور راہ زنی کا تذکرہ کیا ہے اور تیسرا حصہ اصلاحات بذریعہ اسلام ہے، یہ دونوں حصے کافی اہم ہیں اس میں مصنف نے اسلام سے پہلے کی معاشی حالت، سماجی حالت، مذہبی حالت خواتین کی حالت وغیرہ کا جائزہ لیا پھر اصلاحات بذریعہ اسلام میں اسلام نے جو اصلاحات کی ہیں اس کا عمدہ جائزہ لیا ہے، مقاصد اسلام، والدین کی خدمت، غیر مذاہب کے ساتھ تعلقات، غیر مسلم باشندوں کے حقوق،

ارتداد کی سزا و، اسلام کے نظام عدل اور مذہبی آزادی، اور اسلام میں عورتوں کی حیثیت غیرہ امور کا منصفانہ جائزہ اور تذکرہ کیا ہے یہ حصہ کتاب کا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

چوتھا حصہ جمہوریت کے عنوان ہے اس میں مصنف نے دکھایا ہے کہ جمہوریت اسلام کی دین ہے، اور جمہوریت کی جڑیں اسلام میں پیوست ہیں، خلافت راشدہ یہ جمہوریت کی اعلی مثالیں ہیں۔ جمہوریت کی شاندان مثال کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ اے لوگو! میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تم سے بہتر نہیں اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر بدی کا مرتکب ہوں تو مجھے ٹھیک بتاؤ۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت تم میں سے زور والا میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حق حاصل نہ کروں اور تمہارے گروہ کمزور شخص اس وقت تک میری نظروں میں روادار ہے جب تک کہ میں اس کا حق اس سے نہ دلا دوں۔ تم میں سے کوئی شخص کوشش ترک نہ کرے جو قوم اس کو چھوڑ دیتی ہے خداوند کریم اسے ذلت میں مبتلا فرماتا ہے جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں تم بھی میرے مطیع رہو اور جس وقت میں اس امر سے باہر ہونا فرمانی کروں تو تم پر کبھی میری اطاعت واجت نہیں سچے مذہب کی صحیح پیروی کی یہ مثال ہے جس سے بڑھ کر روئے زمین پر مثال نہیں مل سکتی۔(4)

اس کے پانچویں حصے میں آزادی اور چھٹے حصے میں رواداری پر گفتگو کی ہے۔ عنوانات سے ہی کتاب کی معنویت کا اندازہ ہوجاتا ہے، دیباچہ میں انہوں نے اسلام کے متفرق امور کا تذکرہ کیا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ زیادہ تر مسائل کو انہوں نے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔، دیباچہ میں معجزہ کا تذکرہ کرتے ہوئے معجزہ کے ثبوت پر عام فہم انداز میں عقلی دلیل پیش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''میں معجزات نبوی کا قائل ہوں، ان کا وقوع ضرور ہوا میں اس سے بڑھ کر مانتا ہوں آں حضرت ﷺ کی پوری زندگی کو میں ایک مسلسل معجزہ اور بلا وقفہ

کرامات خیال کرتا ہوں چناں چہ قبل نبوت آپ کی پاک زندگی اور اس ماحول میں قابل صد تحسین ہے فلسفہ کا مقولہ مسلمہ ہے کا ماحول کا اثر دماغ پر منعکس ہوتا ہے مگر یہاں غور طلب یہ ہے کہ آپ عرب میں پیدا ہوئے جہاں شرک و بت پرستی اور تمام دنیا کے گناہ رائج الوقت تھے، تجارت کے لیے جب تشریف لے گئے وہاں بھی یہی حال تھا مگر آپ تمام اثرات سے محفوظ تھے جس طرح پر کنول کا پھول پانی میں رہ سے پانی سے بالاتر رہتا ہے آپ کا لقب امین اور آپ کی دیانت ضرب المثل تھی، بعد نبوت آپ کا صبر و تحمل، ضبط اور صرف ایک مقصد حیات کی روشنی میں زندگی بسر کرنا کہ تمام مخلوق راہ راست پر آجائے آپ کا استقلال اور اعداء سے طالب انتقام نہ ہونا بلکہ ان کی اصلاح کے لیے کوشاں ہونا جو آپ کے دشمن تھے، کبھی خوف و ہراس میں مبتلا نہ ہونا ہمیشہ اطوار نیکو اور سلوک کو جاری رکھنا بدعا نہ کرنا ، انتہائی انکسار اور عجز ، غربت اور صدمات گرسنگی برداشت کرنا، تمول کی حرص سے پاک رہنا، ایک مدرسہ میں تعلیم نہ پائی تھی، آپ کا اعتقاد ذات الٰہی پر تمام خالی از عجائب نہیں، نبی کریم کی زندگی خود ایک مسلسل معجزہ ہے آپ کی ہستی تمام تخیل معمولی سے بالاتر، آپ کا ہر فعل سراپا پابند و تابع احکام و مرضی الٰہی۔ ہر روز کے واقعات ہر لمحہ حیات کے حالات، روز روشن کی طرح عیاں اور روشن تھے ،اور ہر فعل معصوم، روزانہ کاروبار مبنی پر صواب، ہر نفس آپ کا منور اور روشن۔ زندگی مثل آفتاب تاباں و درخشاں فخر و یا غرور سے پاک بری سے بڑی آفت آپ کے قدم میں لغزش پیدا نہ کر سکی ہر لحظہ آپ کی اعلیٰ ہستی زیادہ نمایاں ظاہر ہوتی رہی آپ رحمت برائے عالمین تھے، آپ پیام الٰہی کے مظہر تھے، حکم الٰہی کے نشر کرنے والے صداقت اور وحدت پھیلانے والے، راہ خدا میں وقف اور ایسی ہستی برتر سے معجزات ظاہر ہوں تو مقام استعجاب نہیں۔ ادراک فہم، مشاہدہ اور تجربہ کے فہم سے یہ معجزات بالاتر ہیں اس لیے انسان بدگمان ہوتا ہے مگر محدود تجربہ و مشاہدہ ہمیشہ غلط ثابت ہوا ہے''۔(5)

اصلاحات کے عنوان میں مصنف نے خاص طور پر بت پرستی کو بیان کیا ہے تحریر کا انداز

بالکل نہیں بتاتا ہے کہ یہ کسی بت پرست ہندو کی تحریر ہے جو اس نے اسلام کی ترجمانی کے طور پر بیان کی ہے اس سے مصنف کی انصاف پسندی، اسلامی مطالعہ میں تعمق اور اسلام سے حقیقی واقفیت کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''شرک کی بیخ کنی، اوہام پرستی کا اندفاع، سحر وطلسم کے منفی عقائد کو دور کرنا لوگوں کا خیال تھا کہ خدا اور بندہ کا تعلق ایک بادشاہ جابر اور رعیت کا ہے درمیانی دیوتا شفاعت کر سکتے ہیں یہ خیال علط دور کیا گیا۔ شرک کو یہاں تک دور کیا گیا ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آ کر مسلمانوں سے کہا کہ تم شرک کرتے ہو کہتے ہو جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں آں حضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یوں کہوں کہ وہ ایک جو چاہے پھر آپ جو چاہیں، عبد الشمس وغیرہ نام رکھنے میں شرک کا شائبہ ہیاس لیے ممانعت کی گئی غلاموں کو حکم ہوا کہ آقا کو رب نہ کہا کریں تصویر کی ممانعت ہوئی کہ رفتہ رفتہ تصویروں کی پرستش ہونے لگتی ہے وفات سے پانچ سے دن قبل رسول مقبول نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے میں منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا الغرض شرک کو دنیا سے دور کرنے کی تدبیر کی اور حکم یہ دیا کہ تمام کام بخیال خوشنودی خالص اللہ اور تحت احکام کئے جائیں نمائش کو ریا کو ممنوع کیا گیا''۔(6)

اس عبارت کو غور سے پڑھیں تو محسوس نہیں ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم کی تحریر ہے بلکہ یقین ہوتا ہے کہ کسی کام ایمان کے نتیجے میں نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ مصنف نے انصاف کے ساتھ اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے پھر اسی کی روشنی میں اسلام کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔

SIGNIFICANCE OF PRAYER IN ISALM
K.S. RAMAKRISHNA RAO

یہ کتاب اسلام میں نماز اور دعا کی اہمیت ومعنویت پر ایک بہترین کتاب ہے، اس کے مصنف راما کرشنا راؤ ہیں، جو مہارانی آرٹس کالج فور وومین میسور میں پروفیسر تھے، راما کرشنا راؤ کا اسلام کے سلسلے میں بہت گہرا مطالعہ ہے انہوں نے اسلام پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ راما کرشنا راؤ (1932-2021ء) کی

پیدائش آندھرا کے ایک علاقے میں ہوئی اور ان کی تعلیم گریجویٹ تک کی تعلیم آندھرا یونیورسٹی میں ہوئی ،یہ ایک فلسفی تھے اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے انہوں نے ہندوستان کی مختلف یونیورسٹی میں پروفیسر، وائس چانسلر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، انہیں ان کی خدمات کی بنا پر حکومت ہند نے 2011ء میں پدم شری کے شہری اعزاز سے نوازا ہے، انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں اور ریسرچ پیپر لکھتے ہیں(7) ان کی اسلامیات میں دو کتابیں بہت مشہور ہیں ان میں ایک یہ کتاب ہے اصل کتاب انگریزی زبان میں ہے جس میں مصنف نے اسلام میں نماز اور دعا کی اہمیت پر فلسفیانہ گفتگو کی ہے، انہوں نے کتاب کے آغاز میں مذہب اور عبادت پر دلچسپ کلام کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مذہب میں جہاں خدا کا تصور ہے وہیں سماجی اور انفرادی زندگی کا بھی تصور ہے، مذہب اور عبادت شانہ بشانہ چلتے ہیں جیسے فوج اور یومیہ فوجی نمائش لیکن اسلام میں خدا کا تصور کچھ الگ ہے اسلام کے مطابق کائنات کی تخلیق خدا کے وجود اور خدا کی قدرت کا مظہر ہے اسلام کے مطابق انسان کی تخلیق روحانی زندگی کے نفسیاتی تقاضوں کا مظہر ہے، روحانی زندگی کا ہمہ گیر گوشہ دراصل محبت ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے محبت کے سلسلے میں حیرت انگریز فلسفیانہ گفتگو کی ہے جس میں بہت حد تک صداقت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اپنی اس گفتگو میں انہوں نے انسانی محبت اور خدائی محبت میں ربط وتعلق کو بیان کیا ہے، اور انسانی وجود کو ربانی محبت کا مظہر قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ انسان میں اللہ تعالی نے محبت کو ودیعت کیا ہے اور خاندان کو محبت کا مرکز ومحور بنایا ہے اسی کے نتیجے میں لوگ اپنے خاندان کے افراد سے محبت کرتے ہیں اور انہیں اپنے خاندان سے محبت ملتی بھی ہے اسی محبت کے سرچشمہ پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''محبت کی فطرت میں باہمی محبت کا لین دین شامل ہے یعنی انسان محبت دیتا ہے اور محبت لیتا ہے، انسان محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے بھی کوئی محبت کرے، انسانیت کی عظمت کا راز اس میں پنہا ہے کہ ربانی محبت انسانیت کو وجود

بخشتا ہے، جملہ بنی نوع انسانی خاندانی محبت کے سمندر مین ایک جزیرہ ہے اس کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ خاندان سے محبت کرے اور اس کے تئیں محبت کا اظہار کرے اسی وجہ سے خاندان محبت کا اہم ترین مرکز ہے، خاندان کی بنا پر انسان بیٹے پوتے باپ دادا ماں بیٹی نانی دادی سے محبت کرتا ہے خدا تعالی ایک ممتاز، منفرد اور نمایاں وجود ہے جس کا کوئی خاندان نہیں ہے نہ ہی اس کے والدین ہیں نہ ہی بھائی بہن اور نہ ہی اہل خانہ کوئی بھی نہیں جو اس سے محبت کرے جب کہ اس کے پاس بہت سی چیزیں تھیں جس پر وہ اپنی محبت نچھاور کرتا اس لیے اللہ تعالی نے انسانوں کو وجود بخشا جو اللہ تعالی کے خاندان کی جگہ لے لے، محدود انسان کے خاندان محدود ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالی کی ذات لا محدود ہے تو لازما مطلق خدا کے پاس حد درجہ بڑا خاندان ہونا چاہیے، پوری دنیا میں انسانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا یہی مطلب ہے، جس طرح انسان کو اپنے پوتوں، پر پوتوں سے خوشی ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالی کو بھی مخلوق کی افزائش سے خوشی ہوتی ہے، یہ مضمون حضور ﷺ نے بھی بیان کیا ہے الخلق عیال اللہ مخلوق اللہ تعالی کا کنبہ ہے، یعنی حضور ﷺ نے انسانوں کو خدا کے خاندان سے تقابل کیا ہے''۔(8)

مصنف نے بندے اور انسان کے ربط کے سلسلے میں دلچسپ گفتگو کی ہے، انہوں نے کتاب میں اسلام میں نماز اور دعا کی اہمیت و معنویت پر بڑی فلسفیانہ انداز میں گفتگو کیا ہے اور بتایا ہے کہ نماز اللہ تعالی سے براہ راست رابطہ کا ذریعہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''نماز اللہ تعالی سے جڑنے کا بہترین ذریعہ ہے، نماز میں اللہ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا ہے بندہ براہ راست اللہ تعالی کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اسلام میں نماز کا تصور یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کی روح براہ راست اللہ تعالی سے مربوط ہوتی ہے۔ اسلام خدا تعالی تک پہونچنے کے لیے کسی ثالثی کو قطعا گوارا نہیں کرتا ہے، نماز میں اگر چہ ایک امام ہوتا ہے جو تمام نمازیوں کی طرف سے نمائندگی کرتا ہے لیکن کسی بھی اعتبار سے یہ خدا اور بندوں کے درمیان ثالثی نہیں ہے''۔

اس طرح مصنف نے دعا اور رفع مصائب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

اسلام کا تصور یہ ہے کہ امن وسکون، آرام وراحت غم کا ازالہ صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ''۔(9) بھلا وہ کون ہے جب کوئی بے قرار اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

دعا کی قبولیت اور عدم قبولیت کے فلسفہ پر بھی انہوں نے گفتگو کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے حدیث کی روشنی سے اخذ کرتے ہوئے اپنے فلسفہ کو عام فہم انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مخلصانہ دعائیں بارگاہ ایزدی میں قبول ہوتی ہیں جو خود بارے اللہ تعالی کے واجب الوجود ہونے اور کائنات مین مؤثر ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ''۔(10) اور تمہارے پرودگار نے کہا کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا بیشک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دعا اور دعا کی قبولیت وجود باری اور رابطہ باری کی واضح دلیل ہے:

''وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ''۔(11) اور اے پیغمبر جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں لہٰذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں

تا کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔

دعا کی قبولیت اور عدم قبولیت کا راز بیان کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں:

''انسان کو اللہ تعالی سے ربط و تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم اس کی مخلوق ہیں اور وہ ہمارا خالق و مالک ہے، جو ہمیں اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ نماز اس کی ذات تک پہونچنے کا ذریعہ ہے اور وہ دعا قبول بھی کرتا ہے اور اگر وہ قبول نہ کرے تب بھی بندے اور مالک کے رابطے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کیوں کہ وہ مالک اور علیم و خبیر ہے، بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری دعائیں اکارت ہوگئیں، کیوں کہ اللہ تعالی اپنے لامحدود اور لامتناہی علم کی بنا پر خود بندے کے فائدے کی غرض سے دعائیں قبول نہیں کرتا ہے''۔(12)

مصنف کی پوری باتیں پڑھنے کے بعد محسوس نہیں ہوتا ہے کہ مصنف اسلامیات کے سلسلے میں واضح معلوم نہیں رکھتے ہیں بلکہ اسلامیات کا کوئی بھی ماہر شخص ان کی کتاب کو پڑھ کر یہی تصور قائم کرے گا کہ مصنف کا مطالعہ اسلامیات پر گہرا اور انہوں نے براہ راست نصوص کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے ثانوی مأخذ پر اپنی معلومات کی بنیاد نہیں رکھی ہے اس لیے ان کی باتوں پر نقد و تبصرہ کی گنجائش کم معلوم ہوتی ہے۔

MUHAMMAD THE PROPHET OF ISLAM
K.S. RAMAKRISHNA RAO

راما کرشنا راؤ کی یہ دوسری کتاب ہے اصل کتاب انگریزی میں ہے لیکن اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں، اصل زبان میں ہی اس کتاب کو سعودی عرب کے ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ نے شائع کیا ہے اس کے شروع میں ڈاکٹر مانع الجہنی کا کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں مختصر تعارف و تبصرہ شائع ہے۔ اس میں ڈاکٹر مانع الجہنی مصنف راما کرشنا راؤ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"Prof. K.S. RAMAKRISHNA RAO a renowned scholar of philosophy, belongs to this latter

group of thinkers who has made a thorough study of the life and massage of the prophet and then decided to speakout the impressions he had gathered from this study".(13)

راما کرشنا راؤ فلسفہ کے ایک مشہور اسکالر ہیں جو مفکرین کے اس آخری گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے نبی کریم ﷺ کے پیغامات اور حیات و کا ہمہ گیر مطالعہ کیا ہے اور پھر اس مطالعہ سے حاصل شدہ اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ بنکٹ پرشاد، حیدرآباد دکن اور ہندو مسلم زندگی ص:6

2۔ ص:11

3۔ سید بشیر بدر، آزادی کے بعد حیدرآباد میں غیر مسلموں کی اردو خدمات، 2004، ص175

4۔ اسلام، پنڈت بنواری لال، 44

5۔ اسلام: ص14

6۔ اسلام ص:29

7. https://en.wikipedia.org.>koneru-Ramakrishna

8. Significance of Prayer in Islam, P 8.

9۔ النمل:62

10۔ غافر:60

11۔ البقرہ:186

12. Significance of Prayer in Islam, P 4.

13. K.S. Ramakrishna Rao,Muhammad the Prophet of Islam, P 4.

☆☆☆

اسلامیات پر ہندوستانی غیر مسلموں کی چند اہم تصانیف

ڈاکٹر سید شاہ وحید اللہ حسینی
(اسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد)

''بنگالی زبان کے نوبل انعام یافتہ شاعر، فلسفی اور افسانہ و ناول نگار رابندر ناتھ ٹیگور (1941-1861ء) نے فرانسیسی مصنف، نثر و ڈرامہ نگار اور ماہر ہندوستانیات جناب رومین رولینڈ (1944-1866ء) کو 1928ء میں ایک خط لکھتے ہوئے لکھا: ''میں کسی دوسرے مذہب سے اتنا متاثر نہیں ہوا جس میں اتنی سادگی ہو جیسا کہ دین اسلام کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جو بنی نوع انسانی کے ہر فرد کو اپنی طرف راغب و مائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تعجب کی بات نہیں کہ برصغیر نے اسے اتنی گرمجوشی سے قبول کیا ہے۔''(1)

اسلامیات وہ علم جس میں بطور مذہب اسلام کا علمی، تحقیقی، سائنسی، روحانی اور عالمی نقطہ نظر سے جامع مطالعہ کیا جاتا ہے جس میں علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، سیرت، زبان و ادب، فلسفہ، فن و فنون لطیفہ، سائنس، تقابل ادیان، حقوق انسانی، مطالعات نسواں، تہذیب و ثقافت، اقتصادیات، سماجیات، سیاسیات، اسلام اور مسلم معاشروں کی تاریخ شامل ہے۔ بالفاظ دیگر اسلامیات سے مراد وہ علم ہے جو اسلام کے اصول و قواعد اور اس کی بنیادی باتیں سکھائے اور اس کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ بعض کی رائے ہے کہ کسی بھی موضوع کا اسلامی علوم کی روشنی میں مطالعہ کرنا اسلامیات کہلاتا ہے۔(2) 1980ء سے قبل تک اسلامی علوم میں شوق و ذوق رکھنے والے غیر مسلم دانشور حضرات کو اسلام پسند یعنی Islamicists کہا جاتا تھا۔ غیر مسلم دانشوروں کی ان

علمی کاوشوں کو اکثر مشرقی علوم (Oriental Studies) سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن اب یہ ایشیائی مطالعات (Asian Studies) کا حصہ ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامیات کے فروغ میں جہاں ہمیں مسلم علماء و دانشوروں اور محققین و مصنفین کی مختلف زبانوں میں مختلف النوع موضوعات پر علمی و تحقیقی اسلوب، قیمتی مواد اور مستند ماخذ و مراجع سے مرصع بکثرت تصانیف ملتی ہیں جن میں اسلام کا علمی و ثقافتی ورثہ محفوظ ہے وہیں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر بہت ساری معرکۃ الآراء کتب و تحقیقات ایسی ہیں جن کے مصنف علمی رسوخ اور وسیع مطالعہ کے حامل ایسے غیر مسلم دانشور حضرات ہیں جو تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق کے حوالے سے معتبر و مستند تصور کیے جاتے ہیں۔ ان مصنفین کا شہرہ ہندوستان سے متجاوز ہوکر سارے عالم تک پہنچ گیا ہے اور ان کی خاصی پذیرائی بھی ہوئی۔ اسلامی علوم کے فروغ میں ان مصنفین و مولفین کا اہم کردار رہا ہے۔ گرچہ غیر مسلم مصنفین کی اکثریت اسلام کے چہرہ کو بدنما دکھانے میں مصروف و منہمک رہی ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے بعض کی تحقیقات طعن و تشریح اور حقائق کی تحریف سے خالی ہوتی ہیں کیونکہ وہ بغیر کسی مخصوص و متعین اغراض و مقاصد کی تکمیل کے محض شوق و جذبہ تحقیق کے لیے اسلامیات کے فروغ میں اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں۔ ایسے سنجیدہ و مخلصانہ غیر مسلم اہل علم و دانش کی تصنیفات و تالیفات اور ریسرچ و تحقیقات کے محاسن و خصائص کا وسیع النظری سے اعتراف ہونا چاہیے جو قرآنی تعلیمات، اسلامی اخلاق اور مومنانہ کردار کا بھی متقاضی ہے۔ ہاں اگر ان کی تحقیقات میں کوئی غلطی، علمی کمزوری اور قابل اعتراض بات پائی جائے تو اس کی تردید اور اثبات حقانیت اسلام کے لیے بہترین اسلوب، حکمت و دانائی، قوتِ استدلال، فنی مہارت اور معتدل و متوازن طریقہ اختیار کیا جائے چہ جائیکہ ان پر بیجا تنقیدیں کی جائیں چونکہ ان کی تحریرات کے منفی اثرات کو زائل کرنے میں تنقید سے زیادہ محققانہ علمی جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان کے شہر لاہور سے شائع ہونے والے اور کلاسیکی و جدید روایات کے درمیان پل کا کام دینے والے ادبی جریدہ 'نقوش' کے 13 جلدوں اور 9220 صفحات پر مشتمل ضخیم و شہرآفاق خصوصی شمارہ 'رسول نمبر' کی چوتھی جلد میں پروفیسر عبدالسلام صارم کا مضمون بعنوان ''قرآن، اسلام اور رسول اللہؐ غیر مسلموں کی نظر میں''

موجود ہے جس میں مضمون نگار نے ایک سوستائس مغربی اور ہندوستانی اہل قلم حضرات کے افکار و خیالات اور احساسات وجذبات کو قلمبند کیا ہے۔(3) انگریزی زبان میں تصنیف کردہ مستشرقین اور ہندوستانی غیر مسلم دانشوروں کی کتب سے غیر عربی، فارسی اور اُردو داں طبقہ اسلامی تعلیمات سے متعارف ہوا۔ ماضی قریب کے مشہور ومعروف مصنفین میں جرمن کی پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل (Annemarie Schimmel) کا شمار ہوتا ہے جنہوں نے انیس سال کی کم عمری میں ''اسلامی لسانیات اور تہذیب'' پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پروفیسر شمل نے اسلامیات اور تصوف پر کم وبیش اسی (80) کتابیں تصنیف کیں جن میں Gabriel's Wing (1963)، Triumphal Sun (1978)، Islam in the Indian Sub continent (1980)، Mohammad is His Messenger (1985)، Deciphering the Sings of God (1994) قابل ذکر ہیں۔ اسلامیات پر ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت پاکستان نے انہیں اعلیٰ ترین سیویلین ایوارڈس ستارۂ امتیاز اور ہلالِ امتیاز سے سرفراز کیا تھا۔

اسلامی تعلیمات کے انسانی سماج پر ہمہ گیر اثرات کے باعث اس کی بازگشت دنیا کے ہر خطے میں سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح وطن عزیز ہندوستان میں بھی غیر مسلم دانشوروں نے نہ صرف اسلامی تعلیمات کی تائید کی بلکہ بہ بانگ دہل اسلامی تعلیمات کے محاسن کا اعتراف بھی کیا۔ چنانچہ آزاد ہندوستان کی پہلی خاتون گورنر محترمہ سروجنی نائڈو (1879-1949ء) اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر کہتی ہیں ''عدل وانصاف پر زور اسلام کے بہترین نظریات میں سے ایک ہے۔ جب میں قرآن پڑھتی ہوں تو مجھے زندگی کے وہ متحرک اصول ملتے ہیں جو پوری دنیا کے لیے عمل کے لحاظ سے موزوں ہیں۔ مجھے اتحاد واخوت سے متعلق اسلام کی عملی تعلیمات (یعنی نماز اور اس کا طریقہ ادائیگی) بہت متاثر کرتی ہیں جو انسان کو فطری طور پر دوسرے کا بھائی بنا دیتی ہے۔ وہ حج کے متعلق کہتی ہیں کہ رب کائنات ہر جگہ موجود ہونے کے باوجود مسلمانوں کو حج کے موقع پر ایک مقام یعنی عرفات میں جمع ہونے کو کہا ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ مختلف ممالک سے آنے والے، مختلف زبانیں استعمال

کرنے والے اور مختلف رسم ورواج اور روایات سے تعلق رکھنے والے زائرین یکجا ہو جائیں تا کہ اخوت و برادری کا عملی مظاہرہ ہو اور اس کے جذبات کو فروغ ملے۔(4) ہندوستان ایک کثیر مذہبی، کثیر ثقافتی ملک ہے جہاں مختلف مذاہب، ثقافت، تمدن سے تعلق رکھنے والے افراد سالہا سال سے شیر وشکر کی طرح امن وآشتی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں جو ہندوستانی تاریخ کی شاندار مثال ہے۔ ایسے حال اور ماحول میں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی بھی انسان اپنے ہم وطنوں سے ثقافتی رابطوں کو منقطع کر دے یا مکمل طور پر علاحدہ ہو کر زندگی گزارے اسی وجہ سے ہندوستانیوں میں ایک دوسرے کے مذہب وعقیدے کو جاننے اور باہمی میل ملاپ کے جذبات کو فروغ ملا۔ بین المذاہب تعلقات ایک دوسرے کے عقائد و تفکرات کو بہتر انداز میں سمجھنے، باہمی تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنانے، امن وآشتی ورواداری کی فضاء قائم کرنے اور آپسی غلط فہمیوں وشکوک وشبہات کو مٹانے میں انتہائی مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندو اسکالرز میں تاریخ نویسی کا جذبہ پروان چڑھا جو ان کی علمی زندگی میں شاذ و نادر ہی پایا جاتا تھا۔ یہ پیش رفت دراصل سماجی و ثقافتی زندگی میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے قریبی تعلق کا نتیجہ تھی یا اسے ہندوستانی ثقافت پر اسلامی ثقافت کے اثرات سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرون وسطیٰ کے ہندوستانی غیر مسلم مصنفین نے اپنی کتابوں کے افتتاحی و اختتامی حصوں میں مسلم علماء کے اسلوب نگارش کی پیروی کرتے ہوئے اپنی تحریروں کا آغاز حمد اور درود شریف سے کیا ہے۔ ان کتب کے مندرجات سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کئی ایک ہندوستانی غیر مسلم مصنفین وشعراء نے اپنے قلمی نام کے لیے عربی، فارسی اور اُردو زبانوں کا استعمال کیا ہے جیسے شفیق، انیس، مخلص، اختر، اخلاص، اکمل، بہار وغیرہ۔(5) کثیر المذہب اور کثیر لسانی تہذیب کے گہوارے یعنی ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں بہت سارے غیر مسلم ماہرینِ تعلیم، ادباء، شعراء، فلاسفہ، سیاست داں اور دانشور حضرات ایسے ہیں جنہوں نے کھل کر اسلام اور مسلمانوں پر اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔(6) ہندی زبان کے بزرگ مصنف ونقاد ڈاکٹر رام ولاس ورما (1912-2000ء) کہتے ہیں کہ ''اس سے بڑھ کر قابل اعتراض بات کیا ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ

اسلام برصغیر میں حملہ آوروں کے ذریعہ پھیلا ہے۔ایسا کہنا اسلام جیسے عظیم عقیدے کو بدنام کرنے کی کوشش ہے''۔(7) یہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کی عظیم روایت ہی کا ثمرہ تھا کہ گریش چندر سین(1836-1910ء) نے اسلامی کتب بشمول قرآن مجید کو بنگالی زبان میں منتقل کیا۔

ہندوستان کے غیر مسلم دانشوروں نے اسلام پر ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں اور بالخصوص انگریزی زبان میں مختصر، متوسط اور ضخیم مجلدات کی شکل میں معرکۃ الآراء تصنیفات و تالیفات اور نگارشات و تحریرات چھوڑی ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے جیسے راجا رام موہن رائے کی "Tuhfat al-muwahhidin (Gifts to Believers in one God"، پروفیسر راما کرشنا راؤ کی "Mohammad: The Prophet of Islam"، ڈاکٹر ناگیندر کمار سنگھ کی "Prophet Mohammad and His Companions"، جناب راجیند رنارائن لال کی ''اسلام: ایک سویم سدھ ایشوریہ جیون ویوستھا (اسلام۔ایک خدائی نظام حیات)''، سوامی لکشمی شنکر اچاریہ کی "The History of Islamic Tolerance"، گرش چندر اسین کی "Mahapurush Mohammad O Tatprabartita Islam Dharma"، آر۔سی مجمدار کی "The Arab Invasion of India"، ٹی۔این دیوارے "A Short History of Persian Literature"، اینگر اور کرشنا سوامی ایس کی "South Indian and her Muhammadan Invaders"، وی کے باوا کی "The Last Nizam: The Life and Times of Mir Osman Ali Khan"، بی۔ کے۔ نارائن کی "Finances and Fiscal Policy of Hyderabad State"، ایس۔کے پچوری اور سید داؤد اشرف کی "Archives Rare Papers of Historical Importance"، نریندر ناتھ کی "Promotion of Learning in India During Muhammadan Rule"، پروفیسر ہارون خان شیروانی اور ڈاکٹر پی۔ایم جوشی کی مرتب کردہ "History of Medieval Deccan (1295-1724)" وغیرہ۔ایک مضمون میں ان تمام کتب کا اجمالی خاکہ پیش کرنا بھی انتہائی دشوار کن مرحلہ ہے اسی لیے اس مضمون میں اسلامیات پر ہندوستانی

غیر مسلم دانشوروں کی چند اہم تصانیف کا اجمالی جائزہ لینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

'انفلوینس آف اسلام آن انڈین کلچر' از ڈاکٹر تاراچند:

ڈاکٹر تاراچند (1888-1973ء) کا شمار ہندوستان کے مایہ ناز ماہرین آثار قدیمہ، ماہرین تعلیم، دانشوروں، تاریخ دانوں اور صاحب تصانیف کثیرہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ انہیں ہندوستان کی قدیم تاریخ اور ثقافت پر کامل عبور حاصل تھا۔ انہیں تاریخ اور سیاسیات سے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ الہ آباد یونیورسٹی میں پیشہ تدریس سے وابستہ تھے۔ 1940ء کی دہائی میں وہ شیخ الجامعہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ڈاکٹر تارا چند نے 1951 سے 1956 تک ایران میں ہندوستانی سفیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ 1955ء میں حکومت ہند نے انہیں تحریک آزادی کی تاریخ رقم کرنے کا کام سپرد کیا۔ تاراچند نے ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ ان انڈیا کے نام سے تین ضخیم جلدیں لکھی اور اُس کام کو پورا کیا۔ ڈاکٹر تاراچند کی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف تاریخی حقائق کو قلمبند نہیں کرتے بلکہ ان کے سماج پر مرتب ہونے والے سیاسی و معاشی اثرات کا بھی تجزیہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر تاراچند کمیونسٹ اور لبرل مورخین کے لیے مثالی شخصیت کے حامل ہیں۔ قومی مفاہمت کے مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے ڈاکٹر تاراچند نے انفلونس آف اسلام آن انڈین کلچر کے نام سے ایک کتاب سن 1922ء میں لکھی جو 385 صفحات پر مشتمل ہے۔ دراصل یہ کتاب ان کے D.Phil کا مقالہ ہے۔ اس کتاب میں تاراچند نے تہذیب سے متعلق صرف دو پہلوؤں یعنی مذہب اور فن کے بارے میں حقائق جمع کیے ہیں۔ چودھری رحم علی الہاشمی نے 1966ء میں اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ 'اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر' کے عنوان سے کیا جو 383 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد، اسلام میں تصوف، شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد جیسے اسلامیات سے تعلق رکھنے والے اہم موضوعات کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب قرون وسطی سے متعلق وہ مستند معلومات فراہم کرتی ہے جس سے بہت کم لوگ ہی واقف ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بارہویں صدی سے لیکر اٹھارہویں صدی تک ہندو مسلم یکجہتی اور

ان کے درمیان پائے جانے والے گہرے تعلقات و روابط کو اجاگر کیا گیا ہے جو ہندوستانی قومیت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔(8)

ریاضی، سائنس، ادب اور طب میں گہری معلومات رکھنے کے باوجود زمانہ قدیم سے ہندوستانی قوم مختلف وجوہات کی بناء پر دودھ کے ابلنے، بلی کے راستہ کاٹنے، چوڑیوں کے ٹوٹنے، گھر کی چھت پر الو یا کوے کے بیٹھنے وغیرہ جیسے خرافات اور توہمات کا شکار رہی ہے۔ان ہی منفی خیالات کے باعث ان کی زندگیاں خوشیوں اور سکون سے محروم تھیں۔بعض توہم پرست دولت وخوشحالی حاصل کرنے کے لیے انسانی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔خاص طور پر جنوبی ہند میں مذہبی خلفشار کے ساتھ سیاسی انتشار اور لوگوں میں ذہنی پراگندگی بڑے پیمانے پر پائی جاتی تھی اس لیے وہ نئے خیالات کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ایسے عالم میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو ہندوستان کے مذہبی و معاشرتی امور پر اسلام کے گہرے اثرات مرتب ہونے شروع ہوگئے اور ان میں پائے جانے والے خرافات وتوہمات میں آہستہ آہستہ تبدیلی آنے لگی۔اس طرح ہندوستان کی سیاست اور معاشرت میں ایک مثبت انقلاب آیا اور آنے والی صدیوں تک ہندوستانیوں اور ہندوستانی تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات مرتب ہوتے چلے گئے جیسا کہ سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں ایک نیا مخلوط تمدن پیدا ہوا۔ ہندو آرٹ، ہندو ادب، ہندو سائنس اور ہندو طب نے اسلامی اثرات قبول کرنے شروع کیے۔ ہندو کلچر اور ہندو ذہنیت میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔مہاراشٹر، پنجاب، گجرات اور بنگال کے مذہبی پیشواؤں نے پرانے اعتقادات کی بہت سی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔مسلمانوں کے اثرات سے نہ صرف ہندوستان کی اقتصادی زندگی بلکہ یہاں کی معاشرت اور سیاست میں بھی کافی تبدیلیاں آئیں۔ اسلام کی معاشرتی زندگی جمہوریت پر مبنی ہے اور مسلمانوں میں نسل اور خاندان کو

بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ اس سے ہندو بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے معاشرتی
بندھنوں کو توڑ کر مساوات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کیں''۔(9)

برطانوی فلسفی، ریاضی داں اور نوبل انعام یافتہ ہیملٹن الیگزینڈر روزکین گب (1895-1971ء) نے لکھا ہے کہ'' ساتویں صدی سے دسویں صدی تک پر محیط عرصے کے لیے ''Dark ages یعنی تاریک دور'' کے فقرے کا استعمال مغربی یورپ پر ہماری غیر ضروری توجہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسی دور میں اسپین سے ہندوستان تک اسلام کی شاندار تہذیب پروان چڑھی ہے۔ ہمارے نزدیک ایسا لگتا ہے کہ مغربی یورپی تہذیب ہی تہذیب ہے لیکن یہ ایک تنگ نظری کی علامت ہے۔(10) گیارہویں صدی میں وسط ایشیاء سے ترک ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور ملک کے بڑے حصوں پر سیاسی وفوجی کنٹرول قائم کرلیا اور ہر شعبہ میں اسلامی ثقافت کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ شاہی پرسرستی بھی کی۔ جس کے نہ صرف قرون وسطی بلکہ جدید ہندوستان کی تاریخ پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔(11) یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین اسلام کو حملہ آوروں کا مذہب ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور مسلم فرماراؤں پر تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلانے کا الزام لگاتے ہیں لیکن یہ بھی ایک تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حملہ آوروں کے علاوہ بکثرت مسلمان اہل علم اور مردان خدا محبت کا پیغام لیکر ہندوستان آئے بالخصوص صوفیاء کرام جنہوں نے طبقاتی نظام سے متاثر ہندوستان میں ایسی کئی خانقاہوں بنائیں جہاں طبقاتی معاشرے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ آج ہے۔ جیسے حضرت شیخ اسماعیل بخاریؒ (810-870ء)، صاحب کشف المحجوب حضرت علی بن عثمان الہجویریؒ (1009-1072ء)، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (1143-1236ء)، صاحب منطق الطیر وتذکرہ الاولیاء حضرت فریدالدین عطارؒ (1146-1221ء)، حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ (1159-1244ء)، حضرت سید جلال الدین بخاریؒ (1199-1291ء) وغیرھم نے اپنی علمی کاوشوں اور حسن اخلاق وکردار سے لوگوں کو متاثر کیا۔ اس کے باوجود ہندوستان کے بعض متعصب مورخین ہندوستانیوں کے زاویہ فہم کو تبدیل کرنے کے لیے غلط پروپگنڈہ کا سہارا لیتے ہیں اور یہ ثابت

کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں پر تشدد کیا، ان کی مذہبی آزادی کو سلب کیا، ان کے مقامات مقدسہ کو نقصان پہنچایا اور انہیں تبدیلی مذہب پر مجبور کیا وغیرہ وغیرہ۔ فریب کے اس بہتے ہوئے سیلاب میں ڈاکٹر تاراچند نے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھا:

> مدورا اور ترچناپلی کے راوتن یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں تبدیلی مذہب پر ناشاد ولی نے آمادہ کیا تھا جن کی قبر ترچناپلی میں موجود ہے اور اس پر تاریخ وفات 417ھ/1309ء لکھی ہے۔ ناشاد کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک سید زادے (شہزادے) تھے۔ ان کی ریاست ترکی میں تھی، لیکن انہوں نے ریاست کو خیر باد کہہ کر درویشی اختیار کر لی اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ عرب، ایران اور شمالی ہند پھرتے ہوئے وہ شہر تریسورہ (موجودہ ترچناپلی) میں پہونچے۔ یہاں انہوں نے مستقل قیام فرمایا اور زندگی کے باقی دن عبادت اور خدمتِ خلق میں گزار دیئے۔ ان کے اثر سے بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے''۔(12)

الغرض یہ کتاب تاریخی نقطہ نظر اور بالخصوص اسلامیات کے حوالے سے ایک مستند و معتبر تصنیف ہے جس میں کثرت سے ایسی معلومات درج ہیں جن کا جاننا ہر غیر جانبدار شخص کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے یقیناً ہندو مسلم تعلقات و روابط اور ہندوستان کی دلچسپ تہذیب و ثقافت کو صحیح انداز میں سمجھنے اور اسے مزید فروغ دینے میں مدد ملے گی جو وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔

'عورت اور اسلامی تعلیمات' اور 'ذکر غالب' از مالک رام:

پنجاب کے معزز گھرانے کے تعلق رکھنے والے مالک رام (1906-1993ء) کا شمار ان غیر مسلم دانشوروں میں ہوتا ہے جنہوں نے فن شاعری اور اسلامی علوم کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا ہے۔ ان کی چار جلدوں پر مشتمل معرکتہ الآء تصنیف بعنوان 'تذکرہ معاصرین' پر انہیں سن 1983ء میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 1986ء میں انہیں ڈاکٹر ذاکر حسین انٹرنیشنل ایوارڈ برائے قومی یکجہتی کے لیے منتخب کیا گیا۔ ان کی تقریباً اسی (80) کتب اور دوسو (200) مضامین مختلف زبانوں بشمول فارسی،

عربی، اُردو اور انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں جن کے مطالعہ کرنے کے بعد قطعی یہ احساس نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم نے یہ کتب تصنیف کی ہیں۔ جیسا کہ ان کی اس تحریر سے بھی واضح ہوتا ہے:

''آپ ملاحظہ کریں گے کہ میں نے تمام مسائل خود قرآن سے اخذ کیے ہیں اور حدیث صرف اس کی تائید اور توضیح کے لیے لائی گئی ہے۔ کتب حدیث میں صحاح ستہ اور ان میں بھی بخاری اور مسلم کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر میں نے عربی زبان کے حدود میں رہتے ہوئے ایک رائے قائم کی ہے تو تعبیر و تفسیر کا یہ اختلاف جائز ہے۔ عباراتُنا شَتّٰی و حُسنُکَ وَاحدٌ۔ (تیرا حسن ایک ہی ہے، مگر ہم نے اپنی اپنی سمجھ اور ذوق کے مطابق اس کی کتنی تعبیریں کر لی ہیں۔'' (13)

مالک رام کو اگرچہ ادب، تلاش و تحقیق سے فطری لگاؤ تھا لیکن ان کے مطالعہ کا میدان علم و ادب کے متنوع پہلوؤں کو محیط تھا۔ (14) بحیثیت مولانا آزاد شناس انہوں نے مولانا آزاد کی تصانیف 'غبارِ خاطر' اور خطباتِ آزاد پر بھی تحقیقی کام کیا ہے اور دیگر تصانیف کی تدوین و تحقیق کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ مالک رام نے اسلام میں مطالعات نسواں اور شاعری پر خوب کام کیا ہے۔ مالک رام کو اسلامیات بالخصوص علوم قرآنی سے خاصہ لگاؤ تھا جیسا کہ ان کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں جب 1966ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور پہنچا تو مجھے خیال آیا کہ قرآن پڑھنا چاہیے: اس کا شوق میرے دل میں اس سے پہلے اُردو میں اسلامی کتب کے مطلعے سے پیدا ہو چکا تھا۔ خوش قسمتی سے ایک دوست کے ذریعے سے اس کا مناسب انتظام ہو گیا، ایک عربی دان عالم دین نے مجھے پڑھانے کی حامی بھر لی میں نے دو برس تک ان کی خدمت میں گرمی، جاڑا، بلا ناغہ قبل فجر حاضر دے کر پہلے اٹھارہ پارے پڑھے۔ بدقسمتی سے اس کے بعد بجوہ یہ سلسلہ ٹوٹ گیا، اور بقیہ مجھے اپنے آپ مکمل کرنا پڑا۔ (الحمدللہ)۔'' (15)

مالک رام کو اسلامیات پر عبور حاصل تھا اور معتبر و مستند قلمکاروں کے درمیان جو ان کو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس کا اندازہ مالک رام کی اس تحریر سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ حیدرآباد دکن میں اپنی

زندگی کا بڑا حصہ گزار کر پاکستان میں مستقل قیام پذیر ہونے اور جنت المعلی میں آسودۂ خاک ہونے والے نامور شاعر، صحافی، محقق، اور نقاد مولانا ماہر القادری (1907-1978ء) (جن کی نظموں نے امت مرحومہ بالخصوص مسلمانانِ دکن میں بیداری پیدا کی تھی) نے مالک رام کو سیرت نمبر کے لیے مضمون ارسال کرنے کے لیے کہا تھا جبکہ شاعرِ حیات مولانا ماہر القادری خود صاحب قلم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے جن کے قلم سے 'فردوس'، 'طلسمِ حیات'، 'روزنامچے'، 'کاروانِ حجاز'، 'نغماتِ ماہر'، 'جذباتِ ماہر'، 'انگڑائی' اور دوسرے رنگین افسانے'، 'حُسن و شباب'، 'یادِ رفتگان'، 'محسوساتِ ماہر'، 'درِ یتیم'، اور 'فاران' جیسی شہرہ آفاق تصنیفات منصۂ شہود پر آ کر قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں۔ مالک رام لکھتے ہیں:

> ''1953ء کے آخر کی یا شاید 1954ء کے اوائل کی بات ہے میں اس زمانے میں اسکندریہ (مصر) میں مقیم تھا۔ ایک دن مجھے ماہر القادری مرحوم (مدیر ماہنامہ فاران، کراچی) کا خط ملا، میری ان سے کوئی ڈیڑھ دو برس پہلے کی ملاقات تھی۔ لکھا کہ ہم فاران کا سیرت نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے مضمون لکھیے، اور خود ہی اس کے لیے عنوان بھی تجویز کر دیا'' رحمۃ للعالمین کا سلوک دشمنوں کے ساتھ''۔ مجھے یوں حضرت رسول کریمؐ کی خدمت میں ہدیہ خراج پیش کرنے کا ایک موقع ملا تھا، جی نہ چاہا کہ اسے ضائع کر دوں۔ چنانچہ میں نے مضمون لکھ کر ماہر القادری مرحوم کی خدمت میں بھیج دیا۔''(16)

محقق و دانشور مالک رام نے اسلامیات کا مطالعہ بڑی گہرائی و گیرائی سے کیا تھا جس کا بین ثبوت ان کی تصنیف بعنوان 'عورت اور اسلامی تعلیم' ہے جو دراصل دبستان اور تحریک کی صورت اختیار کرنے والے 'نگار' میں ان کے بالاقساط شائع شدہ مضمون کی کتابی شکل ہے۔ اس کتاب کو یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنو نے سن 1951ء میں شائع کیا۔ کتاب 'عورت اور اسلامی تعلیم' کا بعد میں Women in Islam کے نام سے انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ پاکستان کے مشہور شاعر، مصنف اور نقاد نیاز محمد خان جن کا قلمی نام نیاز فتح پوری (1884-1966ء) تھا 'عورت اور اسلامی تعلیم' سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس کتاب میں از مہد تا لحد عورت کی زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں، ان سب کو پیش کیا گیا ہے اور اس التزام کے ساتھ کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف قرآن اور اس کی تائید میں احادیث معتبر کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے تا کہ اسے کوئی شخص محض روایتی چیز یا تاریخی تحریف نہ کہہ سکے۔ اس کے فاضل مصنف نے جس تردد و کاوش سے کام لے کر یہ کتاب مرتب کی ہے اس کا اندازہ آسان نہیں، کیونکہ انہوں نے اس کی تصنیف میں دوسروں کی تصانیف پر اعتماد نہیں کیا بلکہ براہ راست قرآن کو سامنے رکھ کر وہ تمام احکام ایک جا کر دیئے ہیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتے تھے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورت کی اصلاح اور اس کے حقوق کے بقا و تحفظ کے نقطہ نظر سے تعلیمات اسلام کا کیا مرتبہ ہے اور فاضل مصنف نے کس محنت و کاوش سے تمام مضامین کا استنباط قرآن سے کیا ہے''۔(17)

وہ حضرات جو سورۃ النساء کی آیت نمبر 3 کی غلط تاویل کرتے ہوئے 9 یا 18 خواتین سے نکاح کرنے کا جواز پیش کرتے ہیں ان کے باطل خیال کا بطلان احادیث پاک کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتے ہیں:

''اس کی تغلیط اول تو تعامل سے ہوتی ہے۔ دوسرے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار ایسی تاویل کا مخالف ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں ایام جاہلیت کی نو عورتیں تھیں وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ نبی کریمؐ نے اس سے فرمایا ان میں چار کو رکھ لو اور باقی کو علاحدہ کر دو (ترمذی۔ ابن ماجہ) نوفل بن معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس پانچ عورتیں تھیں۔ میں نے رسول کریمؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ ایک کو الگ کر دو اور چار کو رہنے دو۔ ظاہر ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اس آیت کے تحت چار کو حد قرار دیا ہے تو کوئی اور تاویل کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ رہا خود رسول کریمؐ کا چار سے زیادہ

نکاح کرنے کا سوال تو یہ کوئی مناسب محل نہیں کہ اس پر تفصیل سے بحث کی جائے کیونکہ ان میں سے اکثر شادیاں دینی اور سیاسی اغراض کو مدنظر رکھ کے کی گئی تھیں۔ آپ اگر چاہتے تو آسانی سے دوشیزہ عورتوں سے نکاح کر لے سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اُمہات المومنین میں سے زیادہ تعداد ان کی تھی جو آپ کے نکاح سے پہلے ایک ایک اور دو دو بار بیوہ ہو چکی تھیں اور عمر میں بھی مرحلہ شباب سے گذر چکی تھیں۔ اس لیے ان سے شادی کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس سوال کا جواب کہ آیت زیر بحث کے نزول کے بعد جو چار سے زیادہ تھیں انہیں طلاق کیوں نہیں دی گئی، یہ ہے کہ اول تو ازواج النبیؐ کا احترام اور تقدس اس امر کا متقاضی تھا کہ اُنہیں اس رشتے سے خارج نہ کیا جائے دوسرے خود اللہ تعالی نے یہ فرمایا کہ ''اس کے بعد تمہارے لیے (مزید عورتیں نکاح میں لانا جائز نہیں اور نہ یہ کہ ان کی جگہ دوسری بیویاں نکاح میں لاؤ خواہ ان کا حسن تمہیں پسندیدہ ہی کیوں نہ ہو۔ سوائے اُن کے جن کا تیرا دست راست مالک ہو چکا اور اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔(18) (اس آیت پاک میں) چار سے زائد بیویوں کو حلال قرار دے دیا ہے، ہاں مزید نکاح کرنے سے روکا اور یہ بھی کہہ دیا کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر بھی تم ایسا نہیں کر سکتے۔''(19)

دین اسلام کے ہمہ گیر اور آفاقی نظام میں انسانی طبائع ، بشری تقاضوں، میلانات اور رجحانات کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ اس کا ہر حکم و فرمان نہ صرف مبنی بر مصلحت وحکمت ہے بلکہ غایت درجہ معتدل، متوسط اور افراط وتفریط سے پاک بھی ہے۔ انہی امور میں سے ایک مسئلہ تعدد زوجات کا بھی ہے جس پر بعض جدید ذہن رکھنے کا دعوی کرنے والے حضرات بے جا اعتراضات کرتے ہیں اور نیشنل میڈیا میں اس مسئلہ کو غیر ضروری طور پر اچھالا جا رہا ہے باوجود اس حقیقت کے کہ تعدد ازواج اسلام کا دیا ہوا کوئی نیا نظام نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ قدیم سے تقریباً ہر مذہب کا حصہ رہا ہے۔ تعدد ازواج حضرات سیدنا ابراہیمؑ، سیدنا یعقوبؑ، سیدنا داؤدؑ، سیدنا سلیمان، سیدنا موسیٰؑ، تاجدار مدینہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ جیسے جلیل القدر انبیاء ومرسلین کی سنت رہی ہے۔ سابق شرائع اور امتوں میں کثرتِ ازواج کی اجازت تھی۔ زمانہ

جاہلیت میں تو مرد حضرات کو لاتعداد نکاح کرنے کی اجازت تھی جس کا لوگ غلط فائدہ اٹھاتے اور مالدار مگر بدصورت یتیم بچیوں کے کفیل وسرپرست ان سے نکاح کرتے اور ان کی دولت اپنے نام منتقل کرنے کے بعد بے رغبتی کی وجہ سے ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتے اور ان کا مال دیگر ازواج پر خرچ کرتے یا انہیں طلاق دیکر زوجیت سے خارج کر دیتے۔ علاوہ ازیں ان یتیم بچیوں سے شادی کرنے کے بعد انہیں حقوق زوجیت سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔ معاشرے کو اس ناسور یعنی یتیم بچیوں کو دھوکہ دہی سے بچانے، ان کے حقوق کی پاسداری کرنے اور اس مسئلہ کے مستقل تدارک کے لیے دین اسلام نے مسئلہ تعدد ازواج میں ترمیمات، اصلاحات کرنے کے بعد عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ تعدد زوجات کو چار تک محدود کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اسلام نے چار شادیاں کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ چار کی حد سے تجاوز کرنے سے منع فرما کر معاشرہ میں رائج سماجی مسئلہ کا سد باب اور خواتین بالخصوص یتیم بچیوں کی عزت وناموس کی حفاظت کو یقینی بنایا ہے۔ جیسا کہ اس آیت پاک سے مترشح ہو رہا ہے۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے ترجمہ: اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچیوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ کرو) اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی" (20) اس حساس مسئلہ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے ہوئے مالک رام رقمطراز ہیں:

> "تعدد ازواج کی اجازت مشروط ہے اور صرف خاص حالتوں کے تحت ہی اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک تو سورۃ نساء کی آیت میں بیان کر دی کہ اگر تمہیں ان یتیم لڑکیوں سے ناانصافی کا ڈر ہو تو ایسا کر سکتے ہو۔ پھر اس اجازت پر ایک اور پابندی کا اضافہ کیا کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو یعنی اُن کی ضروریات کے مہیا کرنے میں، کھانے کپڑے میں، ان سے تعلقات میں، عدل قائم کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک کے گھر میں جشن ہو تو دوسری کے گھر فاقہ۔ ایک جگہ شبِ عید ہو تو دوسری کے دیئے میں تیل بھی نہ ہو۔ عورت کی فطرت میں خدا نے رشک وحسد کا مادہ بہت زیادہ رکھا ہے۔ عام حالات میں وہ دوسری عورت تو درکنار، سیج کی مکھی کو بھی

برداشت نہیں کرسکتی۔ پس جہاں سَوت کا معاملہ ہو وہاں مرد کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔اس کا فرض ہے کہ اپنی تمام بیویوں کو ہر ایک چیز ایک سی دے۔مکان، سامان، کپڑے، زیورات، خوراک اور دیگر ضروریات کی اشیاء سب ایک سی ہوں۔ ان کے یہاں اپنے آنے جانے کا بھی ایک اصول بنالے۔رسول کریمؐ کا اُسوہ حسنہ تو اس باب میں اتنا وسیع تھا کہ وہ بیویوں کے جذبات تک کا خیال رکھتے تھے اور حتی الوسع انہیں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے۔ بخاری (کتاب المظالم) میں ہے کہ ایک روز آپؐ کسی بیوی کے یہاں تھے۔وہاں کسی دوسری بیوی نے کھانے کی کوئی چیز آپ کی خدمت میں بھیجی۔جس پر بیوی کی باری تھی اور جس کے یہاں آپ تشریف فرما تھے،انہوں نے اس کو برا مانا اور جھنجلا کر ہاتھ جو ہاتھ مارا تو سوءاتفاق سے کھانے کا برتن زمین پر گر گیا اور ٹوٹ گیا۔آپ نے ٹوٹے ہوئے پیالے کے ٹکڑے جوڑ کر ملائے اور اس میں کھانا رکھا اور فرمایا کھاؤ۔اور قاصد کو بھی اتنی دیر تک روکے رکھا تا کہ وہ واپس جا کر کھانا بھیجنے والی بیوی سے واقعہ پورا پورا اور درست بیان کر سکے۔جب کھانا ختم کر چکے تو شکستہ پیالہ رکھ لیا اور اس کی جگہ ثابت پیالہ واپس بھیجا۔''(21)

مالک رام اسداللہ خان غالبؔ کی زندگی اور ان کی تصانیف سے متعلق نئی نئی تحقیقات کو شرح وبسط کے ساتھ ضبط تحریر لانے کے باعث نہ صرف ان کا شمار ماہر غالبیات میں ہوتا ہے بلکہ وہ اس فن میں اپنی علاحدہ شناخت بھی رکھتے ہیں۔انہوں نے غالب کی زندگی پر مستند و معتبر سوانح عمری یعنی ذکر غالبؔ لکھی جس میں غالب کی حیات کے ہر گوشہ پر تفصیل سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔مالک رام کی اسی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے اُردو کے سربرآوردہ اور کھلا ذہن رکھنے والے نقاد پروفیسر آل احمد سرور (1911-2002ء) لکھتے ہیں:

''اُردو کے محققوں میں مالک رام کئی حیثیتوں سے امتیاز رکھتے ہیں، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے ہر پہلو کا غائر مطالعہ کرتے ہیں۔تمام ضروری مواد مہیا کرتے ہیں اور نہایت سلجھے ہوئے اور شگفتہ انداز میں یہ مواد پیش کر دیتے

ہیں۔ان کے ہاں جذباتیت سرے سے نہیں، بلکہ ہمدردی ہے۔غالب پر انہوں نے
جو تحقیق کی ہے اس کی وجہ سے غالبیات میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔'ذکر غالب'
اور 'تلامذۂ غالب' کے علاوہ 'دیوان غالب' کا وہ ایڈیشن جو کتاب گھر سے شائع ہوا ہے
یہ سب ان کی نظر کی گہرائی اور ذوق سلیم دونوں کا غیر فانی نقش ہیں''۔(22)

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ فکری گیرائی و گہرائی رکھنے والا ایسا جامع و بلیغ رومانی شاعر ہے جس نے اُردو شاعری کو ذہن دیا، غزل کی دنیا کو وسعت دی اور شعر و ادب کی دنیا کو خیرہ کر دیا۔مرزا غالب کی شخصیت، شاعری اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مصنفین نے کتابیں رقم کی ہیں لیکن مالک رام نے غالب کی زندگی سے متعلق سیر حاصل جائزہ لیتے ہوئے جو تحقیقی معلومات فراہم کی ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔غالب کی زندگی پر لکھی گئی 365 صفحات، تین ابواب، کتابیات اور اشاریہ پر مشتمل مالک رام کی تصنیف 'ذکر غالب' اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہے جس کے پانچ ایڈیشن ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی تھیں۔اس کتاب کی اہمیت و افادیت کا ذکر کرتے ہوئے تخلیقی ذہن کے مالک ادیب و دانشور ڈاکٹر سید عابد حسین (1978-1896ء) رقمطراز ہیں:

''ذکر غالب اُن تمام تحقیقات کا نچوڑ ہے جو اب تک غالب کی سیرت
سے متعلق ہو چکی ہیں اس کے علاوہ اس میں مالک رام نے نئے ماخذوں کو کھنگال کر
نئی معلومات بھی فراہم کی ہیں جو کہیں اور نہیں ملتیں''۔(23)

اس کتاب کے پہلے باب میں غالب کی سوانح حیات درج ہے جبکہ دوسرے باب میں ان کی تصنیفات کا احاطہ کیا گیا اور تیسرے اور آخری باب کا تعلق غالب کے عادات و اخلاق سے متعلق ہے۔اس کے علاوہ مصنف نے 'فسانہ غالب'، 'تلامذۂ غلب' اور 'مرزا غالب' جیسی کتابیں بھی تصنیف کیں۔تقریباً پچاس (50) مضامین انہوں نے غالبیات پر تحریر کیے ہیں۔ان کا ایک مضمون بعنوان 'ذوق اور غالب' نگار میں شائع ہو چکا ہے۔غالب کی شخصیت اور ان کے اشعار سے متعلق ہماری درست تفہیم میں ان کی تصانیف کا نمایاں کردار ہے۔مالک رام کی علمی و ادبی صلاحیتوں، کاوشوں اور کارناموں

کا مسلم دانشوروں بشمول ہندوستان کے مولانا عبدالماجد دریابادی (1977-1892ء) اور پاکستان کے پروفیسر یوسف سلیم چشتی (1984-1895ء) نے بھرپور اعتراف کیا اور خوب سراہا ہے۔

'ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا' از کے۔اے نیلا کانتا شاستری اور جی۔سرینیواس چاری:

یہ کتاب 874 صفحات، دو حصوں، 29 ابواب، خلاصہ، کتابیات، واقعات کی تاریخی اعتبار سے ترتیب اور اشاریہ پر مشتمل ہے جو پہلی بار 1955ء میں شائع ہوئی۔ مصنفین نے ایک جلد میں ہندوستانی عوام کی زندگیوں پر زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک اثر انداز ہونے والے مختلف اداروں اور تحریکات کی تاریخ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب کے دوسرے حصے کے دس تا اٹھارویں ابواب تک مصنفین نے ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملوں، دہلی سلطنت، مسلم حکمرانوں کی نوعیت اور اثرات، شمال کی چھوٹی مسلم سلطنتیں، جنوبی سلطنتیں، ابتدائی مغل اور سوری سلطنت، مغل سلطنت اپنے عروج پر، مغلوں کا دورِ حکومت اور سماجی زندگی، مغل اور مراٹھا جیسے عناوین کے تحت تفصیلی اوتاریخی مواد فراہم کیا ہے جو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بالعموم اور اسلامیات سے تعلق رکھنے والے طلباء اور دانشوروں کے لیے بالخصوص اہم کتاب ہے۔ مصنفین نے ہندوستانی آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات سے حاصل ہونے والے معلومات کو بھی اس کتاب میں درج کیا ہے اور سیاسی واقعات کو اس انداز سے پیش کیا جس سے ہندوستانی ثقافت کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مذہب، ادب، صنعت اور تجارت سے متعلق حقائق کو متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان پر برطانوی حکمرانی قائم ہونے سے پہلے شمالی ہندوستان، دکن اور جنوبی ہندوستان کے بارے میں تاریخ کی روشنی میں جامع نظریہ پیش کیا گیا۔ مصنفین دسویں صدی کے مصنف وجغرافیہ دان ابن حوقل (978-943ء) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''سندھ میں عربی اور ہندی زبانوں کا استعمال ہوتا ہے اور وہاں ہندو اور مسلمان دوستانہ تعلقات اور جذبہ رواداری کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ابن حوقل مزید لکھتا ہے کہ عرب ہندوستان کے بارے میں یونانیوں اور رومیوں سے زیادہ جانتے

ہیں۔''(24) ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کو چند وجوہ سے حملہ آور کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اولاً: حملہ آور جب کسی علاقہ پر حملہ کرتا ہے تو مفتوحہ قوم کے باعزت افراد کو ذلیل خوار کر دیتا ہے جبکہ مسلمانوں کے دور حکومت میں بہت سارے غیر مسلم حضرات ایسے گزرے ہیں جن کی صلاحیتوں کا بھرپور اعتراف کیا گیا، ان کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا، اور انہیں ہمیشہ عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ثانیاً: تمام مسلم حکمرانوں کو حملہ آور کہنا اس لیے بھی درست معلوم نہیں ہوتا چونکہ ان میں اکثریت ایسے حکمرانوں کی ہے جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں پر آسودہ خاک ہیں۔ ثالثاً: اگر مسلم حکمراں واقعتاً حملہ آور ہوتے تو حملہ آور کا واحد مقصد لوٹنا ہوتا ہے جبکہ بہت سارے مسلم حکمران ایسے گزرے ہیں جو بیرون ممالک سے علماء، ماہرین فن و ادب کو ہندوستان آنے کی دعوت دیتے تاکہ ہندوستان کو عالمی نقشہ پر مثالی ملک بنایا جا سکے۔ رابعاً: حملہ آور وہ ہوتا ہے جس کا مقصد وحید تباہی و بربادی ہوتا ہے جبکہ بعض مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو وحشی طاقتوں سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جن میں دہلی سلطنت کے خلجی خاندان کے سب سے طاقتور اور دوسرے سلطان، علاء الدین خلجی (1316-1266ء) بھی شامل ہے جو اپنی دوررس اصلاحات کے باعث تاریخ میں اہم مقام کا حامل ہے۔ 1296 تا 1316ء تک سلطنت دہلی پر حکمرانی کرنے والے علاء الدین خلجی نے روس، چین، عراق، شام، یورپ پر اپنی دہشت کے نشان چھوڑنے والے اور ناقابل شکست منگولوں کو اپنی قابلیت، معاملہ فہمی اور بہترین جنگی حکمت عملی کے باعث ایک مرتبہ نہیں بلکہ پانچ مرتبہ شدید شکست سے دوچار کرتے ہوئے ہندوستان پر قابض ہونے سے روکا جہاں ہندوؤں کی کثیر آبادی مقیم تھی۔(25) علاء الدین خلجی کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ منگول کے ساتھ امن کا معاہدہ کر لے۔ اگر اس نے اپنے خاص صلاحکاروں کے مشورے کو نظر انداز نہ کرتا اور اس وقت منگول کے حملوں سے ہندوستان کو بچانے میں ناکام ہو جاتا تو منگول ہندوؤں کا قتل عام کر دیتے جو ہندو مذہب کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا اور شاید سفاک منگولوں کی ستم کاریوں سے ہندو نسل معدوم ہو جاتی۔ گویا ہندوستان کو بچانا غیر دانستہ طور سے ہندوازم کو بچانے کے مماثل ہے۔ جس قدر منگول علاء الدین خلجی کے دور میں گرفتار یا قتل کیے گیے اس سے پہلے کسی جنگ میں ایسا نہیں ہوا۔

(26)اگر منگول ہندوستان پر قابض ہوجاتے تو وہ اپنے وحشی پن سے ظلم وستم کی ناقابل بیان داستانیں رقم کرتے ہوئے ہندوستان کو ایسے ملامیٹ کردیتے جیسے انہوں نے شہر بغداد کو کیا تھا۔ یہ واقعہ ہم سب کو دعوت ملاحظہ دے رہا ہے کہ ہم کس طرح ان حکمرانوں کو حملہ آوروں کے نام سے یاد کرسکتے ہیں جنہوں نے انتہائی طاقتور وخونخوار منگولوں سے ہندوستان کی حفاظت کی تھی۔ دراصل منگول حملوں کو ناکام بنانے کے لیے ہندوستان کو علاءالدین خلجی کا شکرگزار ہونا چاہیے۔(27)

حوالہ جات:

1۔ بحوالہ دیش میگزین، جولائی 1965ء۔
2۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: کلنٹن بنیٹ، مرتب، دی بلومسبری کمپینین ٹو اسلامک اسٹیڈیز، یو۔ایس۔اے، 2015، صفحہ 2۔
3۔ نقوش رسول نمبر، جلد چہارم، صفحات 447 تا 479۔
4۔ سروجنی نائڈو، اسپیچس اینڈ رائٹنگس آف سروجنی نائڈو، مدراس، 1918، صفحات 167 تا 169۔
5۔ ڈاکٹر محمد فائق، مرتب، کانٹریبیوشن آف نان مسلم پوئیٹس اینڈ رائٹرس ٹو دی ڈیولپمنٹ آف اُردو، پرشین اینڈ عربک اسٹیڈیز، دیباچہ، صفحات 6 تا 8۔
6۔ تاراچند، انفلوینس آف اسلام آن انڈین کلچر، دی انڈین پریس، الہ آباد، 1946، صفحہ i۔
7۔ دی ملی گزیٹ، 27/جنوری 2012ء۔
8۔ ڈاکٹر تاراچند، چودھری رحم علی الہاشمی، مترجم، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، دہلی، 1966، صفحات 11 تا 12۔
9۔ ڈاکٹر محمد رفعت، ماہ نامہ زندگی نو، ستمبر 2018، نئی دہلی، صفحات 55۔
10۔ رسل، برٹرینڈ، ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، لندن، 1948، صفحہ 419۔
11۔ محمود غزنوی وہ پہلا ترک تھا جس نے 1001 سے 1027ء کے درمیان ہندوستان پر سترہ (17) مرتبہ حملہ کیا۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ محمود غزنوی کے ساتھ ممتاز محقق و سائنسداں، سیاح و مورخ اور بوعلی سینا کے ہمعصر (1037-980ء) ابو ریحان محمد البیرونی (1048-973ء)، بھی ہندوستان آئے تھے جنہوں نے کتاب الہند، قانون مسودی کے علاوہ تاریخ، ریاضی اور فلکیات پر کوئی سو سے زیادہ کتب تصنیف کی ہیں۔ یہ وہی البیرونی ہے جس نے ہندوستانی کے تاریخ وتمدن اور یہاں کے

قدیم علوم کو محفوظ کرنے میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی تصنیف کردہ کتاب الہند ہی کے باعث ہندو اور غیر ہندو حضرات ہندوستان کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن سے واقف ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں: ''محمود غزنوی کی یلغار کے بعد علماء وصلحاء ہندوستان آئے جن کے نام کی فہرست دینا یہاں ممکن نہیں''، تفصیل کے لیے دیکھیے سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک، اعظم گڑھ، 1958ء، ڈاکٹر تاراچند کا مقالہ بعنوان ''ہندوستان کے اصلی مبلغین اسلام'' صفحات 374 تا 375۔

12۔ ڈاکٹر تاراچند، چودھری رحم علی الہاشمی، مترجم، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، دہلی، 1966، صفحہ 65۔

13۔ مالک رام، عورت اور اسلامی تعلیم، عرضِ مولف، صفحہ 7۔8۔

14۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو نقوش: شخصیت نمبر، لاہور، صفحہ 1463۔

15۔ مالک رام، اسلامیات، دہلی، 1984ء، پیش لفظ، صفحہ 2۔

16۔ مالک رام، اسلامیات، دہلی، 1984ء، پیش لفظ، صفحہ 5۔

17۔ مالک رام، عورت اور اسلامی تعلیم، تعارف، صفحہ 6۔

18۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر 52۔

19۔ مالک رام، عورت اور اسلامی تعلیم، عرضِ مولف، صفحات 70۔71۔

20۔ سورۃ النسآء آیت 3۔

21۔ مالک رام، عورت اور اسلامی تعلیم، عرضِ مولف، صفحہ 72۔

22۔ علی جواد زیدی، مالک رام ایک مطالعہ، دہلی، 2011، صفحہ 97۔

23۔ (مالک رام، ذکر غالب، دہلی، 1964ء، دیباچہ، صفحہ 4۔

24۔ کے۔اے نیلا کانتا شاستری و جی۔سرینیواس چاری، ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا، دہلی، 1989ء، صفحہ 330۔

25۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوا ے۔آر فلّر اور اے۔خلاق، دی رین آف علاء الدین خلجی (ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کا انگریزی ترجمہ)، کلکتہ 1960ء، صفحہ 128۔

26۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ایس۔چندرا، ہسٹری آف میڈول انڈیا، نئی دہلی، 2008ء، صفحات 87، 147۔

27۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، کے۔اے نیلا کانتا شاستری اور جی۔سرینیواس چاری، ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا، نئی دہلی، 1989ء، صفحہ 353۔

☆☆☆

عربی اور اسلامی علوم میں کرنل بی کے نارائن کا حصہ

پروفیسر مظفر عالم
(استاذ شعبہ عربی، ایفل یونیورسٹی، حیدرآباد)

کرنل صاحب کی پیدائش مؤرخہ 18/فروری 1922ء کو صوبہ کرناٹک کے ایک گاؤں میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی مقام میں ہی حاصل کی اور اعلی تعلیم کے لیے انھوں نے حیدرآباد کا سفر کیا، اور حیدرآباد سینٹرل یونیورسٹی حیدرآباد میں 1947ء میں داخلہ لیا، اور قانون میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ بچپن سے ہی اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی، عربی اور فارسی زبانوں میں ان کو بے حد دلچسپی تھی، اور اس میں انھوں نے اچھی خاصی مہارت اور درک حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ہندوستانی فوج سے وابستہ ہوکر اعلی عہدوں پر فائز رہے، جیسے: ایک رجمنٹ کے یونٹ کمانڈر، پھر قاہرہ میں ہندوستانی سفارتخانہ میں بحیثیت ملٹری اٹیچی برسرخدمت رہے۔

دلی میں رہائش پزیر رہے۔ دہلی میں قیام کے دوران اسکول آف لینگویجز سے 1956ء میں عربی اور انگریزی ترجمہ میں سند حاصل کی۔ اور ایک سال بعد ہی 1957ء میں عربی اور فارسی ترجمے میں سند حاصل کی۔ تقریباً تیس سال تک ہندوستانی فوج میں برسرخدمت رہے۔ اور 1972ء میں کرنل کے عہدے سے آپ کی سبکدوشی ہوئی۔ 1968-1964ء کے درمیان وہ مصر میں ملٹری اٹیچی کی عہدے پر فائز رہے، اسی دوران آپ نے امریکہ کے اہم اداروں سے ڈگریاں حاصل کیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹیجک اسٹڈیز لندن کے کرنل صاحب ممبر بھی رہے۔ اسی طرح انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز دلی میں آپ نے بحیثیت ڈین خدمت انجام دیا۔ ہندوستانی بروڈ کاسٹنگ اور

ہندوستانی کالجز میں بھی آپ تبصرہ نگار، کبھی اناؤنسر اور کبھی مقرر کی حیثیت سے شامل ہوتے رہے۔

ابوظبی اور خلیج کے دوسرے عرب ممالک میں آپ نے بہت سارے موقعوں پر لکچرز دیے۔آپ کو تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا، آپ کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا: سیاست، تہذیب، اور عربی زبان وادب موضوعات کے اردگرد آپ کی تصنیفات چلتی رہیں۔عربی میں آپ کی چار اہم تصنیفات ہیں: 1۔سیرۃ النبی، 2۔خلاصۃ تعالیم الجیتا، 3۔ فلسفۃ الیوغا، ایک اور تصنیف ہے جس کی تلاش ہنوز جاری ہے۔

خلاصة تعالیم الجیتا(A summary of Geetas Teaching) کرنل صاحب کی اہم تصنیف ہے، جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں اس مقدس کتاب کی اہم تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ کتاب وکاس پبلشنگ ہاؤس پرائیوٹ لمٹیڈ دلی سے 1993ء میں شائع ہوئی ہے۔یہ 18 فصول پر مشتمل ہے، اس کتاب کے مقدمے میں مصنف نے کتاب مقدس کا تعارف کرایا ہے۔بہ قول مصنف:

> ''گیتا ایک ایسا انشودہ ہے، جو قدیم ہندوستان میں دو اہم فریق کورو اور پانڈو کے درمیان لڑی گئی جنگ کی ترجمانی کرتا ہے۔یہ جنگ خیر وشر، عدل وظلم اور حق وباطل کے درمیان لڑی گئی تھی۔یہ برادران وطن کی بہت ہی اہم اور مقدس کتاب ہے، جو مکالمے کی شکل میں لکھی گئی ہے۔یہ مکالمہ انسانی ضمیر اور صوت خداوندی کے درمیان ہے اور اس کے ذریعے بنی نوع انسان کو دنیا میں اُخروی زندگی کی تیاری کی نصیحت کی گئی ہے۔اس مکالمے میں اس جنگ کا سب سے اہم کردار ارجون انسانی ضمیر کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ کرشنا ندائے سماوی کا ترجمان ہے۔اور اس کتاب میں صرف 617 اشعار ہیں''۔

اس کتاب کے 18 فصول انسانی زندگی کے اہم موضوعات جیسے حیات وموت، حواسہ خمسہ، اور نفس پر کنٹرول بغیر کسی جزا کی امید کے سرگرم عمل رہنا۔تقرب إلی اللہ، انسانی زندگی کے رموز،

زمانہ اور کائنات کا رشتہ، خالق اور مخلوق کا رشتہ، تلاش حق اور اس کی حصولیابی اور زہد وتقوی کا اختیار کرنا وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

فلسفة اليوغا ایک نظریاتی بحث ہے، جس میں یوگا اور روحانی فلسفہ سے بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کے بھی صفحات سو کے قریب ہیں اور مؤسسة جامعية الدراسات والنشر والتوزيع بیروت نے اسے 1986ء میں شائع کیا ہے۔مقدمہ کے علاوہ مصنف نے اس کتاب میں یوگا سے متعلق موضوعات کا احاطہ کیا ہے، مثال کے طور پر یوگا اور روحانی فلسفہ، جسم انسانی میں پوشیدہ قوت کے مراکز، یوگا کے ذریعے تنفس اور دوسرے ریاضیات کا عمل، یوگا سے صوفیا کا رشتہ، اس کی مختلف قسمیں، جسم، نفس اور روح کا اجتماع، مادی دنیا کی حقیقت، یوگی اور خارجی دنیا، مراقبہ کی اہمیت وغیرہ وغیرہ۔

کتاب سيرة النبي ایک مختصر لیکن جامع تصنیف ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اہم گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس کتاب کی بھی تلاش ہنوز جاری ہے۔

ان عربی کے چار کتابوں کے علاوہ آپ کا تعلق بحرین کے مجلة الوثيقة سے کافی مضبوط رہا ہے۔یہ مجلّہ ششماہی ہے، جسے بحرین کا مرکز الوثائق التاريخية شائع کرتا ہے۔ہندوستان میں فوجی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد سے ہی آپ بحرین منتقل ہوگئے، اور وہاں کے سرکاری مترجم کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔وقتاً فوقتاً اس ششماہی مجلّے میں آپ کے مضامین عربی اور انگریزی میں شائع ہوتے رہے۔اس مجلّے کے رئیس التحریر علی اباحسین سے آپ کا تعلق دوستانہ تھا۔گرچہ مقالات کی تعداد زیادہ ہے مگر اس پرچے میں ان کے چند مقالات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔مثلاً اس پرچے کے دسویں شمارے میں جو جنوری 1987ء میں شائع ہوا تھا، میں آپ کا مضمون علی اباحسین کے ہمراہ ''وثائق تاريخية عن صيد اللؤلؤ في البحرين'' کے عنوان سے چھپا، یہ مضمون کافی طویل ہے اور تقریباً 26 صفحات پر مشتمل ہے۔اسی طرح اس کے تیرہویں شمارے میں جو جولائی 1988ء میں شائع ہوا تھا علی اباحسین کی شراکت کے ساتھ آپ کا

مضمون ''المؤثرة على المصالح الاقتصادية البريطانية فى الخليج العربى عام 1957ء'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ان مقالات کے علاوہ ''الوثيقة'' کے کچھ ایسے مضامین بھی ہیں جو براہ راست آپ کی تصنیف نہیں ہیں،لیکن آپ نے ان مضامین کو عربی کا جامہ پہنایا ہے۔جیسے اس پرچے کے گیارہویں شمارے میں جو کہ جولائی 1987ء میں شائع ہوا تھا اس میں ایک مضمون بعنوان ''من تاريخ الخدمات الجوية فى البحرين'' آپ کے ترجمے کے ساتھ شائع ہوا۔اس ترجمے پر نظر ثانی اور اوراس کی تحسین ڈاکٹر علی اباحسین نے کی ہے۔اسی طرح چوالیسویں شمارے میں جو جولائی 2003ء میں شائع ہوا، بیجوین بلیکوک کا ایک مضمون بعنوان ''البحرين منذ مائة وخمسين عاماً بعينى قيطان فرنسى'' بھی آپ کے ترجمے کے ساتھ شائع ہوا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ششماہی مجلّہ ''الوثيقة'' جو جولائی 1982ء سے شائع ہونا شروع ہوا، دو حصوں میں منقسم رہا، پہلا حصہ عربی مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ انگریزی مضامین پر۔اس دوسرے حصے میں بھی آپ کے بیش بہا مقالات زیور طبع سے آراستہ ہوتے رہے۔مثال کے طور پر اس پرچے کے سترہویں شمارے میں جو کہ 1995ء میں شائع ہوا تھا آپ کا مضمون ''العلاقات الهندية البحرينية منذ العصور الغابرة حتى الاحتلال البرتغالى'' (Indo-Bahrain Relations in the ancient times to the Portuguese Era) کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔اسی طرح تیئیسویں شمارے میں جو جولائی 1992ء میں شائع ہوا تھا ''صيد اللؤلؤ فى البحرين على ضوء الوثائق التاريخية'' (Historical documents concernign Pearl-fishing in Bahrain) کے عنوان سے آپ کا مضمون شائع ہوا۔یہ مضمون آپ دونوں رفیقوں کی ملی جلی کاوش کا نتیجہ تھا۔اس مجلّے کے انسٹھویں شمارے میں ایک مضمون کا پتہ چلتا ہے جو 2011ء میں شائع ہوا تھا جس کا عنوان ''أثر الصين على الثقافة الإسلامية فى العصور الوسطى'' Chinese influence on slamic culture in the Middle

Ages تھا۔

''الوثیقة'' کے علاوہ آپ کے مضامین ''ثقافة الهند'' میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ حکومت ہند کا واحد عربی سرکاری مجلّہ ہے جو انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن سے حالیہ دنوں تک شائع ہوتا رہا ہے۔اس مجلّے میں بھی آپ کے بعض مضامین شائع ہوئے ہیں۔اس میں ایک مضمون ''مؤسس ديانة السيخ: المرشد نانک'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

اسلامی علوم سے بھی کرنل صاحب کو خاصی دلچسپی تھی، انہوں اس کو بھی اپنے رشحات قلم کا موضوع بنایا اور اس تحقیق وتدقیق کے اعتبار سے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔اسلامی علوم میں ان کی تمام تر تصانیف انگریزی میں ہیں۔جیسے: Mohammad the prophet of islam: A flame in the desert یہ کتاب laneere ۔اپبلیکیشنز نے 1978ء میں شائع کیا۔ 1975-1980ء کے درمیان یہ کتاب چھ بار شائع ہوئی ہے۔

2۔ Pan-islamism: Background and prospects, with a suppliment on Imam Ali and his doctrines یہ کتاب 1982ء اور 1987ء کے درمیان شائع ہو چکی ہے۔

3۔ Dialogues of the sufi mystic Bawa Muhiayuddeen اس کتاب کی طباعت 1990ء میں تین بار ہو چکی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ کرنل صاحب کی دوسری تصانیف کچھ سیاست اور سیاسی شخصیتوں پر مبنی ہیں اور چند جنگ اور اس کی حکمت عملی سے متعلق ہیں۔جیسے آپ کی مشہور کتاب:

1۔ Anwar EL sadaat: A man with a mission

مصری صدر انور سادات سے آپ کے گہرے مراسم رہے ہیں۔آپ نے اس کتاب میں انور سادات کی سیاسی حکمت عملی کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، یہ کتاب وکاس پبلیکیشنز ہاؤس سے 1977ء

سے زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔اسی طرح ان کی دوسری کتاب خلیجی سیکوریٹی پر ہے: Oman and Gulf Security یہ کتاب بھی 1979ء سے لے کر اب تک چار بار چھپ چکی ہے۔

عالم عرب سے متعلق آپ کی تیسری کتاب Leaders of the Arab world: Unity and diversity ہے، چوتھی کتاب چوتھی اسرائیل اور عرب جنگ سے متعلق ہے۔اس کا عنوان Fourth Issrail Arab war ہے جو 1974ء میں شائع ہوچکی ہے۔

پانچویں کتاب کا عنوان ہے: Lessons and consiquences of the Octobar war یہ کتاب 1977ء میں شائع ہوئی ہے، اور کم وبیش ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اسی طرح کرنل صاحب نے ترجمہ نگاری میں بھی نمایاں خدمات انجام دیئے ہیں: جیسے دکتور علی اباحسین کی اہم تصنیف ''**مسیرة الخیر والعطاء فی البحرین**'' کے نام سے منظر عام پر آئی، کرنل صاحب نے اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا نام رکھا'' The The March towards Progress and Prosperity in Bahrain''۔ یہ ترجمہ شدہ کتاب بحرین میں 1993ء میں شائع ہوئی، اس کے کل صفحات 300 ہیں، تقریباً 150 صفحات عربی اور اسی کے مثل اس کا انگریزی ترجمہ ہے۔اس کتاب میں بحرین کے شاہی خاندان اور اس کے مختلف حکمرانوں کی زندگی اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے علاوہ ملک کے سالانہ بجٹ، صحت عامہ، ثقافتی سرگرمی، حکمرانوں کے اہم خطابات کو اس میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کتابیں جن کا تعارف کرایا گیا ان میں سے بیشتر کتابیں وکاس پبلیشنگ ہاؤس دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

عربی زبان پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی، اور اسلامی علوم میں بھی کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حفظ قرآن کی سعادت بھی حاصل تھی۔ان کے قبول اسلام کے متعلق کوئی قابل اعتماد معلومات دستیاب نہیں ہیں۔قاہرہ میں قیام کے دروان جمال عبد الناصر اور انور

سادات سے ان کے بہت اچھے مراسم تھے۔شخصی تعلقات نہایت مضبوط تھے ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ 1971ء میں ہی اس کی پیشن گوئی کردی تھی کہ انور سادات اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے پر ضرور دستخط کریں گے۔انہوں نے اپنی گفتگو میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اسلام ہمیشہ امن وسلامتی کا علمبردار رہا ہے، اور عرب تہذیب ہر زمانے میں اس کی شہادت دیتی رہی ہے۔ باہمی نزاع کو ختم کرنے میں اسلام نے ہمیشہ مصالحت کا راستہ اختیار کیا ہے، لہذا مجھے اس بات میں کوئی تعجب نہیں کہ انور سادات 1967ء اور 1973ء اسرائیل کے ساتھ دو جنگوں کے باوجود کیمپ ڈیوڈ معاہدے میں شامل ہوں۔

ان کے ایک دیرینہ رفیق Dr RR Narsimhan جو پیشے سے طبیب ہیں اور بچپن سے اردو زبان کے عاشق رہے ہیں، جنہوں نے شاہی عمانی فوج میں ایک طبیب کی حیثیت سے خدمت بھی انجام دی ہے، عمان میں قیام کے دوران ہی عربی سے ان کا واسطہ پڑا اور عربی زبان سیکھی، ان کا کہنا ہے کہ:

> ''میری عربی اور اردو دانی اس عالم اور فاضل شخصیت کے سامنے ہیچ ہے جس سے میری ملاقات ہندوستان میں 1971ء میں ہوئی تھی۔ اس گراں قدر شخصیت کا نام کرنل بی کے نارائن تھا''۔

آپ کا انتقال بروز اتوار مؤرخہ 2 رمئی 2004ء کو مملکت بحرین میں ہوا، جہاں وہ بیس سال سے بھی زیادہ برسر خدمت رہے۔ بحرینی آرکائیوز کے شعبے ترجمہ کے آپ صدر رہے۔ بقول ان کے ان کی ملاقات کرنل صاحب سے میزورم کے دیماگیری میں اکتوبر 1971ء میں ہوئی۔

بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں وہ ایک فوجی کمانڈر کی حیثیت سے سرگرم رہے۔آپ پیدل فوج کی قیادت کرتے رہے۔آپ اسلامی تہذیب کے دلدادہ تھے، اور اس پر بڑی گہری نظر اور سمجھ رکھتے تھے۔آپ نے فریضہ حج بھی ادا کیا تھا، وقت پڑنے پر آپ جمعہ کے خطیب بھی بن جاتے تھے۔ چنانچہ بنگلہ دیش کی کبتائی مسجد میں جنگ آزادی کے دوران خطبہ جمعہ بھی دیا تھا اور امامت بھی کی تھی۔

حوالہ جات:

1۔ ب ک نارائن، فلسفۃ الیوغا، المؤسسۃ الجامعیۃ للدراسات والنشر والتوزیع، بیروت، 1986ء۔

2۔ ب ک نارائن، خلاصۃ تعالیم الغیتا، وکاس پبلنگ ہاؤس پرایویٹ لمیٹیڈ نئی دہلی، 1993ء۔

3۔ ب ک نارائن، سیرۃ النبی، وکاس پبلشنگ ہاؤس پبلنگ ہاؤس پرایویٹ لمیٹیڈ نئی دہلی، 1993ء۔

4۔ ڈاکٹر علی اباحسین، سیرۃ الخیر والعطاء فی البحرین، ترجمہ: کرنل ب ک نارائن بعنوان: ''The March towards progress and prosperity in Bahrain'' عربین پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ ہاؤس، بحرین، 1993ء۔

5۔ مجلّہ وثیقہ، بحرین، کے مختلف شمارے۔

6۔ مجلّہ ثقافۃ الہند کے مختلف شمارے۔

☆☆☆

راجا رام موہن رائے کا تصور توحید اور تحفۃ الموحدین

محمد لعل چاند شیخ
(ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

راجہ رام موہن رائے 22 مئی 1772ء میں رادھا نگر گاؤں کے ایک امیر برہمن خاندان میں پیدا ہوئے جو اس وقت صوبہ مغربی بنگال کے ہگلی ضلع میں واقع ہے۔(1) ان کے والد رام کانت رائے نیز دادا اور پردادا نواب بنگال کے یہاں منشی (سکریٹری) رہے تھے۔ جس کی بدولت انہوں نے کثیر دولت اور جاگیر پیدا کر لی تھی۔ رام کانت ایک کٹر ویشنو بھکت تھے جبکہ والدہ تارنی بائی (2) شکتی پوجا (ماں کو قادر مطلق شخصیت تصور کرنا) میں اعتقاد رکھتی تھی۔ اس طرح رام موہن رائے اپنے بچپن ہی میں ہندوؤں کی دو اہم مسلکوں کا اچھا خاصہ مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس زمانے میں بچپن میں شادی اور کثرت ازدواج کا رواج عام ہونے کی وجہ سے رام موہن کی 12 سال کی عمر سے قبل ہی 3 شادیاں ہو چکی تھیں۔(3) رام موہن رائے اپنے تین بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھا۔ ان کے والد نے تینوں کی تعلیم میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ اس دور میں ایک تعلیم یافتہ ہندو کے لئے تین زبانیں سیکھنا ضروری تھا۔ لہذا انہوں نے سب سے پہلے اپنی مادری زبان بنگلہ پھر مذہبی زبان سنسکرت اور پھر عدالتی وحکومتی زبان فارسی سیکھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ یا پاٹھ شالا سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے والد نے 12 سال کی عمر میں پٹنہ بھیج دیا۔ انھوں نے پٹنہ میں فارسی و دیگر علوم کے ساتھ ساتھ قرآن کی زبان عربی بھی سیکھا۔(4) 15 سال کی عمر میں پٹنہ سے تعلیم مکمل کر لی مگر اب بھی غور وفکر کا سلسلہ جاری تھا کہ تبت میں پھیلے ہوئے بدھ مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تین سال

سے زیادہ کا عرصہ تبت میں گزارا۔ اس دوران کئی بار بدھ مذہب پر تنقید کرنے کے سبب ان کی زندگی خطرے میں بھی پڑی۔(5) رام موہن تبت سے واپسی میں اور دوبارہ بعد میں بنارس میں کئی سال رہ کر تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے اس عرصہ میں ہندو مذہب کے فلسفہ کو قریب سے پڑھا۔(6)

رام موہن رائے ستمبر 1797ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران اور تاجروں کے لئے کلکتہ میں ساہوکاری (Lending-Money) کا کاروبار شروع کیا۔(8) روزگار کے اس کاروبار میں انہیں بہت ترقی ملی۔ مختصر وقت میں ہی ایک معقول جاگیرانہ ملکیت حاصل کر لی اور شمالی ہند کا اس دوران مختلف دورے بھی کئے۔ 1800ء میں ایک انگریز افسر جون ڈگبی (John Digby) سے رام موہن کی دوستی ہوگئی۔ اسی سال ان کا بڑا بیٹا رادھا پرشاد پیدا ہوا۔ رادھا پرشاد کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ بہتر تھا۔ انھوں نے نواب عبداللطیف خان بہادر کے اصلاحی خدمات کی ایک خط میں تعریف بھی کی ہے اور شکریہ بھی ادا کیا ہے۔(9) اس دوران رام موہن رائے نے انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔(10) ان کا لباس مسلمانوں جیسا تھا۔ گھر پہ بھی سر ننگا نہیں رہتا تھا ٹوپی یا عام کپڑا ضرور ہوتا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ پگڑی باندھے اور کرتے کے بجائے چُغہ پہنے۔ کھانے میں ہندوستانی روایت کی پیروی کرتے تھے، مثلاً: پلاؤ، مچھلی، چاؤل، کوفتہ، قورمہ وغیرہ۔(11)

رام موہن رائے کا پردادا کرشن چندر بنرجی شہنشاہ اورنگزیب کے عہد حکومت میں آبائی پیشہ پوجا پاٹھ چھوڑ کر بنگال کے نواب کے ماتحت نوکری کر لی تھی اور اپنی محنت اور حسن خدمات کی وجہ سے ''رائے'' کا خطاب حاصل کیا تھا۔(12) تب سے یہ ان کا خاندانی نسبت بن گئی۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل شہنشاہ کی پینشن کی رقم کم کر دی تو بادشاہ نے رام موہن رائے کو 1829ء میں اپنا سفیر بنا کر برطانیہ روانہ کیا۔ اسی دوران رام موہن کی بھوٹان کے کامیاب سفارتی مشن کی رپورٹیں سن کر بادشاہ نے ان کو 'راجا'' کا خطاب عطا کیا تھا۔(13) اسی نسبت سے انھیں راجا کہا جاتا ہے۔ اس طرح وہ رام موہن سے راجا رام موہن رائے بن گئے۔ اس طرح وہ پہلے ہندوستانی سفیر بھی مانے جاتے ہیں۔ ان کی وفات 27 ستمبر 1833ء میں برطانوی سفارتی دورے میں ہوئی تھی۔ وہ برسٹل

کے قبرستان میں مدفون ہیں۔(14)

18ویں صدی کی سماجی حالات رام موہن رائے کی نظر سے:

اشوک کی حکومت کے تحت جس نے تقریباً2300 سال قبل حکومت کی تھی اور مغل بادشاہوں میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے تحت ہی ہندوستان کا بیشتر حصہ ایک حکومت کے زیر نگیں رہا۔حتی کہ 18 ویں صدی عیسوی کے آخری چوتھائی میں جب رام موہن رائے نے میدان عمل میں قدم رکھا تو اس وقت ہندوستان مادی اور روحانی اعتبار سے بری طرح منقسم تھا۔انگریزی حکومت نے یہ کام چھوٹے حکمرانوں کو زیر کر کے ان کی مرضی کے خلاف انجام دیا تھا۔(15)

راجا رام موہن رائے عالم انسانیت میں اپنے زمانے کے ہندوستانی سطح پر تنہا ایسے شخص تھے، جنہوں نے جدید زمانے کی اہمیت کو پورے طور پر محسوس کیا۔انھوں نے ہندوستانیوں کو استدلالی نظریہ اختیار کرنے پر زور دیا تا کہ وہ قومی حیثیت سے ترقی کر سکیں۔اور اس بات کی تلقین کی کہ قوم کے لئے کسی ایک ہی مذہب کا ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے ایک ریاست اور ایک اقتصادی اور سماجی فلسفہ کا ہونا لازم ہے۔اس کے لئے سیاسی، مادی اور اخلاقی طاقت کا ہونا ضروری ہے۔تا کہ اپنے اقتدار اعلیٰ کو دوسروں کے حملہ اور غلبہ کی تمام کوششوں سے محفوظ رکھ سکے۔(16)

راجا رام موہن رائے ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب ہندوستانیوں میں استدلالی نظریہ کمزور ہوتا جا رہا تھا، برطانوی حکومت کا استبداد دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا، ہندوستانیوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات ابتر ہوتی جارہی تھی، سرزمین ہند پر عیسائیت کا منفی زور بڑھتا جارہا تھا، ناخواندگی اور پسماندگی کا بول بالا تھا، لوگ اپنی ضروریات زندگی کم کرتے جا رہے تھے، دوسری جانب جمہوریت اور سوشلزم کا آغاز ہو رہا تھا۔اسی طرح ہندوستانی معاشرہ جدید علوم اور سائنسی انکشافات سے دور جا رہے تھے۔ان تمام چیزوں کو سمجھنے اور اس کا حل پیش کرنے کے لئے جو شخص آگے آئے وہ رام موہن رائے تھے۔(17)

رام موہن رائے کا ماننا ہے کہ ہندو مذہب خدا کی ماہیت کے متعلق کسی خاص قسم کے مذہبی عقائد اور اعتقادات کے معتقد نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ان مختلف مذہبی اعتقادات کی ایک انجمن ہے جو ایک مشترک طرز زندگی کے ذریعے یا دوسرے لفظوں میں مخصوص علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے مشترک رسم ورواج، طور طریقوں اور سماجی تعلقات کے ذریعے یکجا کر دئے گئے ہیں۔ ہندوستان دنیا کے بہت سیموجودہ مذاہب کی جائے پیدائش رہا ہے ساتھ ہی گزشتہ 2000 سالوں میں کئی دوسرے مذاہب جن کی پیدائش دوسرے ملکوں میں ہوئی ہے، مثلا: یہودیت، عیسائیت، پارسی اور اسلام وغیرہ یہ ان کا جائے پناہ بھی ہے اور عبادت گاہ بھی ہے۔ شروع میں مسلمان بحری اور بری (سیاسی اعتبار سے) ہندوستان آئے اور یہیں آباد ہو گئے اور اچھے ہندوستانی بن گئے۔ انہوں نے دوسروں کو اپنے مذہب میں شامل کیا اور وہ بھی دوسروں کی طرح یہاں کی قدرتی باشندے بن گئے اگر چہ مختلف فرقہ پہلو بہ پہلو رہتے رہے، لیکن وہ متوازی سماج کی حیثیت سے رہے۔ ایک نے دوسرے کے تمدن پر اپنا اثر ڈالا مگر ہر ایک کا سماجی ڈھانچہ اور عقیدہ خالص رہا۔ جب ہندوستانی افراد کو اسلامی نظام مساوات نے متأثر کرنا شروع کیا، تو ہندوؤں نے جو ذات پات میں بٹے ہوئے تھے حتی کہ اپنی ہی ذات میں بھی بھید بھاؤ کرتے تھے بعض مصلحین نے اسے ختم کرنے کی تحریک بھی چلائی مگر مختلف ذاتوں اور طبقوں کو باہم ملانے میں ناکام رہے۔ گرچہ مصلحین عوام الناس میں مذہبی سوجھ بوجھ اور مختلف طبقوں کے درمیان رواداری بڑھانے میں کامیاب رہے۔(18)

رام موہن رائے 1805ء میں کمپنی حکومت کے افسر جون ڈگبی (John Digby) کے دیوان مقرر ہوئے اور بہار و بنگال کے مختلف ضلعوں میں مختلف زمینداروں کی صحرائی جائیداد کی پیائش کرتا تھا۔ اس دوران انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب وثقافت سے روشناس ہوئے۔ رام موہن رائے نپولین بونا پارٹ کے خیالات آزادی، مساوات اور اخوت سے متأثر تھے مزید انھوں نے برطانوی پارلیمنٹری روایات کی نشونما کا مطالعہ کیا تو جمہوریت کے بہت بڑے حامی بن گئے۔(19)

اس طرح راجا رام موہن رائے انیسویں صدی میں ہندوستانیوں کے مذہبی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، انتظامی، تعلیمی اور ذہنی ودماغی بیداری کے بہت بڑے مبلغ وحامی بن گئے تھے۔

رام موہن رائے نے اسلام، ہندو مذہب، بدھ مت، جین مت اور عیسائیت و یہودیت جیسے عالمی مذاہب کا مطالعہ کیا۔ اور اس کے بنیادی اصولوں میں وحدت دریافت کی۔ یہ کام انھوں نے مختلف مذہبی عقائد کو خلط ملط کئے بغیر کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں میکس ملران کو مغرب ومشرق کے درمیان امتزاج پیدا کرنے والا پہلا شخص مانتے ہیں۔ ان کو اس بات کا احساس تھا کہ عالمی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مذہبی ہم آہنگی ضروری ہے۔(20)

تحفۃ الموحدین:

رام موہن رائے اپنے والد سے مذہبی نظریات میں گرچہ اختلاف رکھتے تھے مگر والد کی دل آزاری کبھی نہیں کی۔ انھوں نے خدائے واحد کے تصور پر ایک کتاب ''تحفۃ الموحدین'' (توحید پرستوں کا تحفہ) لکھا جو ہندو عقائد کے بالکل خلاف تھی۔ اس تصور سے چونکہ ان کے والد ناخوش تھے اس لئے اس کتاب کو ان کے والد کے انتقال 1803ء کے بعد وہ نواب بنگال کے دارالخلافہ مرشد آباد میں قیام کے دوران شائع کیا تھا۔(21) وہ انگریز سول آفیسر تھامس ووڈ فورڈ (Thomas Wood Ford) کے سکریٹری کی حیثیت سے مرشد آباد گئے تھے۔ اس کتاب کی زمانہ تا?لیف سے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے، مثلا: لالہ رگھوناتھ کا خیال ہے کہ راجہ رام موہن رائے نے یہ کتاب اپنی 16 سال کی عمر میں لکھی تھی۔ اس سے ان کے والد بہت خفا تھے مگر ماں کا کہنا تھا کہ'' بات تمہاری تو صحیح ہے مگر میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اب پرانے مذہب کو ترک نہیں کرنا چاہتی ہوں''۔(22) اسی طرح بعض دوسروں کا ماننا ہے کہ رام موہن رائے نے اس کی تصنیف مرشد آباد کے قیام کے دوران کیا تھا۔ (23) ڈاکٹر برجیندر ناتھ سل نے لکھا ہے کہ یہ کتاب 1810ء سے قبل نہیں لکھی گئی تھی۔(24) اسی طرح ان کی پہلی عیسائی عوام کے خطاب سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو 1820ء میں

تصنیف کیا تھا۔(25)

وجہ تالیف:

رام موہن رائے لکھتے ہیں کہ اس کو ترتیب دینے کے ماوراء سب سے بڑا سبب یہ رہا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب پہلی بات تو اپنے آپ کو صحیح اور سچ مانتے ہیں۔ اس صورت میں سب کو ایک ساتھ مان لینا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں سے کسی ایک کو ماننا جبکہ وہ دوسرے مذاہب کو غلط ٹھہراتا ہے، صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہی سب سے زیادہ عام ہے۔(26) بہر حال سیاق وسباق کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رام موہن کے مطابق تمام مذاہب میں ایک حقیقت ہے اسی کی تلاش میں یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے۔

علمی پس منظر:

قرآن کا مطالعہ اور مسلم فلسفہ اور تصوف سے واقفیت کی بنیاد پر ان کے مذہبی نقطۂ نظر میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ خدائے واحد کے سچے معتقد بن گئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہی تمام بڑے مذاہب کی مشترک بنیادی حقیقت ہے۔(27) لالہ رگھوناتھ کا کہنا ہے کہ راجہ رام موہن نے تصور توحید، ویدو اپنیشد کے گہرے مطالعہ سے قبل صرف قرآن سے حاصل کیا تھا۔ اور بنارس سے آکر گھر پر ذاتی مطالعہ سے قرآن کے تصور خدا کو انھوں نے ویدوں، اپنیشدوں اور دیگر شاستروں سے بھی نکالا۔(28) وہ ''دبستان مذاہب'' سے متاثر تھے۔ اس کے مصنف کے سلسلے میں اختلاف ہے بعض کا ماننا ہے کہ مسلم سیاح محسن فانی تھے جبکہ بعض دوسروں کا ماننا ہے کہ وہ ذوالفقار اردستانی تھے۔(29) انھوں نے شیخ عبدالرحمان چشتی (1680ء-1600ء) کی کتاب ''مرآۃ الاسرار'' کا بھی مطالعہ کیا تھا۔(30) اس کتاب میں عربی منطقی وفلسفی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنی طویل وشدید احساسات کو مشاہدوں اور استدلالوں کی بنیاد پر بلاترتیب بیان کر دیا ہے۔(31)

بنارس کے قیام کے دوران ہندوؤں کی بنیادی کتابوں کے مطالعہ نے ان کے خدائے واحد

کی یقین کومزید پختہ کر دیا۔ وہیں سے انھوں نے دیوی دیوتاؤں کی مورتی پوجا، مذہبی رسومات اور غیر ضروری سماجی رواج کے خلاف اپنی فکر کا اظہار شروع کیا۔ مگر انھوں نے محسوس کیا کہ گھر میں رہنے کا مطلب والدین کے مذہبی رسومات میں شرکت کرنا مجبوری ہوگی۔ چنانچہ والد کی ناراضگی سے دور رہنے اور اپنے مقصد اصلی پر قائم رہنے کے لئے جائداد میں حصہ رکھنے کے دعویٰ سے دستبردار ہو کر کلکتہ کا رخ کیا۔(32)

رام موہن رائے نے یہ کتاب مغربی اسکالرس کی کتابوں کے مطالعہ سے قبل ہی لکھا تھا، کیوں کہ اسی طرح کے مناظرات اور خیالات یورپی سرزمین پے عیسائی علماء کے خلاف چل رہی یا تقریبا ہو چکی تھی۔ جس سے رام موہن بعد میں باخبر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ مولوی عبید اللہ عبیدی نے 1883ء میں ''تحفۃ الموحدین'' کا انگریزی ترجمہ کیا تو اس کا نام ''Gift to The Deists'' رکھا۔ یہ اس کتاب کا پہلا ترجمہ تھا۔ مگر جب اسے دوبارہ 1906ء میں شائع کیا گیا تو اسکا نام بدل کر'' Gift to the Believers in One God'' کر دیا گیا۔ انھوں نے یہ کتاب اسلام اور مسلم مفکرین سیمتاثر ہو کے لکھا تھا خاص کر پٹنہ کے اس مدرسہ کے علماء سے جسے سیف خان نے تعمیر کیا تھا۔ اس کتاب میں برہمنی مصادر سے نا کے برابر استدلال کیا گیا ہے۔(33)

بعض محققین کا خیال ہے کہ راجہ رام موہن رائے فارسی کی مشہور زمانہ کتاب'' دبستان مذاہب'' سے متأثر تھے اور'' تحفۃ الموحدین'' اسی کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ تقریبا 80 سالوں بعد عبید اللہ عبیدی نے انگریزی میں کیا تھا جو 1884ء میں شائع کی گئی تھی۔ مندرجہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ'' جواب تحفۃ الموحدین'' کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب بعض کے مطابق رام موہن رائے نے خود اور بعض کے مطابق ان کے کسی مسلم دوست نے لکھا تھا۔ زیادہ تر اختلافات پارسیوں کی طرف سے پیدا ہوئی تھی۔ یہ کتاب 1820ء میں شائع ہوئی تھی ابھی کتاب دستیاب نہیں ہے۔(34) اس کی وجہ زرتشتیت یا پارسی مذہب کے عقائد یزدان (Yazdan) اور اہرمان (Ahirman) کے مقابلے میں توحید الٰہی کے عقیدہ کو پیش کرنا تھا۔(35) رام موہن کی ابتدائی کتابیں بالترتیب درجہ ذیل ہیں:

1۔ مناظرت الادیان (بزبان فارسی۔غیر مطبوعہ۔ناپید)

2۔ تحفۃ الموحدین 1804ء (بزبان فارسی۔دیباچہ بزبان عربی) اسی دیباچہ میں اول الذکر کتاب کا ذکر ہے۔

3۔ جواب تحفۃ الموحدین۔لندن کے کسی میوزیم میں موجود ہے مگر اس پر اس کے مصنف کا نام درج نہیں۔ اسے راجہ کی ہی تصنیف قیاس کی جاتی ہے اور ان کی ''اپیل ٹو دی کرسچین پبلک'' 1820ء اور دوسرے آثار سے بھی یہ کتاب انہیں کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتابیں قیام کلکتہ سے قبل لکھی گئی تھیں۔(36)

فورٹ ولیم میں قیام کے دوران رام موہن کی ملاقات کئی مسلم اسکالرس سے ہوئی جیسے: تفضّل حسین خان (آئزک نیوٹن اور مختلف یورپی سائنسی کتابوں کا عربی مترجم)، عبداللطیف شستاری (برطانوی ہند کی معاشرتی حالات کا تبصرہ نگار)، ابوطالب اصفہانی (1803ء میں یورپی ممالک کی سیاحت سے واپس آئے تھے)۔وہ ان افراد سے مذہبی بحث ومباحثہ کیا کرتے تھے۔(37)

تصور خدا:

رام موہن رائے خدا کی ہستی کا تصور پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک سب سے بڑی ہستی ہے جس کے اندر ہر چیز موجود ہے۔ یہ ہستی ہر چیز میں ہے لیکن یہ ہر چیز سے اور تمام چیزوں کے مجموعہ سے کہیں وسیع تر ہے اس لئے کوئی خاص شکل یا مورتی اس ہستی کو ظاہر نہیں کرسکتی جو نہ خوبصورت ہے اور نہ ہی بدصورت، اور نہ انسان ہے اور ہی فوق البشر، نہ ناپائیدار ہے نہ غیر فانی بلکہ یہ سب کچھ ہے۔ یہ ہستی ہمیشہ رہنے والی، تمام چیزوں کا خالق اور وہ ایک ہے، کوئی اس کا برابر نہیں۔اس لئے جو شخص اپنے دماغ سے تمام اشیاء کے اندر اس بالاتر روح کو دیکھتا ہے وہ کامل اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔اس لئے اگر کوئی شخص کسی مورتی، شئی یا مخلوق کو پوجتا ہے تو وہ گویا اس کے ایک جزو کو پوجتا ہے۔اس طرح مذہبی رسوم اور قربانیوں کا کوئی روحانی قدر و قیمت نہیں ہے۔(38) رام موہن رائے

عقلی دلائل کے ذریعہ کہتے ہیں، چونکہ ہر انسان پیدائش، زندگی اور موت سے گھرا ہوا ہے اس لئے اس کا کوئی خالق ضرور ہوگا۔ ذہن و دماغ اور جانچ و پرکھ خدا کو پہچاننے کا ذریعہ ہے مگر خدا کا علم مافوق الفطرت ہے اور ادراک انسانی سے بالاتر ہے اس لیے مقدس مذہبی کتابوں کا سہارا اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔(39)

ہر انسان جو خدا کو برابر حیثیت سے مانتے ہیں وہ خدا کے نزدیک برابر ہیں اور اسی لئے وہ سماجی زندگی میں بھی برابر کا حق رکھتے ہیں۔ اس رائے سے وہ نہ صرف ہندو مذہب کی ذات پات اور اعلی وادنی کی فرق کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں بلکہ یہاں کے تمام مذاہب کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر آزادی کی خواب کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے بغیر آزادی حاصل کرنا محال تھا۔(40) ان کا ماننا تھا کہ آزادی کا منشاء خدا کا منشا ہے۔(41)

رام موہن رائے نے عہد نامہ قدیم وجدید دونوں کو اس کے اصل مآخذ سے عبرانی اور یونانی میں مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے 1820ئمیں ''The precepts of Jesus (عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال) کے نام سے چار رسالے شائع کئے۔ انھوں نے اس میں عیسی علیہ السلام کی اخلاقی و مذہبی تعلیمات پر تو خوب زور دیا ہے مگر عقیدہ تثلیث اور معجزات کی روداد کی تنقید کی ہے۔ اس تصنیف کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کو عیسائیت سے آگاہ کرنا تھا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر مارشمین (Dr Marshman) نے رام موہن کو ایک ذہین کافر کہا تو رام موہن نے دعویٰ کیا کہ ایک بالاتر ہستی میں یقین رکھنے والا شخص جس نے بت پرستی ترک کردی ہو کافر نہیں ہوسکتا ہے۔(42) رام موہن کا ماننا تھا کہ'' ہر قوم میں وہ شخص جو خدا سے ڈر کر صحیح راستے پر چلتا ہے اس کے نزدیک قابل قبول ہے خواہ اس کو خدائے پاک کی عظمت کی تعلیم کسی بھی شکل میں دی گئی ہو''۔(43)

تصور توحید:

رام موہن رائے اسلام کی نظریۂ توحید سے بہت متاثر تھے۔(44) تحفۃ الموحدین میں

رام موہن نے اچھی طرح خداوند تعالیٰ کی وحدانیت عقلی ونقلی حوالہ جات سے ثابت کی ہے۔ اس کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا کا وحی ہر مہاتما پر نازل ہوسکتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ رہے گا۔ خدا کو جامع کمالات تصور کرو اور ہر مذہب کی بنیادی اصول کو جو عقل کے مطابق ہوں دنیا میں رواج دو اور غیر عقلی چیزوں کو رد کر دو۔ (45) خدا کسی کے دل میں مذہب کی روشنی ڈال دیتا ہے تا کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے کے لائق بن جائے مگر کسی خاص پر وحی نازل نہیں ہوتی ہے۔ (46)

رام موہن رائے نے تحفۃ الموحدین کی عربی دیباچہ میں بنیادی طور پر تین نقطوں پر زور ڈالا ہے۔ (الف) انسان فطری طور پر ایک ہی خدا کے قائل ہیں۔ جسے انھوں نے دور دراز کے مختلف اسفار اور تجربات سے اخذ کیا ہے۔ (ب) ایک خدا پر فطری عقیدہ معاشرے کے حالات کو بہتر بنانے میں مدد دیتی ہے، جبکہ اس کے برخلاف عقیدہ فرقہ واریت اور بدامنی پیدا کرتی ہے۔ (ج) ہر ایک مذہب کا اپنے علاوہ سب کو جھوٹا سمجھنا اس کے خود کی غیر مستندیت کو ثابت کرتا ہے۔ (47)

اس کتاب میں انھوں نے لکھا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب کا صرف وہ حصہ جو ایک خدا کی ہستی کا قائل ہے وہ عالمگیر ہے جبکہ باقی دوسرے حصے جو ایک دوسرے مذہب کی تردید کرتے ہیں باطل ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ مذاہب کا دوسرا حصہ بعد میں پروہتوں یا مذہبی رہنماؤں کا خود ساختہ ہے، تا کہ وہ معاشرے میں اپنی طاقت کو برقرار رکھ سکے اور ان کا استعمال بھی کر سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ مختلف مذاہب کے بہت سے رہبروں نے کچھ مخصوص عقائد خالص حقیقت کے روپ میں معجزہ یا زور بیاں سے کام لے کر اور مذہبی طبقہ کے حسب حال چالیں چل کر شامل کر دیئے ہیں، تا کہ وہ اپنا نام زندہ رکھ سکیں اور اپنی نیک نامی کو بڑھا سکیں۔ مزید ان رہبروں نے لوگوں کو اس طرح اپنی طرف متوجہ کر رکھا کہ یہ بیچارے اطاعت اور غلامی کے بندھن میں پھنس کر اپنے شعور کی آنکھ اور دل کو کھو چکے ہیں، حتی کہ وہ اس بات کو گناہ تصور کرتے ہیں کہ اپنے پیشواؤں کے احکام کی بجا آوری میں اصل نیکی اور صریح گناہ میں تمیز کی جائے۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو پیشواؤں کے اقوال میں اتنا پختہ یقین کر لیے ہیں کہ انہیں لگنے لگا ہے کہ کچھ پتھر، نباتات اور جانور ہی ان کی عبادات کا مرکز

ہے۔اور جو ان کی مخالفت کرتے ہیں ان کی خونریزی یا اس سلسلے میں اپنی قربانی کو اس دنیا میں باعث فخر اور آخرت میں باعث نجات تصور کرتے ہیں۔(48)

رام موہن رائے کے والد نے درباری زبان سکھانے کے لیے ایک مولوی صاحب کو مقرر کیا۔انہوں نے بہت جلد فارسی زبان سیکھ لی۔انہیں دنوں فارسی میں موجود تصوف کی کتابوں سے مطالعہ کا دلچسپی بڑھی۔چنانچہ ان پر مولانا روم،شمس تبریز اور حافظ کی تصنیفات نے بہت بڑا اثر ڈالا۔ پہلی دفعہ ان کے دل میں وحدانیت کا خیال انہیں کتابوں کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا۔(49) شیخ سعدی بھی ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔(50)

جب راجہ رام موہن رائے عربی سیکھنے کے لیے پٹنہ گئے۔پٹنہ اس وقت عرنی اور فارسی علوم کا مخزن تھا۔عربی سیکھ کر جب قرآن کا مطالعہ کیا تو بت پرستی کے سخت خلاف ہو گئے اور وحدہ لاشریک کے مسئلہ کا خیال ان کی نس نس میں بس گیا۔اس سلسلے میں لالہ رگھوناتھ اپنی کتاب مہاتما راجہ رام موہن رائے میں لکھتے ہیں کہ برہم سماج مذہب محمدی کا تہ دل سے مشکور ہے''لالہ رگھوناتھ خود برہم سماج سے منسلک تھے۔(51)

قیام پٹنہ کے دوران اقلیدس اور ارسطو کی کئی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ان کتابوں سے ان کو زندگی بھر محبت رہی اور فرصت کے اوقات میں ان صوفیوں کی کتابوں کو بغور مطالعہ کیا کرتا تھا۔اپنی گفتگو میں اکثر ان کے اشعار کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔منشی رام نند نے اپنی کتاب''مہاتما راجہ رام موہن رائے کے سوانح عمری''میں لکھا ہے کہ یہی چیزیں ان کے تبدیل مذہب کے باعث ہو سکتے ہیں۔گویا وہ رام موہن رائے مذہب میں تبدیلی کے قائل تھے۔رام موہن نے توحید کا تصور اسلام سے اخذ کیا تھا۔اور ہندو شاستروں سے برفہہ گیان (معرفت الٰہی) اخذ کیا تھا۔(52) رام موہن نے بالمیکی کی رامائن کا ایک بیٹھک میں مطالعہ کیا تھا۔(53)

منشی نتھو رام نند لکھتے ہیں کہ رام موہن رائے کی تمام تصانیف کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ خدا واحد ہے،حاضر و ناظر اور انسانی حواس خمسہ سے باہر ہے۔اس کی عبادت ہی نجات اور ہمیشہ

کی زندگی کا وسیلہ ہے۔اسی طرح پورانوں اور تنتروں میں موجود دیوی دیوتاؤں کے تصور میں بھی ایک ہی خدا ہے اور یہ ان کو سمجھانے کے لئے ہے جو ابھی تک خدا کی باتوں کو سننے اور جاننے کے قابل نہیں بنے ہیں بلکہ وہ اس راستے میں پہلے درجہ میں ہی ہیں۔مگر جو شخص خدا کی عبادت کر سکتا ہے اسے کسی طرح فرضی اپاسنا کی ضرورت نہیں ہے۔(53)

دنیا کو بنانے والے مختلف دیوتا نہیں ہیں جو شاستروں میں ہے بلکہ اس کا بنانے والا ایک ہی ہے۔رام موہن دیوتاؤں کا انکار اس طرح سے کیا ہے(1) جو شخص یا ناش نام اور روپ رکھتا ہے وہ برہمہ نہیں ہوسکتا ہے(2) اپاسک آدمی دیوتاؤن سے افضل ہے(3) برہم پوجا نہیں کرتا ہے۔(54) اس فکر نے رام موہن کو مغرب میں معروف بنا دیا تھا۔

رام کرشن کے بارے میں بھٹا چارج نے پوچھا کہ'' جس طرح بعض شکل بدل کر اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے اور ان کی تکالیف دور کرنے کے لئے گشت کیا کرتے ہیں اسی طرح ایشور اوتاروں کا روپ اختیار کر کے دنیا کی حفاظت کرتا ہے۔اس کے جواب میں رام موہن رائے نے کہا تھا کہ'' رام اور کرشن سے لیکر ایک ادنیٰ مخلوق تک کے اجسام میں ایشور اپنی قدرت سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ہمارے اور رام کرشن کے اجسام میں ایشور کی صورت کم و بیش نہیں ہے صرف درجہ کا فرق ہے۔جس طرح کانچ کے لیمپ میں چراغ خوب روشن ہوتا ہے اسی طرح رام و کرشن کے جسموں میں ایشور روپ زیادہ چمکتی تھی۔لہذا برفہر عالم جسموں میں روشن نہیں ہوتا ہے''۔(55)

رام موہن رائے نے نانک، کبیر اور دادر جیسے سنیاسیوں، مصلحوں اور صوفیوں کو بھی پڑھا تھا۔(56) انھوں نے ویدوں اور خصوصا اپنیشدوں کا ترجمہ اور خلاصہ صرف اس لئے لکھ کر شائع کیا تا کہ ایک خدا کی تبلیغ کی جا سکے۔(57) رام موہن رائے کا ماننا تھا کہ جب ہر مذہب میں ایک خدا کا تصور موجود ہے تو پھر مذہب تبدیل کرنے کا کوئی تک نہیں بنتا ہے۔(58)

رام موہن رائے کے کلکتہ منتقل ہونے کے پیچھے پیغمبر محمد ﷺ پر تنقید کرنا بھی شامل ہے جس وجہ سے ان کے خاندان کو معاشرتی دباو؟ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔(59) بعد میں حضرت محمد ﷺ کی

زندگی اوران کی تعلیمات سے متا؟ ثر ہوکر ایک کتاب بھی لکھنا شروع کیا تھا مگر اسے مکمل نہیں کر پائے تھے۔(60)

رام موہن نے مجتہد کو Rational اور مقلد کو اندھ بھکت سے تعبیر کیا ہے۔ موخر الذکر کو جذبات اور چرب زبانی سے بآسانی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اور دنیا میں یہی سب سے زیادہ ہوا ہے۔ وہ روح، قیامت اور جنت وجہنم کے تصورات کو ایک رفاہی معاشرہ قائم کرنے کے لیبیا ہم ذرائع تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ایک انسان کو جنت تبھی نصیب ہوگی جب اسے اچھے اعمال کے ساتھ ساتھ خدا کی ہدایت بھی حاصل ہوگی۔(61) اس کی تائید میں حدیث: ''من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ''(62) پیش کی ہے۔ گر جنت پانے کے لیے درختوں، پہاڑوں اور دیوتاوو؟ں کو پوجنا، اسی طرح اپنی بخشش کے لیے قربانی کرنا سراسر غلط ہے۔ وہ فرشتہ، واسطہ، وحی، پیغمبر، اوتار، معجزات، کرامات اور پرانے مذہبی خیالات تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ انہیں تصورات کی بنیاد پر ایک مذہبی گروہ دوسرے مذہبی گروہ کو گمراہ اور صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا مانتے ہیں۔(63) وہ لکھتے ہیں کے مذہب اسلام میں 72 فرقوں کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اب بھی حقیقت کی تلاش میں ہیں۔(64)

رام موہن رائے کا ماننا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب تو ہے مگر بعد کے مذہبی لوگوں نے اس میں تحریف کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ درج ذیل جیسی آیتیں قرآن میں بڑھادی گئی ہیں، جو خصوصا برہمنوں سے مخاطب ہیں، مثلا: '' فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم''(65) ''فشد وا الوثاق فاما منا بعد واما فداء''۔(66)

رام موہن رائے نے معتقدین مذاہب کو چار طبقوں میں منقسم کیا ہے (i) دھوکے بازوں کا وہ طبقہ جو عوام کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے مذہبی عقائد اختراع کرتے ہیں اور ان میں تفرقہ پیدا کر کے پریشان کرتے ہیں۔(ii) دھوکہ کھانے والوں کا وہ طبقہ جو پہلے طبقہ کے پھیلائے ہوئے عقائد کو بلا تحقیق تسلیم کر لیتے ہیں۔ (iii) دھوکہ کھانے اور دینے والوں کا وہ طبقہ جو پہلے طبقہ کے

پھیلائے ہوئے عقائد کو نہ صرف بلا تحقیق تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ (iv) وہ طبقہ جو نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ ہی دھوکے میں ہیں، بلکہ وہ فطری انسان ہیں جو اس ہستی پر یقین رکھتے ہیں جو تمام چیزوں کا خالق اور حاکم ہے۔(67)

اس کتاب میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ ہر جگہ خدا کا مخلوق اس کو اس دنیا کا بنانے والا مانتی ہے، صرف پوجا یا پرستش کے طریقے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ سمجھدار آدمی کا فرض ہے کہ وہ قدرتی طریقہ عبادت کو تلاش کرے۔ وہ یہ نہیں مانتے ہیں کہ خدا اوتاروں یا پیغمبروں کے ذریعہ دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ معجزوں اور چمتکاروں کا بھی قائل نہیں تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہونا چاہئے اور وہ ہے ایک خدا کا ماننا۔(68)

موحدانہ انجمن

رام موہن رائے نے کلکتہ میں انگریزوں اور ہندوستانیوں پر مشتمل ایک مختصر جماعت تشکیل دی تھی۔ اس میں پرنس دوارکا ناتھ ٹیگور، راجا پرسنا کمار ٹیگور، رادھا پرشاد رائے اور ولیم آدم شامل تھے۔ یہ ایک خدا کو ماننے والوں کی انجمن تھی جو ابتدائی دور میں'' آتمیہ سبھا'' نام سے قائم کی جب لوگوں کی تعداد بڑھی تو اس کا نام'' برہم سبھا'' پھر'' برہموسماج'' رکھا گیا۔(69)'' برھما سماج'' کے قیام کے بعد راجہ رام موہن رائے نے معاشرہ میں مرکزی حیثیت رکھنے والی ایک عبادت گاہ بنانے کی پیش کش رکھی۔ چنانچہ تین شخص پر مشتمل ایک ٹرسٹ کے تحت 23 جنوری 1830ء میں ایک عمارت کی بنیاد رکھی اور اس کے چند اصول مقرر کئے جو ان کی مذہبی اصلاح کی وضاحت کرتی ہیں، وہ درجہ ذیل ہیں:

1۔ اس عبادت گاہ میں دنیا کے تمام نرآکار خدا کی عبادت ہوگی۔
2۔ ہر شخص بلا امتیاز ذات و برادری اس میں آکر نرآکار خدا کی عبادت کرسکتا ہے۔
3۔ اس میں کسی بھی مذہب یا فرقہ کے معبود کی تقریر یا بھجن کی برائی نہیں کی جائے گی۔
4۔ اس میں کسی قسم کی قربانی کی اجازت نہ ہوگی۔

5۔ کسی قسم کی بت یا تصویر نہیں رکھی جائے گی وغیرہ۔(70)

مذہب میں عقلیت پسندی:

رام موہن رائے نے اس میں لکھا ہے کہ مذہب کی ضرورت انسان کی جبلت میں شامل ہے۔اس لیے ہر مذہب معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے اور اس کی نظم وضبط کو بنائے رکھنے کیلئے کچھ سماجی قوانین مہیا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس دنیا اور آخرت میں جو سزا یا جزا انسان کو ملتی ہے وہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ان قوانین کا منشاء سماج کی فلاح و بہبودی کا تحفظ ہوتا ہے۔مگر پروہتوں نے نجی فائدے کے خاطر ان قوانین کو گڈ مڈ کر دیا ہے۔جس سے فائد ہونے کے بجائے برائی زیادہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔جن کا اصل تبلیغ اس بات کی ہوتی ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے خدا کے عذاب کے مستحق ہیں۔اس طرح مذہبی پیشوا اپنے پیروؤں کے دلوں میں دوسروں کے خلاف تعصب وافتراق کے بیج بو کر دائمی برکت سے محروم کر دیتے ہیں۔حالانکہ یہ بالکل واضح ہے کہ تمام لوگ مختلف مذاہب کے پیرو ہونے کے باوجود زندگی میں بلا امتیاز دنیوی نعمتوں سے برابر لطف اٹھاتے ہیں۔رام موہن رائے پروہتوں کو بدظنی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے سماج کو نہ صرف مرد اور عورت میں تقسیم کیا ہے بلکہ شکل ورنگ،عقیدہ اور مذہب کے درجہ در درجات میں منقسم کر دیا ہے۔جبکہ ایک قوم اس کے برخلاف عمل کو سچا مذہب کہتی ہے اور ترقی کرتی ہے، یہ کیسے ممکن ہے؟لہذا تمام مذاہب کا اصل مقصد تمام مذاہب کا باہمی محبت اور شفقت کے ساتھ اتحاد پیدا کرنا خالق کائنات کی سچی اور مقبول ترین عبادت ہے۔(71)

رام موہن رائے کا مذہب میں عقل سے کام لینے کا طریقہ اس دور کے یورپی اشخاص کا طریقہ ہے۔مگر انہوں نے اس دوران عدم معلومات وزبان دانی کے ذاتی غور وفکر سے وہی باتیں کہ رہے تھے۔یہ کتاب مذہب کے نام پر پھیلائی گئی توہم پرستی اور تفرقہ بازی پر ایک چھوٹا سا حملہ ہے۔اس کی ایک اہم وجہ اس کا مختصر ہونا ہے۔اس لحاظ سے اسے تاریخی حیثیت حاصل ہے۔اس

ابتداء کے بعدان کے مغربی فلسفہ اور مذہبی مطالعہ نے جوتقریباً 1800ء کے بعد شروع کی بہت جلدان کی نظریات کو پختگی بخشی اور ان سے ایک ایسی تحریک کی ابتداء ہوئی جس کو تاریخ نے ہندوستان میں ''نشاۃ ثانیہ'' نئی بیداری کا محور بتایا ہے۔(72)

رام موہن رائے کا مختلف مذاہب کو اس کے مصادر سے مطالعہ کرنا اور اس میں یکساں چیزوں کو فروغ دینے کا عمل صلح کل ہے۔(73) رنگ پور میں ڈگبی کے ساتھ دیوان کی حیثیت سے قیام کے دوران تقریباً ہر شام کو دوستوں کے ساتھ مذہبی معاملات پر خصوصاً بت پرستی پر مباحثے کرتے اور اسے خلاف عقل اور مہمل ٹھہراتے تھے۔ اس دور میں رنگ پور، آسام، بہار اور بنگال کے شمالی علاقوں کا صدر مقام تھا جہاں تعلیم یافتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ وہ راجستھان کے علاقہ میواڑ سے آنے والے کچھ جینی بھی مباحثے میں شامل ہوتے تھے۔ جینیوں کا جواب انھوں نے ان کی مقدس کتاب کلپا سوترا (Kalpa Sutra) کا مطالعہ کیا اور اس سے انہیں جواب دیا۔ ہندو پنڈتوں نے روایت پرستی کے تحفظ کی خاطر کئی دفعہ رام موہن رائے پر لاٹھیاں بھی اٹھالیں۔(74)

انھوں نے اعلی ذاتوں میں پائی جانے والی ستی کے رسم کو ختم کرنے کے لئے مختلف کوششیں کی۔ جب انہوں نے اپنے بڑے بھائی جگموہن کی بیوی کو ان کے چیتا پرستی ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں یہ رسم انسانیت سوز معلوم ہوئی اور مسلسل ان کی جدوجہد کے بعد بحکم برطانوی حکومت کے ''خاتمہ ستی'' 4/دسمبر 1829ء کو پوری طرح پابندی عائد کر دی گئی۔(75) رام موہن رائے نے بیواؤں کو دوبارہ شادی کرنے ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھنے، جائداد میں بیواؤں اور لڑکیوں کا حق جانشینی بروراثت مقرر کرنے کی بڑی حمایت کی ہے۔(76) رام موہن رائے مذہب کو توہم پرستی اور غیر معقول عقائد سے پاک کرنا اور سماج کو برے رسم ورواج اور جہالت سے صاف کرنا چاہتے تھے اور آزادی، مساوات اور اخوت کی بنیاد پر سیاسی حیثیت سے ہندوستانی قومیت کے شعور کو تعلیم یافتہ اشخاص کے دماغوں میں پیدا کرنا اور ترقی دینا چاہتے تھے۔(77)

رام موہن رائے نے 1815ء میں مستقل طور پر سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر کلکتہ

میں دائمی سکونت اختیار کی اور یورپی ممالک سے مشنریوں کی آنے والی جماعتوں اور ان کے تبدیلیٔ مذہب کا جواب دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہ کرنے میں رام موہن رائے عیسائیوں کی استدلالی فکر کے سامنے اور قدامت پسند ہندوؤں کے سامنے مفلوج نظر آ رہے تھے۔ دونوں کے اختلاف سے نظر انداز کر کے رام موہن ہندو مذہب کو استدلالی ثابت کرنے میں مصروف رہے۔ ان کی نظر میں بہت سے دیوتاؤں کا رائج الوقت عقیدہ اور ان دیوتاؤں کی مورتیوں کی پوجا اور ان میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد کے بارے میں اقتدار اعلیٰ ہستی یا ہستیوں کا تصور کرنا اصل برائی تھی، جو ہندو سماج میں آ گئی ہے۔(78) وہ تمام مذاہب کی عزت کرتے تھے اور کسی مذہب کی شان میں غلط کلمہ تک نہیں بولتے تھے۔(79) مسلمان انہیں ''مولوی رام موہن رائے'' کہا کرتے تھے۔(80)

راجہ رام موہن رائے کی مذہبی بیداری کی تحریک حقیقت میں ہندو مذہب کے تحفظ و شناخت کی تحریک تھی۔(81) راجہ رام موہن شنکر اچاریہ اور رامانج کے سلسلے کا ہی ایک کڑی ہے۔(82) راجہ رام موہن نے ہندو، اسلام، عیسائی، بودھ اور جین مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا تھا، ان کے خیال میں سبھی مذاہب اپنی تمام تر ہمہ گیری اور آفاقیت کے باوجود اپنے متبعین کو محدود دائرہ فکر و عمل مقید کر گئے ہیں۔ اس لیے وہ ان بندشوں کو توڑ کر مذہبوں کے آزادانہ استعمال کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ (83) اس طرح کے خیالات کے ذریعہ ایک مذہبی بیداری کے خواہاں تھے۔

رام موہن رائے کی وفات کے بعد مختلف مذاہب کے لوگوں نے انہیں ہندوؤں نے ویدانتی، برمہہ گیانی، عیسائیوں نے عیسائی اور مسلمانوں نے مسلمان کہا، مگر بعض لوگوں نے اس کے خلاف بھی مانا۔(84) بابو نند کشور بسو کہتے ہیں کہ راجہ رام موہن رائے ہمیں کہتے تھے کہ ہمارا مذہب یونیورسل (عالمگیر) ہے۔ مگر ہماری موت کے بعد مختلف فرقیں ہمیں اپنے اپنے فرقہ کا ہیرو ظاہر کرینگے۔ مگر ہم کسی خاص فرقہ میں نہیں ہیں۔(85)

راجہ رام موہن رائے مذاہب کی ارتقاء پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے شاگرد چندر شیکھر دیو سے ان کی ہوئی گفتگو پر ''تتو بودھنی پترکا'' نے چند مضامین چھاپا ہے۔ ان میں راجہ رام موہن رائے

نے کہا ہے کہ پرانے ہندووں ''برہمہ بدیا''میں یہودیوں سے زیادہ ترقی کی ہے۔مزید لکھا ہے:''معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے علم الٰہی میں بہ نسبت عیسائیوں کے زیادہ ترقی کی ہے، کم از کم اس وقت جبکہ اپنیشد میں لکھی گئی تھیں صرف واجب الوجود ہی موجود تھا اس نے چاہا تو دنیا وجود میں آ گئی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت بائبل کے پہلے باب کے ان الفاظ کے کہ خدا نے کہا ہے کہ''اوجالاہو'' (روشن ہو) وغیرہ ایک زیادہ اعلیٰ خیال پیدائش کی بابت ظاہر ہوتا ہے۔اس دوسرے بیان میں کسی درجہ لڑکپن پایا جاتا ہے۔(86)

مسلم مفکرین کی رائے:

کلکتہ کے مسلم علماء رام موہن کو ان کی زندگی میں''زبردشت مولوی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔(87) محمد مہر علی نے لکھا ہے کہ برھمو سماج اور''تتو بودھنی سبھا'' نے ذات پات کے خلاف اور توحید الٰہی کی تائید میں اصلاحی تحریکات اس لئے چلائے تھے کہ ہندوو?ں کو عیسائی ہونے سے روک سکے۔(88) مولوی شمس الہدی وکیل ہائی کورٹ کلکتہ نے رام موہن رائے یادگاری جلسہ 27 ستمبر 1904ء میں کہا تھا کہ''ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ برامہ دھرم کے بانی کی ازحد عزت کرے۔کیونکہ برامہ دھرم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اسلام کی وحدانیت کے قریب پہنچتا ہو''۔(89) مسٹر ایس۔اے عزیز 23 مئی 1903ء کو راجہ رام موہن رائے کی یوم پیدائش کے موقع پر برمھہ مندر لاہور میں ایک نظم پڑھا تھا جس میں ان کی پوری زندگی کا نقشہ پیش کر دیا ہے۔اس نظم کا پہلا رباعی درج ہے:

خور سند اہل صدق وحقیقت کے سائلو
واحد خدا کی پاک عبادت کے قائلو
روحانی جاہ ومنصب وثروت کے مائلو
پھر آج لمحے عیش ومسرت کے آئلو

آج اس کا یوم جنم ہے جو پارسا انیسویں صدی کا فقط ذی وقار تھا۔(90)

خلاصۂ کلام:

ان کا ماننا تھا کہ انسان کلیتا اپنے آپ کو مذہبی کتابوں اور عقل کے حوالے نہ کردے بلکہ اس کی روشنی سے علم اخلاق اور عقلی صلاحیتوں کو منور کریں اور پھر قادر مطلق کی رحمت پر بھروسہ کریں۔انھوں نے قادر مطلق یعنی خدا کو سمجھنے کی ذمہ داری کو انفرادی عمل قرار دیا ہے کہ ہر کوئی اپنی عقل اور مذہبی کتابوں کی مدد سے اسے سمجھ اور پا سکتا ہے۔رام موہن رائے مذہب اسلام کو محض صوفیوں کے حوالے سے ہی مطالعہ کیا ہے۔انھوں نے کہیں بھی مفسرین، محدثین اور فقہاء کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان کے تصانیف کے مطالعہ سے اس کا کہیں پتہ چلتا ہے۔بہرحال ان کی کتابوں اور دیگر سوانح نگاروں کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اسلام کا مطالعہ گہرائی سے نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے صرف صوفی مفکرین کا مطالعہ اور اپنی کمزور تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، تاکہ عقیدہ تثلیث کا بھید کھول کر عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرسکیں اور ہندوؤں کی تبدیلئ مذہب کو روک سکیں۔اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔وہ ہندو مذہب کو اپنے اور آنے والے زمانہ سے مناسبت رکھنے والا مذہب بنانے کی خواہش میں تھے۔اور اس کے ذات پات کے نظام کو معاشرتی و سیاسی فوائد حاصل کرنے میں روڑا سمجھتے تھے جس کی تبلیغ واصلاح آخری سانس تک کرتے رہے۔

حوالہ جات:

1. Collet, Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy (Edtited :Dilip Kumar Biswas), Sadharan Brahmo Samaj, Calcutta, 1962, Edt:3rd, P:1.

2۔ سہائے، لالہ رگھوناتھ، مہاتما راجہ رام موہن رائے، مفید عام پریس، لاہور، 1929ء، ص:12۔

3۔ گھوس، سچند رلال، راجہ رام موہن رائے (مترجم: انعام الحق)، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، 1973، ص: 29-30۔

4۔ ایضاً،ص:35-31۔

5۔ ایضاً،ص:35۔

6. Bradley-Birt, F. B, Twelve Men of Bengal in the Ninteenth Century, S. K. Lahiri, Kolkata, 1910, Edt:4th, P:5-6.

7. Collet, Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy, P:14.

8. Enamul Haque, Nawab Bahadur Abdul Latif his writings and Releted Documents, Samudra Prokashani, Dacca, 1968,P:178.

9۔ حوالہ سابق،گھوس،ص:38۔

10۔ عرش ملسیانی،راجہ رام موہن رائے،نیشنل بک ٹرسٹ،دہلی،1972ء،ص:18-16۔

11۔ سہائے،لالہ رگھوناتھ،ص:12۔ 12۔ حوالہ سابق،گھوس،سچند رلال،ص:100۔

13. Collet, Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy, P:372.

14۔ حوالہ سابق،گھوس،سچند رلال،ص:16-15۔

15۔ ایضاً،ص:14-13۔

16۔ ایضاً،ص:29-13۔

17۔ ایضاً،ص:20-17۔

18۔ ایضاً،ص:39-38۔

19۔ ٹیگور،سمندر ناتھ،راجہ رام موہن رائے (مترجم:ڈاکٹر نورالحسن نقوی)،ساہتیہ اکادمی،نئی دہلی،1984ء، ص:31

20۔ حوالہ سابق،گھوس،سچند رلال،ص:38-37۔

21۔ حوالہ سابق،لالہ رگھوناتھ،ص:18۔

22۔ حوالہ سابق،لالہ رگھوناتھ،ص:30۔

23. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin (Farsi), Indian Council for Cultural Relations, New Delhi, 1950, P :XXII.

24. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin, P:XXVI-XXVII.

25. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin, P:8.

26۔ حوالہ سابق، گھوس، بیچند رلال، ص:35-31

27۔ حوالہ سابق، لالہ رگھوناتھ، ص:20۔

28. Ray, Ajit Kumar, The Religious Ideas of Rammohun Roy, Kanak Publications, New Delhi, 1976, P:22-23.

29. Bayly, C. A, Recovering:Indian Thought in the Age of Liberalism and Empire, Cambridge University Press, 2012, P:37.

30. Collet, Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy, P:18.

31۔ حوالہ سابق، گھوس، بیچند رلال، ص:36۔

32. Chatterjee, Partha, The Black Hole of Empire, Princeton and Oxford, 2011, P:137.

33۔ اعظمی، ایم نسیم، راجارام موہن رائے اوران کے تحریکی وتعلیمی کارنامے، عدیلہ پبلی کیشنز، یوپی، 2016ء، ص:170-169۔

34. Ray, Ajit Kumar, The Religious Ideas of Rammohun Roy, P:70.

35۔ حوالہ سابق، اعظمی، ایم۔نسیم، ص:236-234۔

36. Chatterjee, Partha, The Black Hole of Empire, P:138.

37۔ حوالہ سابق، گھوس، بیچند رلال، ص:50-45۔

38۔ حوالہ سابق، ناتھ، سمندر، ص:17۔

39۔ حوالہ سابق، گھوس، بیچند رلال، ص:60۔

40۔ ایضا، ص:67۔

41۔ ایضا، ص:63-60۔

42۔ ایضا، ص:65۔

43۔ سید مجتبی علی، راجارام موہن رائے وعلم کلام (بنگلہ مضمون)، بھابی کال، 1340 بی ایس، Collet,Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy, P:22.

44۔ حوالہ سابق، لالہ رگھوناتھ، ص:31۔

45۔ ندمنشی نتھورام، مہاتما راجہ رام موہن رائیکے سوانح عمری، مطبع خادم التعلیم، پنجاب، 1893ء، ص:271۔

46. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin, P:I.

47۔ حوالہ سابق، گھوس، بچند رناتھ، ص:44-38۔

48۔ حوالہ سابق، سہائے، لالہ رگھوناتھ، ص:14۔

49۔ حوالہ سابق، عرش ملسیانی، ص:12۔

50۔ حوالہ سابق، سہائے، لالہ رگھوناتھ، ص:15۔

51۔ حوالہ سابق، منشی نتھورام نند، ص:17-16۔

52۔ ایضا، ص:20۔

53۔ ایضا، ص:40-39۔

54۔ ایضا، ص:41۔

55۔ ایضا، ص:47-46۔

56۔ حوالہ سابق، عرش ملسیانی، ص:14۔

57۔ ایضا، ص:23۔

58۔ ایضا، ص:50۔

59. Collet, Sophia Dobson, The Life and Letters of Raja Rammohun Roy, P:23.

60۔ حوالہ سابق، عرش ملسیانی، ص:20۔

61. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin (The Translator : Obaidulla El Obaide), The Pal Memorial Trust, Calcutta, 1884, P:3-6.

62۔ ابوداؤد، حدیث:2118۔

63. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin (The Translator : Obaidulla El Obaide), P:8-16.

64. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin (The Translator : Obaidulla El Obaide), P:12.

65۔ سورہ توبہ، آیہ:5۔

66۔ سورہ محمد، آیہ:4۔

67. Roy, Raja Rammohun, Tuhfatul Muwahhidin (The Translator : Obaidulla El Obaide), P:24. Ray, Ajit Kumar, The Religious Ideas of Rammohun Roy, P:20.

68۔ حوالہ سابق، عرش ملسیانی، ص:22۔
69۔ ایضا، ص:23۔
70۔ حوالہ سابق، سہائے، لالہ رگھوناتھ، ص:57-56۔
71۔ حوالہ سابق، گھوس، بچند رناتھ، ص:55-52۔
72۔ ایضا، ص:58-55۔
73۔ حوالہ سابق، سہائے، لالہ رگھوناتھ، ص:7
74۔ حوالہ سابق، گھوس، بچند رناتھ، ص:42۔
75۔ ایضا، ص:45-44۔
76۔ ایضا، ص:47-46۔
77۔ ایضا، ص:48۔
78۔ ایضا، ص:51۔
79۔ حوالہ سابق، سہائے، لالہ رگھوناتھ، ص:32۔
80۔ ایضا
81۔ حوالہ سابق، اعظمی، ایم نسیم، راجارام موہن رائے اوران کے تحریکی وتعلیمی کارنامے، ص:162۔
82۔ ایضا، ص:172۔
83۔ ایضا، ص:175-174۔
84۔ حوالہ سابق، منشی، ص:261۔
85۔ ایضا، ص:270۔
86۔ ایضا۔

87. Sen, Amiya P, Rammohun Roy :A Critical Biography, Penguin, New Delhi, 2012, P:41./https//:login.tikona.in/userportal

88. Ali, Muhammad Mohar, History of the Muslims of Bengal, Imam Muhammad ibn Saud Islamic University, Riyadh, 1988, V:II A, P:221-222.

89۔ حوالہ سابق، لالہ رگھوناتھ، ص:111-109۔
90۔ ایضا، ص:124-123۔

☆☆☆

علوم اسلامیہ میں مالک رام کی خدمات: ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد ابرار الحق
(اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز،
مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ)

علمی زندگی اور خدمات:

ملک رام باویجہ (1993-1960ء) جو مالک رام سے مشہور تھے، ایک ممتاز ادبی شخصیت کے حامل تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے ماہر، اسلام اور اس کی ثقافت کی قابلِ قدر مطالعہ کے لیے بھی جانے جاتے ہیں۔ وہ 22/دسمبر 1960ء کو پھالیہ، جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں واقع ہے، میں پیدا ہوئے۔ پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ابتدائی تعلیم وزیر آباد (پنجاب کیا یک شہر) سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ 1927ء میں ڈی۔اے۔وی۔ کالج، لاہور سے بی۔اے۔ اور 1930ء میں ایم۔اے اور پھر 1933ء میں ایل ایل بی کی ڈگری گارمنٹ کالج، لاہور سے حاصل کی۔ انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز بطور صحافی کیا۔ اور لاہور کا ماہانہ ادبی جریدہ نیرنگ خیال میں جوائنٹ ایڈیٹر اور بعد میں ایڈیٹر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اسی وقت لاہور کے ہفت روزہ آریہ گزٹ کے ایڈیٹر بھی تھے۔ 1863ء کے جنوری اور جون کے درمیان لاہور کا روزنامہ بھارت ماتا کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے۔ صحافت میں انہوں نے حکیم یوسف خان، یوگندر پال اور ظفر اللہ خان سے رہنمائی حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، یگانہ چنگیزی اور مہیش پرساد جیسے فاضل علماء تھے۔ آزادی کے بعد وہ دہلی آئے اور ہندوستان کی وزارت تجارت اور امور

خارجہ میں خدمات انجام دیں۔اسی درمیان انہیں مشرق وسطی اور دوسرے مسلم ممالک کے دورے کا موقع ملا۔ اس دوران مختلف زاویوں سے انہیں وہاں تجربات حاصل ہوئے خاص طور پر اسلام اور اس کی تہذیب وتمدن کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔(1)

مالک رام نے 1939ء سے 1956ء کے دوران انڈین فارن سروسز میں شمولیت اختیار کی اور اس درمیان ایشیا اور مشرق وسطی کے کئی ممالک کی سیر کی۔ جہاں انہیں مختلف زبانوں میں مختلف قسم کے بہت ہی اہم اور نایاب مواد سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔انہوں نے مصر، فلسطین، اردن، لبنان، شام، ترکی، عراق، ایران، ہالینڈ، جرمنی، بیلجیم، فرانس، جبرالٹر، یونان، افغانستان اور روس کا دورہ کیا۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں کی لائبریریوں اور میوزیم کا دورہ کیا اور نایاب مخطوطات جمع کیے۔اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور پنجابی میں انہیں عبور حاصل تھا۔(2)

اپنے اصل کاموں کے علاوہ، مالک رام کی اہم خدمات مطالعہ غالب اور ان کے کاموں کی تدوین وتشریح کا مشکل کام ہے۔ غالب کی اردو اور فارسی میں اہم تصانیف جیسے سبدِ چن، دیوانِ غالب، گلِ رعنا اور خطوط غالب پر کام کیا ہے۔ان کی کتاب ذکر غالب (1983ء) نے انہیں مقبول ترین بنا دیا اور غالب پر اتھارٹی کی حیثیت سے جانے جانے لگے۔ایوارڈ یافتہ مالک رام کی تذکرہِ معاصرین کا جائزہ لیتے ہوئے، اردو کے نامور شاعر اور اقبال پر ایک اتھارٹی، پنڈت جگن ناتھ آزاد کے مطابق: غالب پر بین الاقوامی سطح پر معروف اتھارٹی مالک رام فن خطوط میں ایک ورسٹائل مین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی زندگی میں ایک لیجنڈ، وہ بہت سے مضامین سے ایک ہی وقت میں ڈیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیک وقت وہ ایک مضمون نگار، ایک سوانح نگار، ایک یادگار مصنف، ایک ادبی نقاد، ایک ریسرچ اسکالر کے ساتھ ساتھ اسلامی ادب اور ثقافت پر بھی ایک اتھارٹی ہے اور یہ اس حیثیت میں ہے کہ انہوں نے ہندوستان اور بیرون ملک کے نامور مسلم اسکالرز سے اپنے کام پر داد حاصل کر چکے ہیں۔جن میں مولانا عبدالماجد دریابادی (انڈیا) اور مرحوم پروفیسر

یوسف سلیم چشتی (پاکستان) بھی شامل ہیں۔ان کی کتاب، تذکرہ معاصرین، انسائیکلوپیڈیا کی نوعیت کا کام ہے۔(3)

1965ء میں سول سروسز سے ریٹائرمنٹ کے بعد مالک رام نیساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی میں شمولیت اختیار کرلی جہاں وہ اردو سیکشن کے انچارج بنا ئے گئے۔یہیں مولانا آزاد کے کاموں کو انہوں نے بہت ہی عرق ریزی سے ترمیم وترتیب دیکر شائع کیا۔1967ء میں اپنے ادبی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے اپنا سہ ماہی ادبی جائزہ تحریر شروع کیا اور علمی مجلس دہلی کے سرگرم رکن بھی بن گئے۔ یہ ہندوستان میں اردو کے نوجوان اور سرگرم ریسرچ اسکالرز اور مصنفین کا ایک ادارہ تھا۔ 1993ء میں انتقال سے پہلے انہوں نے اپنی پوری لائبریری جامعہ ہمدرد، دہلی یونیورسٹی کی لائبریری، کوعطیہ کردی۔ جہاں ان کے مجموعے کا نام ملک رام کلیکشن ہے۔

اردو زبان وادب کے میدان میں ان کی مثالی خدمات کے علاوہ مالک رام اسلام، اس کی تاریخ اور دیگر بنیادی مضامین جیسے قرآن وحدیث کے مطالعہ کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔اسلامی علوم کے ماخذ زبان یعنی عربی اور فارسی پر عبور حاصل ہونے کی وجہ اسلام کے متنوع پہلوؤں پر تنقیدی مطالعہ کیا۔ بطور صحافی اپنے کیریئر کے ابتدائی دور میں وہ اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق موضوعات پر مضامین لکھتے تھے۔ بعد ازآں یہ ہی مضامین دو الگ الگ جلدوں میں شائع کیا گیا: عورت اور اسلامی تعلیم اور اسلامی تعلیمات۔

عورت اور اسلامی تعلیم:

نیاز فتح پوری کے تعارف کے ساتھ مالک رام کی یہ کتاب جو دراصل وقتاً فوقتاً مختلف جرائد میں شائع ہونے والے ان کے مضامین کی ترمیم شدہ شکل ہے، اسلام میں عورت کے مقام ومرتبہ کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ کتاب 1951ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ بعد میں 1977ء اور 1998ء میں مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی۔ ایک عورت کے مختلف کرداروں کی عکاسی کرتے ہوئے یہ کتاب

پانچ بابوں پر مشتمل ہے:1، بیٹی 2، بیوی 3، ماں 4،طلاق یافتہ اور بیوہ اور 5۔ وراثت۔ ان عنوانات کے ساتھ ایک عورت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اسلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

مالک رام نے ان مضامین پر خالص مذہبی نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور ہر موقعہ پر آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالے دیئے ہیں۔ مالک رام کا بیان ہے جو انہوں نے اپنی تصنیف، وہ صورتیں الٰہی، میں پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:1932ء یا1933ء کی بات ہے میں نے مطالعہ کے اثنا میں محسوس کیا کہ قرآن میں عورت کی زندگی سے متعلق تفصیلی تعلیم دی گئی ہے لیکن کسی ایک مقام پر نہیں ہے بلکہ مختلف صورتوں میں منتشر حالات میں ملتی ہے، جی میں آیا کہ کیوں نہ اس کو یکجا کر کے اس پر ایک مضمون لکھا جائے، میں نے شروع سے یہ طے کرلیا کہ اساسی طور پر تمام مسائل کا استخراج قرآن سے کروں گا، اور حدیث محض نص کی تشریح اور توضیح کے لیے پیش کرونگا اور یہ بھی تا حد امکان بخاری اور مسلم سے، زیادہ سے زیادہ صحاح ستہ سے۔(4)

کتاب کا مسودہ تیار ہونے کے بعد مالک رام نے سید سلیمان ندوی کی خدمت میں بھیجا تا کہ ایک عالم دین کی نظر سے گزر جائے۔سید صاحب نے دیکھ کر مضمون کی نہ صرف تعریف کی بلکہ یہ تک لکھ دیا: اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ مضمون کس کا لکھا ہوا ہے تو میں اسے پڑھ کر یہی خیال کرتا کہ یہ کسی مسلمان عالم نے لکھا ہے۔(5)

پہلے باب میں عورت کو بیٹی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، دوسرا باب بیوی کے مسائل سے متعلق ہے، تیسرے باب میں ماں کی حیثیت بتائی گئی ہے۔ چوتھا باب مطلقہ اور بیوہ سے متعلق ہے اور پانچوے باب میں وراثت کی تقسیم کی گئی ہے۔جس میں عورت کے حصہ کا بھی تعین کیا گیا ہے۔

چونکہ عورت کی زندگی کا آغاز بیٹی کی حیثیت سے ہوتا ہے اس لیے بنیادی مسائل اسی مرحلہ کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں۔اس باب کو چھ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔سب سے پہلے دور جاہیلیت کے معاشرہ میں عورت کی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جا سکے کی اسلام نے عورت کو کس پستی سے اٹھا کر کتنی بلندی پر پہنچایا۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآن نے ہر جگہ اعمال صالحہ

کے اجر میں عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا پھر مسلمان عورت کے اندرون خانہ اور بیرون خانہ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور حصول علم کو اس کے لیے فرض بتایا گیا ہے۔ اس کی تائید میں یہ مشہور حدیث پیش کی گئی ہے: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمہ، علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ علم مومن کا گمشدہ مال ہے پس جہاں بھی اسے پائے، حاصل کرنے کا وہ زیادہ حقدار ہے۔ ساتھ ہی ماں باپ کی تنبیہ کے لیے قرآن کی وہ آیت پیش کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ: یقیناً وہ لوگ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں جنہوں نیا پنی اولاد کو اپنی حماقت سے جاہل اور بے علم رہ کر ہلاک کیا۔ (الانعام:140) پھر علم کے لیئے یہ بھی بتایا گیا کہ وہ علم نافع ہونا چاہیے ورنہ وہ بھی موجب ہلاکت ہوگا۔ اس باب میں عورت کے پردہ سے متعلق بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ (6)

دوسرے باب میں عورت کو بیوی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور چونکہ اس کے مسائل بہت زیادہ ہیں اس لیییہ باب سب سے طویل ہے اور اس میں چھتس ذیلی عنوانات ہیں جن میں خاص نکاح کے مقاصد، محرکات نکاح، تعدد ازدواج اور اس کی شرائط، اعلان نکاح، مہر، بیوی کے حقوق، حسن معاشرت وغیرہ۔ ان تمام مسائل سے متعلق مصنف نے نہایت تفصیلی بحث کی ہے۔ پہلے احکام قرآنی بتایا ہے پھر احادیث نبوی سے ان پر روشنی ڈالی ہے اور پھر ان دونوں ماخذات پر غور وفکر کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کی ہے یوں تو جملہ مسائل میں مصنف نے نہایت جچی تلی رائے دی ہے لیکن دو مسئلوں سے متعلق پورے تدبر سے کام لیا ہے۔۔ مہر اور تعدد ازدواج سے متعلق۔ مہر کے بارے میں لکھتے ہیں: نکاح کے ساتھ سب سے پہلی چیز جو وابستہ ہے وہ مہر ہے۔ مہر وہ رقم ہے جو مرد اپنی منکوحہ کو بلا کسی معاوضہ کے بطور ہدیہ دیتا ہے: **وآتوالنسا صدقتھن نحلہ۔** (النساء:4)

تعدد ازدواج پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد مصنف نے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ **الاتعدلو فواحدہ** میں یہ بتادیا کہ اصولا ایک ہی بیوی چاہئے۔ زیادہ کی اجازت محض ضرورت کے لیئے ہے اور وہ بھی شرط کے ساتھ۔ بہر حال بعض حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ یہ حکم نہیں کہ اس کی تعمیل لازم ہو۔ دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے بھی تعدد ازدواج کی ممانعت نہیں کی ہے۔

اگر چہ ان کے یہاں بھی ایک بیوی کی فضیلت کا بیان ہے۔(7)

تیسرے باب میں عورت کی حیثیت ماں کی دکھائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ماں کا کیا مقام ہے۔ ویسے تو ماں اور باپ دونوں کی تعظیم وتکریم کا جو قرآن میں حکم ہے اس کے مطابق ان کا درجہ اللہ کی عبادت کے بعد ہے۔ چنانچہ مصنف نے اس سلسلے میں وہ آیات پیش کر کے اولاد کو اللہ تعالی کے اس حکم سے آگاہ کر دیا ہے: وقضیٰ ربک۔۔ترجمہ: اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کبر سنی کو پہنچے تو اسے کبھی اف تک نہ کہو بلکہ دونوں سے نرمی اور ادب سے پیش آؤ۔(بنی اسرائیل:32)

چوتھے باب میں طلاق اور مطلقہ بیوہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں خلا کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مالک رام کہتے ہیں: اس سے بظاہر یہ خیال پیدا ہوگا کہ اسلام میں طلاق بہت آسان چیز ہے اور شوہر کوئی پابندی نہیں ہے وہ جب چاہے بیوی کو طلاق دیدے ایسا خیال کرنا غلطی ہوگی، کیونکہ اسلام طلاق کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک یہ آخری قدم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے جتنی چیزیں انسانون کے لیے حلال کی ہیں ان میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں (ابوداود) ایک اور جگہ فرمایا کہ خدا نے دنیا میں کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کی نظر میں طلاق سے زیادہ ناپسند ہو۔(دار قطنی)

پانچویں اور آخری باب میں وراثت کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی ابتدا اسلامی معیشت کی خوبی کے اعتراف سے ہوتی ہے۔ مالک رام کے مطابق، اسلام نے دولت کی تقسیم میں اعتدال قائم رکھنے کے لیے چند ایسے بنیادی اصول بنائے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو آج کل کا معاشرتی ہیجان بڑی حد تک فرو ہو جائیگا۔ سب سے پہلے زکاۃ کا حکم دیا گیا اور وصدقات دینے پر ابھارا گیا، تاکہ مال امیروں سے نکل کر غریبوں تک پہنچتا رہے۔ پھر سود لینے اور دینے کی مخالفت کی گئی۔ اور سب سے آخر میں وراثت کے احکام کچھ ایسے طریقہ پر وضع کیے کہ ان پر عمل کرنے سے

سرمایہ چند ہاتھوں میں جمع نہیں رہ سکتا۔

معیشت کے یہ بنیادی اصول بتانے کے بعد مصنف نے وصیت کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی۔قرض، اصول وراثت، اصول تقسیم، والدین کے حصے، میاں بیوی کے حصے اور کلالہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔اور آخر میں ایک اعتراض کا نہایت حکیمانہ انداز سے جواب دیا ہے۔فرماتے ہیں:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایک اعتراض کا جواب بھی دیدیا جائے۔بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب اصولاً لڑکے اور لڑکی کو درجے میں ایک سطح پر رکھا تھا تو ان کے حصے برابر کیوں نہ مقرر کیے اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ لڑکی کا درجہ لڑکے سے کم تر ہے۔یہ اعتراض قلت تدبیر کا نتیجہ ہے۔حصے لڑکی اور لڑکے کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔،عورت کا متکفل مرد ہے۔ مرد پر فرض ہے کہ وہ بیوی اور اولاد پر خرچ کرے اس کے مقابلہ میں عورت چاہے تو اپنی ذاتی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے۔ پس مرد کا حصہ زیادہ اس لیے رکھا کہ اس کی ذمہ داری زیادہ ہے اور عورت کا حصہ اس لیے کم رکھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں۔(8)

یہ نقطہ سمجھانے کے بعد مالک رام اس باب کو قرآن کریم کا یہ ارشاد سنا کر ختم کرتے ہیں:
تلک حدوداللہ۔:ترجمہ: یاد رکھو یہ اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں۔پس جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے جنت کے باغوں میں داخل کریگا۔یہ کتنی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اللہ اسے جہنم میں ڈالے گا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیگا۔(النساء:31)

اسلامیات:

خاص اسلامی علوم میں ان کی دوسری کتاب اسلامیات ہے جو مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے ستمبر 1984ء میں شائع ہوئی۔ ایک تعارف کے علاوہ چھ مضامین پر مشتمل ہے:لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ، الاسلام،اسلامی خلافت،خلق عظیم،افصح العرب اور عورت مذاہب عالم میں۔

کتاب کی اہمیت اور اسلام پر مصنف کی وسعت نظر کا اندازہ ایک عام قاری اس کے پیش لفظ سے لگا سکتا ہے۔ جب اسلام کے بارے میں بعض نا قابل قبول تاویلات بڑی شدومد کے ساتھ پیش کی جارہی ہو تو اس دور میں مالک رام نے اسلام کی جس سلیقہ، خلوص اور معروضیت کے ساتھ تفہیم کی ہے وہ ہم سب کیلئے قابل قدر ہے۔ وہ اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں خودستائی کے لیئے نہیں بلکہ بطور تحدیث نعمت میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مطالعہ کی وسعت اور ان (مذکورہ بالا) مصنفین کا مرہون منت ہونے کے باوجود میں آزادانہ غور وفکر سے کبھی دستبردار نہ ہوسکا۔ میں نے افلا یتد برون القرآن ۔۔ کے اس حکم کی تعمیل میں مسائل پر غور وفکر کیا ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ کہیں کہیں میں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ دوسرے علمائے کرام کے نتائج سے مختلف بھی ہیں۔(9)

لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ:

کتاب کا آغاز اسلام کے بنیادی ارکان توحید اور رسالت پر علمی بحث سے ہوتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی تشریح میں مالک رام سب سے پہلے یہ جملہ تحریر کرتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد خدا کی ہستی پر ایمان کامل اور اس کی عبادت ہے۔ یہی بات سورہ فاتحہ میں یوں کہی گئی ہے: **ایاک نعبد و ایاک نستعین**۔ یہاں مالک رام اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ہر نبی کو شرک کی مذمت اور خالق کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنیا ور خالص توحید اور صراط مستقیم پر لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تاہم بدقسمتی سے زیادہ تر قوموں نے ان نبیوں کو اپنے معبودوں کی طرح سمجھا جبکہ وہ مخلوق کو خالق سے ملانے کیلئے آئے تھے۔ اس طرح مالک رام خالص توحید کی مضبوط وکالت کرتے ہیں۔

کچھ غیر مسلم مصنفین جیسے گنگا پرساد اپادھیائے نے اسلامی کلمہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

> ''جب حضرت محمد ﷺ دنیا میں تھے تو ان کی تعظیم وتکریم ہمارا عین فرض تھا۔ لیکن آج مسلمانوں نے اپنے کلمہ کے اندر محمد صاحب کو بھی شامل کر رکھا ہے۔ جب ہم

یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں، تو اللہ حاضر و ناظر ہے۔ وہ ہماری بات سنتا ہے۔لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ محمد صاحب ہمارے رسول ہیں، اور اس جملے کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں، تو حضرت محمد صاحب ہماری بات سنتے نہیں۔ اللہ کے تصور کے ساتھ محمد صاحب کا بھی تصور ہمارے دل کے سامنے آجاتا ہے۔ پھر توحید کہاں رہی؟''۔(10)

مالک رام اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے۔اور یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔کلمہ خدا یا اس کے رسول کو سنانے کیلئے نہیں پڑھا جاتا، بلکہ یہ اپنے ایمان اور اعتقاد کا اعلان ہے۔کلمہ جزو عبادت نہیں، بلکہ یہ صرف پڑھنے والے کی ایقانی کیفیت اور جماعتی تعلق کی شہادت ہے۔ جب کوئی آدمی کلمہ پڑھتا ہے تو وہ اس بات کا اشتہار دیرہا ہے کہ میں آج سے خدا کے سوا کسی اور کو معبود سمجھونگا نہ اس کی عبادت کرونگا۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ کی بھی نہیں کیوں کہ وہ بھی صرف اس کے رسول ہیں، معبود نہیں''۔(11)

الاسلام:

اس باب میں مالک رام اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر نبی لوگوں کو ایک ہی راستے کی طرف بلایا، یعنی اسلام کی طرف، جو پہلے انسان اور نبی آدم کے بعد سے زمین پر نازل ہونے والا حقیقی مذہب ہے۔ زمانے کے اعتبار سے شریعت میں تبدیلی ہوتی رہی لیکن مذہب ایک ہی تھا اور اخلاقی اصول بھی ایک ہی طرح کے تھے۔

اسلامی خلافت:

اس کام میں ایک اور اہم مضمون یعنی اسلامی نظام حکومت یا اسلامی خلافت شامل ہے۔

ایک محتاط مطالعہ کے ساتھ مالک رام اسلامی طرز حکمرانی کے اصولوں کو بیان کرتے ہیں اور اس نظام کی افادیت جو وحی بر مبنی نظام ہے، روشنی ڈالتے ہیں۔ شوریٰ اور اسلامی نظام حکومت کے دیگر اصولوں اور تصورات پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ دور جدید کے جمہوریت اور اسلامی خلافت کے اصولوں کا موازنہ کر کے پتا لگایا جا سکتا ہے کہ ان معنوں میں اسلام میں جمہوریت ہے یا نہیں۔

خلقِ عظیم:

اس کام کا سب سے اہم مضمون ''خلقِ عظیم'' ہے۔ یہ سیرت نبوی پر ایک جامع مطالعہ ہے۔ رسول کی حالت زندگی پیش کرتے ہوئے مالک رام ان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں خلق عظیم کا جائزہ پیش کرتے ہے۔ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد ان کی بلند و بالا شخصیت، جنگ و معاہدہ میں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ، منافقوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ان کے اعلیٰ کردار کو پیش کیا گیا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ رسول اللہ کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے مالک رام لکھتے ہیں:

> ''یہ (دشمن) بیرونی بھی تھے اور اندرونی بھی۔ مکہ کے مشرک اور مدینہ کے یہودی آپ کے حلقے میں نہیں تھے۔ اور منافق گھر کے بھیدی۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ آپکا معاملہ یکساں رحم و کرم کا رہا۔ اور جب تک خود مغفرت کا دروازہ اپنے آپ پر بند نہیں کر لیا، آپ نے ہمیشہ درگذر کیا۔ کیا کسی بادشاہ یا دوسرے نبی نے ایسی مثال پیش کی ہے؟''۔(12)

افصح العرب:

اس باب میں رسول کی فصیح و بلیغ زبان کا تذکرہ ہے۔ ہر نبی بنیادی طور پر مبلغ ہوتا ہے اور اسے خدا کا پیغام خدا کی مخلوق تک پہنچانا ہوتا ہے۔ مالک رام کے مطابق صداقت میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ اس کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اصل چیز پیغام کی صداقت ہی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی کہ کس طرح سے پیش کیا گیا۔ اللہ کا نبی کس زبان میں تبلیغ کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کے لئے نبی کو

زبان پر پوری قدرت حاصل ہونا چاہیے اور اسے اس درجہ فصیح و بلیغ ہونا چاہیے کہ وہ خدا کے پیغام کو بہترین الفاظ میں اور بہترین انداز سے پیش کر سکے۔ رسول اللہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی کہ آپ فصاحت و بلاغت کیلئے مشہور تھے۔

عورت مذاہب عالم میں:

کتاب کا یہ اختتامی حصہ اگرچہ عورت سے متعلق ہے لیکن یہ اسلام اور دیگر مذاہب جیسے ہندومت، عیسائیت، یہودیت وغیرہ میں عورت کی حیثیت کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ مالک رام کیاس تقابلی مطالعہ کے زیادہ تر موضوعات جیسے تعدد ازدواج، شادی، طلاق اور دیگر متعلقہ مسائل کیگرد گھومتیہیں۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ اسلام عورت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے اور اسلام میں مرد وعورت دونوں کا درجہ برابر ہے۔ مالک رام حقائق کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی اسکیم جو عورت کی زندگی سے متعلق ہے وہ مبنی بر انصاف ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔(16) اسلامی علوم میں مالک رام کی علمی خدمات کا یہ حصہ بہت اہم ہے۔

مالک رام کی مذہبی علوم میں خاص طور پر اسلامی علوم میں گہری دلچسپی اور گہرائی سے مطالعہ کے پیچھے بنیادی محرک پرامن تکثیری ماحول میں ان کا پرورش پانا تھا۔ ان کے اساتذہ، علمی ماحول اور اسلامی ممالک کیا سفار، ان سب نیا سلامی علوم میں ان کی گہری دلچسپی کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ انسانیت سے محبت، وسیع النظری، خلوص اور بین مذاہب افہام وتفہیم نے انہیں سیکھنے اور تحقیق کے افق کو وسعت دینے میں اہم رول ادا کیا۔ مالک رام کا مسلک حیات انسان دوستی اور شائستگی پر قائم۔ اس طرح نہ صرف اردو ادب میں بلکہ مالک رام نے اسلامی علوم میں بھی اپنی جامعیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ صرف ادب کے نہیں اسلامیات کے بھی بڑے اسکالر تھے اور ان کی تصانیف دونوں حلقوں کیلئے رہنما ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ محمد ارشد، مالک رام: حیات و کارنامے، پی ایچ ڈی مقالہ، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2002 ص 19-20۔

2۔ ایضاً

3۔ ثناء الحق صدیقی، عورت اور اسلامی تعلیم ایک جائزہ، ماہنامہ قومی زبان، مالک رام نمبر، اپریل 1994ء، ج 66، ش 4، ص

4۔ ایضاً ص 15۔

5۔ مالک رام، عورت اور اسلامی تعلیم، یونائٹڈ انڈیا پریس، لکھنو، 1951ء، ص 4۔

5۔ ایضاً ص

7۔ ایضاً ص 161-160

8۔ مالک رام، پیش لفظ، اسلامیات، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 2011ء، ص 10

9۔ ایضاً ص 20

10۔ ایضاً ص 21

11۔ ایضاً ص 115

12۔ ایضاً ص 117۔183

☆☆☆

مالک رام ایک مطالعہ: اسلامیات کے حوالے سے

ڈاکٹر محمد حاذق
(نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد)

اسلامک اسٹڈیز میں بہت سارے غیر مسلم بھائیوں نے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ برادران وطن نے الگ الگ موضوعات پر اپنے قلم کو جنبش دی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ''مالک رام ایک مطالعہ: اسلامیات کے حوالے سے'' ہے۔ مالک رام محقق، مدون اور تذکرہ نگار کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات اردو ادب میں گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ آپ نے اپنے تحقیقی اور تنقیدی مضامین سے ایک خاص مقام حاصل کیا۔ علمی و ادبی دنیا میں مالک رام کی شہرت غالب شناسی سے زیادہ ہوئی۔ آپ کی مختلف علمی خدمات میں ایک میدان اسلامیات بھی ہے۔ مالک رام اسلامیات پر بہت اچھی گرفت رکھتے ہیں، مالک رام کو قرآن و حدیث پر درک حاصل ہے۔ جس کا اظہار آپ کی کتاب ''اسلامیات'' میں ہوا ہے۔ جس سے آپ کی مذہب اسلام سے فطری دلچسپی اور شغف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کی اہل علم نے بڑی پذیرائی کی ہے۔ مالک رام ادب کے محقق ہونے کے باوجود اسلامی تعلیمات پر جو توجہ دی ہے وہ قابل ستائش اور دانش وری کی دلیل ہے۔ اسلامیات میں مالک رام نے چھ مضامین کا احاطہ کیا ہے جو ہندو پاک کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ جس کو بعد میں دوستوں کے اصرار پر یکجا کر کے شائع کیا۔

مالک رام کی یہ کتاب ''اسلامیات'' ایک ادبی شاہکار تصور کی جاتی ہے۔ آپ نے

اسلامیات کے موضوع پر اس انداز سے قلم کو جنبش دی ہے کہ قاری کے دل میں رشک پیدا ہو جاتا ہے۔ موصوف نے غیر مسلم ہونے کے باوجود قومی تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے آغاز میں مالک رام کا پیش لفظ ہے اور یہ کتاب 182 صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار یہ کتاب 1984 میں مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں چھ مضامین شامل کیے گیے ہیں۔ پہلا مضمون کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔ یعنی اسلام کے بنیادی کلمے کی تشریح کی گئی ہے جس میں مختصراً توحید و رسالت کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور توحید پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام شرک کا سخت مخالف ہے۔ اسلام میں خدا کے علاوہ کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھا جائے یا اللہ جیسی صفات کسی شخص یا ذات میں قبول کی جائے یہ شرک کہلاتا ہے۔ متعدد قوموں نے جب انبیائے کرام کو خالق کو درجہ دے دیا حالانکہ وہ صرف دعوت دینے کے لیے آئے تھے۔ یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ اکثر قومیں اس گمراہی میں پڑ گئیں اور انہوں نے انبیائے کرام کو کسی نہ کسی شکل میں مقام سے زیادہ رتبہ دے دیا۔ غرض یہ واقعات اتنی مرتبہ پیش ہو چکے تھے اور آئندہ بھی اس بات کا قوی امکان تھا لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کا سد باب کر دیا جائے۔ غرض اسلام نے اپنے کلمے میں اس برائی کی روک تھام کی ہے۔ مخالفین اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلامی کلمے میں شرک ہے۔ گنگا پرشاد اپادھیائے نے اپنی کتاب ''مصابیح الاسلام'' میں جو اسلامی کلمے میں وحدانیت پر اعتراض کیا ہے اس کے جواب میں مالک رام فرماتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اور یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کلمہ خدا یا اس کے رسول کو سنانے کے لیے نہیں پڑھا جاتا، بلکہ یہ اپنے ایمان اور اعتقاد کا اعلان ہے۔ کلمہ جزو عبادت نہیں بلکہ یہ صرف پڑھنے والے کی ایقانی کیفیت اور جماعتی تعلق کی شہادت ہے۔ جب کوئی آدمی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے، تو وہ اس بات کا اشتہار دے رہا ہے کہ میں آج سے خدا کے سوا کسی اور کو معبود نہیں سمجھوں گا اور نہ اس کی عبادت کروں گا۔ یہاں تک کہ محمد کی بھی نہیں کیوں

کہ وہ بھی صرف اس کے رسول ہیں، معبود نہیں''۔(1)

آگے مزید مالک رام اس کلمے کی معنویت واہمیت پر گفتگو کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

''اسلامی کلمے کا مقصد یہ تھا اور یہ ہے کہ کہیں مسلمان بھی امم سابقہ کی طرح اپنے نبی کو معبود نہ بنالیں۔ یہ گویا توحید خالص کا اعلان ہے۔اس کا پڑھنے والا عہد کرتا ہے کہ آج سے میں کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کروں گا۔ وہ علی الاعلان شہادت دیتا ہے کہ خدا کے علاوہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی لائق عبادت نہیں اور محمد محض اس کے رسول ہیں، اس سے زیادہ نہیں''۔(2)

اس مجموعے کا دوسرا مضمون ''الاسلام'' کے نام سے ہے جس میں مالک رام نے رب کے معنی اسلام اور دیگر مذاہب میں اس کا تصور کیا ہے اس پر گفتگو کی ہے۔اس مضمون میں مالک رام نے اسلام کی وضاحت کی ہے اور بنیادی سوالوں کے جواب مہیا کیے ہیں۔اس موضوع میں بعثت انبیا اور اہل کتاب کے اہم نکتوں پر روشنی ڈالی ہے۔حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے۔ان پر جو کلام یا شریعت نازل کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل کی گئی اور اب اس میں کسی حذف واضافہ کی ضرورت نہیں رہی۔اس مضمون میں اہل کتاب کون لوگ ہیں؟ اس سلسلے میں مالک رام نے قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے اور قرآن کے علاوہ زبور، تورات، انجیل اور صحف ابراہیم کا ذکر کرتے ہیں۔ مالک رام اس کے علاوہ بھی اہل کتاب گرادانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ کسی اور کتاب کا نام صراحت سے نہیں لیا گیا تو اس کا بالکل بھی یہ مطلب نہیں ان تینوں کے سوا اور کسی پر کتابیں نازل نہیں ہوئی یا بنی اسرائیل اور مسلمانوں کے علاوہ دوسری کوئی قوم اہل کتاب نہیں۔اس سلسلے میں مالک رام فرماتے ہیں:

''ہوسکتا ہے کوئی کتاب بہت مختصر رہی ہو، بعض جگہ شاید وہ بین الدفتین جمع بھی نہ ہوئی ہو، یا اگر جمع ہوئی تو ضائع ہوگئی۔لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جب کسی امت سے کہا گیا کہ یہ حق صواب ہے اس پر عمل کرو اور یہ نادرست اور گناہ ہے اس

سے اجتناب کرو، تو ان کی شریعت مکمل ہوگئی۔ اب وہ عرف عام میں اہل کتاب ہی کہلائیں گے۔ جس طرح ہزاروں رسولوں کا ذکر قرآن میں نہیں ملتا اسی طرح ان اہل کتاب قوموں اور ان کی کتابوں کے نام بھی مذکور نہیں۔''(3)

تیسرا مضمون ''اسلامی خلافت'' ہے اس مضمون میں مالک رام نے نہ صرف اسلامی خلافت کو واضح کیا ہے بلکہ لفظ خلافت کے مادہ معنی اور اصطلاحی تعریف سے بحث کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کی کیا حالت تھی اور کس طریقے سے ان حالات پر قابو پایا گیا۔ خلفائے راشدین کے تقرر پر روشنی ڈالی ہے اور چاروں خلیفہ اسلام کے تقرر کی روداد بیان کی ہے۔ اس کے بعد اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے مشورہ کن اصحاب سے کیا جائے اور مشورے کے حدود کا بھی تعین کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ کے فرائض وصفات کیا ہونی چاہیے اس پر گفتگو کی ہے۔ اسلامی خلافت کے انہوں نے 11 اصول بیان کیے ہیں اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک سوال قائم کیا ہے اور اس پر سوچنے کی دعوت دی ہے۔ فرماتے ہیں:

''ان اصولوں کا موجودہ دور کی جمہوریت سے مقابلہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا ان معنوں میں اسلام میں جمہوریت ہے یا نہیں!''(4)

کتاب کا چوتھا مضمون ''خلق عظیم'' ہے اس مضمون میں مالک رام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے اسباب اور ان کے طریقوں پر روشنی ڈالی ہے۔ انبیائے کرام کے حالات کا جب مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ان لوگوں کو کیسے پریشان کیا گیا جن کا وجود بھلائی کے لیے تھا، ان کی تعلیم سچائی پر مبنی ہونے کے باوجود بھی ان لوگوں کو جھٹلایا گیا۔ ان کی مخالفتیں ہوئی، گالیاں دی گئیں۔ غرض کئی انبیائے کرام کو اپنے ہم وطنوں سے نالاں اور پریشان ہو کر وطن کو خیر آباد کہنا پڑا۔ اسی حقیقت کا ورقہ بن نوفل نے بھی انکشاف کیا تھا جب وحی نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ ان کے پاس لے گئیں تھیں۔ مالک رام نے ایسا کیوں کر ہوا اس مضمون میں اس کی عکاسی کی ہے اور اس کے اسباب بھی بتائے ہیں۔ فرداً فرداً ہر نبی پر بحث نہ

کرتے ہوئے مالک رام نے آخری نبی محمدؐ پر بحث کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ داعی اسلام کی مخالفت میں یہ تمام عناصر ایسے جمع ہوگیے ہیں کہ اگر ہم ان کے مخالفین اور مکذبین کے حالات تفصیل سے جان لیں تو ہمیں دوسرے نبیوں کے مخالفوں کے حالات معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کو مالک رام نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ 1۔مشرکین 2۔یہود 3۔منافقین۔اس کے بعد ابتدائی اسلامی تعلیم کا نچوڑ پیش کیا ہے اور تین سرخی کے تحت اپنی بات کو لکھتے ہیں۔خدا ہی معبود ہے۔یتیم اور مسکین کی امداد اور آخرت اور یوم حساب برحق ہے۔اس کے بعد قریش کی مخالفت کے اسباب کو مذہبی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی کو سرخی میں تقسیم کیا ہے۔عرب میں سماجی نظام اتنا مضبوط تھا کہ ہر شخص کو قبیلہ سے جڑے رہنا پڑتا تھا قبیلے سے کٹ کر ان کی ذاتی زندگی کچھ بھی نہ تھی۔ قبیلے سے بغاوت کی شکل میں اس شخص کا خون حلال سمجھا جاتا تھا کیونکہ بطور فرد سماج میں رہنے کا تصور نہیں تھا۔اس لیے تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے قبیلے سے نکل جاتا یا نکال دیا جاتا تو سماج میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں وہ کوشش کرتا کہ کوئی قبیلہ اسے پناہ میں لے لے یا کسی قبیلہ سے دوستانہ تعلقات قائم کرکے ان کا ہوجاتا۔جب کے اسلامی تعلیم فرد کی شخصی زندگی کو ابھارا ہے اور اسے اپنے اعمال کا جواب دہ بنایا ہے۔مالک رام فرماتے ہیں:

''ان کا یہ نظریہ نہ صرف سماجی تھا بلکہ مذہبی بھی، کیونکہ وہ کسی حیات بعد الممات کے قائل ہی نہیں تھے۔قبیلے کی ہر حالت میں تائید کرنا اور سردار قبیلہ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کردینا، یہی ان کا دین تھا اور یہی ان کی دنیا۔جب کہ اسلامی تعلیم اس کے بالکل برعکس ہے۔اسلام ہر ایک فرد کی شخصی زندگی پر زور دیتا ہے اور اسے اپنے اعمال کے لیے ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔جب مکہ کے نوجوان اپنا آبائی مذہب چھوڑ چھوڑ کر مسلمان ہونا شروع ہوگیے تو گویا قبیلوں کی ان مضبوط دیواروں میں رخنے پیدا ہونے لگے۔دوسرے لفظوں میں ہر ایک قبیلے کی اتنی تلواریں اور اتنے شہسوار کم ہوگئے۔ان کے بڑے

بوڑھوں کو معلوم ہو گیا کہ آج سے یہ جوان قبیلے کی طرف سے تلوار نہیں اٹھائیں گے، نہ کسی دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر میدان میں نکلیں گے۔'' (5)

پھر مسلمانوں کی سختی کی سرخی لگا کر آپ ہجرت سے پہلے کے مشہور واقعات کو بڑی خوبصورتی سے سمیٹا ہے اور مشرکین مکہ نے کس طرح کے مظالم مسلمانوں پر ڈھائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا گیا اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مکہ میں رہتے ہوئے جب مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی جس کے کئی اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ ہجرت حبشہ میں جب کفار مکہ کو جب خالی ہاتھ حبشہ سے واپس آنا پڑا اس کے بعد مالک رام فرماتے ہیں:

> ''سفارت کی واپسی کے تھوڑے ہی دن بعد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ قریش جو اپنی تمام کوششوں کی ناکامی سے پہلے ہی پیچ و تاب کھا رہے تھے، وہ حضرت عمرؓ کے اسلام لے آنے سے بالکل ہی جھلا اٹھے۔ جو چند مسلمان مکہ میں رہ گیے تھے اب ان کا جینا محال ہو گیا۔ مزید فرماتے ہیں: یہ بار بار کی ناکامی قریش کے لیے باعث عبرت ہو سکتی تھی۔ اگر ان کی بصیرت اور بصارت برقرار ہوتی، تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ضرور اس تحریک کی پشت پر کوئی ایسی ہستی ہے جو ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ لیکن عبرت تو درکنار، ان متواتر ناکامیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ان کی آتش غضب بجھنے کے بجائے اور بھڑک اٹھی، انہوں نے فیصلہ کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ اب فتنہ (نا اعوذ باللہ) کی جڑ کاٹ دی جائے۔'' (6)

مالک رام نے مزید شعب ابی طالب، سفر طائف، ہجرت مدینہ اور فتح مکہ کے تمام اہم واقعات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مخالفت کے دوسرے گروہ (یہود) پر گفتگو کی ہے اور یہود آپ پر ایمان کیوں نہیں لائے ان وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تکذیب انبیا کے اسباب بھی بتائے ہیں اور معاہدہ مدینہ پر گفتگو کرتے ہوئے مدینہ میں یہود قبیلے کون کون تھے اور ان

کی مخالفت کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ یہود مدینہ کے عربوں سے علم وفضل، مال ودولت، نظم ونسق، تنظیم وقوت۔غرض ہر پہلو سے بڑھے ہوئے تھے۔وہ مدینہ کے دونوں بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔اور اس طرح روایتی ''پھوٹ ڈالواور حکومت کرو'' کے اصول کے مطابق وہاں کے گویا حکمران تھے۔ عرب لوگ ضرورت کے وقت انہیں سے قرض بھی لیتے اور اس طرح بھی یہود کا ہاتھ اونچا رہتا۔۔۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھا کر انہیں بھی اپنے مقاصد وعزائم کی کامیابی کے لیے استعمال کرنے کا تہیہ کرلیا اور اسی لیے وہ فوراً آنحضرت کے ساتھ مل گئے۔لیکن جلد ہی انہیں معلوم ہوگیا کہ انہوں نے اپنی بساط سے زیادہ بڑی ذمہ داری اٹھالی ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آلہ کار بننے کو تیار ہیں، نہ عام مسلمان ہی بھاڑے کے ٹٹو ہیں۔یہیں سے ان کی مخالفت شروع ہوئی۔''(7)

اس کے بعد آپ نے بنوقینقاع، بنونظیر اور بنوقریظہ کو مدینے سے کیوں باہر نکالا گیا اور ان لوگوں کی بدعہدی پر روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد منافقین بالخصوص عبداللہ بن ابی اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا ہے۔منافقوں کے متعلق مالک رام فرماتے ہیں:

''یہ لوگ آستین کے سانپ تھے کیوں کہ وہ بظاہر مسلمان تھے، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے، ان کے مشوروں میں شریک ہوتے اور اس طرح ان کے تمام رازوں سے واقف رہتے۔لیکن جب بھی چاہتے ڈنک مارنے سے دریغ نہ کرتے۔آپ کو ان کی کارگزاریوں کا پورا علم تھا۔لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔اور جیسا کہ وعدہ فرمایا تھا، ان کے سرغنے سے آخری دم تک نرمی کا سلوک کیا۔''(8)

پانچواں مضمون ''افصح العرب'' کے نام سے اس کتاب میں شامل ہے۔اس مضمون میں

آپ نے نبیوں کی صفات شمار کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کا تجزیہ کیا ہے اور آپؐ کی زبان اور فصاحت و بلاغت کا جائزہ لیا ہے۔ مالک رام نے آپؐ کے قول و فعل کو کو چار حصوں تقسیم کیا ہے۔ 1۔ قانونی دستاویزیں 2۔ تبلیغی خطوط 3۔ خطبے 4۔ روزمرہ کی باتیں۔ قانونی دستاویزوں سے بحث نہ کرتے ہوئے سیدھے تبلیغی خطوط پر گفتگو کی ہے۔ آپ نے کتاب میں کئی خطوط کا ذکر کیا ہے اور زبان و بیان کے متعلق مالک رام فرماتے ہیں:

''ہر جگہ جو زبان استعمال کی ہے، وہ ایسی فصیح اور ماقل ودل ہے کہ اس میں کسی کمی بیشی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ فصاحت کا معیار یہ ہے کہ کلام ایسا سلیس ہے کہ سامع کو اس میں سمجھنے میں دقت نہ ہو، نہ الفاظ مشکل اور نامانوس ہوں نہ ان کی ترکیب میں کسی طرح کی تعقید ہو۔ بلاغت کا درجہ اس سے اوپر ہے۔''(9)

اس کے بعد خطبوں کی زبان و بیان پر بحث کی ہے کیونکہ خط اور خطبے میں فرق ہوتا ہے خط فرد واحد کے لیے عام طور پر ہوتا ہے اور خطبہ مجمع کے سامنے دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد روزمرہ کی باتوں میں آپ نے چند احادیث پیش کی ہیں۔

سب سے آخری اور کتاب کا چھٹا مضمون ''عورت مذاہب عالم میں'' ہے اس مضمون میں مالک رام نے عورت کا درجہ ہندو دھرم میں کیا ہے، زبور و تورات کی تعلیمات کیا ہیں۔ اسلام عورت کے مقام میں کیا رہنمائی فرماتا ہے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد تعلیم نسواں، نکاح، محرمات، رسم نکاح، مہر، تعدد ازدواج، بیوی کے فرائض، زنا کی سزا اور اس سے بچنے کے طریقے، طلاق، خلع، عدت اور وراثت کا قانون ان سبھی عنوانات پر اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مالک رام نے اس کتاب میں بہت سادہ اور آسان زبان استعمال کی ہے۔ مشکل الفاظ سے گریز کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم سے تقریباً 140 حوالے درج کیے گیے ہیں، اسی طرح حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے اور سیرت کی معروف و مشہور کتاب ابن ہشام، زادالمعاد وغیرہ سے بھی حوالے لیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تورات، زبور اور ہندو دھرم کی کتابوں کا حوالہ درج

ہے۔کتاب میں کچھ جگہوں پر مالک رام کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔اس کتاب میں مالک رام نے اسلام اور اسلامی روایات کا دلکش انداز میں تصویر پیش کی ہے اور یہ کتاب اسلامیات کے میدان میں بنیادی واقفیت کی تکمیل کرتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ اسلامیات، مالک رام، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، 1984، ص21

2۔ ایضاً، ص21

3۔ ایضاً، ص31

4۔ ایضاً، ص52

5۔ ایضاً، ص62

6۔ ایضاً، ص74

7۔ ایضاً، ص90

8۔ ایضاً، ص114

9۔ ایضاً، ص119

☆☆☆

اسلامی تعلیمات: مسٹر اڈیار کی نظر میں

ڈاکٹر مفتی محمد شرف عالم
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، مانو، حیدرآباد)

مذاہب عالم کی تاریخ میں یہ موجود ہے کہ مذہبی کتابیں انسان کو خدا سے ملا دیتی ہیں، لیکن جب ہم اس کی تہ میں جاتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعوی کھوکھلا ہے، کیونکہ وہ عملی طور پر انسانوں کو بادشاہوں، جاگیرداروں اور پجاریوں کے آگے سرنگوں کر دیتی ہیں، اور عوام کے ہاتھوں کو زنجیروں سے جکڑنے اور ان کو مجبور محض بنا دینے کا کام بھی یہی کتابیں انجام دیتی ہیں۔(1)

اسی طرح حکمرانوں کو خدا کا اوتار اور نمائندہ قرار دیتی ہیں، بعض مذہبی کتابوں میں انسانوں کی مکمل آزادی کی بات کہی گئی ہے، لیکن وہ انسان کو انسانی غلامی کے طوق سے چھٹکارا دلانے میں ناکام رہی ہیں، دوسری طرف جب ہم اسلامی تعلیمات کو اپنی نگاہوں کے سامنے پاتے ہیں تو ان کے اندر یہ واضح اعلان ہمیں ملتا ہے کہ انسان کو انسان کی پرستش نہیں کرنی چاہئے، اس کی اطاعت خدا کی طرح نہیں بجالانا چاہئے، انسان کو دوسرے انسان کے آگے مدد کے لیے دست دراز نہیں کرنا چاہیے، قرآنی تعلیمات نے یہ اس قدر مضبوطی کے ساتھ بیان کیا کہ پرستش کا، بندگی کا، اطاعت کا، مدد طلب کئے جانے کا حق صرف ذات باری ہے۔ اس تعلیم کا عملی طور پر یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کا انسان پر ظلم وستم کیا مکانات کا انسداد ہو جاتا ہے اور اس طرح انسانی افکار اور اس کی ترقی کی چیزوں پر ہر قسم کے رکاوٹوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ انسان کو اس طرح آزادی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی زندگی سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اس کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کے نورانی ہالے

کے تحت گزرنے لگتی ہے۔

قرآن نے انسانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

مسٹر اڈیار قرآن کے سورہ حجرات کی 13 نمبر کی آیت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان تعلیمات نے انسان کو نوع انسانی کا ایک کنبہ قرار دیا اور ایک دوسرے کے پہچاننے کے لئے ہی قبیلہ، برادریاں اور خاندان میں تقسیم کیا، وہ مزید آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے پیدائش کی بنیاد پر اونچ نیچ، قبیلے کی بنیاد پر اونچ نیچ اور خاندان کی بنیاد پر اونچ نیچ کے سارے امتیازات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور یہ بتایا کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور ان سب کو مساویانہ حقوق اور مساویانہ زندگی گزارنے کا حق ہے۔ کوئی مسلمان اس تعلیم کی بنیاد پر اپنے آپ کو بے لگام اور سرکش نہ سمجھے، اس کی بنیاد پر قرآن خدا کا تقوی اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے "**إن أكرمكم عند الله أتقاكم** "اور اس میں یہ بتایا کہ ایک خدا سے ڈرو، دوسروں سے نہ ڈرو۔ ان تعلیمات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے خوف خداوندی سے دل کو بھر دیا اور صرف قوانین خداوندی کے آگے سرنگوں ہونے کا حوصلہ بخش دیا۔(2)

اسی طرح ظالموں، غیر منصفانہ قانونوں، استحصال کرنے والوں اور ہر قسم کی خرابیوں سے اپنے آپ کو آلودہ کرنے والوں کو قرآن نے اس طرح تربیت دے کر انسان کو ایک باوقار ہستی بنا دیا۔ جب ہم صحرا کی گودوں میں پلنے والے عربوں کو آپسی خانہ جنگیوں میں الجھے ہوئے دیکھتے ہیں، تو اس وقت کی دنیائے انسانیت کی تہذیب سے ان کو بہت دور پڑا پاتے ہیں، جب ان کو یہ عظیم کتاب قرآن کی شکل میں ملی تو اس بدسلیقہ و بدتہذیب قوم کو تہذیب وتمدن سے سنوار کر دنیا پر حکومت کرنے کی حکمت عطا کی اور انہیں بہادروں کا سرخیل بنا دیا۔(3) اسی طرح اس کتاب نے ان کو ہر حال میں عدل وانصاف کا دامن پکڑنے کا سلیقہ دیا، اگر وہ حق وانصاف کے دامن کو چھوڑنے ہیں تو انہیں آخرت کی دردناک عذاب سے ڈرایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلامی حکومت عدل وانصاف کے نمونوں سے مملو ہے اور ان سیتاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ اسلام نے انسان کو انسانی

معاشرے کو تشکیل دینے کے لئے تین اساسی اصول عطا کئے۔

☆ انسان کی آزادی

☆ انسانی مساوات

☆ اورحق وانصاف (4)

مسٹر اڈیار دوسری مذہبی کتابوں کی تعلیمات کو قرآن سے موازنہ کر کے یہ لکھتے ہیں کہ بہت سی مذہبی کتابیں انسان کی دنیوی زندگی کو پاپ کی زندگی کہتی ہیں، اس سے جلد دامن چھڑانے کو، اس کو تج دینے کی تلقین کرتی ہے۔اس کے بالمقابل وہ قرآن کریم کی تعلیم کو پیش کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ انسان خدا کی بہترین تخلیق ہے۔وہ زندگی میں انسانی فرائض کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں اعمال صالحہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں انجام دینے کی تاکید کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کے ذریعے تمہیں کامل زندگی حاصل ہوگی اور زندگی میں تمہارے حسن کو چار چاند لگادے گی۔(5)

انسانی زندگی کو احترام کی نگاہ سے دیکھنے والی کتاب صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔

پھر وہ دوسرے مذاہب کے سلسلے میں توحید کے انکار کو ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ وہ عیسائی مذہب کو تثلیث پرست قرار دیتے ہیں، چونکہ ان کے بنیادی عقائد میں باپ، بیٹا اور روح القدس کی تثلیث بنیادی عقائد میں سے ہے۔ان کے عقیدے میں یہ ہے کہ حضرت مسیح نے گناہگاروں کو نجات دلانے اور انسانی گناہوں کی سزا خود بھگتنے کے لئے سولی پر چڑھ کر جان دی اور تیسرے دن زندہ ہوکر باپ کے بائیں طرف مسند نشین ہوگئے۔تو حضرت عیسی علیہ السلام کے سلسلے میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور مرنے کے بعد زندہ ہوا ٹھے اور یہ عقیدہ تمام انسانی عیسائی دنیا پر چھایا ہوا تھا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ کی بعثت ہوئی، آپ نے ان دونوں عقیدوں کی تردید فرمایا۔ حضرت مسیح خدا کے بیٹے نہیں، خدا کے نبی تھے اور جہاں تک ان کے مصلوب ہونے کا معاملہ ہے تو انہیں گرفتار کرنے کے لئے جب ایک گروہ ان کے کمرے میں داخل ہوا تو انہی میں کا ایک شخص حضرت مسیح کا ہم شکل نظر آنے لگا تو اسی ہم شکل انسان کو صلیب پر چڑھادیا گیا۔مسٹر اڈیار سورہ نسا کی

157 ویں آیت سے استدلال کرتے ہیں، "**وماقتلوہ وماسلبوہ ولکن شبہ لھم**" حقیقت میں انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔

اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے نبی ہونے کے سلسلے میں مسٹر اڈیار بائبل کے بیان کو نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم، ابرہیم، اسحٰق، اسماعیل، یعقوب، یوسف، موسی، ہارون، داوود، سلیمان، یونس، الیاس اور زکریا وغیرہ نبی ہیں اور ان کے ساتھ حضرت عیسی علیہ السلام کا نام بھی نقل کرتے ہیں اور وہ اس سلسلے میں قرآنی استشہادات سے مدد لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسی ایک نبی تھے، ان میں الوہیت کا کوءشائبہ تک نہ تھا، اس طرح انہوں نے قرآن کی ایک بڑی بات کی طرف رہنمائی کیا کہ قرآن غلط باتوں کی تردید کرتا ہے اور اہم شخصیتیں کے احترام کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے، ان دونوں باتوں کو اسلام گڈمڈ نہیں کرتا۔(6)

مسٹر اڈیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ امی تھے، آپ کو اللہ کی مدد حاصل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سادگی کا عملی نمونہ ہے، جو بات انہوں نے کہی وہ کر کے دکھایا، آپ کی زندگی سچائی کا نمونہ ہے، آپ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کیا، اس ذیل میں مسٹر اڈیار ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب یہ کہ کر چلے گئے کہ آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے رہے ایک دن نہیں، دو دن نہیں، بلکہ تین دن جو صاحب آپ کو ٹھہرنے کا فرما کر رخصت ہوئے تھے ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں روک کر آیا ہوں۔ تیسرے دن انفاقیہ طور پر اس طرف سے ان کا گزر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ موجود پایا۔ شرمندگی سے دریافت کیا، کیا آپ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے نرمی سے کہا کہ آپ ہی نے تو مجھے یہاں ٹھہرے رہنے کو کہا تھا۔ مکہ کے لوگ آپ کی صفات عالیہ کی وجہ سے صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے۔(7)

مسٹر اڈیار بیان کرتے ہیں کہ:

''اسلام سے پہلے ہر سماج اور ہر سوسائٹی میں عورتوں کو گری نظر سے دیکھتا جاتا تھا اور اس پر

طرح طرح کے ستم ڈھائے جاتے تھے، ہندوستانی سماج میں شوہر کے فوت ہونے پر شوہر کی لاش کے ساتھ بیوی کو بھی زندہ جلنا ہوتا تھا، چین میں عورت کے پیر میں لوہے کے تنگ جوتے پہنائے جاتے تھے، عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، جب ہم تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں عورتوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے والے مصلحین قریبی دور میں ملتے ہیں، لیکن سب مصلحین سیصدیوں پہلے عرب کے بے آب وگیاہ وادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صنف نازک کے محسن کی حیثیت سے نظر آتے ہیں اوران پر مظالم ڈھائے جانے کا خاتمہ کردیتے ہیں۔عرب جو عورت کے حقوق سے نا آشنا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرد وعورت کے مساویانہ درجہ دینے، عورت کو جائیداد میں حصہ دینے اوران کے حقوق کی وضاحت میں اللہ کے فرامین کو بیان کیا۔اس پر مستزاد یہ کہ اللہ نے قرآن میں فرامین واحکام نازل فرمایا، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے جائیداد میں عورتوں کو بھی وارث قرار دیا۔دوسری طرف جب ہم تہذیب وتمدن کے دعوی کرنے والے کئی مملکت میں دیکھتے ہیں کہ عورت کو نہ جائیداد کا، نہ ووٹ دینے کا حق تھا۔انگلستان میں عورت کو ووٹ دینے کا حق 1928 میں پہلی بار ملا، ہندوستانی سماج میں عورت کو جائیداد کا حق گزشتہ دنوں میں حاصل ہوا، اس کے برخلاف اسلامی تعلیمات میں 1400 سال پہلے عورتوں کے حقوق دینے کے احکامات کو جاری کئے''۔(8)

آپ کی تعلیمات میں عورتوں کے حقوق پر کافی زور دیا، آپ نے تاکید فرمایا کہ لوگ اس فریضہ کو منصفانہ طریقے سے ادا کریں تاکہ عورتوں کے حقوق میں کمی نہ ہوجائے۔

آپ نے نصیحت فرمایا کہ عورتوں کو مارا پیٹا نہ جائے، عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کے سلسلے میں آپ کے کچھ ارشادات ہیں:

☆ اپنی بیوی کو مارنے والا اچھے اخلاق کا نہیں ہے۔

☆ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔

☆ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک سے پیش آنے کا حکم خدا دیتا ہے کیونکہ وہ تمہاری مائیں

،بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔

☆ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

☆ کوئی مسلماں اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی کوئی ایک بات بری ہے تو اس کی دوسری اچھی عادات کو دیکھ کر مرد کو خوش ہونا چاہیے۔

☆ اپنی بیوی کے ساتھ غلام جیسا برتاو نہ کرو، اس کو نہ مارو۔

☆ جب تم کھاتو اپنی بیوی کو بھی کھلا۔

☆ جب تم پہنو تو اپنی بیوی کو بھی پہنا۔

☆ بیوی کو طعنہ نہ دو، چہرے پر نہ مارو، اس کا دل نہ دکھا، اس کو چھوڑ کر نہ چلے جا۔

☆ بیوی اپنے شوہر کی جگہ تمام اختیارات کی مالک ہے۔

☆ اپنی بیویوں کے ساتھ جو اچھا برتا کریں گے، وہی تم سب میں بہتر ہے۔

☆ حقوق عطا کرنے کے بعد کو عورت کو بھی آزاد نہیں چھوڑا بلکہ بعض حدود کا پابند بنا دیا۔

☆ جب شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے، جب حکم دے تو اطاعت کرے، شوہر اگر دور ہو تو اس کی ملکیت اور اپنی عفت کی حفاظت کرے، ایسے ہی عورت معیاری بیوی سمجھی جاتی ہیں۔

☆ اچھے اخلاق کی بیوی دنیا میں جنت ہے۔

☆ جو پنچگانہ نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اپنی عفت کی حفاظت کرے، ایسی خاتون جس راہ سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

☆ دنیا کی ساری دولت سے زیادہ قیمتی شئے عفت مآب بیوی ہے۔

اس طرح آپ نے عورت کو حقوق بھی عطا کئے اور اس کے فرائض سے آگاہی عطا کیا ان حقوق کی وجہ سے مسٹر اڈیار اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔

مسٹر اڈیار قرآن کریم سے اور اس کی تعلیمات سے بہت متاثر نظر آتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں ساری کی ساری آیات اللہ کے طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

انسانوں کی اصلاح کے لیے انسانوں کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور ان کو نصیحت دینے کے لیے، تاریخی واقعات کی طرف اشارہ بھی کیا اور حکمت و دانش سے لبریز نصائح بھی عطا کیا وہ تمام خوبیاں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کی طرف سے کچھ بھی نہیں شامل کیا گیا ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور مواعظ و نصائح کو الگ سے مرتب کیا گیا ہے۔اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہے۔قرآن کی تعلیمات کو حاصل کرنے کا اختیار سب کو ہے۔

اس کے بالمقابل دوسرے مذاہب کی کتابیں کچھ مخصوص طبقات کے پڑھنے کے لئے ہیں۔مثلا برہمن، آچاریہ، وغیرہ ویدکے ایک معنی پوشیدہ رکھنے کے ہیں، جسے عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا، اس کے بالمقابل خدا کے سب الفاظ خدا کے سب بندوں کے لئے ہیں، بلا کسی تفریق کے سبھی خاص و عام اس کے پڑھنے، اس کے حفظ کرنے، ان کی ہدایات پر عمل کرنے میں شریک ہیں۔یہ خصوصیت صرف قرآن کی ہے۔اسی وجہ سے قرآن کے حافظ ہزاروں، اور لاکھوں کی تعداد میں ہر ملک اور ہر زمانے میں پائے گئے۔یہ خصوصیت صرف قرآن ہی کو حاصل ہے۔اسی طرح تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسان کو وید پڑھنے اور سننے پر سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا اور سزائیں بھی دی گئیں، اس کے بالمقابل قرآن کے کلمات خدا کی طرف سے ہیں، ان کا سننا ہر ایک کے لئے ضروری اور باعث برکت ہے۔

وید کی تشریح بیان کرنے والے آدمی شنکر کا ان کی ماں کی موت کے موقع پر سماج نے بائیکاٹ کیا۔دوسری طرف قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے والے حضرت علی کو باب علم کے لقب سے نوازا گیا۔اللہ کی کتاب اس کے بندوں کے لئے ہے۔انسانوں کو اسے پڑھنا چاہئے۔اس فریضے کی تعلیم تاکید کے ساتھ صرف اسلام ہی دیتا ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کی زبان عربی آج مراکش سے لے کر عراق تک بیس کروڑ انسانوں کی بول چال کی زبان ہے۔قرآن دنیا کے انسانوں کو بھی حیات کا پیغام دیتا ہے اور عربی زبان کو زندہ و جاوید بنانے کا بھی کام کرتا ہے۔

قرآن انسانی آزادی کا سب سے معاون فرمان ہے۔اس کے برخلاف عام مذاہب کی کتابیں حکمرانوں، جاگیرداروں اور طاقتوروں کے ہاتھوں کومضبوط کرتی ہیں اور کمزوری پر مظالم ڈھانے میں مدد کرتی ہیں۔لیکن قرآن کمزوروں کو سہارا دینے والی کتاب ہے اور دوسری طرف ظالموں پر گرفت سخت کرتی ہے۔

مندرجہ بالا اسلامی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مسٹر اڈیار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ دین جو زندگی کے تمام شعبوں میں بنی آدم کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، صرف اسلام ہے، اس کے ساتھ وہ اس پر بھی زور دیتے ہیں کہ اسلام نے انسان کے لئے جو بھی مقرر کیا اور پسند کیا وہ صرف نظری مباحث کی شکل میں ہی نہیں رہا، بلکہ پیغمبر اسلام نے ان تمام تعلیمات کو عملی طور پر خود اپنی حیات مبارکہ میں داخل کیا، بلکہ اپنے اصحاب اور آنے والی تمام انسانی نسلوں کو عملی طور پر ان کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیا۔یہی سبب ہے کہ جب ان تعلیمات پر انفرادی واجتماعی سطح پر عمل ہوا تو ایک بہترین معاشرہ وجود میں آیا اور جب ان سے جدائی اختیار کی گئی تو اس کے مضر اثرات بھی دنیا کے سامنے آئے۔

حوالہ جات:

1۔ اڈیار: اسلام جس سے مجھے عشق ہے، مترجم، ایم۔اے۔جمیل احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی 25، ستمبر 2013 ص33۔
2۔ مسٹر اڈیار، اسلام جس سے مجھے عشق ہے، ص34
3۔ حوالہ سابق، ص35
4۔ حوالہ سابق، ص 35
5۔ حوالہ سابق، ص 35
6۔ حوالہ سابق، ص19
7۔ حوالہ سابق، ص34
8۔ حوالہ سابق، ص57

☆☆☆

منشی نول کشور: تعارف وشخصیت

ڈاکٹر کمال اشرف
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تھیالوجی، عالیہ یونیورسٹی، کولکاتا)

منشی نول کشور کی پیدائش 3/جنوری 1836 عیسوی متھرا اتر پردیش اور وفات 19/فروری 1895 عیسوی دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام پنڈت جمونا پرشاد بھارگو تھا آپ کے والد محترم علی گڑھ کے زمیندار تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز مکتب میں عربی، فارسی، اور اردو سے کیا تھا، دس سال کی عمر میں ثانوی تعلیم کے لئے آگرہ کالج میں داخلہ لیا۔ پانچ سال تعلیم حاصل کی کسی انسان کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا نام اور علم ودانش لازم وملزوم سمجھے جائیں اور ایک کے ساتھ دوسرے کا خیال غیر ارادی طور پر آجائے، ایسا خیال جو مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کتابوں کے تصور میں تبدیل ہوکر دل ودماغ کو روشن کردے، اور ایک انبساط انگیز کیفیت کا احساس ہوجائے۔ ایسی ہستیاں شاذ ونادر ہوتی ہیں، اور صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ منشی نول کشور ایک ایسی ہی ہستی کا نام ہے، جس کا تعارف کرانا مقصود ہے۔ منشی نول کشور مشرقی علوم وفنون کے محافظ، اور اردو زبان وادب کے بڑے محسن تھے، انھوں نے اسلامی علوم وفنون کی جتنی خدمت کی اتنی انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے کوئی دوسرا نہ کرسکا۔ ان کا مطبع علمی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اور صحافت کا عروج ان کا رہین منت ہے، انھوں نے اردو زبان وادب کی آبرو بڑھائی اور اسکے خزانے میں اتنا اضافہ کیا کہ وہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں سے آنکھیں ملانے کے قابل ہوگئی۔(1)

منشی نول کشور مذہبا ہندو تھے، اپنے مذہبی عقائد واعمال میں پختہ تھے لیکن دوسرے مذاہب کی عزت کرتے تھے، بحیثیت انسان بہت بلند نظر اور مذہبی تعصب سے یکسر بے نیاز تھے۔ وہ

ہندوستان کی سب زبانوں سے محبت کرتے تھے۔انہیں خوبیوں کے پیش نظر سبھوں کی خدمت کی۔

مختصر زندگی اور عظیم کارنامے:

منشی نول کشور نے 1858 عیسوی کے اوائل میں مطبع قائم کیا،نومبر میں اودھ اخبار جاری کیا، اور 19/فروری 1895 عیسوی میں وفات پائی۔ان کو صرف چھتیس سال کام کرنے کا موقع ملا،اس مختصر مدت میں انہوں نے طباعت واشاعت کے ساتھ ساتھ دوسری متعلقہ صنعتوں کو اس وقت فروغ دیا جب صنعت وحرفت جمود وتعطل کا شکار تھی۔اور انہوں نے علم وفن کی جو مشعل روشن کی وہ آج بھی ہماری دینی،علمی،ادبی روحانی محفلوں اور اداروں کو روشن ومنور کررہی ہے۔

آپ مذہبا ہندو تھے اس کے باوجود کئی اہم اسلامی کتب،مثلا قرآن کی متعد دتفاسیر،احادیث کے مجموعے (سنن ابی داود،سنن ابن ماجہ، وغیرہ) فتاویٰ عالمگیری،مثنوی مولانا روم،قصائدعرفی،تاریخ طبری،تاریخ فرشتہ،داستان امیرحمزہ (46 جلدوں میں)،بوستاں،اور دیگر کئی اہم اور مستند کتابیں شائع کیں۔اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے فن صحافت،فن خطاطی اور دیگر علوم اسلامی اور تہذیب اسلامی کا معیار بلند کیا، وہ سچے محبّ علم وفن،اور علما دوست انسان تھے۔وہ ایک سچے محبّ وطن تھے اور ان کا اودھ اخبار ملک کے اتحاد اور سا لمیت کے حامی اور سماجی خدمات کا ترجمان تھا،انہوں نے قومی یکجہتی کے لئے بڑی تگ ودو کیں۔

سرسلیمان ندوی اپنے ایک صدارتی خطبے میں یوں گویا ہوئے:

''سب سے آخر میں لکھنو کے اس مطبع کا نام لیا جاتا ہے،جس کی زندگی اب اسی برس کے قریب پہنچ چکی ہے،اس سے میری مراد نولکشور کا مشہور نولکشور پریس ہے،یہ غدر کے بعد 1858ء میں قائم ہوا اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ مشرقی علوم وفنون کی جتنی ضخیم اور کثیر کتابیں اس مطبع نے شائع کیں،ان کا مقابلہ ہندوستان کیا مشرق کا کوئی مطبع نھیں کرسکتا۔ہماری زبان کی کثیر ادبی اور علمی کتابیں اسی مطبع سے چھپ کر نکلیں شعراء کے مثنویاں،قصائد،قصے،افسانے،داستانیں اور اس کی عام کتابیں سب اسی

کوششوں کی ممنون ہیں''۔(2)

اردو کے مشہور نقاد و مضمون نگار عزیز احمد ماہ نامہ آج کل میں تحریر فرماتے ہیں:

''اٹھارہ سو ستاون کے ناکام بغاوت کے بعد اگر سر سید احمد خان اور نولکشور ہندوستان کے تمدنی ورثے اور ذہنی بیداری کی حفاظت نہ کرتے تو شاید ہندوستان آج ترقی کی دوڑ میں اس طرح جدید اقوام کے ساتھ شانے سے شانہ جوڑ کر نہ بڑھ سکتا۔ سر سید مغرب کے نقش قدم چلنے میں ہندوستان کی نجات سمجھتے تھے، اسی لئے علی گڑھ تحریک چلائی'' اگر نولکشور ان بیش بہا خزانوں کا کھوج لگا کر طباعت کے ذریعہ انہیں زندہ جاوید نہ نا بنا دیتے تو اٹھارہ سو ستاون کے بعد کی گڑ بڑی میں ان کی تباہی یقینی تھی، یہ ہماری تمدن کا زبردست نقصان ہوتا کہ جس کی تلافی ممکن نہ تھی''۔(3)

مطبع کے شعبہ جات و تصنیف و تالیف اور تصحیح کتب:

1857ء میں انگریز اقتدار کے خلاف تحریک اُزادی شروع ہوئی۔ اس سے قبل 1856ء میں اودھ کے بادشاہ واجد علی شاہ کو انگریزوں نے حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ اس واقعہ کا عوام و خواص پر گہرا اثر پڑا تھا۔ اور سب کے دلوں میں اس غاصبانہ عمل کے خلاف انتقامی جذبات بھڑک اٹھیجس کے نتیجے میں ملک گیر تحریک اُزادی کا آغاز ہوا۔ لکھنو میں معرکۂ کارزار گرم ہوا تو لوگوں کی جان و مال غیر محفوظ ہو گئی، اکثر ہنر مند شہر چھوڑ کر جائے امن کی تلاش میں ادھر ادھر بکھر گئے، کچھ اپنے گھروں میں پناہ گزیں رہے، فنکاروں اور ہنر مندوں کو ایسے مصائب سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ فقر و فاقہ ان کا مقدر بن گیا، عرصہ تک موت و زیست کی کشمکش میں شب و روز گزرے۔ یہ سلسلہ کم و بیش 1858ء کے آغاز تک قائم رہا۔ اس کے بعد جب امن و امان قائم ہوا تو دوسرے فنکاروں کی طرح خطاط و خوشنویس بھی تلاش معاش کی فکر میں سرگرداں ہوئے۔ 1857ء کے ہنگامے میں لکھنو کے بیشتر مطابع برباد ہو چکے تھے، جو ان کی امیدوں کا سہارا تھے۔ ایسے پر اُشوب دور میں اچانک ایک شمع علم و ہنر روشن ہوئی جس کی روشنی میں نا امید اور مایوس فنکاروں نے اپنے مستقبل کو پر امید پایا۔ اور ان کی امیدوں کا مرکز تھا مطبع نولکشور، جس کا قیام

1858ء کے وسط میں عمل میں آیا۔اور ماہ نومبر 1858ء میں اس مطبع سے اودھ اخبار جاری ہوا۔(4)

اور روز نامہ سالار لکھتا ہے کہ انیسویں صدی میں لیتھو پریس کے عام ہونے کے ساتھ ہی دہلی، کلکتہ، بمبئی، پٹنہ، بنارس، آگرہ، بجنور، رام پور، میرٹھ، الہ آباد لکھنو، کانپور، بھوپال، امرتسر، لاہور جیسے اہم شہروں میں کتابوں کی اشاعت شروع ہوگئی تھی، لیکن قرآن کریم، عربی، فارسی، اردو ادب وعلوم وفنون کی کتابوں کی اشاعت کا باقاعدہ اور سب سے بڑا ادارہ منشی نولکشور نے لکھنو میں قائم کیا، منشی نولکشور کی ذہانت اور غیر معمولی تاجرانہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ علم وادب کی ترویج کے ذوق وشوق نے مطبع نولکشور کو نہ صرف برصغیر بلکہ افغانستان، ایران، ترکی، عالم عرب اور مغربی ممالک تک مشہور ومقبول بنا دیا۔آج بھی مطبع نولکشور کی مطبوعات کتابت وطباعت، اور صحت ودرستی کے معاملے میں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔(5)

مطبع نولکشور کا یہ نہایت اہم شعبہ وسرچشمہ علوم وفنون تھا، مشرقی علوم وفنون کے احیا اور ان کی ترویج واشاعت کے لئے اس شعبہ نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ نا قابل فراموش ہیں، اسے علم و ادب کی تاریخ میں خاص مقام حاصل ہے، اردو زبان وادب کی ترقی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے، اس نے ملک کی دوسری زبانوں کو بالواسطہ یا بلا واسطہ بہت فائدہ پہنچایا۔ یہ شعبہ منشی نولکشور کے عزم ہمت اور علمی خلوص کا آئینہ دار ہے، انہوں نے عربی، فارسی، اور سنسکرت کی نادر وکمیاب کتابوں کی طباعت و اشاعت کے ساتھ ساتھ، ان کی افادیت عام کرنے کے خیال سے ان کا اردو میں ترجمہ کرانے کا اہتمام کیا، کچھ کتابوں کا ہندی میں بھی ترجمہ کرائے۔اس کے علاوہ قدیم مخطوطات ومسودات گرانقدر معاوضہ دے کر حاصل کئے اور ان کی صحت کا انتظام کیا، اور ان کو پہلی بار شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔(6)

اسلامی علوم وفنون کی مستند کتابوں کے طباعت وتراجم:

عربی زبان وادب اور اسلامی علوم وفنون کی نصابی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور طباعت و اشاعت کا ذکر جہاں کہیں ہوتا ہے، وہاں ہمارا ذہن مطبع نولکشور کے عظیم کارناموں کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔اس مطبع نے عربی درسیات کی متداول کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے کوئی انجام نہ دے سکا۔ مطبع نولکشور کے اشاعتی کارناموں کی اہمیت کا

اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب اس عہد کے حالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جن میں اس مطبع کا قیام عمل میں آیا تھا، اس وقت نہ تو عہد حاضر جیسی برق رفتار مشینیں تھیں نہ طباعت واشاعت کے لئے وہ سامان اور وسائل تھے، جو آج موجود ہیں۔ اس صورت حال کے باوجود انہوں نے بڑی لگن اور انتہائی محنت سے کام شروع کیا۔ اور چند سال کے عرصہ مین عربی مدارس اور مکاتب کی تمام ضروری نصابی کتابیں شائع کردیں اور بہت کم قیمت پر ضرورت مند اساتذہ اور طلباء کو حاصل کرنے کا موقع ملا۔(7)

قرأن مجید کی طباعت کا خاص نظم:

قرأن مجید کے تقدس اور اس کی اہمیت سے منشی نولکشور بخوبی واقف تھے، انہوں نے اس کی طباعت کا اُغاز نہایت اہتمام واحترام سے کیا۔ انہوں سب سے پہلے قرأن مجید کی کتابت مشہور عالم اور خوش نویس مولوی ہادی علی اشک سے کرائی جو کتابت کے علاوہ اودہ اخبار کی ادارت پر بھی مامور تھے۔ ان کے لکھے ہوئے کئی قرأن مجید مطبع نولکشور نے شائع کئے، ان لے علاوہ کئی چھوٹے بڑے سائز کے قرأن مجید مشہور خوش نویس منشی اشرف علی نے لکھے۔ کاتبوں کو ہدایت تھی کہ کتابت باوضو ہوکر کریں، جس جگہ کاتب بیٹھتے وہاں بہت صاف ستھرا فرش بچھا رہتا تھا، اور دیکھ بھال کے لئے ملازم موجود رہتے تھے، کتابت کی صحت مستند عالموں اور حافظوں سے کرائی جاتی تھی، جن کی خدمات مستقل طور پر منشی نولکشور نے حاصل کرلی تھیں، ناظم کاکوروی نے لکھا ہے کہ:

> ''لکھنؤ میں جس قدر مشہور حافظ، عالم، مؤرخ، ادیب اور شاعر اس مطبع میں بیک وقت جمع ہوگئے تھے ہندوستان کے کسی بھی دوسرے مطبع کو نصیب نہ ہوئے''۔(8)

منشی نولکشور نے اپنی زندگی میں پندرہ سے کچھ زیادہ قسموں کے قرأن مختلف سائز پر شائع کئے، ان میں کچھ مترجم بھی تھے، اور ان کا ہدیہ بہت کم رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جیسے ہی ایڈیشن نکلتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا، اس طرح شہروں کے علاوہ دور دراز قصبوں اور گاوں میں غریب مسلمانون کے گھر گھر قرأن مجید پہنچ گیا۔ بچوں کی تعلیم میں اُسانی ہوگئی، اس مطبع کے مطبوعہ قرأن مجید ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ایران، اور چین، ترکستان کے علاقوں تک بکثرت جاتے تھے۔(9)

عربی زبان میں تفاسیر قرآن:

قرآن کے بعد تفسیر قرآن علوم اسلامی میں سرفہرست ہے، منشی نولکشور نے عربی زبان میں قرآن شریف کی مشہور تفاسیر شائع کرنے کا انتظام کیا، ان کے مسودے حاصل کئے، اور جو طبع ہو چکی تھیں، ان کے مطبوعہ نسخے حاصل کر کے طبع کرائے، ایسی چند تفاسیر کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔تفسیر جلالین شریف، 2۔تفسیر عراس البیان، 3۔تفسیر سراج المنیر، 4۔تفسیر سواطع الالہام (بینقط)، 5۔تفسیر اسرار الفاتحہ، 6۔تفسیر فتح الخبیر واصول التفسیر (شاہ ولی اللہ الدھلوی)، 7۔تبیان فی اعراب القرآن۔(10)

عربی زبان میں کتب احادیث:

اسلامی علوم میں قرآن شریف اور تفسیر قرآن کے بعد احادیث نبوی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، اسی لئے اسلامی مدارس کے اعلی درجہ کے نصاب میں احادیث پر خاص توجہ دی جاتی ہے، احادیث کی کتابوں میں صحاح ستہ بہت مشہور و معتبر مجموعے ہیں، ان کے علاوہ ان کتابوں کے انتخابات بکثرت ہیں، منشی نولکشور نے ایسی تمام مستند کتب احادیث کو طبع کرایا، اور اس کے بعد ان میں سے بعض کا اردو میں ترجمہ کرایا، مندرجہ ذیل کتب پر ایک نظر۔

1۔سنن ابن ماجہ مع حواشی، 2۔سنن ابی داود، 3۔قسطلانی شرح بخاری، دس جلدوں میں، 4۔مسلم شریف کامل دو جلد، 5۔اصول کافی، 6۔الفروع من الکافی، تین جلد کامل، 7۔جامع ترمذی، 8۔مشارق الانوار، 9۔تیسیر الاصول الی احادیث جامع الاصول، 10۔درر النظیم۔(11)

فقہ اسلامی اور مسلم پرسنل لا پر اہم کتابیں:

فقہ اسلامی اور مسلم پرسنل لا کی تمام مستند کتابیں عربی زبان میں ہیں ان کی اہمیت کے پیش نظر منشی نولکشور نے کوشش کی کہ ان کتابوں کے مسودے یا مطبوعہ نسخے حاصل کر کے شائع کریں جو

کتابیں مصر اور ترکی میں شائع ہو چکی تھیں، ان کے مطبوعہ کے نسخے منگوائے اور ان پر حواشی کا اضافہ کر کے شائع کیا چند کتب آپ کی نظر۔

1۔عینی کنز الدقائق، 2۔درمختار تنویر الابصار، 3۔شرح مختصر وقایہ (قاضی ابوالمکارم)، 4۔بر جندی شرح مختصر وقایہ (عبدالعلی برجندی)، 5۔جامع الرموز شرح مختصر وقایہ (صدر الشریعت عبیداللہ بن مسعود)، 6۔ذخیرۃ العقبیٰ، حاشیہ شرح وقایہ (یوسف بن جنید چلپی)، 7۔شرح وقایہ چلپی (صدر الشریعت)، 8۔شرح الیاس شرح مختصر وقایہ، 9۔شرح وقایہ خورد، 10۔ فتح القدیر شرح ہدایہ کامل، 11۔فتاوی عالمگیری چار جلد، 12۔فتاوی قاضی خان چار جلد، 13۔قدوری مع حواشی، 14۔کنز الدقائق خورد (عبداللہ بن احمد النسفی)، 15۔کنز الدقائق کلاں (ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی)، 16۔ مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق، 17۔مختصر الوقایہ (عبیداللہ بن مسعود)، 18۔مقدمہ ہدایہ، 19۔منیۃ المصلی (مع ترجمہ فارسی)، 20۔مختصر وقایہ (عربی مع ترجمہ فارسی)، 21۔ہدایہ مع حواشی، (مولانا حسن ومولوی میر علی) دو جلد، 22۔ ہدایہ مع کفایہ (سید جلال الدین خوارزمی) کامل چار جلد، 23۔الاشباہ والنظائر مع شرح حموی، اصول فقہ، 24۔اصول الشاشی، 25۔توضیح وتلویح۔(12)

ہندو مذہبی کتب کا اردو میں ترجمہ:

شعبہ تصنیف وترجمہ نے جس طرح عربی فارسی کی مذہبی کتابوں کے اردو میں ترجمہ کرائے اسی طرح سنسکرت کی مستند مذہبی کتابوں کو اردو میں منتقل کرایا، تاکہ اہل ہنود اپنے مذہبی علوم سے بخوبی استفادہ کر سکیں۔اس زمانہ میں بیشتر ہندو اردو، فارسی سے واقف تھے، ہندی کا چلن عام نہ ہوا تھا، منشی نولکشور نے ایسے ماہر مترجوں کی خدمات حاصل کیں جو سنسکرت کے ساتھ اردو زبان پر بھی مہارت رکھتے تھے۔چند مشہور کتابو کے ترجموں کی فہرست دی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

1۔منواسمرتی، لالہ سوامی دیال، 2۔ماکنڈے پران، پنڈت رگھوراج، 3۔بھاگوت گیتا، منشی شیام سندر، 4۔برتارک، لالہ سوامی دیال، 5۔دیوی بھاگوت کامل، پنڈت پیارے لال، 6۔مہا

بھارت منظوم، لالہ جے گوپال، 7۔بھگت مال، منشی تلسی رام، 8۔مہابھارت اردو نثر، منشی تلسی رام، 9۔سورساگر، منشی نتھولال، 10۔شیو پران منظوم، منشی شنکر دیال فرحت، 10۔ماہ من استوتر، لالہ سوامی دیال، 11۔بیدا سنت، لالہ بلدیو داس، 12۔شری مد بھاگوت گیتا منظوم، پنڈت پربھو دیال، 13۔مہا بھارت منظوم، طا رام شایاں، 14۔رامائن بہار خلاصہ منظوم، بانکے بہاری لال بہار، 15۔رامائن بال میکی، کامل، پرمیشور دیال، 16۔رامائن خوشتر منظوم، خوشتر لکھنوی، 17۔شری مد بھاگوت نثر، منشی رگھبیر دیال، 18۔ترجمہ یوگ واششٹ، لالہ سوامی دیال۔(13)

دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ محمڈن کالج اور منشی نولکشور کی فراخ دلی:

منشی نولکشور نے ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ کو نظر انداز نہیں کیا، جو دارالعلوم کے نام سے 1866ء میں قائم ہوئی تھی، جس کے روح رواں مولانا قاسم نانوتوی تھے، دارالعلوم کے نصاب میں عربی کتابیں شامل تھیں، ان میں سے اکثر دستیاب نہیں ہوتی تھیں، کیوں کہ طباعت واشاعت کا کام ابھی ملک میں ابتدائی منزلوں میں تھا۔ منشی نولکشور نے مدارس اور اہل علم کی ضرورت کا احساس کر کے، ایسی کتابوں کی طباعت شروع کر دی تھی، متعدد کتابیں شائع ہو چکی تھیں، دارالعلوم کی طرف سے طلباء کے لئے فراہمی کتب کی اپیل شائع کی گئی۔ بعض مطابع اور کچھ لوگوں نے بطور ہدیہ کتابیں دے دیں، جب دارالعلوم کی اپیل منشی نولکشور کی نظر سے گزری تو انہوں نے اپنی تمام مطبوعہ عربی کتابیں بلا قیمت بطور تحفہ پیش کر دیں، جس کے لئے دارالعلوم کی مجلس شوری نے منشی موصوف کا شکریہ ادا کیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی سوانح حیات کیا خوب لکھا ہے:

> ''گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ مدت تک دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ طلباء، اپنی دینی وعلمی ضرورتوں کو اسی ایک غیر مسلم کے کتابی عطیہ کی مدد سے پوری کرتے رہے، قرأن سمجھتے رہے، حدیثوں کے لغوی مشکلات حل کرتے رہے''۔(14)

منشی نولکشور کے تعلقات سرسید احمد خان سے بہت اچھے تھے، علی گڑھ محمڈن کالج کے قیام و استحکام سے ان کو اتفاق تھا، تہذیب الاخلاق میں سرسید نے اودھ اخبار اور منشی نولکشور کا ذکر کیا ہے، منشی نولکشور سے ان کے روابط سیاسی معاملات میں بہت گہرے تھے، جو بہت عرصہ تک قائم رہے، اور سیاسی اختلافات رونما ہونے پر کچھ عرصہ کشیدگی بھی رہی، تاہم دونوں ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے، سرسید کے کئی اچھے مضامین اودھ اخبار میں شوئع ہوئے، علی گڑھ محمڈن کالج کی ترقی سے بھی نولکشور کو دلچسپی تھی، انہوں نے دس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم کالج کو عطیہ دی۔ اور مطبع کی بیشتر مطبوعات کالج کے کتب خانے کو دیں، اودھ اخبار بھی بلا قیمت جاری کیا، اودھ اخبار کے ممتاز ایڈیٹر غلام محمد خان تپش کو سرسید بہت پسند کرتے تھے ان سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی تھا، اودھ اخبار جب دو روزہ ہوا تو سرسید بہت خوش ہوئے اور انہوں نے تہذیب الاخلاق میں اس اقدام پر اظہار خوشی کیا، اور منشی نولکشور کی عالی ہمتی کی تعریف کی۔(15)

مخطوطات و مسودات کی تلاش و حفاظت:

منشی نولکشور چاہتے تھے کہ علوم و فنون کے بیش بہا ذخیروں اور قدیم تہذیبی یادگاروں کو زندہ رکھا جائے، 1857ء کے ہنگاموں میں سرکاری و نجی کتب خانوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس کو انہوں نے خود دیکھا تھا، وہ انتزاع سلطنت اودھ اور شاہی خاندانوں کے مصائب سے بہت متاثر تھے، جب مطبع کا کاروبار شروع کیا تو ان کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مختلف ذرائع سے نادر و کمیاب مخطوطاط تلاش کر کے ان کی اشاعت کا انتظام کریں، خاص طور پر ان مذہبی اور تاریخی غیر مطبوعہ کتابوں پر زیادہ توجہ کی۔ جن کی اس زمانہ میں ضرورت تھی۔ منشی جی نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے قدیم مخطوطات اور مسودات حاصل کرنے کے لئے جد و جہد شروع کی اس سلسلہ میں ان کو شاہان اودھ کے پسماندگان اور بعض علماء کرام کے ذریعے بہت سے مسودات ملے جن کو انہوں نے خرید لیا، اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف مقامات جہاں کسی اہم مخطوطے کا پتہ چلا اس کے حصول کے لئے اپنا کوئی نمائندہ بھیج کر اس کو خرید لیا۔(16)

منشی نولکشور کی اس جد و جہد کی بدولت نادر و نایاب مسودے ضائع ہونے سے محفوظ رہے، اور

طبع ہوکر اہل ذوق اور تشنگان علوم کو اُسانی سے دستیاب ہوئے۔منشی نولکشور کے فراہم کئے ہوئے بیشتر مخطوطات ان کی زندگی میں شائع ہو گئے تھے،اور کچھ ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ان میں سے بعض طباعت واشاعت سے محروم رہے،اور مطبع کے محافظ خانہ کی زینت بن گئے۔(17)

فن خطاطی کا آغاز وارتقاء:

ہندوستان میں فن طباعت کا آغاز یورپی ممالک کے صنعت کاروں کی بدولت ہوا،1550ء میں پہلا پریس پرتگالیوں نے جنوبی ہندوستان میں قائم کیا تھا،اس کے بعد سری رام پور کی عیسائی مشینریوں نے کئی مقامات پر پریس قائم کئے،اور اپنی تبلیغی کتابیں ہندوستان کی کئی زبانوں میں شائع کیں،ان میں اردو زبان کی چند کتابیں بھی تھیں۔اردو،فارسی کتابوں کی باقاعدہ طباعت کا کام اس وقت شروع ہوا۔

جب1779ء کو کلکتہ میں پہلی بار پریس قائم ہوا۔1801ء میں ہندوستانی پریس کا قیام عمل میں آیا اور اسی وقت فورٹ ولیم کالج کلکتہ قائم ہوا۔جہاں اردو،فارسی کی کتابوں کو خاص اہتمام سے چھاپا گیا،لیکن یہ طباعت کا سارا کام اس وقت تک ٹائپ کے ذریعے ہوتا تھا،جس کے حروف مختلف دھاتوں سے ڈھالے جاتے تھے۔اور لکڑی سے بھی بنائے جاتے تھے،ٹائپ کے کچھ عرصہ بعد لیتھو طریقۂ طباعت رائج ہوا،جس کے لئے کتابت لازمی تھی۔اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول خط نستعلیق تھا۔(18)

ہندوستانی فن خطاطی مطبع نولکشور کی رہین منت:

1858ء میں مطبع نولکشور کا قیام عمل میں آیا،اس وقت منشی نولکشور کی عمر23 تئیس سال تھی انہوں نے اُغاز شباب میں اخبار کوہ نور لاہور میں کام کیا تھا،جہاں صحافت کے علاوہ طباعت واشاعت کے فن میں بھی مہارت حاصل کی۔ان کو سب سے زیادہ فکر اپنا اخبار جاری کرنے کی تھی،ان کے دل میں ملک وقوم کی خدمت کا بے پناہ جزبہ تھا۔اسی کے ساتھ تجارت بھی مقصود تھی۔انہوں نے اپنا عملی سرگرمیوں کیلئے اودھ کی راجدھانی لکھنو کا انتخاب کیا،جو صدیوں سے علوم وفنون کا مرکز تھا۔لکھنو آنے کے بعد انہوں نے وسط شہر

کے محلّہ رکاب گنج میں ایک مکان کرایہ پر لیا۔ایک ہینڈ پریس خریدا، اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کی طباعت شروع کردی، زیادہ تر بچوں کے نصاب کی تھیں۔ابتداء میں دو تین کاتبوں سے کام لیا، اس کے بعد جیسے جیسے کام بڑھا، کارکنوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، ہینڈ پریسوں کی تعداد بھی بڑھی مختصر مدت میں اچھی خاصی ترقی ہوئی۔انگریزی حکام بھی ان پر مہربان تھے، سرکاری دفاتر سے طباعت کا کام ملنے لگا، جو سب اردو ہی میں ہوتا تھا۔اسی دوران منشی نولکشور نے عہد شاہی کے ان بزرگ خوشنویسوں کی خدمات حاصل کیں جو اپنی مہارت فن کے باعث مشہور ومقبول تھے۔اور نہایت تجربہ کار تھے۔ان کو پورے عزم واحترام سے سے مطبع میں جگہ دی، ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔اور ان کی راحت رسانی پر توجہ کی۔ان ماہر فن اساتذہ کی نگرانی نئے کاتبوں اور خوشنویسوں کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔تاکہ کتابت کا سلسلہ بڑھے اور مستقبل کے لئے اچھے لکھنے والے تیار ہوسکیں۔منشی نولکشور نے اپنے مطبع کی کشادہ عمارت میں باقاعدہ دار الکتابت قائم کردیا، اور اس میں کتابت کے تمام ضروری سامان مہیا کرنے کا انتظام کیا، کتابت کا مخصوص کاغذ (مسطر رنگین) تیار کرنے اور روشنائی بنانے کے لئے ماہر کاریگر موجود تھے۔اسی طرح دوسری چیزیں تیار کرنے اور باہر سے فراہم کرنے کا خاص انتظام تھا۔یہ سب دار الکتابت سے ملحق عمارت میں رکھا جاتا تھا، رفتہ رفتہ کتابت کا اتنا سامان تیار ہونے لگا کہ اپنی خوبیوں کے باعث ملک کے دوسرے مطابع کی فرمایشیں بھی پوری کی جاتی تھیں، اس صیغہ کا نگراں کوئی ماہر خوشنویس مقرر کیا جاتا تھا، منشی نولکشور کی زندگی میں اس منصب پر منشی نثار حسین، مولوی ہادی علی، مولوی محمد اسماعیل، مولوی حامد علی، منشی اشرف علی جیسے بلند پایہ فن کار فائز رہے، انہیں کے زیر سایہ نئے کاتبوں کی تربیت ہوئی، اور یہ سلسلہ بڑھتا رہا جس میں منشی شمس الدین اعجاز رقم، منشی ابن حسن میر حشمت علی جیسے ماہر خطاط وخوشنویس شامل ہیں۔

مطبع نولکشور کے دار الکتابت کے وابستہ کاتبوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، اور جو مطبع کے باہر اپنے گھروں میں کام کرتے تھے ان کی تعداد بھی بہت تھی، منشی نولکشور کی وفات (فروری 1895ء) کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا، ان کے تیسرے جانشین کے عہد 1950ء میں مطبع دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔(19)

زندگی اپنی حباب کی سی ہے:

جناب منشی نول کشور نے 19 رفروری 1895 عیسوی میں اچانک وفات پائی وہ تندرست تھے۔ وفات سے قبل بظاہر کسی مرض میں مبتلا نہیں تھے، فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے روح نے جسد خاکی کو الوداع کہا۔ اس وقت ان کی عمر انسٹھ (59) سال تھی، ان کا جسد خاکی کی آخری رسومات کے لئے ایک طویل اسپیشل ٹرین سے کان پور لے جایا گیا۔ آخری رسومات ان کے متبنی صاحبزادے پراگ نرائن کے ہاتھوں انجام پائیں۔

منشی نولکشور کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جب تک دنیا قائم رہے گی، اور اردو، ہندی، عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں کا چلن رہے گا، ان کا نام بھی زندہ رہیگا، انہوں نے اپنے مطبع سے جتنی کتابیں شائع کی ہیں، اپنے آپ میں ایک مثال بن کر دینی و دنیوی دونوں حلقوں میں اہمیت کی حامل ہیں۔ بقول مرزا غالب؛

> ''اس چھاپہ خانہ نے جس کسی کا بھی دیوان چھاپا ہے، اس کو زمیں سے آسمان پر پہنچا دیا ہے''۔(20)

حوالہ جات:

1۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 1، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
2۔ نقوش سلیمانی، ص: 77، طبع اول 1939ء
3۔ دہلی شمارہ، اُج کل، ماہ جون، 1945ء بحوالہ سوانح نولکشور
4۔ منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوشنویس، ص 65، سید امیر حسن نورانی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی
5۔ روزنامہ، سالار، 2016ء
6۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 38، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
7۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 39، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری
8۔ اردو کے ہندو ادیب، 184، ناظر کاکوروی،، حالات نولکشور، مطبوعہ، انوار بک ڈپو، لکھنؤ بحوالہ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 39، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

9۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 49، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

10۔ اردو کے ہندو ادیب، 184، ناظر کاکوروی،، حالات نولکشور، مطبوعہ، انوار بک ڈپو، لکھنؤ بحوالہ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 39، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

11۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 69، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

12۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 89، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

13۔ ان کے علاوہ اپنشدوں کا سنسکرت سے ہندی ترجمہ کرایا، ویدوں کو بھی ہندی اور اردو میں منتقل کرایا۔ کتھا ساگر کے ہندی ترجمے کے دیباچہ میں مترجم نے لکھا ہے کہ: ہندی زبان کے خیر خواہ بھار گو خاندان کے چشم و چراغ، منشی نولکشور نے عالموں کی زبانی اس کتھا ساگر نام کے گرنتھوں کی تعریف اور سبق اُموز کہانیوں کو سن کر اپنی مادری زبان ہندی کی شان دو بالا کرنے کے لئے ہم لوگوں کو منہ مانگا دھن دے کر انکا ترجمہ کرایا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل ہنود اور دوسرے مذاہب کے دانشور بھی ان کی خدمات کے معترف تھے۔ (سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 110، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری۔)

14۔ سوانح قاسمی، ج، 2، ص، 513

15۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 180، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

16۔ جیون چرتر، منشی نولکشور، مطبوعہ نولکشور پریس۔ اودھ ریویو، ماہ فروری، 1895ء، وتاریخ ادب اردو

17۔ سوانح منشی نول کشور، سید امیر حسن نورانی ص 17، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

18۔ منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوشنویس، ص، 55، 56 سید امیر حسن نورانی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

19۔ منشی نولکشور متوفی 1895ء کی وفات کے بعد ان کے متبنی بیٹے منشی پراگ نرائن جانشین ہوئے۔ یہ ان کے حقیقی بھتیجے تھے، ان کے عہد میں مطبع نے بہت ترقی کی، ان کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے منشی بشن نرائن مطبع کے وارث ہوئے، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور نوجوانی میں وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے تھے، منشی رام کمار اور منشی تیج کمار، ان دونوں میں بعض خود غرض اعزاء نے شدید اختلاف پیدا کر دئے جس کے نتیجے میں 1950ء میں مطبع دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور یہ تقسیم اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، دونوں حصوں کا وجود اب (1989ء) میں برائے نام رہ گیا ہے۔ (منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوشنویس، ص، 58 سید امیر حسن نورانی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی)

20۔ نیا دور، منشی نولکشور نمبر، نومبر، دسمبر ص 139، 1980ء

☆☆☆